



ڈاکٹر زاہر حسین لائبریری

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA
JAMIA NAGAR

NEW DELHI

Please examine the book before taking it out. You will be responsible for damages to the book discovered while returning it.

اداریہ اور اس کے اتحادی اتحادیوں کے

کی افواج کا اکیلے عراق کے خلاف

جنگ کرنا کوئی بہادری نہیں اور نہ ہی

قابل تحسین۔ بہادری تو اس مرد مجاہد

کی ہے جو اللہ اکبر کا نعروں سے لگاتے

ہوئے بے خطر کو دہڑا آتشِ نمرود میں

عشق کے بھدراق اٹھائیں ممالک کی

نہیں حرام کے ہوئے ہے۔

اداریہ



شمارہ

جلد ۵۲ شمارہ ۱

چیف ایڈیٹر
سرور تونسوی

جوائنٹ ایڈیٹر
مطہر محمد رائی

اشاعت کا
۵۲ واں سال

اس شمارے کی اہم جھلکیاں

امیر سوڈان نے امریکہ کو اپنی مخالفت کے لئے بلا کر شملانی
عالم کی توہین کی ہے۔ نیکل کہتے ہیں۔ سرور تونسوی
جو شعر میں شائے جا رہا ہوں اس پر اگر آئے داد نہ دی
تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ گل دھن، غلام خوش کے قلم سے۔
پہلے پوچھنا پھر تاپے شہروں کی ہواؤں سے
نہزادوں سال پہلے کا کسی نے بھی دیکھا ہے
(دیکھ کر)
پردہ بان سے بدنامی کا مظاہرہ ہو تو مجھے بڑا لگتا آج ہے۔
جیسے وہ شخص اپنے ہی چہرے میں جوش کھا رہا ہو۔
ادھر ادھر کی، رشید احمد صدیقی
کال گروں، شعر سنئے، اگر آپ کی گویا آجائے (ادار فی خندہ)
”سولن کا مشاعرہ“ (آنکھوں دیکھا کا فون سنا)۔ نصیر کی
آواز، (کہانی) حاجی سلطانہ۔
حزیر آستان، عروج زیدی، وجاہت علی سندھوی، یوسف
ثانی، سوہن آہمی کی غزلیں۔ بارگاہ رسالہ کتاب (شہر شمس
کا شہر کی گفت)
سرخ دیہہ حاشیے، باب امتقاد، من کہ مکتوب اہلیہ،
تحقیق کا لم بہ ستور

پرنٹر، پبلشر، برادرانہ: دوپا پرکاش سرور تونسوی
طباعت: خواجہ پریس اجانس سید علی۔ مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ
”خانہ ہندو فلیٹ ۹ انصاری مارکیٹ، گاندھی نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

ہندو پرست ہوں نہ مسلمان پرست ہوں
دامن پرست ہوں نہ گریباں پرست ہوں
ہر ذرہ وطن سے ہے قیاض مجھ کو پیار
یعنی ہندوستان پرست ہوں انسان پرست ہوں
قیاض گوالیاری

قاری شاہی ہندو کی

جشن چھوگریت
مکتبہ

قیمت فی شمارہ۔
قیمت سالانہ
لاگت عہری

برادریہ سمندری ڈاک
برادریہ جوانی ڈاک

غزل

ڈاکٹر حقیر آستانی مرحوم

میرے بعد میرا تذکرہ ہوا تو کس لئے
میرے بعد بھی یہ حادثہ ہوا تو کس لئے
میری ذات کا، مرے شعور کا، جنون کا
میرے بعد کوئی آئینہ ہوا تو کس لئے
عشق تھا مجھے کہ وہ فتور تھا دماغ کا
میرے بعد یہ معاہدہ ہوا تو کس لئے
میں خیال خام تھا، کہ مرکز حیات تھا
میرے بعد اس کا فیصلہ ہوا تو کس لئے
زندگی گزار دی حقیر خواب کی طرح
میرے بعد میرا تجزیہ ہوا تو کس لئے





خلیجی جنگ میں ہندوستانیوں کی عراق سے ہمدردی

کشمیری مسلمانوں کی قومی دھارے میں شمولیت کی
راہ ہموار کرنے میں معاون

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ہمارے ساتھ ایک ہی قومی دھارے میں مل جاتا ہے تو کشمیری مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ غمیدہ کی کی خطرناک راہ چھوڑ کر ہندوستان کی قومی سالمیت میں شامل ہو کر ایک ہی دھارے

مسلمانوں کو اس جنگ میں مسلمانوں کی اجتماعی اموات اور مالی نقصان سے جوڑ دینے کو تیار ہو جائے۔ اس کے نیچے میں امریکہ پر پریشر کرنے کے لئے جلائے جانے اور متروک زمینیں صاحب کی حمایت میں جو کس نکالے جانا ایک قدرتی امر تھا۔

کشمیری دہشت گردی کی جنگ کی وجوہات پورے ہیں، مگر ہندوستان کے پریشر کو جانتے بھانپتے ہوئے عراق کے پریشر پر غلبہ جابجا تمام زمینیں کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہندوستانی

اُس نے مسئلہ فلسطین جو تحت الشریکے میں
مَدَنوں سے دبا دیا گیا ہے، ایک ہی جنبش میں
اُسے بامِ شریک یا پرہیز دیا ہے۔

پرہیز دیا ہے اور وہ مسلم ممالک جو امریکہ کے زیرِ
سایہ اس جنگ میں شریک ہیں اُن کے لئے ایک
سوا یہ نشانِ اسلامی جھنڈے پر لگا دیا ہے کہ
مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن اسرائیل کو
امریکہ کے سایہ میں پناہ دینے والوں میں شامل
رہنا چاہتے ہو، یا محاذِ اسلام صدام حسین
کے عراقی پر جمع کے ساتھ اپنے آپ کو سکون کے پرچم
لے کر اسرائیل سے فلسطین کا مغرب کیب بٹوا
علاقہ واپس دلانا چاہتے ہو۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیشِ نظر اگر
ہندوستان کو مسلمان صدام حسین کی حمایت
اور امریکن پروپیگنڈا کی کش کی مدت میں غور و

حیران کی مخالفت کا کھلا ثبوت ہے۔
امریکہ اور اس کے اتحادی اتحادی
ممالک کی افواج کا ایسے عراق کے خلاف جنگ
کو ناکوئی بہادر می نہیں اور نہ ہی قابلِ کین۔
بہادری تو اس مردِ مجاہد کی ہے جو ایٹم بکیر کا
غورِ مستند لگاتے ہوئے کو ذرہ آتش غرور
میں عشق کے مصداقی اعطائیں ممالک کی جنبشیں
حرام کئے ہوئے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں
کہ اس جنگ میں عراق کو ہر طرح کے جانی مالی
نقصان سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، مگر اس لئے
مسئلہ فلسطین جو تحت الشریک میں مَدَنوں سے
دبا دیا گیا ہے، ایک ہی جنبش میں اُسے بامِ شریک یا

پرہیز دیا ہے اور وہ مسلم ممالک جو امریکہ کے زیرِ
سایہ اس جنگ میں شریک ہیں اُن کے لئے ایک
سوا یہ نشانِ اسلامی جھنڈے پر لگا دیا ہے کہ
مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن اسرائیل کو
امریکہ کے سایہ میں پناہ دینے والوں میں شامل
رہنا چاہتے ہو، یا محاذِ اسلام صدام حسین
کے عراقی پر جمع کے ساتھ اپنے آپ کو سکون کے پرچم
لے کر اسرائیل سے فلسطین کا مغرب کیب بٹوا
علاقہ واپس دلانا چاہتے ہو۔

امریکہ اور اس کے اتحادی اتحادی
ممالک کی افواج کا ایسے عراق کے خلاف جنگ
کو ناکوئی بہادر می نہیں اور نہ ہی قابلِ کین۔
بہادری تو اس مردِ مجاہد کی ہے جو ایٹم بکیر کا
غورِ مستند لگاتے ہوئے کو ذرہ آتش غرور
میں عشق کے مصداقی اعطائیں ممالک کی جنبشیں
حرام کئے ہوئے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں
کہ اس جنگ میں عراق کو ہر طرح کے جانی مالی
نقصان سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، مگر اس لئے
مسئلہ فلسطین جو تحت الشریک میں مَدَنوں سے
دبا دیا گیا ہے، ایک ہی جنبش میں اُسے بامِ شریک یا

پرہیز دیا ہے اور وہ مسلم ممالک جو امریکہ کے زیرِ
سایہ اس جنگ میں شریک ہیں اُن کے لئے ایک
سوا یہ نشانِ اسلامی جھنڈے پر لگا دیا ہے کہ
مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن اسرائیل کو
امریکہ کے سایہ میں پناہ دینے والوں میں شامل
رہنا چاہتے ہو، یا محاذِ اسلام صدام حسین
کے عراقی پر جمع کے ساتھ اپنے آپ کو سکون کے پرچم
لے کر اسرائیل سے فلسطین کا مغرب کیب بٹوا
علاقہ واپس دلانا چاہتے ہو۔



بیابا رادر
آرے بھائی

ہے تو کسی خطر ملک کو اس سے جو کیوں ہے جانیے
تو یہ تھا کہ ہندوستان کا غیر متعلق بلکہ قصص
مذہب و ملت اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ
ہم زبان ہو کر متحدہ حسین کی حمایت میں لڑیں
ہونا تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ میں حق بجانب ہوں تاکہ
ہمارے ملک کے غیر مسلم ہمارے ساتھ ہوں، تو ہم
کیوں نہ ان کے ساتھ جی کر ملکی سالمیت کے
دھارے میں شریک ہوں اور کیوں نہ بغیر کسی
مشکلات سے کہیں کہ وہ ہندوستان کے ساتھ
رہنے میں ہی اپنی حاضیت سمجھیں، اور اس
دھارے میں وہ ہیں شاہیں ہوں جس میں باقی
ہندوستان کے مسلمان شامل ہیں۔

ہمیں انٹوس سے کہنا پڑا ہے کہ غازی
آباد میں مسند احمدین کی حمایت میں نکالے گئے
جیلوں پر حملہ کیا گیا۔ محمد کے دے والے کوئے ہیں، یہ

کسی سے پوشیدہ نہیں۔

ہم دونوں دجوان سے چاہتے ہیں کہ ہندوستانی
خواہ وہ کسی میں مذہب و ملت کا پھر وہ حسین
کی حمایت میں امریکی صدر سے احتجاج کرے کہ وہ
عربوں کے خون کے بہانے میں فراعہ دنیا سے
کام نہ لے۔ جو حکومت جلد کے اس اقدام
کی قدر کرتے ہیں کہ اس نے عراق کی خطرات اپنی
اتوا ج نہ سمجھا کہ غیر جانبدار ہونے کا ثبوت دیا۔
مگر اس کا کیا علاج کہ امریکی ہوائی جہازوں کو
ذو دار جنگ بھیجی، تاکہ اگر وہ اس کے
ہوائی اڈوں سے ایندھن مہیا کیا گیا۔ یہ اقدام
امریکے سے پورے فرض لینے میں مہربان نہیں
ہے مگر ہماری دیگر نہ غیر جانبدار کی گواہی سے
جو دھمکا پیتا ہے اس کا اندازہ شاید ہماری
حکومت نہ لگا سکے۔ یہ بھی کوئی غیر متعلقہ غائب

تجربہ کہ ہمارے ہاں کے مذہب اور ملت، رہبر
یعنی ویزن اور غیر مسلم میڈیا نے مشرق وسطیٰ
کی جنگ میں کٹے الفاط میں امریکی لابی کو بھی
مقدمہ جانا۔

ہم جی۔ جے۔ پی کے اس موقف کی
یقیناً تردید کریں گے جو اس نے اپنے پیچھے لڑ
کے اجلاس میں یحییٰ جنگ کے خاتمہ کے لئے اختیار
کیا۔

ہماری یہ دلی خواہش ہے کہ ہندوستان
کا ہر شخص یحییٰ جنگ میں متحدہ حسین کی حمایت
کرے اور امریکی طریقے کا ہی مذمت۔ کیونکہ
مصدقہ حسین نے غیر مسلم معاہدہ ہونا نہیں کی، ہم
دسانی کا، ہندوستان کا ہمیشہ ساتھ دیا۔

کال گرل

سید مظفر حسین برنی کا انکشاف، ایک غیر ملکی تصنیف کی روشنی میں

حالی میں نئی کتابیں بریں آنہیں
سید مظفر حسین برنی کی تصنیف "طریقہ حق پرست" کی
کی رسم رونق دہانی کے موقع پر خاص دلچسپ باغی
کے کوئٹہ۔ کیونکہ اس کتاب میں غیر متعلقہ صاحب
نے اردو کے شہزاد حضرات، اردو کے شہزاد
ادبوں، نقادوں، اردو اکادمی کے ممبران،
اردو کی کتابوں پر اور ریاضت حضرات، اردو
کے مختلف موضوعات پر سینا دکر اسے دلوں اور
ان سینا دوں میں مفاد چھپنے والوں، اردو کے
مختلف موضوعات کو نظر رکھتے ہوئے تجزیہ
کئے والوں اور اس کے گنج پور مضامین، اردو
کے مجاہدوں، اردو اکادمیوں کی طرف سے
اردو تصانیف کے مستحقین کو اکادمی کی مالی
امداد سے شائبہ لگائے ایسے درجنوں مسائل پر
جس چھپتے ہوئے اور نظریہ احاد میں جو نہیں کی

ہیں، ان سے متعلق اس تقریب میں مباحثہ پڑھے
اور تقریب کوئے والوں میں مہمان خصوصی جناب
سید مظفر حسین برنی کی تقریب کو انتہائی مختصر
سن، مگر یہ اس کے فرمایا کہ اردو سے متعلق
سینا دوں میں ہی یہ بہت نہیں پائی جاتی کہ
غیر ترقی یافتہ ممالک جو ترقی یافتہ ممالک کے
بلکہ یہ ہماری جن الامور اسی سطح تک ہر زبان سے
متعلق سینا دوں میں پائی جاتی ہے۔ اگر کسی
جاپانی دانشور نے کسی چینی دانشور کو اپنے
جہاں کسی سینا د میں بلایا ہے تو یہ چینی دانشور
اپنے ہاں کسی متفقہ سینا د میں اپنے اس محسن
جاپانی دانشور کو بلاتا ہے، اور یہ سلسلہ اسے
طرح بدل رہا ہے، جاپان میں اس صورت پر ایک غیر
ملکی مصنف کی تصنیف شائع ہوئی ہے جس کا
نام ہے "کال گرل"۔ تو ہمارے اردو
دانشوروں کے منہ کھ کر رہے۔

"کال گرل" کتاب کا نام رکھنے والے
اس غیر ملکی مصنف کو اگر اردو کے فوہل پائے سے
نوازا جائے تو یہی کہ ہے، کیونکہ ان کے ہر دماغ
کے خود ساختہ "مجاہدین" نے خود نمائی اللہ جلجل
از سے متعلق جو طریقے اختیار کر کے ہیں، وہ
سنگروں اور وطن دشمنوں کے طریقہ ہائے کار
خلف نہیں ہیں۔

دوسری دباؤں سے متعلق تو ہر ذوقی
پر کہہ کے کہی کہ ابست نہیں کہتے محمد زبان اردو
کے مجاہدین نے جو لڑائی مجاہدوں کے ہاں نہیں تھا
حاجی بکریم تو "مجاہدین" کے قول پر کہ ہندو کو
جن منصوبہ بند طریقوں سے اپنا لڑائی دیکھ رہے
ہیں، یقیناً "کال گرل" کہہ لے جائے کہ حق
ہے۔

ہیں جہاں عقلی غلاب جذب بھی جاتی ہے اللہ
کسی کو اپنے سے کمتر کہنا غیر شہد بہ نئے کلمے
علامت ۔

آئندہ کے آئندہ وہ مشاعروں میں کلام
سنائے وقت سامعین کی اس طرح فوجوں کرنے
سے گزیر کر رہے۔

شعر سنئے ! اگر آپ کی سمجھ میں آجائے !

ہیں۔ اور تمام یہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ کتنا آواز
نے مشہور شاعر جناب فقیر بخشاں کے کلام کا جو
کس قدر بخوبی نے اعجاز میں اتار دیا ہے۔
منازا آواز اس سرزمین پر پیدا ہوئے

اڑھ کھاکا دھجی جاتی اور سابقہ
کلا پریش کا مشہور مشاعرہ شہریت ۱۳۲۰
جندی ۱۹۹۱ء کو لال قلعہ میں منعقد ہوا۔
اس مشاعرہ میں ایک شاعر منازا آواز شہر سے
کلام سنائے وقت سامعین مشاعرہ سے محال
ہوئے جو نے کہا کہ " شعر سنئے ، اگر آپ کی
سمجھ میں آجائے "۔

اس قسم کی عقلی وہ شاعر کیا کرتے ہیں
جنہیں احساس کمتری کا احساس بڑی طرح
سے ہوتا ہے اور وہ اپنے اس احساس کمتری
کو دبانے کی غرض سے اس قسم کی حرکتیں کرتے
ہیں اور بظاہر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے
ہیں کہ وہ بہت بڑے شاعر ہیں اور ان کے کلام
کو سمجھنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت
یہ ہوتی ہے کہ نہ وہ بڑے شاعر ہی ہوتے ہیں
اور نہ ہی ان کے کلام میں کوئی خاص بات ہوتی
ہے، بلکہ قطعاً سطحی اور کمشادہ جہ کا کلام ہوتا ہے۔
یہی یہ بات کہ " شعر سنئے، اگر آپ کی سمجھ میں آجائے "۔
والا معاملہ، تو ایسے شاعروں کو یہ علم بخوبی ہوتا
ہے کہ سامعین میں محض لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں
جو ایسے شاعر کو کیا اسکل سابقہ سات پشتموں
کو بھی برسوں دوس دے سکتے ہیں۔ مناد
آواز کو باغداد اس نے نہیں آواز ہا کر ان کی
کچھ غزلیں مشہور مشنیں بلکہ اوچاس نے کوئی

इन्द्रप्रस्थ भारती

हिन्दी अकादमी, की प्रेमात्मिक साहित्यिक पत्रिका

स्थापक :- डॉ० नारायणदास पालीवाल

यदि आप चाहते हैं कि बेहतर पढ़ने की मिले तो आपकी
इत जरूरत की

इन्द्रप्रस्थ भारती

हिन्दी अकादमी की साहित्यिक प्रेमात्मिक पत्रिका पुरा उरती है,
जो महज एक पत्रिका ही नहीं पूरी किताब है।

जिसमें अब हर में 6: तो ते की अधिक पुस्तकों की साहित्यिक
सामग्री उपलब्ध कराई जाती है.

जिसमें देश के विभिन्न लेखक हितकारी करेंगे।

यह पत्रिका समकालीन साहित्य के रचनात्मक मूल्यमय के साथ
विभिन्न भाषाई एवं साहित्यिक गतिविधियों को प्रस्तुत करती है।
हेट तो ते अधिक पुस्तकों की इत पत्रिका के एक अंक का मूल्य आठ रुपये
तथा वार्षिक तीन रुपये है। आपका सहयोग हमें बेहतर सेवा के लिए
और अधिक प्रोत्साहित करेगा।

वार्षिक मुल्य मनीआर्डर/बैंक ड्राफ्ट/पोस्टल आर्डर द्वारा

इत पते पर करें :-



तयि.

हिन्दी अकादमी, दिल्ली

ए-26/27, तन्हाइट इंडियन विनिम,

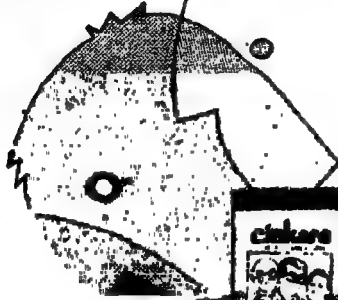
आत्म ज्ञी रोड, नई दिल्ली- 110002.

میں وہ ان کی یہ باتیں ہی سے ملے
چلاؤ فکر کا یہ جو نہ ملے
خدا جیوں نہ ملے

یہ باتیں، محسوس نہ کی ہوتی ہیں
یہ باتیں، محسوس نہ کی ہوتی ہیں

جستہ: ۱۱/۱۱/۱۱

فکر
مت کیجیے!



خوش
رہیے!

لاڑکی بنیادی دوا
وہابیوں اور بڑی بڑیوں کا تاج و تاج

ہر فرد کے لیے ہر موسم میں مفید!

سنگارا میں آپ کے کچھ کی حالت کے لیے تمام طبیعتی اور روحانی دواں سمیت کی بڑی بڑی طبیعتی شامل ہیں۔ سنگارا مکمل دیکھ کر آپ کو دلچسپی سے لگے گا۔ اس کے لیے اس کے لئے میں کو کچھ دیکھا اس کی حالت کوئی ہے۔

• کوئی اور دواں نہیں جانتے کہ اس کی حالت
• سنگارا کے کام دیکھ کر اس کی حالت
• اس کی حالت کوئی ہے۔ سنگارا مکمل دیکھ کر آپ کو دلچسپی سے لگے گا۔ اس کے لیے اس کے لئے میں کو کچھ دیکھا اس کی حالت کوئی ہے۔

• طالب علموں کے لیے نہایت اہم!

کلاس کی مصروفیت، ہر موسم میں، اس کی حالت کوئی ہے۔ سنگارا مکمل دیکھ کر آپ کو دلچسپی سے لگے گا۔ اس کے لیے اس کے لئے میں کو کچھ دیکھا اس کی حالت کوئی ہے۔

• غریبوں کے لیے ایک نعمت!

آپ کو کچھ دیکھا اس کی حالت کوئی ہے۔ سنگارا مکمل دیکھ کر آپ کو دلچسپی سے لگے گا۔ اس کے لیے اس کے لئے میں کو کچھ دیکھا اس کی حالت کوئی ہے۔

اب کوئی اور دوا یا دیکھا نہیں!

آپ کو کچھ دیکھا اس کی حالت کوئی ہے۔ سنگارا مکمل دیکھ کر آپ کو دلچسپی سے لگے گا۔ اس کے لیے اس کے لئے میں کو کچھ دیکھا اس کی حالت کوئی ہے۔

سنگارا
مشہور عالمی ٹیکہ — ہر موسم میں سب کے لیے

HTA 8712 UND

آپ کی
اور آپ کے کاروبار میں
ترقی کا ضامن
ہو



نصف صدی سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک اہم اور مفرد
حیثیت کا حامل
ہو

آپ کا اپنا بینک

مبئی مرکنٹائل کو آپریٹو بینک لمیٹڈ

(شید و لڈ بینک)

جو سماج کے ہر طبقہ کا سماجی اور مددگار ہے جہاں فارین ایکسچج سے متعلق سبھی
سہولیات دستیاب ہیں جہاں جمع کی گئی رقم پزیر و سربرہ کار و اداری بینکوں

ہے ایک فیصلہ زیادہ منافع ملتا ہے

ہمارے کھاتے دار ہی ہمارے لب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

عازمین جج کیے زیر مبادیہ کے خصوصی انتظامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین معیاری خدمات کا نمونہ ہیں

دھلی آفس
۳۶۵۵ نیشاپوری سہا ش مارگ
دربار کج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵

فارین آفس چیف ڈپارٹمنٹ
۳۶۵۵ نیشاپوری سہا ش مارگ
دربار کج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵
ٹیلیکس ۳۱-۵۵۸۶۳ ZAIN-40

مبئی آفس
زمین رنگون والا بلڈنگ
۷۸ کوہ علی روڈ
مبئی ۴۰۰۰۰۱ جہاں شرا



ایک تاپرید

ہمارے مرد، عورتیں اور بچے،
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی،
بودھ، جین، پارسی.....

مشرق سے، مغرب سے، شمالی سے، جنوب سے
ملک کے چاروں کونوں سے ہزاروں کی تعداد
میں یومِ جمہوریہ کی تقریبات میں حصہ لینے کیلئے
آئے ہیں۔
اس طرح وہ ایک بار پھر اپنا اور اپنا دکاندار
کرتے ہیں اور ذات بات، نسل و مذہب،
خطے اور زبان کی رکاوٹوں کو توڑنے کیلئے خود کو
وقف کر دیتے اور جہاں سے کر دہی عوام کی
فلاح و بہبود کے لئے کام کرتے ہوئے قوم کو
لوہے کی طرح مضبوط بنانے کا جہد کرتے ہیں۔

آئیے پریڈ کے جذبے کو برقرار
رکھیں اور ریل کر آگے بڑھیں۔

cap 90-750

کھلی فضا میں سانس لیجئے آلودگی کی روک تھام کرنے میں مدد کیجئے

آج دہائی میں 16 لاکھ سے بھی زیادہ موٹر گاڑیاں ہیں۔ سڑک پر موٹر گاڑیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ان موٹر گاڑیوں سے خارج ہونے والے دھنوں سے پیدا ہونے والی فضائی آلودگی کے خطرہ کا ڈھکے بکریا جائے۔
دلی انتظامیہ نے اس سفر پر پر قابو پانے کے لیے دسمبر 1987 میں کئی کارگزار اقدام کئے ہیں۔

— فرانسیس پورٹ محکمہ کے جانے پڑتال کے سات مرکزوں راج پور روڈ، تنگ مانگ، جنگ پوری، شیج سرگ، ہلائی نال روڈ،
لونی روڈ پر آلودگی کے جانے پڑتال مفت کرانے کی سہولتیں فراہم کی ہیں۔

— اس مقصد کے لیے تقریباً 100 دسٹ پوں اور پٹرول پمپوں پر بھی اختیار دریا گیا ہے جہاں صرف 10 روپے میں آلودگی
کی جانے پڑتال اور - 5/ روپے میں ٹیوننگ بیسی ٹی مولی مرست کا کام انجام دیا جاتا ہے۔

— اب تک تقریباً 10 لاکھ موٹر گاڑیوں کی آلودگی کی جانے پڑتال کی جا چکی ہے۔ آلودگی کی جانے پڑتال اور
مناسب ٹیوننگ کے بعد موٹر گاڑی فی لیٹر زیادہ دوری طے کرتی ہے جس سے پیسے کی اور بیش قیمت
تیل کی بچت ہوتی ہے۔

— موٹر گاڑیوں سے متعلق نئے قانون کی گنجائش کے تحت ڈیڑھ ہزار سے زیادہ موٹر گاڑیوں
پر جرمانہ کیا جا چکا ہے۔

اپنی موٹر گاڑی کی جانچ کرائیں اور

اس کے درست ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کریں

انفارمیشن اینڈ پبلیٹی ڈائریکٹوریٹ دلی انتظامیہ کی طرف سے عوام کے حق میں شہر





اٹھارہ سال بیشتر کا ایک یادگار مشاعرہ

سولن کا مشاعرہ

شباب ایشیائی

اشتیاق کی لہر دوڑ گئی ہے ادھر سب نے اپنی نظریں
کچھ کی جانب مڑ کر دی ہیں۔ چاند لکڑی کے مشاعرہ
شروع کرنے سے پہلے اپنے منظر پر کچھ نظر پڑیں۔ حاضرین
سے خطاب کرتے ہوئے لڑاکو آبپانی کر کے مہینے ایک
فرشتہ صیرت انسان تھے انہیں ایک کچھ اور اندر ادب
و شاعری سے بے حد محبت اور دل لگاتے۔ حب الوطنی کا
جذبہ ان میں کون کون کر بھرا ہوا تھا۔ ان کی زبان اور لہجہ
محبت کو تازہ کرنے کے لئے۔ شری کستہ پیر سوچ رہا تھا
تے آکا اس طرح مشاعرہ لکھا جائے گا انجام کیا ہے اس کے
لے وہ مددگار کے منتظر ہیں۔ یہ مسئلہ جیسا کہ ممکن ہیں
جاری رہتا جائیگا۔

صدر مشاعرہ مرحوم کرنل موہن کوڑا باغیچہ
پیش کر رہے ہیں۔ اور مجھے ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر یاد آ گیا ہے
ہزاروں سال درگس اپنی بے وفائی پر ہر وقت ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے جس میں وہ یہ حد پیدا
تو لیتے کہ جس سنگر عالم ملک ہے لکھنؤ کے لئے ہیں
اور چند کلمات مرحوم کرنل موہن کی یاد میں اور ایک

شہابی۔ افسر رضوی۔ ضیاء صدیقی۔ کلام پڑھنے کے لئے
بے تاب ہیں۔ اب علی صاحب لال چند راقی خیر محکمہ
محکمات کا چل چلا جو بہت اچھے شاعر بننا چاہتی تھیں مقدر
اور آرزو تھی تھی اور جان و نقص فراتے ہیں۔ دانش
پر تشریف لائے ہیں۔ ان کے ساتھ کاغذ کے پوہنار
نوجوان شاعر سافرا لہجہ کی بھی ہیں بخشی وعدہ پنا
لامر مشاعرہ ہے ہیں۔ اور کرنل موہن کی ذہن گرا کی کے
بارے میں اپنے تاثرات کا ذکر کر رہے ہیں کہ وہ بہندہ
سنگر سیدی تحریر پر مشاعرہ کے فاضل سرانجام دیا
رہے ہیں۔

انہوں نے حضرت چاند لکڑی کی اندر خوشی کا
اظہار کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اب یہ مسند پر مشاعرہ
کاغذ ہوتا ہے تا فیر کے لئے سامعین سے دعا کی تاک
لی ہے۔ سنگر صاحب نے چاند لکڑی سے درخواست کی
کہ وہ صدر مشاعرہ کے فرائض سرانجام دیں۔ چاند
صاحب نے اپنے مخصوص اختلاف میں آگے بڑھتے ہوئے
مسارعت کی مسند سنبھالی ہے۔ اب مشاعرہ میں ایک

یہ سولن کاغذ ڈوگرڈنڈ ہے سر پر ہنسی کی خوشگوار
شام اور رات کے دسمہا چاہتے ہیں۔ آج یہاں آبپانی
پدم شری کرنل موہن کی یادگار میں ایک نظم شان شاعر
مختار ہو رہا ہے۔ مشاعرہ گاہ سامعین اور اہل ذوق
سے کچھ کچھ بھرا ہوا ہے اور سچے خوب صورت سے ہر اس
کیا گیا ہے۔ اس کے سچے مرحوم کرنل موہن کی ایک
قدیم آدم عظیم تصویر آویزاں کی گئی ہے۔

پیش پر شعراء حضرات خوش گیسوں میں مصروف
ہیں ان میں سافرا ہوشیار پوری۔ جیون تاتہ آکا۔ نرت
جیادی۔ رام کرشنن مفسر۔ دتیم بریلوی۔ عزیز دانی
حاکم قنبروی۔ عرش مہیائی۔ شہاب ملت۔ جیو کوشن
اشک۔ لال سید حامدی۔ دلا گانی۔ راجی شہابی۔
امیر کا قلوبا ش۔ جیلہ ہاف۔ سافرا سنگر میں بہت حال
اور دوسرے شعراء چارہاں سے تشریف لائے ہیں پیش
پیش نظر رہے ہیں۔ شاعر کا جس سنگر قابل ملاحظہ
عرفانی کرشنن کمار فخر۔ کرشنن چندر شوقی۔ ارمان

فقد مرحوم داکٹر محمود : ان کی ایک نظم در وصف
 اولی سقے کے بارے میں پڑھ رہے ہیں۔ خود غل
 میں کچھ پکڑستانی نہیں دے رہے عرضی کی کتابوں
 غریب روئے گی جان دفاتر جہد
 اب میر شاد نے جناب ہائی سید ہادی کو دعوت
 سن دی ہے۔ جو مزاحیہ رنگ میں شاعری کرتے ہیں
 کے بارے میں یہ قلم بہت پسند ہے۔
 یہ کہتا تھا کہ انسان خدا کا چھلے
 دیوتا تھا یا کوئی بیعت لاف تھا پہلے
 تھا کہ نقد میں جو پیش کر رہا تھا نے
 دیکھ کر کہتا ہوں کہ انسان خدا کا چھلے
 میر شاد کی فراش پر ہاتھ صاحب اپنی مغرور نظم
 غوی کی ناک ہے اس میں شہید کی کھیلے
 پڑھ رہے ہیں جو بہت پسند کی جا رہی ہے۔ حق کہ بعد
 صاحب بیگانہ پر شریف نے آئی بسادہ اپنی فزاع
 شاعر پڑھ رہی ہیں۔ اب میر شاد کو کہہ پسند منگ بیگی
 سحر نے اعلان کیا ہے کہ وہ اپنی نظم پڑھیں گے۔ جو
 انہوں نے شعلہ کی جنگ پاکستان سے متاثر ہو کر
 قلم جو شعلہ آبادی کی نظم کے جواب میں لکھی ہے اس
 نظم نے اہل مشاعرہ کے دل میں لگا رہا ہے۔ ایک ایک
 جملہ لا جواب ہے اپنا کام پڑھنے اور خوب داد حاصل
 کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ کھانا کھانے
 جا رہے ہیں۔ اسی طرح تھوڑی دیر کے بعد صاحب
 رخصتی ایک سچے مسکری کی فراتس سراپا نام
 دیا ہے۔ پناہ ایک صاحب نے بار بار دہرائی جناب
 آزاد کوئی۔ اور مان شہبازی کو دعوت سن دی ہے جن
 کو سامعین نے دل کھول کر دلا دی ہے۔ یہ سچے صاحب سحر
 پالہ پوری۔ مرحوم کرلی موہن کے عزیز میں اپنی طویل
 نظم شاعر ہے ہیں اس کا ایک بند لفظ ہے۔
 نگہ حساس پر کیا برق کوئی تو نے
 کی جوں سال کیوں کسی شعلہ کے
 دل کا شاعر پر کیا جھٹ لگا تو نے
 اے اہل کوئی ضد حق جو چھل تو نے
 صوفی ادب کی دکان کے کل موہن کیج معنی میں
 ایک انسان کے کرلی موہن۔ صاحب اپنی تازہ
 دلی خرم میں پڑھ رہے ہیں۔ بس لکھنے کو خوب

داؤد کا ہے۔
 پھر ہر میں تیرا نقش امیر آیا ہے
 کج لا مجبور لا مجبور شام کو گھر آیا ہے
 اس کی لہر : میں کرتا پڑھ کر میں چل
 وہ جلد یا تیرے گاؤں سے گھر آیا ہے
 اب لڑکھڑکھ میں سہل شاعر مرش سہیل ایک
 پر تشریف لائے ہیں۔ جن کا نام سننے کی خواہش کرت
 اور سامعین پر ایک لکھے ہیں تحت اطفالین کام پڑھنے
 میں کمال رکھتے ہیں۔ وہ وہ کے خود کا یہ عالم ہے کہ
 ان کی منزل کے چند شعراء ہی میں سکا ہوں ملاحظہ فرمائیے
 دل میں ہیں جنہی قز وند کے سیکر کتنے
 ایک قطرے میں سائے ہیں منہ کتنے
 اپنی آنکھوں سے نگاہیں نہیں کھینچ کر
 حق پرستوں پر رکتے رہتے تھر کتنے
 جرمیں تھا کہ میں دست طب پھیلاتا
 سامنے میرے پھٹکے رہے سار کتنے
 عرض صاحب کے بعد جناب احسن رضوی کو
 دعوت سن لی ہے۔ ان کی منزل کا میں ایک ہی شاعر
 کہتا ہوں۔
 اس حلقہ ہنسی پرست سحر میں
 چھٹ جائے اگر تھوڑی آنکھ کی بدلی
 اب حلقہ ملی کرشن اشک نے آواز دی کہ وہ پنا
 کام شاعر ہے ہیں۔ سو سن خبر کیلئے انہوں نے ایک
 خوبصورت دنیا کی پیش کی ہے سنئے۔
 ان جلوں کا انجام لے کر آتا
 یہ پیر سے پہلے نام لے کر آتا
 اے دہرہ دیر گام جب تو کوئے
 اس شہر کی ایک شام لے کر آتا
 ایک صاحب کا پڑھنے کا انداز اپنا ہے۔ جو کہ
 شعرا کو حاصل ہو چکا ہے وہ وہ بانی پڑھ چکے تو جیسے
 مرحوم اختر شیدائی کی طویل نظم ایک شعر یا دو لکھا ہو
 انہوں نے سونے کے بعد مقام کے بارے میں بھی کئی
 لکھ دیے۔
 سون کی دادوں میں میں کب لانا ہے
 پھر ہر وہ لکھی وہ میں کہہ کون ہے
 ہر ایک کے شعور و صوفی حزن گو شاعریت سحر

بہشتیاد پوری جو پوری زمیں شریعت ہیں۔ اہل شاعر
 سے منسوب ہے ہیں۔ ان کی منزل کے چند شعراء قابل
 قدر ہیں۔
 کیوں کہا تھا وہ فاضل مجھے
 اب ہے اپنا ہی انتظار ہے
 سر جلدی میرے ضمیر میں ہے
 میں تیرا نقش ہوں ابھار مجھے
 اپنے جندوں سے نہیں پیار نہیں
 ایسی دنیا ہے کہ میں ہر جا ہے
 اس کے بعد ہادی ہادی کو مرش کر فرمے۔ دام مرش
 مقطر۔ عزیز وارثی۔ شہباز ملت راجی شہباز
 طلعت عرفانی نے اپنا اپنا کام رکھا کہ عارفین شاعر
 سے خوب داد حاصل کی ہے۔ رات کے دو بج گئے ہیں۔
 کہ وہ گھر کے کچلے گئے ہیں سگڑی دلی کے شہبازی
 لا صبر قابل ہے۔ اب قوی شاعر ہونا پڑنا پڑنا
 کو دعوت سن دی گئی ہے۔ دست قامت لکھو شادانی
 چہرہ پر جلال کا یہ عالم کہ وہاں نے انداز میں اپنا کام
 لکھتے ہیں۔ ان کو کمال حاصل ہے ان کی ایک منزل کے
 چند شعراء ملاحظہ ہوں۔
 آنکھ نہ دل سے نکلی نہ نکلے گی
 میری حسرت کے کی پھول کی خوشبو تو نہیں
 ہندوؤں کو شک ہے کہ مسلمان ہے اور نہ
 مسلمان کو شک ہے کہ ہندو تو نہیں
 اب جناب جیلہ بانا اپنی منزل تو کم میں پڑھ رہی ہیں
 چند شعراء قابل قدر ہیں۔
 ابھی تو ہے ایسی نگاہ شعراے ساقی
 کو زندگی جاگ لکھے سیکندہ سہل جائے
 وہ بچے آئے کہ پھر میں کی کوئی شام نہ رہے
 جو تیرا خوب ہے یہ خوب ہے پہلے بدل جائے
 جس کے بعد جناب دیر برتوی لکھ رہے آئے ہیں۔ ان کا
 قلم لا جواب ہے خوب داد حاصل کر رہے ہیں۔ چند شعراء
 سنئے۔
 عجب حد کاوش تیرے دکھا دیتا ہے
 کہ ہر کشتا پنا دکھا دیتا ہے
 جیسے قری طرہ بیٹے کا سلیقہ ہو
 اسی نگاہ پر پھر دکھا دیتا ہے

اب حضرت حکم فقیر کی وقت انصاف میں پناہ لایا مہم پیش
کر رہے ہیں ان کی ضرورت فکر و مشاغل جو ہم نے مسیحین
دلی کھلی کرنا دوسرے پر ہیں۔ ایک شعرلاحظہ ہو۔

میرے پیش ہو تو بندہ در مسلمان بنو

عبد حاضر کا قصہ شاہد کو انسان بنو

ان کے بعد خلیفہ مشہوری و یونین شاعر سرچشمہ شوق
کا باری آئی ہے ان کی عزل کے چند اشعار مین روں کو
لوب دلائی لاحتہ کیے۔

کبھی بھولتا ہے ہی ڈکھتا ہے بدن انسان کا

اور نیند کیسے اسکو کاٹتا ہے بے پناہی ہے

زندگی کے سارے تنہائی و لازم ہے۔ مگر

ہو مسلسل قیہ انسان کو کہا جاتی ہے

دلی کے چار سال شاعر میر کا قریب باقی عہد کر
میں اپنی عزل پر مدح کیے تو میر شاعر نے اعلان کیا کہ وہ
وہ شاعر آپ سے خطاب ہو رہے ہیں میں کو شاعری حلقہ

میں لے رہے۔ یہ میں جناب کیسے تاہم آزاد تنہائی و قی
شاعر مثنوی جو کہ چند عروم کے فرزند اور عبد کرم صاحب

نے وحدت چاہی کوئن کی حیثیت کا ساڑھے اسیٹھ عرف
لوش کی ادائیگی کر پائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ عروم کرم

موسین نے ان کے دائرہ اردو دیکھا ہے۔ آزاد صاحب
نے کلام نے اہل مشاعرہ کو جدید لایا ہے۔ ہر طرف سے

واہ واہ کی صدا سنائی دے رہی ہے تونہ کا ظہور
نظر میر کی پہچنے گا یا نا تیرے پر سے پر

تیرے پر پر مدد دلی کی گڑھی میں پائیں گی
ناہوں تیرے سے لے کا قیہ مین نہیں آتا

گنڈا جائے تیرا حقیقت میں کہا فی حق
ان کی ایک تازہ عزل کے چند اشعار بھی سنئے۔

اے دلی نادان نہ کر نکمہ آرائی بہت
بزم میں اپنی نظر کم ہیں تو شلی بہت

کہ نہ کچھ وقت شعر سے باقی ضرور
میں اس فن سے ہوتی ہے بروائی بہت

اب صدر مشاعرہ فرنگیوں کو چاہتے ہو کہ میر مشاعرہ
نے دھڑکنے دگنے ہے۔ چاند صاحب جہاں بھی جاتے ہیں
مشاعرہ کو کوٹ لیتے ہیں۔ میں جڑنا ہوتی ہے کہ تنہائی
مردنیات کے باوجود وہ اس قدر فیض دینے کا کھینچنے
کا وقت تک نکلتے ہیں گے۔ یہی تونہ سے عرض

میں انسان کو پر ان کا نام پھیل چا کہ چک رہا ہے کچھ
جناب چاندنی طویل طویل وقت غلط میں رہا وہ یہ ہیں
اور شعر حضرت و ساجد کبیک شعر پر ہے پناہ

اداد حاصل کر رہے ہیں ان کی مرتب عزل کے چند اشعار

نہیں بنی رہی روئی و دیوہاں کی بات
جب تک کہ نہ پڑے کلام و سیلا کا بات

بیکری نکلا اس نے بھی قدر کی طرح
اتنی کہاں جتنی تیرا دلی کا واس کی بات

تیرا کہ گنڈا گنڈا سا ہے لایاں کا دل
جب تک کہ نہ پڑے گیارہ آسمان کی بات

اگر ہے رہو خیال میں مانی سے عا دوا
غایہ رہے نرادی و دشمن کی بات

نظر حضرت اور مساحین کے اہل پر ان کو ایک تازہ
عزل پر لکھنے پر کرم و تیرے خیالات اور کچھ شمع

ان کا کی داد ہو کچھ۔

مقیم شوقی تعمیر تا دیکھا فی رہتا ہے
پس سے دلائی کے قریب محل میں

قراں کا پھول کی کہتار کھلا دیتا ہے
کے شعور کے کچھ ہوئے الا و لیا

یہ موسم پھلتا دیکھا فی دیتا ہے
ہب بات کے تین بنا کچھ ہیں۔ میر مشاعرہ نے

اپنی موسن کا لکھ یہ ادا کرتے ہوئے مشاعرہ کا پھول
کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور اپنی ذوق اور شعر

حضرت بیچ پر ایک دوسرے کو مبارکباد دینے کیلئے
پہنچے ہوئے ہیں۔ جناب چاند کوی کے اور گرد بہت

زیادہ خرگ لگ گیا ہے۔ میں و موسن مشاعرہ سنئے
نہا ہوں۔ میں اپنی شعر حضرت سے وحدت چاہیں گا

میں کلام بھرے ہا نہیں رہا یا فٹ نہیں کر سکا۔

حق پر یولز اینڈ ٹورز

حج عمرہ زیارت

میں الاقوامی، ملکی، ہوائی، بحری و دیگر سفری سہولیت کے لئے تشریف لائیں

۲۱۹۱- ایم۔ بی۔ اسٹریٹ، کوچہ چلیان

دلیا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)

فون: ۳۲۷۶-۷۷

ایس۔ ایم حق

سخن در سخن

خامہ جگوشن

درا دیکھئے اس شعر میں میں نے کیسی نازک بات کہی ہے اب نازک بات نہیں، نازک پیشہ ہے یہ پیشہ آپ کی خاموشی کے پتھر سے ڈرنا ہمارے گا، اس لئے دوسرے قزوم زدہ کیے دھواں ایک مرتبہ ہم نے ایک شاعر کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ بیت و سجع لطافہ میں، کیونکہ سالہا سال مشاعرے پڑھتے رہتے ہیں بشیر بدت بھی وسیع لطافتوں، لیکن ان کا شعر شاعروں تک محدود نہیں ہے، انہوں نے اردو کو بھی خوبصورت اور قزوم و جزل کا گھر بنا لیا ہے، ۱۹۴۷ء کے بعد ان کی منزل کے بندے میں میں نے ایک شعر غزل کی و جھلکی کتبہ شائع کی تھی ہے، جس میں کثرت سے ایسے شعر جمع کیے گئے ہیں، جو عربی و فارسی کی خاص کر ہے، ان میں زیادہ تر بدلتہ و بدیشہ ہر کے شعروں کی ہے اور کتبہ کے حجم کو بڑھانے کا سبب بن گیا ہے۔

بشیر بدت کی ایک کتاب ان بھی نہیں پسند

کا انداز ہے، بلاشبہ انہوں نے اپنے لئے ایک نئی راہ نکالی ہے، مشاعرے میں وہ اپنا آواز نکالے گا اور اس میں جوگاتے ہیں کہ سامعین ان کے ایسے شعروں پر بھی داد دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جو اگر کوئی دوسرا شاعر سنائے تو دلوں کی بجائے سنسنی کا سونق فسر دے، شعروں کے ساتھ ساتھ بغیر بدت کو ان کی نظر بھی دلوں میں ہے، ہر شعر سے پہلے وہ ایک اوجھل مزید اور شاد سنسرتے ہیں، جو کہ اس قسم کا ہوتا ہے۔

و شعر میں مشتائے جاہا ہوں، اس پر اگر آپ نے دلوں کی وسیع رادل کوٹ چلائے گا۔ میں کتنے دھڑکتے ہیں کہ آپ کے شعر میں کیا ہوا ہے، میں نے کہہ سارا کو آپ بشیر دلوں کے سایے سے مسرور نہیں رکھیں گے۔

میں اپنا کلام صرف سخن قبول کو مستان ہوں اور ان سے دلوں ہوں، آپ تمنا نہیں، اس لئے آپ کی داد میرے لئے سدا و جود رہتی ہے۔

اگر کوئی جانے میں پسندیدہ شاعروں کے نام پڑے تو ہم دلوں کے طرف سے یہ نیاز ہو کر تیرے نقاب اور بشیر بدت کے نام میں کے امیر و طالب کے نام و زمین کی قد و پوری کرتے کے لیے ہیں، ورنہ اصل پسندیدہ شاعر ایک ہی ہے امیر و طالب کے نام اس لئے میں دیکھ کر ہنسنے کو ایک مرتبہ کسی شعر و لہجہ دلائے بشیر بدت سے سرور و بھری، جو دوسرا سلطان پوری اور کئی اعلیٰ کے بارے میں ان کی دلائے پڑیں، انہوں نے سنسرتے یا کریم و امیر و طالب سے ہے، دیکھ کر سحر و عین ہیں اور میں انہیں اپنا عزیز سمجھتا ہوں۔

بشیر بدت کہ شاعری کی قرین میں جملوں کے ساتھ ساتھ ہو سکتے ہیں، جن کی سیاق کی بھی گناہ گار کے ہمارا اعلیٰ کی سیاق سے محفہ ہو سکتی ہے، لیکن ان کی شاعری سے زیادہ جو ہر بھی پسند ہے، وہ مشاعرہ میں کلام سناتے

ہے کہ وہ شعر میں تعلی سے کم کام لیتے ہیں، شعر میں خوب کھل کر دل کی باتیں بیان کرتے ہیں۔ جیسے ہمارے میں بجا طور پر لکھا کہ دے رہے ہے کہ وہ مولودہ و عہد کی ہے جس نے آنے والے دنوں کے گنگ بہت جلد شاعر ہیں، انہیں اپنے بچے کا نام آکر دے دیا ہے میں صاف صاف لکھا ہے کہ کچھ کی منزل میں مجھ سے زیادہ معقول اور خوب شاعر بقید حیات نہیں۔ جدو جہد میں کی وہ کروڑ آبادی پاکستان کے ادبی مرکز انجمن عربیہ میں اور شاعر طاکو گریز پاک اور لندن کے اردو حلقوں میں کتنے لوگ مجھے پسند کرتے ہیں، اس کا شکریہ ادا کرتا رہے، لیکن یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جو اردو اور ہندی لوگ سکتے ہیں، وہ میری منزل سے نہیں پاسکتا، یہ میرا احراج ہوگا، اگرچہ میرے کہوں کہ میرے سلیکشن ایس ایس ایس اور بی اے اور بی اے کے طور پر موجود رہتے ہیں کہ اگر صرف اپنے دے معلوم کر کے اور لڑکیاں مجھے پہچان سکتے ہیں۔

اس انتخاب کو میرے معلوم لکھ کے اور لوگ ان ہی نہیں عام لوگ بھی بخوبی پہچان میں گئے کہ بشیر بڑے خود پرستی کی آخری حدوں کو چھوڑ لیا ہے۔ گویا ہمارے اس سے مختلف ہے۔ بشیر بڑے خود پرستی کے مرض میں مبتلا نہیں ہیں، بلکہ خود شناسی کے درد پر فانی ہیں، بلا شکہ موجودہ زمانے میں ان سے زیادہ معقول اور خوب شاعر بقید حیات نہیں ہے روحانی رتبہ بقید حیات ہونا عقیدہ پرستش و دعاس پرست سے بالکل مختلف مطالبہ اور پہلو جس سے محض انہیں ہے، یہ بھی درست ہے کہ وہ شخص اردو یا ہندی بول سکتا ہے، وہ بشیر بڑے کی منزل سے نہیں پاسکتا، جو کہ اردو یا ہندی بول نہیں جانتے ہیں، اس لیے کہ ان کی سسٹم سے

بشیر بڑے کی قربت میں اتنا کم لگا ہے کہ شاعری کی طرز پر ان میں بھی وہ اپنے آپ کو بولنے لگے ہیں، اس صحت حال کے پیش نظر ان کی دیگر

ادبیت ہمارے دل پر نظر کشنے کی پابندی لگا دی ہے اور بشیر اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے کہ جو کہ گزشتہ بشیر بڑے کی تحسین یافتہ طور نہیں کریں گے، یہ تحسین ان کی دیگر صاحبہ انعام دی گئی۔ یہ کہ صاحبہ نے نہایت شاعرانہ طریقے سے اس کام کا اظہار کیا ہے، کچھ دھماکہ بھرا ہے اس امر پر میں شاعر و غرض کی حق۔ یہ کہ صاحبہ ساتھ نکلیں۔ انہوں نے اس سفر کی دلچسپ روداد لکھی ہے، جو دیکھ کے روتے میوں پر ہونے میں بالاقفا و شاعرانہ غرضی ہے۔ اس وقت اس سفر نامے کی ابتدائی دو سطریں ہمارے سامنے ہیں۔

یہ کہ صاحبہ نے سب سے پہلے اپنا تعارف ان الفاظ میں کر لیا ہے۔ "مگر ۲۰ سال، بالائی اور نئی بوسہ کی وجہ سے اندھ بھی مگن ہوئی۔ میں نے بی ایس سی کیا۔ اس کے بعد اردو فائنل میں مجھے ہار دیا۔ جو پال پونیر میں سے اردو میں ایم اے، فرسٹ کلاس، انڈیائی ایڈجی کر لیا۔ اب اردو کی میں پل اپنی ڈی گری میں اس کے بعد میرے کاؤنٹر حاصل کرنے کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ امریکی سفارت خانے میں بشیر بڑے سے پوچھا گیا کہ آپ کی شاعری کی بڑی کی عمر میں اعداد پر سس لافری کیوں ہے بشیر بڑے نے اس کا یہ خاصہ یہ جواب دیا۔ "اس میں میری غلطیاں ہیں۔ آپ یقیناً جانتے ہیں محبت اور شمس کا شاعر ہوں۔ میری شاعری سے اتنے بڑے تنگ ہیں، جو ہندو لوگ ان واقعی سنجیدگی سے حاضر ہو گئے، ان میں سب سے زیادہ گاہک ان کی ہے۔ و حیرت ہے کہ وہ کہہ لگے، باری میں بشیر بڑے کی شاعری سے صرف چھ لڑکیاں حاضر ہوئیں، غرض سے کیا فرق پڑتا ہے، بشیر بڑے کے مرثیہ مرزا غالب کی زندگی میں بھی ان کی محبوبیت کا دورہ زیادہ دہج نہیں تھا۔

یہ کہ صاحبہ نے بشیر بڑے کی شاعری اور شخصی عظمت کے جو واقعات بیان کئے ہیں، ان میں اس پر درست ہے کہ ان زمانے کے شاعر کے کام پر دست

شاعر بجا تھا، اس میں بشیر بڑے کا نام کم ہوا اور قلیل شغف ان کے ناموں سے پہلے لکھا گیا تھا، جتنا بہت بڑا اس زمانے۔ اس پر سسٹر کو محو کرنے کے لئے کسی عجیب گھبراہٹ لکھا دینا چاہیے، جاکر سندھ رہے اور ان کے زمانے میں اگر کوئی بشیر بڑے کو ان کی شاعری کی وجہ سے محبت میں نہ لگے، تو اس پر سسٹر کو بطور شہادت پیش کر کے اس کا کہہ ہند کر دینا چاہیے۔ بلکہ چسٹر کو اس کے شہر پر ہی چکا کر دینا چاہیے۔ بشیر بڑے کی عظمت و محبوبیت ان کی ایک خاصہ یہ کہ صاحبہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "دوسرے آزاد آئی، بلکہ صاحبہ لکھے ادا کیے ہیں، آپ کی شاعری کی بارہ سال سے حاضر ہیں یہ چلتی گھومتی ہیں پہلی دفعہ آپ کی گرفتار لیں۔ آپ نے شاعری میں اندھ بھری کر دی۔"

وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی عقلی و ادبی ایک خوبصورت ہوئی تھی، بعد میں معلوم ہوا وہ سب سے بشیر بڑے سے میرا اختلاف کرنا ممکن ہے لگے ہیں۔ مجھے شاعر کی نظم، رقیب، یاد آؤ۔

یہ کہ صاحبہ نے بشیر بڑے کی قربت کی وضاحت تک اپنے آپ کو کر دی نہیں، لکھا، بلکہ امریکی سفارت خانے میں امریکی کے جو دوسرے شاعر شریک تھے، ان کو روک کر لیا بھی تھا، انہیں کہتا ہے کہ ان کی عقلی و ادبی ایک خوبصورت ہوئی تھی، بعد میں معلوم ہوا وہ سب سے بشیر بڑے سے میرا اختلاف کرنا ممکن ہے لگے ہیں۔ مجھے شاعر کی نظم، رقیب، یاد آؤ۔

وہ بھول رہا ہے صاحبہ! باتوں کا بھولنا بڑا نقصان ہے
اس کے مشاعرہ میں کلمہ ماحول اور عقل و شعور
کے ساتھ ظاہر و باطن کا چمکا رہا ہے سکا
اسی طرح یہ صاحبہ نے سن روڑوں کا ذکر نہایت
مہمک و خیر انداز میں کیا ہے۔ غرض اقبال شغائی

کے ہاں میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ مرقی احوال میں وہ کچھ زیادہ ہی مقبول ہو گئے
تھے شعروں کے حوالے سے اقبال شغائی کے
مشعل بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو ناقابل
بین ہیں۔ مثلاً ایک موقع پر قاتل شغائی نے

یہ کلام صاحبہ نے کہہ کر ہمارے قلم زبانی کرنا ہوا
ہے جو پہلے ہی زبان ہوتے ہیں وہ قاتل شغائی
ہرگز ایسی بات نہیں کہہ سکتے یہ بات وہی کہہ سکتا
ہے جو پہلے کے لکھنے والے ایسی ہے، جیسا کہ پہلے
سے پہلے تھا۔



غزلیں دیکھ کر

آگ میں جل جائے گی یہ پتہ میں نہیں
وہ کچھ دیکھ کر آہ سی میں نہیں

مجھے بڑے بچے کا آدمی آواز دیتا ہے
نئے بچوں میں جیروں کی کھال کیسا ہے

یہ بہادر، سہو ماخوذ سے بڑا لاجوا ہے
موت تو میں سے ہے مگر نہ گناہ میں نہیں

خیاں کو کھیلنے جان کہ وہ تولد بنا ہے
مرے دل میں کوئی پاگل سا بچہ کون جیتا ہے

پنشن اور جاتیں جھگڑ کے گھوڑوں کی طرح
دھنسی میں ہیں تیرا درد و دھنسی میں نہیں

جو پہلے تھا، وہ اب بھی ہے، سہاویں تک والہ ہے
بڑے ادب کے کچھ بچہ تو وہ صوبہ کا ہے

چاند نائے اکائیاں، سب افسانوں کی حکام
خود سر و مغرور و نا آدمی میں میں نہیں

کتا میں ہی کتا میں ہیں سوالوں سے الجھتی ہیں
گھر میں کچھ نہیں آتا، یہی بچہ بڑے کے گھر کا ہے

ہرگز ہی آواز کی ہے گفتا بہت کچھ جنتی
قور دے گی ہر سادھی خاموشی میں میں نہیں

بہ نہ وہ کچھتا ہے تیرے تیروں کی ہواؤں سے
بڑا دل سال پہلے کا کسی نے نہیں دیکھا ہے

کہہ ہے ہر کلمہ، اندھیرے میں بھی کھانا
من میں ہر حال میں جھل دھنسی میں میں نہیں

قدم ڈرتے ہیں جیسے ہرگز ہی کاش کے دل پر
جب آگ میں ہمارے نہ تیرے صاحب نے یہ دیکھا ہے

کھاؤں کا مصمم سادہ دل نکھلا جائے محرم
ناجی بھرتی جگر کی نہ کی میں میں نہیں

بچوں کے ہاں کوئی نہیں لگا، ابھی کہ نہیں کہتے
بھٹیل کے سہلے میں کھروں کا بیٹا سادہ

میں کسی نہ تیرے کھوکھوں کے دس میں ہرگز اچھے گی
یہ سننے کی بجائے ان کی کام میں میں نہیں

ہاں آکر دیکھو وہ ذرا دم بھر کو سہلے
کچھ کام کرنے سے زیادہ بھر سہلے کہے

جوت اپنے دیکھ کی سیر ہے جو قافوں میں ہے
اپنے وہ کس کام کی چاندنی میں میں نہیں

نہاں کی گلی گلی سے سب کچھ کا ڈر ہے
بھری گلی میں سادہ بات والا دھوا کیسا ہے

ادھر ادھر کی

رشید احمد صدیقی

ہمیشہ جلتے ہیں۔

قریب میں جیسا کھانا، جی برتنوں اور
جس شکل میں پیش کیا جائے، اس سے بچنے کے
لئے شکرے نافہ دان میں گھر کا کھانا ہو۔
غیر اس یا غرضی میں صاف پانی ہو۔ ہو لڑال
ایسا ہو جیسو اسی سفر کے طریقے لگایا ہو۔ نہ
کہ بستر چرائی ادوان یا ٹیل گرہ دلاؤ اور
گلوے سے بندھا ہو۔ ساحلی مسافر ایسے نہ
ہوں جن کی بیویاں ہر کشتی پر گھر گھر آؤ
آجکے میں دو دو ادھر اپنے میں دیکھتے طریقے
کر خطیر کے لئے فراہم کرتی ہوں۔
اکثر دیکھتے ہیں آبا بے کو جہاں غولیت
خوش پوش اور خوش احوال بیویاں یہ سارے
کام انجام دینے پر آمادہ ہوتی ہیں۔ اتنا ہی
نہیں، بلکہ گری یا برسات کا موسم ہو تو بار بار
ہو لڑال سے تو لڑکال کہ شوہر نامادہ کو خوش
پسند و بچتے رہنے کے لڑائی دیتی ہے اور شوہر

لیلی کے فرست کاں میں سفر کرنا
خوش نصیبی ہے بشرطیکہ سفر فرج کو شکر کے لوتہ
ہو۔ اس کے علاوہ طریقے شریفوں جیسا، لباس
صاف ستھرا جس میں سب نہیں تو ایک آدم
پیرا دل کا کیا دیکھا ہو اور ہو یہ اس لئے کہ پڑتا
ہے کہ بعض کپڑے حسب و نسب کے اعتبار سے تو
غریب نظر دیتے ہوتے ہیں، لیکن ان میں غایت
پیدا اس طرح کی ہوتی ہے کہ کھلتے ہوئے پڑھتی کھلتے
نہیں معلوم ہوتے۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے
ہیں جن کے جسم پر صاف پیرا ہی صاف نہیں معلوم
ہوتا، خدا کے ایسے بندے بھی پائے جاتے ہیں،
جی کے جسم پر جیلا کپڑا بھی دیکھنا نہیں سکتا۔ یہ
کوٹے کپڑے کے ہوں یا پینے والے کے، کچھ نہیں
کہا جاسکتا۔ ممکن ہے اس میں طیارہ دھند
دجالا، دھیرہ کو دھل ہو، جو کھانیں اکثر،
میزی آگہ میں بیشتر اور کھانے کے اشتیاقات میں

صفت بنیاد میں بیویاں جگہ کے کھانے کو کھانے
پر جائیگا، کبھی توڑائی آکر خوش خانے میں
داخل ہو جائے گا، اور وہاں سے نکل کر کھلی رہتا
پر دراز ہو جائے گا۔ اس کی یہ اور دوسری
احقراری حوکتیں اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ
فرست کاں میں اسے وہ بیٹیاں یا لڑکیاں نہیں ستر
ہے جس کا وہ دراصل عادی ہے۔ تندرست
ہونے کا شوہر کا سفر میں بیوی سے خواہر کا کام
لینا بڑی بد فہمی ہے۔

میسر کی سیرت کا اندازہ اس طرح بھی
کرتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ کیا اور کیا
سلوک روا کرتا ہے۔ نیز جس خادہ اعتدالی کوٹے
کے طور پر بیویوں سے واقف ہے یا نہیں۔ ایسا تو
نہیں کہ فرست کاں میں مسافر کے لئے کوٹے
سے وہ بڑی ہو گیا۔ شریفوں کا قصہ تو یہ ہے کہ
وہ آؤں دہری میں نہیں، غرض کہ اس میں بھی
فرست کاں میں سفر کرنے کے کوٹے کوٹے

نہ ہر کسی شخص پر ٹھونک مہلی بچھوئے۔ وہی بڑا بھرا، گھڑی یا آدھ ویر کا کھانے، چتا جلتے، اور ان کو کپا رشت میں ڈال دینے سے بچنے پر ہی کسی آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس وحشی اور گنواہ نے جس لحاظ سے اندک کپا رشت ایک کر دیا ہو مجھے دوخت کی سند ہے۔ سب سے زیادہ اس سلسلے کا اس سے ہیں دوسروں کو مستثنیٰ الاحوال۔ چتا سکتا ہوں۔ نیکی ایسے دو دھنوں کو کہنے سے بھی چھوٹا ہوتا نہیں کرتا جو دولت کے زعم میں اقدار عالیہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اقدار عالیہ ہوتے ہوں، جو اگر ہیں، ہذا اب کو دینے سے اس میں حیلہ مرا تپ اور مصالحتی سفر ان کو بھی شامل کر رکھتا ہے۔

یہ ساری باتیں ناخواندہ مہمان کی طرح ذہن میں آگئیں۔ غلام ہے، ایسے مہمان سے کسی ذہنی طرح اور جلد سے جلد غلو خاص کر کے کی فکر و امن کب ہو سکتی ہے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنا ہوجھ بھکا کرنے کے لئے ناظرین کو بھی اس میں کشمکش کرے۔ وہ اس جملہ اور اللہ بیان کرنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ ایک بار یونہی کشتی سے خارج پر فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کا اتفاق ہو۔ ایک صاحب نیلے سے سوچو تھے کالے، کم رو، کم سخن، جھڑ سے ڈسے ڈسے، اپنے سے لطفی، ڈاکٹر کے بے نیاز، حاکم کے اسس سے تھے جس جب وہ ہوتی تو بے بسی تھڑ تھڑا دھ، لیکن کو کر کے جانے کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ اس نے بننا پڑا کر دیا وقت میں آتا ہے جب اصل عمر سے زیادہ چلتا ہے اس تشکیں حاصل ہوتی ہے۔ اپنے کو نہیں تو دوسروں کو؟

کپا رشت میں داخل ہوا اگر ایسا محسوس ہوا جیسے موصوف کو میرا نا پسند نہ آیا ہو، خلیہ شریف کا کوئی سوال نہ تھا، اس لئے کبھی موصوف دیکھ کر دیکھا کوئی بھی احساس کبھی کا شیکار نہیں ہو سکتا۔ میں نے نہایت شریفانہ انداز اور آداب کے ساتھ سلام کیا۔ اس کا جواب انھوں نے اس طرح دیا کہ میں اُن سے آئندہ کبھی جنم کی

توقع نہ کرتوں۔ اُن کے اس شوک سے دل بھی دل میں بہت غلو ہوا۔ بدو مانع سے بدو مانع کا مظاہرہ ہو تو مجھے بڑا لطف آئے، جیسے وہ شخص اپنے ہی خوشامد میں پوش کھا رہا ہو۔ اس وقت مجھے وہ مثل یاد آئی جو کہیں پڑھ چکا تھا، میں اس پر صورت محبت سے زیادہ بدو مانع اور مسرور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا جس کی شادی ہو گئی ہو۔ !

اُن کی طرح میں اسی طرح وہ نہیں سے سکے تو قحاش تھے، لیکن نہیں کے آب و دان کے نہ تھے۔ اس لئے وہ لوں سے غور و غور کا انتظام پبلک سیکٹر کے بیٹے پر انہوں نے سیکٹر سے کر رکھا تھا۔ اُن کا ناشتہ دان تاجپین کا تھا، میرا المونیر کا جہاں تک اندازہ لگانے کا تعلق ہے وہ ایک فوکر نے کی جو صلاحیت بظاہر ان میں معلوم ہوتی تھی، اس کی دوسرے اُن کا ناشتہ دان بڑا، اور اسی اقدار سے میرا چھوٹا تھا۔ اسی سے ناشتہ دانوں کی مشمولات و مقدار کا حساب بھی لگایا جاسکتا ہے جیسے پاس پانی کی ضرورت اور گلاس تھا۔ انہوں نے اس کا انتظام تو کموں میں کر رکھا تھا۔ میں گلاس میں پانی اندر کر رہا تھا، وہ برادر راست ہوئے سے پیتے تھے۔ اُن کا پینا بالبر تھا، میرا بالستر۔

میں دو پہر کا کھانا کھاتے کھا کر چلا تھا۔ یوں بھی ایک زمانے میں میں کھانے میں نہ وقت کا پابند تھا نہ شوک کا جب وہ، چتا جلا کھا دیا۔ نہیں دو ایک وقت پہنچنے کا بھی، یوں میں کھانے کے حکم دوں، چتا ہے کہ کھانے کے لئے شوک کو مواتی کر اہمیت دین چاہیے۔ اسی طرح اگر دو ایک وقت کھانا نہ پڑے یا طبیعت کے مطابق نہ میرے آئے تو آمادہ خداد نہ ہونا چاہیے۔ شریف آدمی کو شوکانے کا کھانا بالضرورت نہ کہ تہا ہے۔ گھر سے کھا کر پہنچنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہوتی ہے، دو کھانا پیکار روز خور کا کھانا تو حسب معمول گھر سے کھا دیا۔ اسی طرح اچھے ناشتے کی مقدار میں جو سفر ہوئے والا تھا کی ذاتی دوست

گھرواؤں کا کتنا۔ خاصہ شروع نہ ہو چکا ہو تو سفر کے کھانے میں باہر دیکھا یا کب نہ پھرے بھی نہیں ہے کہ اسے میں دوسروں کو بھی نزدیک و مشر خوان کرنا پڑے تو کھانے کی کئی وجہ سے اس کی وقت نہ آئے کہ ایک دفعہ کھانے کا اختتام سفر تک نہ لاسکیں۔ اس لئے میں سفر میں ناشتے کی مقدار اور دور زیادہ ہی رکھتا ہوں۔

پہلے کا وقت آیا، سفر نے ناشتہ دان کھولا اٹ کا دیا سب کچھ موجود تھا۔ جیسے انہوں نے اس رغبت سے آنا جلد جلد اور اس مقدار میں کھانا شروع کیا۔ جیسے وہ اپنا نہیں کسی دیکھ کر کھانا کھا نا کھا نا کھا رہے ہوں۔ میں اسی کا منتظر تھا کہ رسم یا اخلاق مجھے جس شرکت کی دعوت دیں گے جو تکہ میں کھانا خود کھانے کا سامان موجود تھا، اس لئے انہیں میری طرف سے انھیں کوئی نظرو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ دعوت دینے کا بدلہ میں بھی ادا کر سکتا تھا۔ لیکن کچھ ایسا معلوم ہوا کہ کھانے کے معاملے میں وہ میرے لیے کو یقین پر ترجیح دینا پسند کرتے ہیں۔

انھوں نے مطلق التفات دیکھا تو میں غور میں پڑ گیا کہ یہ کس قبیلے یا فاش کے آدمی تھے کہ اتنا سمجھتی اور بے خبر آداب مولا کھنے کی بھی توقع نہ ہوئی۔ وہ کچھ اس طرح کھانے کے تفصیل میں ٹھیک دیکھ کر میں اُن کی ولایت، قومیت، سکونت، دار و مال و غیرہ کے بارے میں کوئی رائے قائم نہ کر سکا۔ وہ کھانے سے بہت روادار ہیں پیر و تاب میں ہنگار رہا، دیکھا کہ انھوں نے ایک سفر تیار نکالی اور اوپر کا دیکھا پیکار شروع ہو چکا دور کر کے براہ راست وہ انھوں سے کات کر اس طرح کھا نا شروع کیا جیسے وہ پیاز نہ تھی، آٹو یا آٹو پیر تھا۔ اس کے بعد کچھ دیر تک طرح طرح کی مٹھائیوں سے تشنگی فرماتے رہے، ایک بھلے کا نصف پانی قحاش پانی کے اور اطمینان کا ڈاکٹر آجنگ سانس لیا۔ ناشتہ دان بند کر دیا اور باؤ کوڈ اس کے کوئی کام محسوس تھا، صبر پادوں تک کب تک تان کبیت رہے، گری کا ٹھوس، دو پہر کا

گھنٹی ہے تو گھنٹی ہے۔

اب محنت حال پر اس طرح کی کہ فرد
ہو یا جماعت، اپنے کو مہربان کے اعتبار سے
آزاد سمجھتی ہے۔ جس کے نتیجے میں آتا ہے کہ انسان
ہے، چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو۔ اب نگاہِ گمراہ
نہیں رہا۔ مان ہی لیا گیا ہے کہ اگر اس کا رنگ
بڑا نہیں، صفتِ آبی اصلیاں دھڑلے کر لینی چاہیے
کہ نکلے گا قانون گرفت میں ہے کہ سر نہ سڑے
رہے اطلاقِ گمراہ، ان کو یہ شخص کا ذاتی معاملہ
قرار دے کہ نظر انداز کر دینا چاہیے۔ ایسی حالت
میں دخل دینا فرد کو آزاد کی فکر و عمل میں مغل ہو تا
ہے جو سب سے بڑا گناہ یعنی *Bad To Bad*
یا کا کا ہے، مثلاً ناداری اور بیوک سڑو کو کہ
کوئی یہ مطلب دوسنی تاج، ایک اور دوسری حالت
تو اس کو یہیں بھیج دیا جائے، لیکن اگر کوئی شخص اپنی
بیوی کو نہ دھوکہ کرتا رہے اور دوستی کی بیوی
سے التفات کرے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے اس
میں تلافی ہونا نہ اچھے سے، حالانکہ یہ ایک مسئلہ
اور ہے کہ اچھے یا بُرے شخص اعمال کی جو سیالی کے
قوم کو نہاتے یا بگاڑتے ہیں۔ یا بغاوت اور محض یا
کلی بد اعمال میں کہ جاری نہایت نظر انداز کرنی
ہے، وہی نوعی اجتماعی بد اعمال کی طرح، اعظم
ہوتی ہے۔

اسے ایک سیر شدہ محرمات مان لیا گیا کہ
یوں چر لینے اور گروہ لینے ہیں، اس کا
افلاس، چاروں اور ناموافق عامل ہیں
س سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مبادی
جوں سے ان صاحب میں بہت کمی آگئی ہے۔
میرزا آقا جادو ہے، جیسے تھیں مجھ کو ہی ہم
یاد دند کی کی زندگی کا نام دے، دکھا ہے مجھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معاذہ نہی ہے۔ دلچا ہوئے معیار
 نہ تو ہوں جب نہ تو ہوں نہ تو ہوں
 ان معیار میں کوئی معاملہ نہ پایا ہو
 گو کہ گئے ہوئے نہ نہ ہوئے نہ نہ

کے قشیب و فراز کا کوئی علاقہ معیار اخلاق کے قشیب و فراز سے نہیں یا پھر معیار زندگی کو ہر حال میں بڑھانا چاہیے۔ معیار اخلاقی اپنی صحت و صلاحیت کے لئے کوئی دوسرا دروازہ دیکھیے۔

زندگی کے معیار کو بلند کرنے کے واسطے
ذرائع اور وسائل اختیار کئے جا رہے ہیں، وہ
ٹھیک ہیں لیکن اس کی غفرتوں سے بچے اور بچائے
کے لئے اخلاقی اقدار کو ضرور مستحکم کرنے کی میں
استی میں کوشش کرتی چاہیے۔ ایک ترقی یافتہ
قوم اور ملک کے حوازم و ذرائع وغیرہ ترقی یافتہ
قوم اور ملک کے حوازم و ذرائع سے کہیں زیادہ تعلیم
اور زور دے رہے ہیں۔ معیار زندگی کو یک طرفہ
ترقی دینے کے خطرات کی طرف سے ڈور کا نچھالنا
میں دیر تک اٹھتا ہوں۔ اسی کے بعد زندگی کے
معمولات شروع ہو گئے اور خوش پنہار اور اہل
کن کش با دوست کا طالع رونمایا۔

[illegible]

سے ایک منزل پہنچے کی جی اپنی خواہش کا اظہار کر دیا
تھا۔ مشہور قطعہ کا صرف آخری شعر کہہ بنا کا ہی ہوگا
پیشے کر گیا تو کوئی نہ جوتیس بار وار
اقد اگر مر جائے تو وہ خواں کوئی نہ ہو

جب بھی کوئی حکم نہایت درجہ خراب ہوگا تو ہماری پاس کوئی اور تقریب ہوئے فعال ہوتی ہے۔ کوئلہ سے دھکا کرنا جوں کے ایسے مواقع پر میری موت نہ ہو۔ نادر حالات میں چلبہ جب ہو جائے اس پہلے میں ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔

نصرت میں دو شنبہ کا ۸۰ سے ۱۰ بجے
دیں تک کا وقت آج با کا خانہ و خطنے کو در میں
کے بے بڑی بھاگ دوڑ کا ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے
کام پر چلک وقت سے پہونچنا چاہتا ہے۔ ہر فرد میں
بکلی سے چلنے والی گاڑیاں بڑی پابندی اور تیزی
سے آتی جاتی رہتی ہیں۔ ایسے ہی ایک دو شنبہ
کا ۸۰ - ۱۰ بجے کے درمیان چلتی گاڑی کے سلسلے
چلا لنگ لنگ کر ایک شخص سے خود کوٹنی کر لی گاڑی
روک دی گئی اور خوش کو بلبلہ کے جانے انتہام
کیا جانے لگا۔ اس میں کہ وقت صرف ہوا —
سواروں میں سے ایک خاتون نے اس کا فرمایا۔
مکلف کو خود کوٹنی کے لئے دو شنبہ ہی کا دین۔
اسی گاڑی اور اسی وقت کا آخرب کرنا تھا۔

ایک دن گرمی انہما پر محسوس ہوئی۔ لائبریری سے
بہر نکلیں۔ دھوپ اور تیز ہوا میں گھر واپس آ کر
تھا۔ سڑک پار کی طرف شاہ رخ ہوئے۔ ایک جگہ
دھوپ کی چادر پھیلا ہوا ایک شخص نظر آیا۔ جسم
پر ہنسنے والی ایک نیلی پوشی نکلی تھی۔ جھپٹے سے بھاگتا
تھا۔ وہ بھاگتا بھاگتا وہاں سے گزرا۔ خون سے
پتھر کی طرح دھوپ نہ بھی نہ بہت بڑی، اگر کوئی شخص
تھا اور وہاں بیٹھا کیا کر رہا تھا۔ کچھ ہی دور نکلا
تھا۔ خیال آیا کہ وہ دھوپ کے پاس پہنچ گئے ہوتے
کہ وہ آدمی سن تھی جس کا میں نے کچھ خیال نہیں کیا
اور یہ سوچا ہوا آگے بڑھ گیا کہ کوئی ضعیف ہو گا جس
نے پیسے مانگے ہوں گے۔ کچھ دھوپ کے بعد
جھوک اور کچھ دھوپ کی سختی اور بادل گھومنے
ہوئی تو تھک کر خیال آیا کہ اس پر یہ علوم نہیں

کنا گز رہی ہوگی۔ بادل ناخوات پہا۔ جب سے کہ پیسے نکالے اور اس شخص کے پاس آکر کہا "یہ لو، تمہاری آواز اچھی طرح نہیں سن سکا تھا" فریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ روتی کے چند ٹکڑوں پر اُلی ہوئی ترکاری اور ساگ گھار ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور بڑے اعتدال دیکھ کر ہنسا دے کہا۔

"میاں اٹھ آپ کو اچھ رکھے آپ کو

دھوکا دینا۔ میں نے کہہ مانگا نہیں تھا۔ کھانے کا وقت تھا۔ میں کھا رہا تھا۔ آپ بھی شاید بھوکے گزر رہے تھے۔ منہ سے نکل گیا۔ میاں کھانا حاضر ہے۔ آپ کے لائق یہ ساگ اور سوکھی روٹی نہ تھی۔ نیکی باپ دادا کی ڈال ہوئی حادث کو کیا کہوں۔ کھانا کھانے وقت کسی کو پاس دیکھتا ہوں تو اس طرح کی بات منہ سے نکل ہی جاتی ہے۔ کوئی شریک ہو جائے تو دل خوش ہو جاتا ہے۔ نہیں بڑا بچ

میں ایک طرح کی تنگی میں ہے۔ مزدوری میں جو پیسے مل جاتے ہیں اس سے گھر میں جو جاتی ہے۔ اس کا شکر ہے محنت مزدوری سے سادہ کام چلاتا رہتا ہوں۔ پیسے آپ اپنے پاس رکھیں۔ میں نہایت شرمندہ ہوا اور اس مزدور کے فقیر حینو کے مقابلہ میں اپنے تمام مناصب و مراتب پر لغت سمجھا ہوا گھر پہنچ گیا۔

غزلیں

موج طوفان! پیراؤں پہ رہتے
خار، جس کی سیلانت رہ گئے
پاس میں اپنے، مگر وہی رہی
ہم تو دریا میں بھی بیات رہ گئے
اسے خیال نہ رہا وہاں جلدی نہ کر
ساتھ تیرے ہم بھی پیچھے رہ گئے
شیخ بھی پہلا کے سب کو لے گئے
میکرے میں ہم ہی ساقی رہ گئے
اک رنگا چشمکیں طوفان مٹی
سارے اُلو ان غنا ڈھ گئے
اب صلیب و دار کھٹائے گا کون
نام میرا حق کے پیچھے رہ گئے
اجنبی جیسے جگہ جگہ دور سے
آئینہ جہاں کہہ اپنے رہ گئے
بولنا چاہے جسم ہے اس شہر میں
جو نہ کہنا تھا میں وہ کہہ گئے
زندگی کی قسم میں تیرا اپ مدد؟
غم دینے کو تھے وہ ہیں کہہ گئے
جو نظر پر چشمہ آخر تھے بنے
وقت کے دھاروں میں کیسے بہ گئے

انہی گونگے انگر دھماکا کریں
ہوتے شاہ کیوں اُبال کریں
سنہیلو پاؤں ہوا نہ کر دے بگاڑ
اُٹھو محسن کی دیکھ بھال کریں
کیوں خزاں چھوٹے اُس بیٹھے کو
پاس باں جس کو پاٹھال کریں
اب کے دونوں میں فرق کچھ بھی نہیں
آ۔ منائیں غمخشی طائر کریں
دوستوں انہی ہی تو نہیں
جو کئی نہ رہے ماہ و سال کریں
میر تقی و حق ان کی منہ تک
کیا مجال اب جو ہیں وفال کریں
اعتبار ایک بار ہوتا ہے
چھوڑنے پھر کہاں وہاں کریں
یہ بھی ہے ادھکا بوجھ سودی
فر نہ جائیں گے جو سوال کریں
اُن کو سب اختیار ہے شاق
جس کو چاہیں اُسے نہال کریں

جب کہیں جسم نہ سایہ ہوگا
چاند کا زخم بھی تازہ ہوگا
اس سے آگے بھی ہے دنیا خاہ
جانے والوں نے یہ سوچا ہوگا
دھوپ میں تپنے دے اپ میرا ہی
تیسرا آنکھ میں نہ بند ہوگا
غور محض اکھپنے میں اُس نے
کتنی صدیوں کا وہ پیا سا ہوگا
آئینہ نے کے ہمیشہ جو چہلا
اُس کا اپٹا بھی تو چہرہ ہوگا
پیر بخوں کا جس بجوں گئے
کس نے موسم کو سنا ہوگا
مجھ سے کہہ اُسے گزرنے والا
وہ ہر دوست ہی پیارا ہوگا

دجاست علی سندھیلوی

نوشہ ثنائی سیلانی

سوسن راہی (انجینئر)

منشی پریم چند نے اپنے افسانوں میں دیہاتی ماحول کی جس خوش اسلوبی سے عکاسی کی ہے اس کی مثال دیکھنی ہو

تو

ڈاکٹر اردو سے سرن ارمان

کے افسانوی مجموعوں کو پڑھیے۔ آپ بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ڈاکٹر ارمان ہندو پاک کے افسانہ نگاروں کی صفتِ اول میں خصوصی مقام رکھتے ہیں۔

مان سرودور

ڈاکٹر ارمان کا اولین افسانوی مجموعہ جو اکتیس ایسے افسانوں پر مشتمل ہے جو دیہاتی معاشرہ کی صمیم عکاسی کرتے ہیں۔ ہر افسانہ قاری کے دل و دماغ کو یہ سوچنے اور کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ

”جو کہا تو ہے وہ میرے دل میں تھا۔“

قیمت: - ۲۱ روپے۔ ڈی کس - ۲۵ روپے

مہرباں کہادول نے

زمانہ جدید کی تمام تر اشاعتی غریبوں سے تڑپتی یہ افسانوی مجموعہ ہر لحاظ سے اتنا دلچسپ اور پر لطف ہے کہ جسے پڑھنے کے بعد آپ دیہاتی زندگی کو ایک نئے غیر متشدد کہنے پر مجبور ہوں گے۔ اور جو بصورتِ افسانوی مجموعہ آپ اپنے احباب کو کھٹہ پیش کریں گے۔ قیمت: - ۲۵ روپے۔

کرنوں کے پدچرن

ڈاکٹر ارمان کی یہ ہندی تصنیف سوانحی خاکوں پر مشتمل ہے جسے پڑھ کر آپ زندگی کو ہر انداز میں بسر کرنے کے غریبہ سمجھیں گے۔ ۱۹۹۸ء کی انتہائی درجہ کی خوبصورت کتاب جو کمپیوٹر لیزر پر کپڑا ہوئی ہے۔

قیمت: - ۵۰ روپے

ملنے کا پتہ:-

یو۔ ایس۔ اسے ہسپتال - گاندھی روڈ، جلادی - ضلع مراد آباد - یو۔ پی۔ ۲۰۲۳۱۱۔

تقسیم کار:-

دفتر ماہنامہ شانِ ہند - فلیٹ نمبر ۸ - انصاری مارکیٹ، دیرا گنج، نئی دہلی - ۱۱۰۰۰۲۔

साहित्य कला परिषद्, दिल्ली

(दिल्ली प्रशासन का सांस्कृतिक विभाग)

४/६ सी, आसफ अली रोड, नई दिल्ली-११०००२

साहित्य कला परिषद् दिल्ली के नागरिकों को घर-घर
पहुंच कर कला एवं संस्कृति प्रदान कर रही है।

साहित्य कला परिषद् के अंतर्गत विभिन्न योजनाएं :-

संगीत, नृत्य, नाटक एवं सलित कलाएं ।

- युवा कलाकारों को आगे प्रशिक्षण हेतु संगीत, नृत्य, नाटक तथा सलित कलाओं के क्षेत्र में छात्रवृत्तियाँ/निर्देशिका प्रदान करना ।
- युवा महोत्सव : विभिन्न कलात्मक क्षेत्रों में कार्यरत युवा कलाकारों के लिए पूरी तरह समर्पित-संगीत, नृत्य, नाटक और सलित कलाओं का एक उत्सव ।
- राष्ट्रीय एवं अन्तराष्ट्रीय स्तर के कलाकारों की भोज करने के लिए वार्षिक-संगीत, नृत्य तथा नाटक उत्सव ।
- दिल्ली शहर तथा देशगत के निवासियों के सामर्थ्य कला एवं संस्कृति के कार्यक्रम ।
- राष्ट्रीय स्तरों तथा सांस्कृतिक जागरण के उद्देश्य से दिल्ली के कलाकार दूसरे प्रांतों में भेजे जाते हैं तथा प्रांतों के कलाकार 'कला प्रदर्शन' के लिए दिल्ली बुलाए जाते हैं ।
- प्रतिवर्ष साहित्य कला परिषद्-संगीत, नृत्य, नाटक तथा सलित कलाओं के क्षेत्र में शानदार योगदान के लिए दिल्ली के व्यस्त कलाकारों को सम्मानित करती है ।
- दृष्टान्तक लेखन में लगे लेखकों को प्रोत्साहित करने के लिए परिषद् नाट्य-लेखन प्रतियोगिताओं का आयोजन करती है ।
- पुरस्कृत नाटकों के मंचन हेतु साहित्य कला परिषद् द्वारा नाट्य उत्सवों का आयोजन किया जाता है ।
- परिषद् कला-विनियों का आयोजन करती है, जिनमें परिषद् तथा उसके युव कलाकार, कला एवं शिल्प के क्षेत्र में लगे वातावरण में साथ-साथ काम करते हैं ।
- सलित कला की प्रदर्शियों के लिए निष्पन्न कलावीरों की सुविधा ।

—साहित्य कला परिषद्

ضمیمہ کی آواز

ڈی۔ اے۔ میرین قربان

کر سکا۔ ملک کی ترقی کا دوسرا وہاں لوگوں کی ترقی پر منحصر ہے۔ صدیوں سے آپ کے اہل علم ہر دبا ہے۔ لیکن اب ایسا نہیں ہوئے۔ پاجاے گا۔ میسر ہے ہر دراصل یہاں آپ کے دینیان رہتا ہے آپ کو سب بھی کوئی شکایت جو اس سے کہیے وہ اُسے دودھ کرے گا یا بچے کو خبر کرے گا اب آپ لوگ ملک ایک کر کے بننے چاہیے کہ گاؤں میں سب کچھ ترقی کی گئی ہے۔ میسر سکریٹری سب لکھے گا۔ اور میں ایکشن میں کامیاب ہوتے ہیں کاموں کو پورا کر دینگے۔ ہاں بولیں۔

بڑی بلند آواز میں باور دام داس کی جھجھکی والی آنکھ بوندان کے پیچھے ہر ترائی کی جھجھکی اور دندہ باز کے نعرے لگاتے تھے۔ اب لوگوں نے بکھلا شرم کیا۔
• جوہر گاؤں میں ہنگامہ سڑک کی چوٹی پر۔
• سرکار ہنگامہ کے کرناؤنگر کو دی ہے۔ دو نیم کا کھانا مکمل ہوا ہے۔
• صاحب جس عین پر ہم لاشتمار دی کرتے ہیں جسے میں سسر کی محکم کے ادا نہیں اس کے پتے ہیں

کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ گاؤں میں آگاہا غم سا ہو گیا تھا۔ اب ابھی دو چار رشتہ دار باپ دادوں کی زمین پر قبضہ جوائے بیٹے تھے۔ ایکشن کا زمانہ آیا تو پندرہ لوگوں سے رام داس کو بھی ایکشن لانے کے لئے آدھ کر لیا جس کی کی نہ تھی۔ وہ ایکشن کے مسئلے میں اپنے علاقہ کے اس گاؤں میں دو چار مرتبہ آئے لوگوں سے ملے۔ ایک دن انہوں نے تمام گاؤں والوں کو اکٹھا کرے جنگ کی اور کہا۔

جہاں آپ جانتے ہیں کو میں اسی گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ کاروباری مصروفیات کی وجہ سے میں وہاں نہیں آتا ہوں۔ لیکن گاؤں کے تمام حالات سے واقفیت حاصل کرتا رہتا ہوں۔ مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے کہ آزادی کے بعد اس ہمارے گاؤں میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ ہمارے بچوں کھانسی کی حالت میں بھی کوئی شہاد نہیں آیا۔ جب تک بھاری پیموری جاتی ہے لوگوں کی ترقی نہیں ہوگی ویش ترقی نہیں

رام داس کے ایکشن میں اپنے کی جھجھکی سارے گاؤں میں جی زندگی کی ہر سی دوز تھی۔ دانت کو گاؤں میں چڑھا کر لیا گیا۔ ہر آدمی کی زبان پر ایک ہی کلمہ تھا کہ اب ہمارا گاؤں شہروں سے مقابلہ کرے گا۔ ہنگامہ کا پھر پھر لگاؤں ایک نئی کی کے منار سے آباد تھا۔ اس نے یہاں کی زمین نہ خرید تھی۔ یہاں پلٹا پھر گھرا دینی زنت والوں کے تھے جو گھر لڑائی کے ہائی سب ہر بھائی کے تھے۔ سن میں زیادہ لوگ دوسروں کے کھیتوں میں محنت مزدوری یا بنائی پر لاکھکاری کر کے بدنامیت پاتے تھے۔ کچھ پاس ایک زمین تھی جو بڑا آباد جہاد ہے کی بھری زمین کے تحت اعلیٰ تھی ہر بھائی کے ہی وہ چکر گھر خالی تھے۔

رام داس کے آباؤ اجداد کی گاؤں کے رہنے والے تھے لیکن مدت دنانے سے وہ شہر میں جا بیٹھے تھے وہاں انہوں نے ایک ٹیکسٹری ملانی تھی اور انہوں نے

کے ہیں۔ صاحب ہمارے بہرہوں کی عزت بہت خطرہ میں رہتی ہے اس کا کچھ بندوبست ہونا چاہیے۔

مفسر حکمی نے کہا کہ کسی نے کہا۔ رام داس جی نے سب کو یقین دلایا کہ بہت جلد ہی ہر سب کام ہو جائیں گے۔ بس آپ لوگ بھی دوں دسکہ کا سیب بنا بیٹے۔ ہاں سکر میزری صاحب آپ نے سب کو کھو لیا ہے۔ بچے باو دلائے دیکھ کا۔ سکر میزری نے اپنی آواز میں کہا کہی سکر کا سب کچھ لیا ہے۔

انسان کے عہد کے گاؤں والے خواہوں کو دنیا میں رہنے لگے۔ جاہل اور اندھ لوگوں کو پہلا پتھر پکاتا کتنا سہل و آسان ہوتا ہے۔ باورام داس ایک شخص جیت گئے تو گاؤں والوں کو ایسا لگا کہ چاند میری جبین میں آئے گاؤں کا نقشہ بدل جائے گا۔ اور ان کے گھر میں خوشحالی پیدا ہو جائے گی۔ پھر میں سننے میں آیا کہ باورام داس بڑی پانی میں شال ہو گئے ہیں اور شاید وہ وزیر بن جائیں گے۔

اس غصے کے سننے ہی ان کے اس دور کے بیٹے ہر زمان کو تو گوا حکومت ملی گئی۔ وہ نہ صرف اپنے گاؤں میں بلکہ آس پاس کے گاؤں میں موٹیوں پر تازہ دیتے دیتے بھرتے لگے جس گھر سے چاہا لگتی اور دودھ منگوا لیا جس کھیت سے چاہا چارہ منگوا لیا۔ جسے چاہا بیٹکار میں پکڑ کر دن بھر مزدوری کر لیا۔ ہر خوش پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ہر زمان کی گرہ چھوڑ کر جڑا ہوا ہوا چار خندہ سا بھی بھنے لگے میں اس تمام مٹنے میں ہر زمان کا راجا ہو گیا۔ باورام داس کے نام کی وجہ سے پوس والے اور سرکاری محکمہ جیسے سے انھیں ملاتے ہوئے کھڑے تھے۔

ایک دن لوگوں کو ان لوگوں کا ایک ایک آدمی نے زبردستی پکڑا اور ایک کھیت میں لے جا کر اس کی مصمت دی کر دی۔ جب لوگوں نے ہر زمان سے شکایت کر دی تو اس نے ذہن کو کہا کہ لوگ اپنی اذیت میں بہہ بہہ آدھیوں پر ایسے جوئے اسلام نکال گئے تو کمال کچھ لوگ اس بات کی فریب گاؤں والوں کو بھی تو حقیقت کھرا ہے۔ انہی نے مشورہ کیا کہ شہر جا کر باورام داس کو ان باتوں کی خبر کر دی جائے۔

اسی روز شام کو ہر زمان کے وادی چرنا کے گھر آئے اور لوگ جوئے سرکار سے حکم دیا ہے کہ کوئی اپنی لڑکی کو ان کے گھر کام کرنے نہ بھیج دینا کچھ یہاں کے لوگ میں دیکھ غلطی نہ ہو۔

وہاں چرنا کی لڑکی چیت خویہ بدلت اور میں ملتی دیکھ تو چرنا کے گھر سے کہی تھکنے دیتا تھا لیکن ہر زمان کے کسی آدمی نے اسے دیکھ لیا تھا اور جا کر مالک سے اس کے حسن کا ذکر چا کر دیا تھا اس اسی روز سے اچھی آتش پرہس بھڑک اٹھی اور آج سے خندہ کرنے کا پروگرام بن گیا تھا۔ عزم اور بے سہارا لوگوں کے گھر میں حسن کا پریشاں درد چلائی میں قدم رکھنا گھر والوں کے لئے وہ بلی جانی بن جاتا ہے جسے میں بھی اور سہارا میں بھی۔

چرنا کے ہر چہل پھلنے بنانے کی کوشش کی لیکن اس کی ایک مہلت دوں سے دن اس نے اپنی صورت سے چپا کو ہر زمان کے گھر لے جانے کو کہا وہ آلا کافی کرتے لگی ہوئی۔

بچے جوئے سرکار کی نیت ٹھیک نہیں لگتی۔ اس لئے تو بچے کے ساتھ بیچر ہاں بیکل وہ بڑے آدمی ہیں اپنی جات کے ہیں ہر جی جات کے ہیں ہمارے ساتھ کوئی کو کم نہیں کر سکتے۔ میں جوئے سے اچھی جات بن جائے گی۔

پھر بھی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔

نہر جانا تو بڑے گامی۔ اچھے چاہا منتری ہیں ندی میں رہ کر گھر سے ہر نہیں کر سکتے۔

دن چڑھے دھوپیں ہاں اپنی لڑکی کو کچھ گئیں چپا کو دیکھتے ہی وہ جڑاں رہ گیا۔ ان جو پریشوں میں ایسے ایسے فعل موجود ہیں اور میں پریشان نہیں۔ وہ چپا کو اپنے ہاتھوں میں جکڑ لینے کے لئے چہیلی ہو گیا اس کے دعاویوں نے چپا کی ماں سے کہا تو اندہ والے کو سہ کو صاف کر دیا ایک تیری لڑکی باوئی لاکھ بھاڑے گی وہ اپنی ماں کو جوئی کے اندر لے گئے اور ایک کمرے میں کھڑا کر باہر سے دودھ بڑا کر دیا۔ چپا باوئی کے کمرے میں بھاڑا پھر کر کے لگی۔ اگلے میں باوئی اندر داخل ہوئے ایک جلتا ہوا ٹھنڈا کھول کے ساتھ ایک رہا تھا ہڈیوں نے اندر سے دھواں بڑا کر لیا چپا کی

چلائی گروہ دونوں کے ہر زمان کو ان کی مستی جو ہر زمان ہو گیا۔ ہر زمان اپنی ہوس پر ہمارے ہر زمان آئے اور چپا اور چپا کی کوئی سے ہاں کر دیا۔ دونوں روتی پیتی کھر پینچیں اور جو کچھ تھا بتا یا شکر تمام ہر کھوں کا لون کھوئے لگا۔ وہ سب ہر زمان کے گھر پیچھے لگا ہاں اس کے لوگوں نے اچھی خوب پینا کی۔ وہ لوگ پوس ہو کر گئے وہاں تھا نے دار نے مٹی ان کی مڑی اور انہیں بھٹکا دیا۔ اب وہ لوگ شہر باورام داس کے پاس پیچھے۔ ہر دور وہیں میں پیچھے ان کا انتظار کرتے ہے شام کو وہاں لگے۔ ان سے داد و سنہرا دی اور تمام حال سنایا۔ وہ انھیں چوسا کر بونے تو لوگ اپنی اوقات بھول گئے ایک برہمن کے خاندان پر میں وقت لگاتے تھیں شرم آئی چاہیے۔ بھاگو اور پھر بھی میرے رشتہ داروں کے خلاف زبان نہ کھولنا۔

لیکن سسرال۔۔۔ ایک نے ہمت کر کے کہا۔

غوشس رہو میں کی گستاخیاں چاہتا۔ تم مجھے جہانم کا پتہ چاہتے ہو۔ چل جاؤ یہاں سے۔

چوڑی نے اپنی گت کے باہر نکال دیا وہ پناسا منہ کر کوٹ گئے۔ آپس میں کہنے لگے کہ ہر کیسا دان ہے کیسے چناؤں۔ میں ہم دونوں کے سرکار بھانے ہیں وہ ہماری جان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ ہماری بات ٹک نہیں گئے۔ ایسا ظلم تو نہ کر جو سرکار میں ہی نہیں ہوتا تھا۔ کہ نہ ان کے یہاں شہوانی تو میری مٹی پیہر نام دس کیسے کیسے وعدہ کر کے گیا تھا۔ اب ہمیں خود اپنی حفاظت کرنا پڑے گی۔

شام کو تمام برہمن لاطیوں سے ایس ہو کر ہر زمان کی کوئی بچے اور شو شہر باکرے لگے اندر سے کہ خندہ سے منہ لے کر باہر گئے خوب چکر مڑا دی ہوئی پندہ میس آدی لگی ہوئے ہر زمان کے بھی دو تین آدمی گھم گئے۔ ان کی بات قریب وہ دیکھ کر ہر زمان کے گھر والے طرف سے روئے چلائے لاٹور ٹھنڈا ہوا۔ اچھی جبر پڑا ہاں آگ کے شعلوں میں گھری ہوئی تیلیں بجھنے والے جاتے تھے کہ ہر کام ہر زمان کے آدمیوں نے کیا ہے۔ ان کی ماں میں ہر کھوں سے گھر بھرتے کو نہ سہرے دیکھ کر وہ سب شہر میں ڈی ڈی کے مٹی لگے اندر وہاں دھڑا دے دیا۔ ڈی ایس نے اچھی بات ٹھکر دی ہاں

کو حکم دیا کہ اس سلسلہ کی چاب پر کرے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ایسے بارہاں پہلے عام داس کاٹوں انگلیا کر گاؤں کے پریکشنز کو چھوڑنا سکھایا جائے۔ چنانچہ گاؤں کے چوکیدار کی طرف سے رپورٹ درج کرنا لگی کر مات کو ہر پریکشنز کی برقی لیں اتفاقاً یہ ہنگامی عملی اجملہ نے بالآخر زمین کے گھر پر چڑھائی کر دی اور فوڈنگ کی معاملہ عدالت میں پہنچا۔ پانچ پریکشنز کو دو دو سال کی قید مشاوری لگی برقی کے تمام لوگ سرکٹ کر رہ گئے لیکن یہ سلسلہ شکستہ ہی کیا یک در دوسری کے چہرے بھگا رنگ بدل گیا وہ کورٹ سے سیدھے گھر پہنچے اور چپ چاپ اپنے کمرے میں لیٹ گئے۔ انکو پریشان دیکھ کر اچھی پیوری نے پریشانی کی وجہ اور یافت کی ڈانکھوں میں اکتھو بھر کر رکھے۔

”کیا بتاؤں شیلہ۔ میں نے ایسا گناہ کیا ہے جسکے خلاف ممکن نہیں ہے مجھے خدا کبھی معاف نہیں کرے گا۔“

”اب مجھ سے پوچس کی حاجت نہیں ہو سکتی۔ کیوں۔“

”اس لیے کہ میں رات دن اپنے حیرت انگیز کتا پڑتا ہے۔ انسان کا کتا گھر نشا پڑتا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر مرزا پر پریکشنز کے گھر تباہ کرنے دیئے اور پھر انہیں منظر میں کو سزا بھی دلا دی۔“

”اس میں آپ کا کیا قصور۔ آپ کو تو اپنے عمل کا گوارا کے حکم کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے۔“

”ہاں لیکن اچانک میں ہم دیا نداری کے ساتھ اپنے فریض انجام دیں دے سکے۔ مجھے معلوم ہے کہ مرزا میں نے ان چیزوں پر کتنا غور کیا ہے لیکن وہ سنسٹر کا بیچر ہے۔ ہم اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے بلکہ اس کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔ اگر ہم کلمہ روکنے کے لیے کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو ہمارے خلاف مختلفان کیشن بننا پڑتا ہے۔ ہمیں معطل کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے اکتھلے کے ساتھ سبیل میں جلائی جاتی ہیں۔ گولان اور

مکان لوٹے جاتے ہیں۔ ریل اور سبیل چھوڑی جاتی ہیں سرکاری اہلک کو بر باد کیا جاتا ہے۔ خنزیر پود ساحل دن دھار سے تکل کرتے ہیں اور ہر کچرہ کیسے پھر کر ہمیں اپنی نوکری بھانی ہے۔ اب بتاؤ گران حسابات میں ہم کس طرح نوکری کر سکتے ہیں۔“

”لیکن دوسرے حکم بھی تو حاجت کرتے ہیں۔“

”ہاں کرتے ہیں۔ اپنے خنزیر اپنے اطلاق اور اپنے دھرم کو زندہ دفن کرنے کے بعد۔ شیلہ مجھ سے ہر سبب پر رشت نہیں جوتا۔ ان کے سہارا تو گولان کی چھوڑ دیوں سے اکتھتے ہوئی آگ کی پٹیلیں اور ان کا بلب بلب کر روتا میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔ میں ہانگی ہوا ڈانکا شیلہ ہانگی۔ جاؤ تم جا کر سو جاؤ۔“

”مجھے ہر سبب کی تعداد میں کچرا پڑ گیا۔ دار و مہتری نے رات کے سناٹے میں خود کشی کر لی تھی۔“



کیا

آپ کسی کوئی تصنیف

ناول۔ افسانوی یا شعری مجموعہ

اشاعت کے لئے تیار ہے، اور آپ اسے چھپوانا چاہتے ہیں ؟

تو

اس سلسلے میں آپ ہماری خدمات حاصل کیجئے۔

ہمارے پروفڈ کیشنز حسن کتابت، طباعت اور گٹ آپ کے لحاظ سے اعلیٰ معیار پیش کرتے ہیں۔

شان بہند پہلی کیشنز، فلیٹ ۸۔ انصاری مارکیٹ دیا گنج نئی دہلی ۲۔

ہندو پاک کے جانے پہچانے
 فنکار حضرت ترفیع زیدی
 مرحوم کی جو کچھ برسی پر
 فروری ۱۹۹۱ء کو ہوئی
 سال گزرنے کی طرح اس
 سال میں جو قسم برسی پر
 سرخوردی کو بعد نماذ فجر
 ختم کلام پاک مرحوم
 کے مزار پر پڑھی پڑھان
 ادا کی جائے گی، بعد نماز
 خارج کلمہ پاک، بعد نماز
 عصر فاتحہ خوانی، شب
 میں دعا، ایسود و بیرون کی
 مختلف آرزو و تمنیوں کے
 ٹائٹل مرحوم کی رخصت
 آرزو خدمات پر وہ سخی
 ڈالیں گے مرحوم کے
 صاحب کی اخلاص کا
 پروگرام ترتیب دیا جائیگا
 مرحوم کی شاعری ادب، فخر،
 دولتوں میں ایسے بہت سے
 گونیاں ہیں جس پر ہر کام
 کرنے کی ضرورت پر ضرور کیا
 جائے مرحوم کی مختلف اکبر
 عرفان نیدی نے عقیدت
 خدوں سے ہندو گرام میں
 بشرک کی اپیل کی ہے۔

کلام شاعر مجتبط شاعر

حضرت غزوہ جزیہ

عالمِ زانو در بر، مانا ہے اُس سے پہنچا
کس کیلئے کاماں بے فائدہ کے ترنہ پر رگ

۴۶ میرا ربط و خفا اب حرف دکا بیتے نہیں، ✓
سوچا ہوں کیا سمجھ کر مجھ پر مہمانتہ ہیں لوگ

غالباً آبادی پر کافی ہے اُن کی کم نہم
دیکھتے تو یہی سبیل کی مانند کیل جا پر ہر گز

جیب احسان میں صلح کی کوئی چیز نہیں ہے
مگر مکر و خن سے آقا مدظلہ کی طرف سے

۱۱ " یہ سبک دہریہ کا آئینہ دیکھو، مروجہ :
راہ میں خود اپنے ساتھیوں کی تڑپاؤں پر

۴۲ سبایه شجاع کل نر که پس از توبه برگشتند
 راوی که کرده و در نگرش بر مایه بر او
 چه که کرد او را در سفر است به پراخت و در
 اول دل از خاک و باغ و نوازه و در
 ۴۳ شکیبایی در نگرش است و در نگرش
 از دامن کوچه را که در نگرش
 ۴۴ چون نگرش و در نگرش و در نگرش
 ۴۵ نگرش و در نگرش و در نگرش
 ۴۶ نگرش و در نگرش و در نگرش
 ۴۷ نگرش و در نگرش و در نگرش
 ۴۸ نگرش و در نگرش و در نگرش
 ۴۹ نگرش و در نگرش و در نگرش
 ۵۰ نگرش و در نگرش و در نگرش

بارگاہ رسالت مآ

فدائہ اُجی و آبی

شورش کشمیری

اے نعرہ سرا پارِ رحمت ہے اے ذات ہے بحرِ نورِ خدا
 جس نے تجھے جہیں تک آپہنچے شرب کی دین تک آپہنچے
 اے ذات ہے جنتِ نعم ہوئی، نبیوں کی شہادتِ تم ہوئی
 سورج نے ضیا اُس چشم سے لی اُس نطق سے غنچے میوے بنے
 اُس نورِ مجسم سے پہلے، اُس ذاتِ مجتہم سے بست کر
 ہم ایسے فقیروں کی، دین دولت بھی، رہی حشمت بھی رہی
 سیرت کے دُخشاں موتی ہیں اصحابِ مدینہ، دوتے ہیں
 جب دوش پہ کینو کھلتے ہیں وائیل کی شرحیں ہوتی ہیں
 اونٹوں کے چرانے والوں نے اُس شخص کی صحبت میں رہ کر
 اُس نام کی عظمتِ عرش پہ بے اُس شخص کا چہرہ فرشتے پہ ہے
 بطحا کے مسافر دیکھ کے چلے یہ اُس کے نقوش یا ہی تو ہیں
 لیا بات کہی ہے فرشتہ نے انہ کی اُس پر رحمت ہو

ہم ارض و سما کو دیکھ چکے لیکن کوئی اُس جیسا نہ بلا
 ہم عینِ ستیں تک آپہنچے، اے صلِ علیؑ اے صلِ علیؑ
 یعنی کہ نبوتِ ختم ہوئی، پھر کوئی نہ اُس کے بعد آیا
 اُٹھا تو تارے فرشتے پہ تھہر بیٹھا تو زمین کو عرش کیا
 تارِ سج کے ظلتِ زاموں میں جو عقدہ تھا عقدہ ہی رہا
 اُس در سے ہمیں جب نسبت ہے دارا و سکندر چنیر ہیں کیا
 سینا پہ گئے تو کچھ نہ بلا، جو کچھ بھی بلا یثرب سے بلا
 لو کہ لَمَّا کے سانچے میں اب نورِ مجسمِ دھل کے رہا
 قیصر کے تختہ کو زوندا، کسریٰ کا گریباں چاک کیا
 وہ ذات نہیں تو کچھ بھی نہیں قرآن کی برآیت سے کھلا
 تارِ سج کے لالہ زاموں میں اُزغارِ حسرتا تا کرب و بلا
 سبحانَ اللہ ما اَجْمَلُکَ ما اَحْسَنُکَ ما اَكْمَلُکَ

حاصلِ مطالعہ
کمالِ گیاوی

خواب غفلت میں پڑتے رہیں اور جگہ نہ بنے
اُس پر بات کو صاف کرتے رہیں۔ اور جگہ نہ
میں آتے سمجھتے رہیں، ایسے لوگ، غریب ہیں۔
خواہ انھوں نے عجاہیں دیکھیں جو۔۔۔۔۔

پاول نے بارش کا ایک فہرہ مچا۔ جب
 اُس نے وہ پاکی پستانی دیکھی تو بہت شرمندہ
 ہوا۔ کہنے لگا۔ وہ بکے مقابلہ میں ہمیری کیا
 بنا تھا۔ میرا موجود تو نہ ہونے کے برابر ہے۔
 جب اسی نے اپنے آپ کو حقارت کی نگاہ سے
 دیکھا تو صدمہ اُسے اپنی آغوش میں لے آیا
 آخر کار وہ کوٹوے شاہ جوار بن گیا۔ اُسے یہ
 بلنہ مر جے اس لئے لاکہ وہ بہت بیویا تھا۔ اسی
 نے نبی کا وہ دوازہ کھٹکھٹایا اور اُسے زندگی ملی
 فکر ادا کرنے سے بے شکایت کرنے سے
 نقد پر نہیں بدلتی۔ جو غرض نہ ہو اس کے خواہے پر
 دیکھ ہے اُسے براہ نہیں ہوتی کہ ہوا چلنے سے
 کسی بیوہ کا چراغ بجھ جائے گا۔

کسی کو خوش کرنے کے لئے کسی کو آذاد کرنا اچھی بات نہیں۔
 اگر تجھ سے بڑا شخص تجھے کال دیتا ہے تو میرے کچھ جواب میں خاموشی اختیار کر۔
 جس ماہر کی قسمت میں روزی نہ ہو، اُسے دجلہ میں بھی گھل نہیں جاتی۔ اور جہاں گھل کی اجازت نہ آتی ہو۔ وہ خنجر پہن نہیں مارتا۔
 جب تو نے بڑی بات کہہ دی تو اپنے آپ کو درگاہ سے مستوطن نہ سمجھ۔ کیونکہ بڑے شخص کو بنگ کوئی نہیں کہتا۔

در ویش وہ ہیں جو ذکر، شکر، حمد، بندگی، ایثار، قناعت، توحید، توکل، تسلیم اور حقوق سے تیرہ درجے ہیں جس شخص میں یہ اوصاف ہوں وہ واقعی در ویش ہے خواہ اس نے قبا میں زیب نہ کیا ہو نہ کسی بنو لکھنؤ لوگ بے نماز، لالچی، بوس بازیوں — دین کو شہوت رانی میں مصروف رہیں اور اداں کو۔

آسمان کی طرف ہیشمار ہاتھ دھکا کے لئے
 اٹھنے جس اور آخر کار غلامیہ میں جاتا ہے۔
 اسے بھیڑنے کے کیا میں نے تجھے بنایا نہیں
 تھا کہ کسی روز چیتا تجھ پر حملہ کر دے گا۔
 صیحت بھائی! اگر تجھے یہ منظور نہیں کہ
 تیرے ساتھ کوئی بڑا بیوی، لاؤہ بڑا کیسی
 اور کے ساتھ نہ کر۔ اگر تجھے اپنی ماں حاضر ہے
 تو مجھے ماں کی گالی نہ دے۔

گزشتہ شخص پر زیادتی کو نامرتب نہیں
چونکہ یہ کہیں پر مہمہ جی دادہ جھنڈا ہے۔
اگر تو چاہتا ہے کہ تمام لوگ تجھے دوست
اور مہربان رکھیں، تو جس شخص سے تیری ملاقات
ہو اُس جیسا بن جا۔
ایسا درخت جو تیس سال نشوونما پا کر
مکمل درخت بن گیا ہو، آدھ سال کا ایک چھینرا
اُسے جڑ سے اکھاڑ سکتا ہے۔

جس شخص کو کس میں مقبول ہونے سے
 نہایت لذت ہوتی ہے۔ وہ شہوت محسوس کے
 شہوت پرور ہے۔ یہ شہوت کو بہت
 زیادتی بات کے اندر غلبہ میں رہتا
 ہے۔ اس سے بہت کم کو تو محسوس ہوتا کہ
 زیادتی میں کرے۔
 سخی اور نرمی کی بھی ہوتی چاہیے جرات
 کے لئے نہ اند۔ جو جیسے ایسا میں کرنا ہے اور
 ہر مرد میں ملتا ہے۔
 دیوانہ کے ساتھ کچھ نہایت تو اس بات
 کا خیال رکھو۔ اگر وہ اسکے پیچھے کوئی کام نہ ہو۔
 کسی کے نفس کی خواہش میں ساوس میں
 ہی معلوم نہیں ہو سکتی۔
 جو عام علم نہیں کرتا۔ وہ نہ محسوس ہے
 اور نہ دانش مند۔ بلکہ ایک چال ہے جس پر چند
 لڑکیاں لڑتی ہیں۔
 اگر تو باپ کی میراث چاہتا ہے تو باپ کے
 علم کا وارث بھی بن۔
 جو ان عورت کے یہاں میں پڑا تھا۔ اس
 سے بہتر ہے اس کے پہلو میں پڑھا شخص جیسے
 تو اس شخص پر نہ اور جو پڑا پڑا ہے۔
 ضیاء اور باہر نکال کر نہ میں کامیاب
 نہیں ہوتا میں یہ کسی دن چھپاؤں بھار ڈالنے
 طبع مختلف آدمی کی آنکھ پر بھی پڑا ہے
 دیتی ہے۔

میں کرنا ہے۔ رہنا ہو۔
 جس واسطہ میں سے لاؤں میرے بدن
 یہ تو کبھی نہیں ہے۔
 حد سے زیادہ ناراض ہونے سے وحشت
 پیدا ہوتی ہے اور بہت ذہن مہربانی سے دہریہ
 جانا رہتا ہے۔ نہ تو اپنی سستی کو نہ غرت کہ
 موجب ہو اور نہ اپنی مہربانی کہ کہ کر دے کی پو
 محسوس ہوتی۔
 جس نے بے فائدہ عمر گزار دی۔ اس کی
 دن اس شخص کی بے جس نے تمام پوچھنے والی
 ہو۔ اور کوئی چیز نہ ضروری ہو۔
 دو شخصوں نے بے فائدہ تکلیف اٹھائی
 ایک وہ جس نے مان جمے کیا اور مریج نہ کیا۔ دوسرا
 وہ جس نے علم میں کیا اور اس میں نہیں نہ کیا۔
 اگر ہر کوئی ہر چیز پر غلطی کا کہ کو تو دے
 تو پھر کی قیمت نہیں بڑھے گی اور سونے کی قدر
 نہیں کہنے کی۔
 اگر آپ مصنف ہوتے اور ہر قانع نہ دنیا
 سے سوان کی کہ رسم ہی اٹھ جاتی۔
 انتقام کی قدرت نہ ہو تو خاموش ہو رہنا
 چاہیے۔ خدا کہی موقع دے تو ہر لڑکا دینا
 چاہیے۔
 جاہلوں کی باتوں کا جواب ناشی ہونا ہے۔
 میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس

نے کچھ سے نہ سیکو کہ اسے کبھی پر نہ آدیا ہو۔
 ہمیشہ سیدھی راہ چلنا چاہیے۔ خواہ اس
 طرح زیادہ فاصلے کرنا پڑے۔
 جب تک انسان بات نہیں کرتا۔ اس کے
 کے غیب و شہر چھپے رہتے ہیں۔
 زیادہ بولنے والا جھوٹا ہو سکتا ہے۔
 نادان وہ ہے جو اپنی غلطیوں سے سبق
 نہیں سیکھتا۔
 عقل مند وہ ہے جو دوسروں کے تجربے
 سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔
 اگر نیا دنیا سے مدد میں ہو جائے تو کوئی
 شخص اس آؤ کے سایہ میں نہیں آسکا۔
 ابتدا میں دنیا میں ظلم کی بنیاد بہت قیل
 مقلی ہو جس آیا۔ اس نے اس میں اضافہ کیا اور
 فوجت یہاں تک پہنچ گئی۔
 دوسروں پر پھڑپھڑانے والے کو چاہیے
 کہ اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔
 میں نے اس نے باہل کی اینٹ سے اینٹ
 بھادی کہ اس کے باشندوں کے نزدیک نہ رہی بلکہ
 رہی تھی۔ نہ بدی۔ بدی۔
 تہہ رستی سے پھر کوئی تو مگر نہیں۔
 غلبہ علم میں شرم نہ سب نہیں کیونکہ
 جہالت ندامت سے بدتر ہے۔

جیوئی وہی بہتر ہے جس کے پر نہ ہوں
 تو حاکم ہونے سے پہلے حاکم ہو جا۔
 تہہ رستی جو کچھ بھی کہتا ہے۔ باطل ہے۔
 اگر وہ نہ عقل کی بدولت مٹی تو نادان
 بنو کے رہ جاتا ہے۔
 جس شخص کی فطرت ہی بری ہو۔ اس
 پر تیک کا سایہ نہیں پڑ سکتا۔
 نہ جڑیے سایہ کو نہ اور اس کے پتے کی
 بدولت شرم نہ اس کا شہرہ نہیں۔
 دوست مہربان ہو تو دشمن کو نہیں کر سکتا۔
 غایت کی قدر وہی جانتا ہے جو صہیت

راجہ گدھ باوجود سید
 ۷۵/- روپے

ناقابل فراموش
 نامور محافی سر اراون سنگھ مفتون قلعہ دہلی
 کی اپنی مزہ کی دھندہ تصنیف۔
 قیمت ۱۰/-

سیلڈ انوار الکلام آزاد صدی تقریرت
الہلال
 ممکنہ قائلین
 ہم سے طلب فرمائیں

دوبتا بھرتا آدمی رام من
 ۲۵/- روپے

With best Compliments from



COX & COOKS
MAC TRAVELS
MAC ESCORTS
MAC COURIERS
RAAJ & COMPANY
MAC SECURITY SYSTEM
SHAKESPEARE'S GREENERY
MAC CONSULTANCY SERVICES
SECURITY & SERVICES (I) PVT LTD

OFFICE :

16-A, SHAKESPEARE SARANI
CALCUTTA-700 071
PHONE 22-1978/44-4225

28/2, SHAKESPEARE SARANI
CALCUTTA-700 017
PHONE 47-4154

95, PARK STREET
CALCUTTA 700 016
29-8354 & 29-8355

ONE NETAJI SUBHAS ROAD
CALCUTTA-700 001
28-8320 & 28-8530
CABLE : JETAGE

**MAY HELP YOU IN SOLVING
YOUR PROBLEMS
OUR ADVISE WILL SAVE YOUR**

TIME (TENSION (MONEY)

**A WELL EXPERIENCED TEAM OF PROFESSIONALS.
RETIRED SENIOR OFFICERS FROM C.C.I. & E. D.G.T.D.
MINISTRY OF COMMERCE, INDUSTRIES, TEXTILE,
FINANCE, LAW, DEPARTMENT OF ELECTRONICS.
IS AT YOUR SERVICE**

- FORMATION AND RECOGNITION OF EXPORT HOUSE-TRADING HOUSE.
- FIXTATION OF NORMS AND ISSUE OF ADVANCE LICENCE -C.G. LICENCE.
- INTERPRETATION OF PROVISIONS OF IMPORT/EXPORT POLICY.
- ASSESSMENT OF THE VALUE OF OLD/NEW MACHINERY-RAW MATERIALS.
- INDUSTRIAL LICENCE. FOREIGN COLLABORATION. FOREIGN LOANS
- ENFORCEMENT-LITIGATION CASES AND APPEALS.

AND ANY OTHER MATTER WITH MINISTRY OF COMMERCE-INDUSTRY
FINANCE-AGRICULTURE-STEEL-TEXTILE AND ANY OFFICE LIKE
MMTG-STC ETC. AT DELHI.

SALE • PURCHASE OF R.E.P./ ADDITIONAL LICENCES

AWAITING FOR YOUR CALL



L-4, Connaught Circus, New Delhi. Phones: 3328562, 3328664
Grams: FAIRIMPEX Telex: 31-65404 SAQIN
: Res. K. L. NARANG 6418040 S. L. MANOCHA 2210637



جب فلمی ستارے مداح بن گئے



● اداکار سنجے دت اور ان کے مہمان نور محمدی ہوٹل کے کھانے سے تحفہ اندوز ہو رہے ہیں

فلمی ستارے جو ہر دم مداحوں میں گھرے رہتے ہیں، جب خود کسی کے مداح بن جائیں تو یہ حیرت کی بات ہے۔ لیکن اگر آپ نور محمدی ہوٹل کی نئی نہاری کا ایک بار ڈائنے میں تو سچر آپ کو تعجب نہیں ہوگا۔ یہ ہے ہی اتنی عمدہ، لذیذ اور صحت مند کہ پہلے ہی نوائے میں خوام و عوام کا دل موہ لیتی ہے۔ اسی لئے نور محمدی ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں بڑی بڑی ہستیاں، مشہور فلمی ستارے شامل ہیں۔ یہاں کی نئی، نہاری، پیسجہ، پائے، ماش کی دال اور دیگر کھانوں کے پیچھے ۹۰ سال کا تجربہ اور جناب ہدایت حکیم ملک نور محمدی ہوٹل اور ان کے فرزند خالد حکیم کی ذاتی نگرانی شامل ہے جس نے اسے ممتاز بنایا ہے، آپ یہاں تشریف لا کر شوق فرمائیں، اپنے احباب کے لئے گھرے جائیں یا پانی کے لئے جائیں۔ آپ اور آپ کے بہان ڈائن کر کسی فراموش نہ کر سکیں گے۔

نور محمدی ہوٹل، وزیر بلڈنگ 183/181 ای۔آر۔ روڈ، بھنڈی بازار، بمبئی ۴۰۰۰۲

فون: 8511008 فون دفتر: 8516115

کالی داس چچا رخصا کی طرف سے سلسلہ غائبانہ میں ایک
اور اضافہ

غائب کی تعین

تصانیف کے بارے میں

مصنف اور محقق کا نام دونوں ہی اس بات کی ضمانت ہیں کہ کتاب
کا ہر حرف لفظ مستند ہے۔

عمدہ کتابت - روشن طباعت مضبوط جلد
اور معیاری سرورق بہت جلد منظر عام پر آ رہی
ہے۔

ڈائریکٹر - ولنجہ سلی کیشنز - ۷۰ اجوی بھون، انیمیرین لائن
ممبئی

سرخ و سیاہ حاشیے

جیون لال شوما لندن

بھر شوفر بنا رہا۔ ڈیڑی کو اپنی ہالی ڈس کے لئے کپڑے عریض کرتے تھے۔
”میں جانتا ہوں کہ تم اپنی ماہ گریٹ سے دلہانہ محبت کر رہے ہو۔ شوخ تو کیا نہ ہو۔
مسلما مرنے رہتے ہو۔ مگر یہ ڈیڑی کوں ہے بھائی؟“

”ماہ گریٹ کی بیٹی“
”یعنی آپ غلاب اپنی لاڈلی بیٹی کو شاہجگ کے لئے لے گئے تھے۔“
”بیٹی؟۔ لاڈلی بیٹی؟۔ میری تو کوئی اولاد نہیں ہے بھائی۔“

”یہ ڈیڑی؟ جیسک اسی ذکر کیا۔؟“
”سکھا تو۔ ڈیڑی میری بیوی ماہ گریٹ کی بیٹی ہے۔۔۔۔۔ اس کے پہلے طلاق تھی۔
وہ مسٹر طاہر سے وہ چھوٹا بچہ ہے طام۔ اور ہر دووں کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ عجب تک کاؤ۔
(کچھ کھجے۔ ڈیڑی بی بی گیت)

صبح داسہ کیا ہے۔۔۔۔۔
اللہ کے بندے کی بات ابھی پوری کہاں ہوئی تھی کہ لا کے نے ماسٹر سیریا اور لمبی گھنچ کر کہا ”تو۔۔۔۔۔؟“
”خود تو پوسٹ آفس کی راہ پر چھو رہے ہیں۔ اور وہی کو جنت کی راہ بتائیں گے۔۔۔۔۔“
”ہوں۔۔۔۔۔“

”جے۔۔۔۔۔“
”چپ کھڑے ہوئی ہوئی کہ سنیں منزل کا پتہ“
(آئندہ محسنوی)

یہ محبت بھی تو احساس کا اک دھوکا ہے۔
(غرضی مکارشاد)

میں اپنے دوست ادو کو لنگ بستی تھی اور ان گیس سے پونچھ رہا تھا کہ وہ نہ ششہ شام کلب میں کیوں نہیں آیا۔
”کل اپنی بیوی ماہ گریٹ کے لئے دن

شیخ تو جنت کی کہانی پر نہ جا۔
(مغرض ملبیانی)
ڈاکٹر بنی گرام جم جیانی مذہب کے بہت معزز پر پھر ہیں۔ ماسٹر شہرہ کے مالک۔
لا پائے کے مقبرہ۔۔۔۔۔ ان کو سننے کے لئے۔
لاکھوں کی تعداد میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔
ایک مرتبہ ایک چھوٹے سے قصبے میں جہاں مرنے والے پہلی مرتبہ جاتے تھے، ایک نو عمر کے سے ڈاک خانے پہنچے ماسٹر داسہ ”پوچھ لے۔۔۔۔۔ جو“ میاں صاحبزادے“ نے
بت شمرے انداز میں بیان کر دیا۔
ڈاکٹر بنی گرام جم خوش ہوئے، شکوہ کیا اور مہربانہ انداز میں لڑکے سے کہنے لگے۔
”میں آج شام اس قصبے کے چرچ ہال ہواؤں کو یہ بتانے والا ہوں کہ جنت پہنچنے کا

ع۔ ”برہم ہوئی ہے وہ بھی جیبت کبھی“
”ناحقہ کا حلی“

میراجد امراج ہے اُن کا جد امراج

(داعم دھلوی)

کئی عرجا گھروں کے باہر نوٹس ہو ڈیو

بکھا ہوتا ہے۔

”جیلے بجاتا ہے۔“ (داعم دھلوی)

(داعم دھلوی)

ایسی ہی ایک غریب کے بچے کو سنا نا خیال

بچے نے یہ اضافہ کیا دی:

”اور موشی لٹاتا ہے۔“

(داعم دھلوی) (داعم دھلوی)

ایک نیا پھانسی میں سرسبز پنہ خوف

اس اضافتی غریب سے خوب مغلغولہ ہوئی۔

فرمانے لگیں: ”عجب ہی قہر ہے۔ میں اسی

مے اپنے خاوند کو جیسے ہفت کہتی ہوں۔ وہ

غوب کی تاپے اور غوب بجاتا ہے۔ اور میں؟

تو بس حضرت موسیٰ کی معذرت میں بیٹیاں

جی کا پ بیکٹ ہاتھ آتے ہی شاہک کو بھینے

کی تیاری شروع کر دیتی ہوں اور بعد شوق

بائی بالی کر Bussy Bussy کرتی ہوں۔

مولا ہاڑے اس شخص کو بندہ کو بنائے رکھے۔

”لوں پہلے داؤد خونی میں جیسے ہوا ہے“ (داعم دھلوی)

تھے میں تو میں نے خود دار کی لیا کیا اعتماد۔

(مومن دھلوی)

(مومن دھلوی)

کھلے اس (Kimpalay)

(Kimpalay) ایک نامور اور انعام یافتہ

ادیب ہیں۔ ایک بار شخص نے میں ”نملا“ جوڑا۔

کہ قلم کاروں میں یہ بحث چل نکلی کہ کھلے صاحب

کا رنگ کیا ہے۔

پانچ چھ ”بنیاد“ کے بعد تو یہ قلم کار خود

لپے رنگ بن آجاتا ہے لہذا ہر کار کا رنگ لپے

اپنے رنگ کے مطابق رنگی شروع کر دی۔

طاہرہ فرار ہیں۔

سیاسی: اُن کا رنگ بیرو ہے۔

کیونکہ آپ تشریف لے رہے ہیں۔

آدی:۔ جن نہیں، مسیحا رنگ ہے جناب کا۔

کیونکہ آئر لینڈ والوں نے انکی خود کو

پر غماشی کا الزام۔۔۔ لگا کر گویا نہ پر کا ک

پوت دی ہے۔

نظرانی:۔ کھلے کا رنگ سرخ ہے۔

کیونکہ ایک وقت تھا کہ آپ جناب

کا دل مار کس کے بہت بڑے پیر و کار

تھے۔

جہانی:۔ آپ کا رنگ قتانی ہے۔

کیونکہ وہ بے حاشہ برہمے رہتے ہیں۔

اخلاقی:۔ اسی کھلے کا رنگ تو سفید ہے۔ بالکل

سفید۔ کیونکہ وہ اپنی طلاق شدہ بیوی

کے ساتھ رہتے ہیں، جو خود اپنے خاوند

غیرین کے ساتھ رہ رہی ہیں۔

ع۔ الفت اس غیرین شکاری سے دلی کہتے ہیں ہم۔

(ظفر)

لسان الفص حضرت اکبر الہ آبادی کا مکمل اور مستند کلام

کلیات اکبر

چھپ کرتی رہے۔ مجلہ، بہترین کتابت طاعت، خوبصورت گرد پوش

قیمت: ایک سو پچاس روپے

انشائیہ کی بنیاد

ڈاکٹر سلیم اختر

ایک سو روپے

علی ادبی فنی تحقیقی انتہائی

مضامین کا ایک

عظیم المثال مجموعہ

ابوالہریرت ہفت دن ہندو دی

کی تیار کتاب

تحقیقی مباحث

ایک سو روپے کا پتہ:۔۔۔

مستطابہ:۔۔۔

قیمت: پندرہ روپے

برگئے

ناشر کاظمی کے مجموعہ کلام کا خوبصورت

نیا ایڈیشن قیمت: پندرہ روپے

باب انتقاد

”آبرو خانی بند میں آدو کے پہلے خاتونوں میں ہیں اور ان کا کلام خانی بند کی آدو خاتونوں کی آدو لہجے یا آدو کا دوسرے سے ہے۔ آبرو کا انتقال سے لے کر میں ہوا اور ان کا دیوان اپنے خود کی عکاسی کے اعتبار سے صحیح معنوں میں گویا مریض و بمل ہے۔ یہ تاریخی یا آدو کا آدو اور جہانیا کی کتب سے بھی خالی نہیں ہے۔“

تکلیف آبرو کے جو خطوط اس وقت تک دریا فت ہو گئے ہیں۔ ایک خدا بخش لکھنوی پتہ میں ہے، دوسرا رام پور میں، تیسرا پشاور میں، چوتھا کٹرہ کا لکھنوی کی لکھنوی انگلستان میں موجود ہے۔ پانچواں خود و بمل کا کٹرہ ایضاً لکھنوی کی لکھنوی کی لکھنوی کی لکھنوی کی لکھنوی اور چھٹا مولانا عبدالحق کے آدو کی کتب خانے کا ہے جو اب انجمن ترقی آدو پاکستان، دکرہ جی، کی ملکیت ہے۔“

”دیوان آبرو کا یہ تیسرا ایڈیشن ہے جو غنیمت ہے۔ پہلے دو ایڈیشن ناظر اور قطعا نامکمل تھے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے اس ایڈیشن کو جس جاکھنی سے ترتیب دیا ہے اس کی تھیں شروع کے ان عنوانات۔ قواعد و دیباچہ، اولیت کا مسئلہ، طرز کلام، لسانی، اہمیت، مختصر بیان، کچھ اہلکے تحقیقی، دیباچہ طبع سوم، کے تحت جو سب سے حاصل معلومات فراہم کی ہیں، وہ یقیناً قابل تعریف ہیں۔ دیوان کے آخر میں قربانیا ایک صد صفحات میں فریبک دیوان آبرو دیا گیا ہے جس سے قادی کو کلام آبرو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ ڈاکٹر محمد حسن کی اس آدو کی کاوش کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کہ ہے۔“

ترقی آدو دیکھو دوسرے یہ مفید کتب شائع کر کے خراب اور دیگر نقیبات کے عادی لوگوں کے علاوہ ان معالجین پر بھی احسان کیا ہے جو نقیبات کے عادی مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ سکرین نوشی، سکرین کا دھواں، سکرین کے سبب ہونے والی بیماریاں مستونہ اور سکرین نوشی، سکرین کی عادت کو ترک کرنے کے امکانات، خراب کی سمت پسلا قدم، خراب اور اعصاب، خراب اور ادویات، تاریکی میں منظر، ادویات اور آج کا نوجوان، انجمن اور اس کی تسمیر کی ادویات، فریب خیال کی دستہ دار ادویات، کینس، گائجنڈ اور سماج، دماغی تحریک کی دستہ دار ادویات، اے جیٹو پر استعمال کی جانے والی ادویات، ناڈو طور پر استعمال کی جانے والی ادویات، لٹ کی دستہ دار ادویات ایسے علاوہ مختلف عنوانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ محکمہ تعلیم اس کتاب کو آٹھویں درجہ کے بعد نصاب تعلیم میں شامل کرے تاکہ چارے نوجوان نشہ کی لذت سے بچ سکیں۔“

ناظر، یا دفتر شاہ ہند سے یہ کتاب دستیاب ہے۔

دیوان آبرو
ترتیب: ڈاکٹر محمد حسن
دیوانی سائز، قربانیا چار سو صفحات
۱۹۹۹ء۔ قیمت: پچیس روپے

مغرب خواتین ہیں کہ:

اطلا نامہ (طبع دوم)
ترتیب: پروفیسر کوئی چند نارنگ
دیوانی سائز، صفحات: ۱۲۸
اشاعت: ۱۹۹۹ء۔ قیمت: نو روپے
ناشر: ترقی آدو دیکھو، نئی دہلی

اطلا نامہ کا یہ نظر یا قی شدہ اور اضافہ شدہ
پیش ترقی آدو دیکھو کی خدمت آدو کا ایک
درمختصات ہے
اطلا نامہ کا یہ ایڈیشن چھپائی، کتب
کاغذ کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ ہر وہ
نص جو آدو دیکھنا پڑھا جاتا ہے، اس کے
اس کتاب کا ہونا آٹھویں ضروری ہے،
مناؤ دوسری ضروریات نہ کی۔ کیونکہ آدو اور
یہ تحقیقی جو ہندوستان اور پاکستان میں
پیش رفت ہوئی ہے اس سے براہ آدو اس کا
واقف ہو نا ضروری ہے۔ ہندو پاک کے
اس سے آدو صاحب الزما سے صحرائ کی آدو
رامی (اطلا نامہ کے پہلے ایڈیشن کے بارے
میں بھی اس بارے میں اشاعت کی گئی ہے۔
شرع یا دفتر شاہ ہند سے طلب فرمائیے۔

مغرب نوشی اور نقیبات کی لذت
مصنف: حسین فاروقی
دیوانی سائز، صفحات: ۹۶
۱۹۹۹ء۔ قیمت: آٹھ روپے
ناشر: ترقی آدو دیکھو، ڈیسٹ
بلک ۸۸، آدو دیکھو، نئی دہلی ۶۶

مَنْ کہ مکتوبِ الیہ

حضرت !

آں جناب کے گلستہ کے پروگرام کا کیا ہوا؟ آپ جب بھی گلستہ کا قصد کریں، یہ خیال رکھیں کہ آپ کا ایک نادیدہ عقیدت مند آسنسول میں بھی موجود ہے۔ آپ کو ایک شام اہل آسنسول کے نام بھی وقف کرنی ہے تاکہ یہاں کے اصحاب فکر آپ کے بیش قیمت تجربات و مشاہدات سے فیض یاب ہو سکیں۔
مخلص - مشتاق اعلیٰ، آسنسول

بیکہ یاد دہی کا پارہ شباب پر تھا اور وہ جب قابلِ ملاحظہ ہوئے تھے، اُس وقت دو جوان مسلمان نوجوانی طرح سے ہشکا ادب یہ عالم ہے کہ کشتیوں کے سر پہلے پانچویں گھریں دیسی بستوں اور نہ جانے کیا کیا موجود ہے۔ جب یاد دہی نے مسلمان کو سین دیا اور اس کی غلطی (حالات) اس رخ سے سچا سیرے مشرب میں ہمیشہ سے سکر رہا ہے۔ کم از کم یہی نہیں ایسا محسوس نہیں کیا۔ پر ناگہانی آتسوہائے۔ ہمارے پاس ایسے شکایتی خطوط آتے رہتے ہیں کہ مسلمان ہم بنا رہا ہے۔ مسلمان مقیاد پر رہا ہے تو ہم کہتے ہیں وہ ضرور ہم بنائے، وہ ضرور ہشیاد ضرر ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ آج جو نیپڑوں اور دہشت میں مسلمانوں کے ہاں سکتے (یہاں دیسی بستوں کو نکتہ کہتے ہیں) دھڑا دھڑا گئے، اگر ان کو سمجھا گیا یہ کیا کہ یہ ہو، یہ بھی بات ہے۔ یاد آج ہیں، کل وہ نہ رہے یہ کیا ہوگا کیوں اس کے اشتعال دلائے سے باقی بن رہے ہو، تو جسٹور والا ایک بھی نہیں سننا تھا اور آبا محسوس ہوتا تھا یہ منہ بہ منہ تھوگ دے۔ یہاں بھی ایک بیلہ پھڑکا رہا ہے۔

آئی جھوٹ بولتے ہوئے۔ وہ خود بھیڑنا ہے۔ یہ گنگو جس وقت موٹی، مخلص مرحوم کی تین پونیاں بھی موجود تھیں۔
مخلص
لطیف انوار خاں
قصاب (پاکستان)

محترمی سرور صاحب، تسلیات!
آپ ہر طرح سے بعافیت ہوں گے۔ آپ کی دعا سے یہاں بھی سب لوگ بخیر ہیں اور خیر و عافیت کے طالب۔
اچھے دنگے فساد اور ہنگامے ہوئے کا قبلا سبھی کیجوٹ ہو کہ وہ گئے ہیں۔ اگر آج سروے کیا جائے تو وہ نہ جب اور دھرم کے خشکدار ہی کہتے ہوئے پاسے جا رہے تھے کہ یہ سب کچھ یاد اور کرسیوں کا چکر ہے۔ آپ تو شہر میں بیٹے ہوئے ہیں، میں دیہات میں رہتا ہوں۔ مجھے خوب یاد آتی ہے طرح سے معلوم ہے کہ جھوٹے جھوٹے جھوٹے لڑکوں کے ذہن اور دماغ میں کس درجہ نفرت اور فرقہ پرستی کا برغولوں دیا گیا ہے جب ظالم

محرمی، آداب!

آپ نے میرا مضمون "دیوان غالب علیہ السلام۔ روداد اشاعت" شائع فرمایا تھا۔ نکل کر آ رہی ہوں۔ اب ایک کرم اور کیجئے۔ میرا یہ خطا شائع فرمائیے، مضمون بیوں کا۔
میں نے یہ کچھ تھا کہ مرحوم محمد مخلص (مدظلہ العالی) نے میری اور بیگم فاطمہ کی بیوی کی بیوی جناب محترم ڈاکٹر شاد احمد فاروقی صاحب کو انشیں ہزارہ دے دیے تھے۔ اس کی تصویر اس طرح تھی۔

پانچ ہزار فاروقی صاحب کے لئے، چھ ہزار فاطمہ احمد کے لئے اور آٹھ ہزار محترم بابک رام صاحب کے لئے۔
فاروقی صاحب انکار کرتے ہیں کہ مضمون نے یہ رقم مخلص صاحب سے نہیں لی۔ فاروقی صاحب کو جانتے کہ وہ مخلص سے اس کی تردید کبھی نہیں۔ اگر مخلص نے اس کی تردید کر دی تھی تو میں برصغیر کے ہر اس شخص سے جو اوروں کو فائدہ پہنچاتا اور لکھتا ہے۔ دست بستہ معافی مانگ لوں گا۔
بیگم فاطمہ کو یکم جنوری ۱۹۹۷ء کو میں نے بتایا کہ مخلص مرحوم نے جو رقم ان کی موجودگی میں سے فاروقی صاحب کا دی تھی، اس سے وہ انکار کرتے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے بتایا کہ وہ روزہ جس مرحوم نے جس ہزاروں دے دے تھے اور کہا تھا کہ اس میں سے آپس ہزار فاروقی کو دینے ہیں۔ میری اور آپ کی موجودگی میں یہ رقم مرحوم نے فاروقی کو دی تھی۔ اب وہ مجھے جھوٹا کہہ رہا ہے، مصیبت مرحوم شوہر کو جھوٹا کہہ رہا ہے، آپ کو جھوٹا کہہ رہا ہے۔ میرے مرحوم شوہر نے فاروقی کی اس وقت مالی مدد کی جب وہ بڑھتا تھا۔ اسے شرم نہیں

بات کچھ بھی نہیں تھی۔ سید میں ایک عثمان لڑکے کے ساتھ ہندو لڑکے کا کوئی ذاتی جھگڑا ہوا اور گاؤں کے پردھان دھرم پال نے اسی وقت اسے حشم کر دیا۔ وہ اتفاق سے وہاں موجود تھے۔ پھر کس بات کو بخود ہی تھی اللہ اب بات بیاں جا سید کو ہندو لڑکی کو چھڑا گیا ہے۔ مہر مہارم خاں سے قرب و جوار کے سجدہ اوصاف دماغ ہندوؤں کو بلا کر ان کے سامنے اس سادہ کو پیش کیا ان تمام حالات صبح ان سے بتلائے، خدا بھلا کرے اگر وہ یہ سابق پردھان ہوں صاحب کا افسوس ہے صرف ایک سوال کیا کہ جس کی لڑکی کو چھڑا گیا ہے وہ بچا بیٹے کے لڑکے کو بیاہ دے اب سب چپ —! کیونکہ ایسا جو ابھی نہیں تھا، لہذا یہ طوطہ مل گیا۔ دونوں طرف اس کی رائے زیادہ نہیں۔ خدا اس زمین کو بے۔

فصل اجماع کہیں بھی نظر سے گزرتا ہے تو وہ امر اچھا لگتا ہے کہیں زیادہ کچھ اس کرتا ہے۔ ایسے اچھا دین پرک بک پابندی لگے گی؟ وہ بات میں ایسے اچھا دین سے نفرت کی آگ بول کر نکلتی ہے۔ آپ کا قیمتی وقت غائب کر دیا ہوں — اور سنا ہے کہ کام جھنڈ میں آیا، یا ابھی تو ایک میں گڑبڑ ہی ہے۔۔۔ صاحب صاحب کام کو رہے ہیں؟ روتھی صاحبہ اور ان سے سلام کیجئے۔ اور کوئی حکم؟

خیر طلب
کریجی الاحسان

قابل صراحت احترام جان بجا تھا
شکرا!

آئید کہ مزاج گرامی بنے ہوں گے۔ چنانچہ ”پچھلے ہوئے لوگ“ ایک کہاں نہ بھی تھتے۔ شاہد بن علی ہو گئے۔ بہت کچھ کہتے کہیں کرتا ہے مگر سچ بولنے پر سزا سے قوت ہے۔ بے شمار بے خطاؤں اور غلطیوں کا بے رحمی سے غریب کے نام پر فوٹی ہوا یا جاہل ہے

کھوں اور دوکان کو لڑائی کا ذریعہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ وہ مسکوم ہوا میں چل رہی ہیں کہ دم گھٹ رہا ہے۔ عمر حکومت حقیقت کو جیسا ہے میں تھی ہوئی ہے۔ افتادہ کا جنوں سیاست دانوں کو پائل بننے ہوئے ہے۔ سوال ہندو مسلمان کے خون خرابے کا نہیں ہے، ایک انسان کے ذوق کے انسان کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کا ہے۔ ذہنی طور پر بہت پریشان رہتا ہوں۔ چند دست درازوں کی ذمہ داریاں کے جذبات کو جکڑے ہوئے ہے ”عویم لکھن“

آپ کا بھوٹا بھائی
ادمانہ بلادی

محترم المقام سرور قسوسی صاحب
سلام مستون!

مجھے خود نہیں معلوم کہ میں کس جذبے کے تحت آپ کو یہ خط ارسال کر رہا ہوں اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ آپ عزم کی کس منزل میں ہیں لیکن حضور والا کے نام اور کام سے کسی حد تک آشنا ضرور ہوں۔ یہ ”آشنائی“ ”مشابہ ہند“ کے قوسط ہے۔

میں ان دنوں شدید ذہنی الجھنوں سے دوچار ہوں۔ طبیعت سخت آداس رہتی ہے۔ اسی آداسی میں آپ کی تصنیف لطیف ”ہر کوئے یاد بہ اندازِ محمدؐ“ پڑھنی شروع کی۔ ابتداء میں محسوس ہوا کہ ہنسی مذاق کی باتیں ہیں مگر پیسے چھے آگے بڑھ گیا، آنکھیں کھلی گئیں۔ ایک نو بیس صفحات پر مرکب یہ فقہ اس ذرے بند کردی کہ اگر ابھی حشم کر دوں گا تو اپنی جان پر ظم کروں گا۔ ہندو میری آداسی کا توڑ ہو گئی۔ اتنی اتنی لکھنے شروع ہو کر بد کردل باخ ہو گیا۔ یہ کتاب تو میری کا آئینہ فرق ہے کہ ”مکتبہ تاحدی“ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس پیش بہا تصنیف پر میری صاحب سے مبارکباد قبول فرمائیں۔ خدا کے برگزیدہ تر آپ کا خوش و خرم اور تندرست رہے۔ آپ کی تحریروں کا تاج

نظر کمال

محبت محترم
آپ کا ۸ ستمبر کا کرم نامہ مل گیا۔

اس رحمت و عنایت کے لئے شکر یہ اور اگر تاہم اسے کیا نہیں، کیا میرا مکان اللہ کیا میرا سایہ، آپ مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔

میں ”حقیق کی تاریخ“ کا کام ہاتھ میں لئے ہوں۔ لیکن کام کی رفتار بہت سست ہے۔ دائم المرضی ایملہ کے لئے روزانہ ڈاکٹروں کے پکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ یونیورسٹی لائبریری فاسطہ پر ہے۔ مگر بڑھ چکی ہے۔ سو جا رہے کہ جو سو ڈاکٹری بہت وقت لے اُسے کتاب کی تیاری میں لگا دیں معذرت کہتے ہیں میں دیکھوں۔

دام لعل صاحب آپ کا ذخیرہ کرتے رہتے ہیں۔

آئید کہ آپ کا مزاج بنے ہوگا۔
مخلص
حمیان چند

جناب والا شائق قسوسی صاحب
آداب و تہنیت!

بہت دن ہوئے۔ آپ کا فواد شش نامہ موصول ہوا تھا۔ لگا تار مسلسل پڑھاں اور غنڈہ گردی نے ناک میں دم کر دیا تھا۔ ہم لوگ کئی دنوں تک باہر کر دینا سے کٹ گئے تھے۔ ایسا معلوم دیتا تھا کہ ننگ میں کوئی سرکار نہیں۔ قاعدہ قافوں کو بالائے طاق کہہ کر کام چلتا کا جینا دو بھر ہو گیا تھا۔ اب ذرا راحت ملی ہے حضرت قرآن سے خواب کہا تھا ہے

ایک مگر کے حور بقدرے بس یہ حقیقت جانی ہے
جلوہ دانش سے بڑھ کر ایک بچے کی ناول ہے
شانہ ہند کے شمارے ہیں رہے ہیں۔

عزیزی میرٹھ لال کا مضمون بہت دلچسپ ہے۔ میری ناقص رائے میں ان کو اپنے مضامین جہی میں زور دے مشاعرہ اور شاعر لوگوں کے دلچسپ

و احباب زندگی ہوں بہن کی شکل میں خاتمہ کرنے
جائیں۔

آپ کا عزیز بھائی
داتا رام رشیات

محرم سرور صاحب تسلیم !
مخلی حالات کو سرحد پر لوگوں کی وجہ سے
اتنے وحشتناک ہو گئے ہیں کہ گنے سال جیسے
بقریدہ یا ہولی اور دیوالی کی شاد کیا دیتے جو
اب وحشت سی ہوتی ہے۔ خدا پر لوگوں کو
حقیقت سمجھنے کی توفیق دے۔ کھنڈ کے حالات
بافلوہ ٹھیک ہی رہتے ہیں۔ بیان کر رہی کی ابھی
تک کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ پچھلے دنوں کچھ
علاقوں میں کریم کے نام پر گروہ کا اور اغصاب میں
زیادہ غصہ ہے۔ اس وقت بھی عام زندگی معمولی
پر ہے۔

آپ کا دلی دوست سے کھنڈ نہیں آئے۔ اردو
اکادمی یو۔ پی کے نئے سکریٹری جنہ صاحب سے
آپ کی ملاقاتیں چولہ موٹی۔ تین دن سے دوبارہ
ملا ہوں۔ مسٹر ڈان کی تاثرات کے علاوہ یہاں
آذنی حلقوں میں عام تاثر یہی ہے کہ آنا معمولی
فرض شناس، جسٹس اخلاقی و مروت کا پیکر کریم
اردو اکادمی کو پہلے نصب نہیں ہوا۔

چند صاحب کو ابھی کھنڈ ہی وقت ہوا
ہے کہ اکادمی کے اندرونی معاملات سدھارنے
کے لئے وہ جس طرح اقدامات کر رہے ہیں، ان سے
کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں اور ان کی
خاصیت اخلاقی کا حامی طور پر اعتراف کیا جا رہا
ہے۔ آپ کھنڈ آئے پر ان سے مل کر یقیناً خوش
ہوں گے۔ خانہ بند میں ان کے اے میں ایک
مستقبل ادارہ یہ بھی جا سکتا ہے۔ ان کا طریقہ کار
دوسری اکادمیوں کے لئے نمونہ بن سکتا ہے۔
اب آپ کھنڈ آجائیے۔

مناسب مجلسوں میں قیام برقرار رکھیں۔

ڈاکٹر منیر جمی

(کھنڈ)

آدرش تو سنی بھائی صاحب

جنتیں بعد از حرام

آپ کے خط کا شکریہ۔ بیان بھی اچھا حال
ہے۔ ایک قومیت کی خارجہ گرمی کے ہاتھوں بڑا
تلاں ہوں۔ ایک خوش شاعر کی غزل کے طرح
مہر و مہر سے رہا دے جو ہو رہا ہے۔ کوئی
نہ کوئی بہاری پچھلے سے اپنا کام کرتی رہتی ہے۔
آجکل ساری عمر کی وفات کا دم بھگے والے
دانت بے دفا ہی پر آؤ آئے ہیں۔ سردی مجھے
وجہ ہو سکتی ہے۔ میری پوری کوشش ہے کہ یہ

جلدی شہادت کا رتبہ نہ پائیں۔ آگے جو کچھ منظور
ہو۔

پنجاب کی حالت دن بدن خراب ہوتی
جاری ہے۔ اصل کا مذاق اڑاتے والے پنجابی
آج خود ہی خاک و خون ہو رہے ہیں۔ جب اردو
وطن اڑا دیا، بے وطنی، بے کسی، بے آسنا
چمکے اور ہلکی فضا میں ہیں۔ آج اس آشفٹ
سری کا کیا علاج ہو گا؟۔ آپ نے ٹھیک فیصلہ
کیا۔ کہیں نہ جائیں۔

آدرہ سہنت

آپ کا بھائی
اندرونی تاپ نیر
لکھنا

اردو کے دانشوروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ بہ کوئے یار

ایسی کتاب اب تک اردو زبان میں اس موضوع پر شائع نہیں ہوئی جو اس قدر
دلچسپ ہو کہ ایک کے بعد ایک ایسی سچائی اضافی رنگ میں قاری کے سامنے آتی چلی جائے
جسے جان کر وہ ششدر و حیران رہ جائے۔

اس شرط پر کہ

یہ کتاب منگائے کہ اسے پڑھنے کے بعد اگر آپ کے دل دو مانا کے کسی گوشے سے بھی یہ بھی
سی آواز بھی نہ آئے کہ کتاب پسند نہیں آئی، تو کتاب بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ واپس
کر کے کتاب کی ادراخہ قیمت واپس منگائیے۔

قیمت: ایک صد روپیہ۔ "خانہ بند" کے خریداروں سے ۸۵/- روپے۔
رجسٹرڈ وصولی ڈاک: آٹھ روپیہ۔ ایک صد روپیہ کا منی آرڈر بھیجائیے۔
بی نہیں کیا جاتا۔ "خانہ بند" کے خریدار ۹۲/- روپے کا منی آرڈر بھیجائیں۔

شانہ ہند پبلی کیشنز

فلٹ ۵، انمولی ایکٹ ڈیریا ٹکائی دہلی ۱۱۰۰۰۳

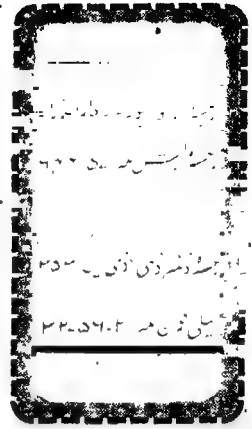
شاعری

جلد ۵۲ شماره ۲

چیف ایڈیٹر
سرور تونسوی

جوائنٹ ایڈیٹر
مطرب صحرائی

اشاعت کا
۵۲ واں سال



اس شمارے کی اہم جھلکیاں

جو فرقہ وارانہ فسادات ملک بھر میں ہوئے، ان کو کچھ
ہندی اخبارات نے ایسی بنیادی کردہ صحافت میں اپنا نمونہ
کالا کر کے رکھ رکھی۔ جیل جہ گفت۔ (اداریہ)
فارسی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہو، تو چالیس بی بی کا
سفر پیدل طے کر کے مکہ و درجاء ہوئے اور رہنا فی الجملہ آٹھ
کی۔ صحافتی ابلاغت کا شوق بے گریبیل ہی والا پس گئے۔
"میرے خواجہ تاش"۔ ساجد ہوشیار پوری۔
بچے اب ہم اپنے ہی اخبار سے اصلاح و توجہ پیش کرتے ہیں۔
"حسن اصلاح"۔ زادہ عطاء می۔
آں انزیا مشاعرہ (آنکھوں دیکھا کافور مشنم
پنجان کی بیٹی، سادھو، کہانیاں)۔
حیر آستانی، دیوانہ درویشی، دلپاد بادل، بے سار
نقشبندی کی غزلیں۔ مایا (دیکھ کر) تجزیہ (دیکھند
بہل نشہ کی نظم،
یہ کوئے یار، باب استغلا، من کوکتوب الیہ
مختصر کاظم بے ستور

پرنٹر، پبلشر، پراپرٹیز، و قیاد رکاش سرور تونسوی
طاعت: خواجہ پریس جاس مسجد دلی۔ مقام اشاعت: دفتر بابانہ
"شانہ ہند" فلیٹ ۵، انصاری باکس، دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

ہندو پرست ہوں نہ مسلمان پرست ہوں
دامن پرست ہوں نہ گریباں پرست ہوں
میر ذوق وطن سے ہے قیاض مجھ کو پیار
یعنی وطن پرست ہوں انسان پرست ہوں
قیاض گوالداری

ممالک غیر میں:-
ہندوستان سمیت دی ڈاک - ۱۰ روپے
ہندوستان ہوائی ڈاک - ۱۰ روپے
قیمت فی شمارہ - پانچ روپے
قیمت سالانہ - پچاس روپے
لاگت مہری - پانچ سو روپے

غزل

ڈاکٹر حقیر آستانی مرحوم

متاعِ زندگانی ہے مذاقِ زندگانی ہے
بشر کی داستان ہر دم نئی ہر دم پرانی ہے
نئے نقشے، نئے چرچے، نئے پہلو، نئی قدیں
اُسی کو وقت کہتے ہیں کہ جس کی حکمرانی ہے
سُر و حال سے بے منسلک شاموں کی لعنائی
یہ خیمت اور یہ شوکت و گرنہ آتی جانی ہے
خدا کا فضل سب پر، نگہبان خدا سب کا
بہر صورت مگر تقدیر خود اپنی بنانی ہے
حقیر آستانی اب ادھر کم آتے جاتے ہیں
بچلے کچھ بھی کہو ان پر یہ رحمت آسانی ہے



علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا مثالی کردار

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کچھ طلباء نے مولانا ابوالکلام آزاد کی شان میں گستاخی کی تھی اور یہ کلنگ اس یونیورسٹی کے مسلم طلباء کے ہاتھ پر ایسا لگا کہ دھلے میں نہیں آ رہا تھا۔ بھلا پورہ فیئر فاروقی صاحب کا کہہ۔۔۔۔۔

حالا کہ حقیقت یہ ہے کہ ان فرقہ وارانہ فسادات میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے جو فوجی اور سیکورٹی کی خدمات انجام دی ہیں، ان کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔
یار فوجی نے جو خیرات کھینچیں گیں۔

دی گزردہ صحافت بھی اپنا شکر کالہ کر کے رہ گئی۔
ان اخبارات نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے متعلق جو غلط بیانی کی اور جو غلطے الزامات لگا کر اس قابل ذکر یونیورسٹی کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کی، اس پر ہزار ہا غریب بھی کم ہیں۔

بابا جی مسجد اور امام جمہوری کے سلسلے میں ماہ اکتوبر ۱۹۷۲ء اس کے بعد جو فرقہ وارانہ فسادات ہمارے ہاں ملک بھر میں ہوئے، ان کو کچھ ہندی اخبارات نے ایسی ہوا

حکومت بنیاد پرستی کے پیروں کو خالی کرنے کا حکم دے گا۔ طلباء اپنے گھروں کو جاتے جو کسمپاشی سے رہتے ہیں ان کے پاس کتبیں مگر دانش چاہنے والے جس مطالبہ کی روٹ کر مخالفت کی اقد کسی بنیاد پر طلباء کو جو رشتہ خالی کرنے کے لئے نکالتا جاری نہیں گئے۔

اس بنیاد پرستی میں ہمیشہ غیر مسلم طلباء اور اساتذہ کی خاصی فسادہ ہی ہے اقد اب بھی ہے مگر کیا مجال کہ فرقہ وارانہ فسادات کی اس بول سیل زد میں کسی ایک بھی غیر مسلم کو بنیاد پرستی کے احاطہ میں کوئی گزند پہنچی ہو، جبکہ بنیاد پرستی ہمیشہ کے باہر مسلمانوں پر پھیلے ہوئے۔

پرو فیسر ایم۔ ای۔ فاروقی و انس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے منکر گزرا رہیں کہ انہوں نے اس ناؤک موقع پر بنیاد پرستی کو ایک خاص سیکورازم کا مثالی ادارہ بنائے رکھا۔ اقد انہوں نے بنارس ہندو یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ کو اپنی بنیاد پرستی میں مدد کو کر کے جو خدمات کرائے، وہ بڑے مفید اقد و فسادات کا جال کھاتے ہوئے۔

مگ ہمیں اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ ہندو فیسر فاروقی کے نقش قدم پر چلنے ہونے اپنے اداروں کو سیکورازم کی دہرائی نہ کریں مگر ان کے ہمیں کیونکہ طلباء پر اپنے ہاں اب کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ کے کردار کا بھی بڑا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ہر اساتذہ کا یہ ایمان ہونا چاہیے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے اپنے آپ کو سیکورازم کا چھٹا نمونہ نہ بنائے تاکہ اس کے تحت تعلیم حاصل کرنے والے طلباء بھی اپنے اقد کے کردار کا پائیں۔ آزاد دی سے پہلے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بنیاد پرستوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کی شان میں گستاخی کی تھی۔ اقد یہ ممکن اس بنیاد پرستی کے مسلم طلباء کے لئے ہے کہ یہ ایسا کام کر دھتے ہیں نہیں آتا تھا۔ مثلاً ہندو پرو فیسر فاروقی صاحب کا کہ جو کہ ہمہ دوش چانسلری میں منہ بٹھوے بنیاد پرستی کے طلباء نے فرقہ وارانہ فسادات کی

نہ میں اپنے کی بجائے سیکورازم کا دامن نہ تھا اور باقی حصے مذہب و وقت بنیاد پرستی کے بنیاد میں مریضوں کا خون دے کر ان کی زندگیوں بچا رہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ سارے ملک کے اخبارات و رسائل، چارے ذرائع اطلاع اور ہمارے سیکورائزڈان کرام ایک زبان ہو کر علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء، اساتذہ اور دانش چانسلر کی انہی مساعی عجلہ کی تعریف کرتے مگر اس کا کیا ثبوت حاصل کہ چارے ذرائع و دانش اور رپڑ ہونے بنیاد پرستی کے اس اقدی کردار کو کجا کر کے کی بجائے فرضی اقد من گھڑت کہا نہیں کہ اور مجھے

شیر دی۔ اور بنیاد پرستی کو بدنام کرنے کے کوشش کی۔

ہماری تحریف آواز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ساتھ ہوئی ہے دھناتی کا ازالہ تو نہیں کر سکتی، مگر جس دلی خوشی ہے کہ بنیاد پرستی میں تعلیم حاصل کرنے والے ہمارے بچوں، بنیاد پرستی کے اساتذہ اور دانش چانسلر کے جو کردار نہایا ہے وہ جہاں انسانیت شرافت، فوجی عین کا جتنا حب گنا نمونہ تھا، وہاں ان پتروں میں ایسی جھنجھٹیں پیدا کرنے کا موجب ہو جس سے انسانیت اور شرافت کی قد پھٹا پی جاتے گی ہے۔

ضروری اطلاع جواب طلب اقد کے لئے جو اپنی پوسٹ کارڈ یا لغاتہ ضرور بھیجیے، وگرنہ تعمیل نہ کیے سے معذوری کیجئے۔ (ستمبر)

حق پر یولز اینڈ ٹورز

حج عمرہ زیارت

بین الاقوامی، ملکی ہوائی مکٹ ہو گئی سفری سہولیت کے لئے تشریف لائیں

۲۱۹۱- ایم۔ پی۔ اسٹریٹ، لاہور چیلان
دیا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)

ایس۔ ایم حق

خون: ۳۲۷۶۰۷۷

حسرت موہانی کی یاد میں آل انڈیا مشاعرہ

عرفان زیدی بدایونی

میں کیا گیا ہے اور نظامت کے لیے اور جلال پور کا
جسوی صاحب تحریک و تائید کے بعد سلٹی رنگ کے
سوٹ میں بیٹوس سفید رنگ کے ریٹی ملو کو گلے میں
زیب تن کے رنگ پر تشریف لائے ہیں اور مختصر تقریر
کر رہے ہیں :

”مجھے بڑی مسرت ہے کہ میں برسوں
کے بعد الہ آباد مشاعرے میں شرکت
کے لیے آیا ہوں۔ میں ۱۹۳۹ء میں
جب لکھنؤ میں طالب علم تھا، اس
زمانہ میں یہاں اکثر آتے تھے۔ یہ ناد
وہ تھا جب یہاں کے مشاعرہ دل میں
جگر، جوش اور لڑائی شرکت کرتے
تھے۔ بیٹوس آج یہ غنوں ہستیاں
دار فانی سے کوچ کر چکی ہیں۔ مجھے
مسرت ہے کہ آپ نے آج کے مشاعرے
کو حسرت کے نام سے منسوب کر کے
ایک بہت بڑا انقلابی قدم اٹھایا ہے۔

کے نمائندے گیٹ پر بڑی سختی سے احکام کی پابندی
کر رہے ہیں۔ صرت ان لوگوں کو ہی اندر جانے کی
اجازت دی جا رہی ہے جو اپنے ساتھ پاس لائے
ہیں۔ ہوسٹل کی عمارت ڈھن کی طرح سجان گئی ہے
نزدق برقی لباس میں بیٹوس طلباء و طالبات اپنے
سہانوں کے استقبال میں مصروف ہیں۔ سردی کی
شدت اور شبنم افشانی سے بچنے کے لیے قناتوں
اور شامیانوں کا انتظام ہے۔ اسٹیج آنا کشادہ
بنایا گیا ہے جس پر تمام شعراء کے بیٹھنے کے بعد بھی
جگہ باقی ہے۔ سامنے ایک بورڈ لگا یا گیا ہے جس
پر ذرا آگ اور کھپوری کا قوی دھبہ ہے :

”اردو کا حق چاہیے بھیک نہیں“

مشاعرہ کا انعقاد بیاد مولانا حسرت
مولائی کیا گیا ہے۔ اس وقت شب کے ۱۰ بجے
ہیں۔ مولانا حسرت سے متعلق مختصر نثری تعاریر
کے بعد آغاز مشاعرہ کا باقاعدہ اعلان ہوا ہے۔
صدارت کے لیے علی سوار جعفری صاحب کا نام

آج بامق کی ۱۳ تاریخ اور سچ کا دل ہے
کنوینر مشاعرہ کیٹی مسلم ہوسٹل یونیورسٹی آف الہ آباد
کی طرف سے جاری کردہ دعوت نامہ سے مجھے بھی
خوانا گیا ہے۔ میرا عارضی قیام ہوسٹل سمیرا کے کمرہ نمبر
۱۰۵ میں ہے۔ یہ ہوسٹل الہ آباد ریلوے اسٹیشن سے
چند فرلانگ کی فوری پر واقع ہے۔ اس وقت شب
کے ۸ بجے ہیں۔ یہاں سے مسلم ہوسٹل کا فاصلہ
تقریباً ۵ کلومیٹر ہے اس لیے مشاعرہ گاہ میں رفت
پہنچنے کی تیاری کر رہا ہوں۔ ریلوے اسٹیشن کے
بورڈ سے آکر ریلوے سٹیشن مالویہ مارگ ایلیمنٹ
پارک کا پتہ بتا کر رکشہ کیا ہے اور مشاعرہ گاہ میں
پہنچ گیا ہوں۔ اسلام احمد انصاری صاحب
(ایڈوکیٹ) کے صاحبزادے سے وعدہ تھا کہ
ہم دینے تک میں پڑاں میں ضرور پہنچ جاؤں گا۔
داخلہ بند یہ پاس ہے۔ عوام کا جم غفیر مشاعرہ گاہ
کے گیٹ پر آمد پہنچنے کے لیے بیٹاب ہے لیکن طلباء

حضرت کا شمار عظیم انقلابی شخصیتوں میں ہونا چاہیے تھا جو بد قسمتی سے نہیں ہوا۔ حضرت کی آواز بنیادوں اور انقلاب کی پہلی آواز تھی۔ ہم اذکار کے مشاعرے میں ایک شعر شاعر شہر پرستے پران کا پرنسپل سے جھگڑا تھا تھا جس پر اسٹون نے پرنسپل کی تائید کیا کہ اخلاقیات کے دو صبا ہوئے ہیں۔ ایک آپ کا صبا اور دوسرا ہمارا۔ یعنی ایک سامراجی اور ایک ہندوستانی۔ حضرت نے انقلاب کی آواز کا گھر بس کے انقلابی پروگرام سے ۹ سال پہلے ہی بلند کردی تھی جنت نے جس وقت میں کافی وہ ۱۹۳۸ء کی جیلوں سے مختلف تھی حضرت کو ہم سیر کیوں روزانہ جینا پڑتا تھا ہاتھوں میں جوئے پڑتے تھے۔ جب ہندوستان میں کمیونسٹ پارٹی کا وجود بھی نہیں تھا اس وقت انہوں نے کیم نزم کا نعرہ دیا تھا آخر تک نفس میں زندگی گزار دی اور جنت شکوہ بپرد کیا اور خوشی کیساتھ جلی کی صورتوں میں اس طرح کے اشعار کہتے رہے۔

یہ مشق سن جاری پہنکی کی مشقت بھی اک طرف تھا شہر حضرت کی طبیعت بھی انہوں نے آخر میں کہا:

”میرے لیے ذالی حد سے کی بات یہ ہے کہ حضرت قرآن گو کہ کپور ری ہمارے درمیان سے اٹھے کہ حضرت جنت کا کام بھی ہمیں سلا بھی چسپاں لائے تھے کہ تازہ خور اور اٹھانا پڑا۔ اردو کی بزم سونی ہو گئی ہے لیکن فراق کی آواز زندہ ہے۔“

برادرانہ زمانہ ادھر سے گزرا ہے
نئی نئی سی ہے کچھ تیری یادیں بھی

جناب جعفری مصداقی تقریر کے بعد تمام آداب کو بلائے طاق رکھتے ہوئے صحتی کے عالم میں اسٹیج پر رکنے لگے گا دیکھ کر اس طرح پیر پسا کر دروازہ ہو گئے گویا اپنی آسام گاہ میں خود آ جہوں اسٹیج پر موجود خود اس کو کشش میں ہیں کہ جعفری صاحب کی نگاہ سے ادھیل نہ ہونے پائیں۔ اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔

یہیے ہانک سنبھال لیا ہے جناب آکر جلا پوری نے چہرے پر سیاہ داڑھی ہے وہ سفید کرتے، یا بچار اور کتنی رنگ کی جو اہر جیکٹ زیب تن کیے آنکھوں پر جھٹ لگائے اعلان کر رہے ہیں کہ اب باقاعدہ مشاعرہ کا آغاز کیا جاتا ہے۔

ریجنل اسکالر جناب اسلم الزامی کو دعوت سخن دی ہے۔ جناب اسلم گرامسٹ زیب تن کیے گئے میں شعر رنگ کی ٹائی لگائے مایاں ہاتھ جینٹ کی جیب میں ڈالے بڑے وقار کے ساتھ ہانک کے سائے آکر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ترنم سے غزل شروع کی ہے۔

سرخ رنگ جنان کی آتر جائے گی
جب میرے حادثہ دل کی خواجائے گی
مطلق پر مناسب داد ملی ہے امداد آگے بڑھ رہے ہیں۔

کوئی تو پہنچے گا منزل کے قریں لے لوگو!
میں نہ جاؤں گا میری گرد سفر جائے گی
ادھر اسلم صاحب اپنی جگہ پر واپس آئے ہیں، ادھر اناؤنسر کی آواز ابھری ہے کہ اسلم صاحب کی غزل میں ان کی غم جھلک رہی تھی۔ اکثر شاعر غزل میں اپنے تجربات بیان کرتے ہیں اور کچھ ان واقعات کو جو اپنے والد سے سنی رکھتے ہیں۔

اعلان ہو رہا ہے کہ آپ جناب زبیر بناری کے شاگرد و سفید جناب ثاقب بناری سے ان کا کام سماعت فرمائیے۔ ثاقب صاحب سفید سوٹ میں طپوس کتنی رنگ کی خوشنما جرسی زیب تن کیے بکری زنبور کے ساتھ ہانک کے

سامنے آکر کھڑے ہوئے ہیں اور ترنم سے غزل شروع کی ہے۔

ہر عقدہ مشکل تو آسان کیا میں نے
دیکھوں تیرے گیسو میں اب ہونے چمکتے
ایک صاحبزادہ نے آواز دے کہا:

”میاں پریشانی ہو رہی ہوں تو گنگی لاکڑی“
اس پر ایک زوردار تہقیر بلند ہوا ہے اور جناب ثاقب ان تمام باتوں سے بے نیاز بڑھ رہے ہیں۔ وہ صاحب ایماں ہوں میں عشق کی دنیا میں میرے لیے بکھرے ہیں گیسوے رقصم کتنے مشاعرہ میں خاموشی کا ماحول دیکھ کر جناب انور جلا پوری نے استدعا کی ہے کہ آپ لوگ مشاعرہ کا ماحول بنائیے، داد دیجیے تاکہ شہرہ کی حوصلہ افزائی ہو۔ طالبات کی طرف سے آواز بلند ہوئی ہے کہ آپ کوئی عمدہ غزل سنوائیے، ہم داد دینے کو حاضر ہیں۔ جناب آکر جلا پوری نے شعر اردی فرست سائیں کو بتائی۔ اس میں جناب زبیر رضوی کے نام کا اعلان کیا۔ اس پر میں چونک پڑا۔ اسٹیج پر جو شعراء حضرات بیٹھے ہیں ان سے کوئی واقعہ ہوں۔ میں نے اسٹیج تو اسٹیج پنڈال میں بھی زبیر صاحب کو نہیں دیکھا۔ ایک طائرانہ نظر ڈال ہی رہا تھا کہ انتظار میں کتنی کے زکری نے اناؤنسر کو بتایا کہ زبیر رضوی صاحب تشریف نہیں لائے ہیں، زبیر مرزا صاحب کے نام کا اعلان کیجیے۔ اناؤنسر نے غلطی پر معذرت کے ساتھ زبیر فرزا صاحب کے نام کا اعلان کیا۔ یہیے اناؤنسر نے اب اعلان کیلئے کہ جمالیات اور تہذیب کا احتجاج دیکھنے کے لیے جناب حسن فتح پوری سے ان کا کام سماعت فرمائیے۔ حسن فتح پوری ہلکے جازی رنگ کا سوٹ زیب تن کیے لگے میں ٹائی لکھنے بکر کے بیچے ہاتھ باندھے ہانک کے سائے آگے ہیں۔

تحت اللفظ ایک قطع پڑھا ہے
جند گڑے ہوئے لمحوں کی کہانی مانگے
عشق ہر حال میں انکھوں کی روانی مانگے
زندگی تجھ سے غرضی ہانک رہا ہوں ایسے

جس طرح ریت سے بیا سا کوئی پانی نہ گئے
 غزل بھی سخن پیچھے ہے
 یہ نہ دیکھ جائیں گے غفلوں کی مجبوری
 اہل زندگی آنکھوں میں تپکیاں نہیں ہوتیں
 شاعرے میں اب گرمی آتی جا رہی ہے۔ آہ وہاں
 کی آوازیں بلند ہونے لگی ہیں
 جب کوئی مقابل ہو یہ خیال بھی رکھیے
 دشمنوں کے ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں ہوتیں
 وقت کی شکایت تو بس وہ لوگ کرتے ہیں
 نبض وقت پر حرم کی انگلیاں نہیں ہوتیں
 حسن فتح پوری کے بعد اعلان ہوا ہے کہ جناب
 عرفان جلاپوری نے اس کا کلام سماعت فرمائیے
 جو ابھی آواز کے مالک ہیں۔
 قنار کے سلسلے میں آواز کے جادو کی
 بات کہنا غالباً شاعر کی شخصیت اور فن کی
 انحصاریت میں داخل ہو گیا ہے۔ لیجئے عرفان
 صاحب مالک کے سامنے آگئے ہیں کوئی تیرہویں
 گلی میں مظلوم سرگرم ٹوپی۔ اس لباس کیساتھ
 تحت المظلمین ارشاد کیا ہے
 آج اپنی عدالت سے انصاف نہیں ملتا
 مظلوم ہے سولی پر ظالم ہے تماشا شافی
 آواز بلند ہوتی ہے کہ ہائی کورٹ کے ضلع میں
 بیچہ کر یہ بات کہنا مناسب نہیں ہے یہاں تو
 صبح سے شام تک انصاف تقسیم ہوتا ہے۔
 پانی میں اترنے کی ہمت جو نہیں رکھتے
 وہ نہانے آگئے ہیں دیر تری گہرائی
 جناب عرفان جلاپوری غزل مصنفانہ انجی جگہ
 واپس جا رہے ہیں۔ اناؤنسری آفانہ بھی ہے
 فرار ہے ہیں کہ ایک پریشان حال بیٹیز تصویر بناتے
 کی دشمن میں کاغذ پر مجھلا دکھانے چلا جا رہا
 تھا۔ اتفاقاً اس کے قریب سے ایک شاعر گزرا۔
 شاعر صاحب کو دیکھ کر بیٹیز اس کے قد توئی پر گر گیا
 شاعر صاحب اس صورت حال سے گہر لگے اور
 بیٹیز مظلوم کیا
 ”بھائی کیا بات ہے تم اتنے پریشان
 کیوں ہو؟“

اُس نے ادب سے گزارش کی کہ میں ایک
 منت سے جناب کی تصویر بنانے کی حکمران
 ہوں لیکن جناب کا جو مجھ پر بتایا گیا تھا اس
 سے مشابہ کوئی شخصیت نہیں پڑی تھی۔ آج
 آپ نظر آگئے ہیں تو اتنا گرم کیجئے کہ چند منٹ
 مجھ دے دیں تاکہ میں آپ کی تصویر بناؤں۔
 اس کے اختتام پر صحنہ سامعین سے
 ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا ہے اور اسی کیساتھ
 اناؤنسری نے جناب عادل کھنوی کو دعوت
 سخن سرائی دی ہے۔ عادل صاحب کتنی رنگ
 کی شہر وانی زیب تن کیے ہوئے، سر پر ادنی
 بالوں کی ٹوپی لٹکائے، لمبی داڑھی اور دراز
 عیسوؤں کے ساتھ مانگ پر آگئے ہیں۔ ان کو
 دیکھتے ہی ایک زبردست قہقہہ پھر کند ہوا ہے۔
 عادل صاحب نے مالک پر آگئے ہی فخر و جنت
 کیا کہ آج کل کی اولاد اپنے باپ کو باپ بنانے
 میں شرم محسوس کرتی ہے۔ باپ محنت کر کے بیٹے
 کو اعلیٰ عہدہ پر پہنچاتا ہے جب وہی مزدور باپ
 بیٹے سے ملاقات کرنے کو کوئی پرہیز کرتا ہے تو بیٹا
 پھر سے حار ہے یہ کہہ کر اُسے ٹھکراتا ہے کہ یہاں تو
 ہر شخص ہی کہتا آتا ہے کہ میرا بیٹا ہے اس سے کام
 کر لینا کا مشکل ہے۔ یہی حال ہمارے اندر صاحب
 کا ہے۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اس
 فخر بازی کے ساتھ لیجئے ان کی مزاحیہ شکل سے بھی
 آپ لطف اندوز ہوں۔ نظر کا عنوان کوئی نہیں ہے
 اے آپ کی صوابیہ پر چھوڑ دیا ہے
 محب یاد زلزلے کی جڑا ہے
 پہاڑ کینے کے آگے کھڑا ہے
 نہیں میلا سب کا فیصلہ ہے
 براؤ کا ہے اور مجھ سے بڑا ہے
 میں کیا سمجھوں نئی نسلیوں کی دلی
 ہے دھاڑی اور نہ مچھیں صرف سر کے بال ہیں
 عورتیں اور بچے ہیں مہربان سب فعال ہیں
 باپ میرا اپنی نا اہلی کا اعزاز کرے

اُس کا بیٹا ہو گیا شاعر تو دنیا کیا کرے
 شاعروں کے کام آگئے کچھ جھلا پنا کرے
 اویسی بیکار ہو تو شہر میں چند ماہ کرے
 مشہور ہے کہ اس میں زندگی کی آنگٹ ہی پیدا
 نہیں ہو رہی ہے۔ ہر شاعر سپاٹ طریقے سے آنا
 نا غزل پڑھتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ لیجئے اب
 انور جلال پوری خود اپنے نام کا اعلان کر کے مانگ
 پر فرار ہے یہی کہ اس محفل میں جناب علی سردار
 جعفری صاحب موجود ہیں اس لئے غزل سنانے
 کی خواہش پوری کر رہا ہوں۔
 نہ جانے کونسی وہ معاملت کے قیدی تھے
 چٹکے تیر جو اپنی کمان چھوڑ گئے
 تمام شہر کے بچے تیر ہی تو نہیں
 کھلونے دولہ جو اپنی دکان چھوڑ
 سجائے فرمیں اپنی چرائے کاغذ پر
 عجیب لوگ تھے اک واسطی چھوڑ
 وہ جس کو پڑھتا نہیں کوئی بولتے سب ہیں
 جناب تیر بھی کسی زبان چھوڑے
 لیجئے اب اعلان ہوا ہے کہ سرزمین ہادیوں کے ایک
 ایسے ذہوران شاعر نے اس کا کلام سماعت فرمایا
 جو پڑھتا بھی خوب ہے اور کہتا بھی اچھا ہے۔ او
 وہ ہیں جناب قمر جاوید سہسوانی۔ جناب قمر جاوید
 میرے عزیز دوست جناب حسین ہادیوں کے
 بھائی ہیں۔ مشکرا تے ہوئے مالک کے قریب
 آگئے ہیں۔ سیاہ کوٹ اور سوئٹرز میں ملبوس
 ہیں۔ بڑے عمدہ ترنم سے غزل شروع کی ہے
 ہماری زلیت کا کیا ہے رہی رہی نہ رہی
 تھا احسن ہے تم رہو، وقتا رہے
 شاعر وہیں زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مگر نہ
 کی صدا میں بلند ہو رہی ہیں۔ جناب کھنوی
 فرما رہے ہیں ان صاحبزادے کے اگر کبھی تیر
 ہیں تو کچھ کر گزریں گے۔ آگے ارشاد ہوا ہے
 خدا کرے کہ تیری زندگی کے گلشن میں
 خزاں نہ آئے صدا موم ہم ہمارے
 قمر جاوید کے بعد اناؤنسری نے اعلان کیا ہے

اب جہدِ غزل کے ذریعہ شاعر صاحب متوجہ
 طبع آزمائی سے ان کا کام سماعت فرمائیے
 معراج صاحب چٹکوں اور سفید گورت زیب تن
 کیے گئے ہیں کتنی رنگ کی چادر ڈالنے مانگ کے
 قریب آگئے ہیں۔ جلدیائے ان کے خلیے سے
 لعل اندر چھونے کے لئے طرح طرح کے پتے
 استعمال کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ متوجہ صاحب
 فرمائیے ہیں مجھ میں نہیں آتا کہ مائیں اپنے
 بچوں کو کھوکھوں کا چھوڑ دیتی ہیں۔ اسی الزام
 کے حامل میں متوجہ صاحب ترنم سے غزل مشتاق
 رہے ہیں۔

اور کیا دے گا یہ شوق کا قصا مارا نظام
 گھر سے ہم صرف بزرگوں کی دھالائے ہیں۔
 متوجہ صاحب کی غزل سے مشاعرے میں جان
 سی پڑ گئی ہے۔ لوگ محسوس کر رہے ہیں کہ متوجہ
 صاحب نے آج کی زندگی کا کرب اپنے اشعار
 میں سمیٹ لیا ہے۔ ابھی لوگ متوجہ صاحب کی
 غزل کے تاثر میں محسوس ہوئے تھے کہ کانا کاسر
 نے اعلان کیا کہ جناب منتظر بھوپالی سے ان کا کام
 سماعت فرمائیے۔ منتظر صاحب گرم سوٹ میں خوش
 مانگ کے قریب آئے ہیں اور ادراک کے صداقت
 کی روشنی میں کہنے لگے اشعار بصورتِ غزل
 سنار ہے ہیں۔

پسیاست ہے مرے ملک کی ارباب وطن
 حید کے دن بھی یہاں قتل ہوا کرتے ہیں
 انتخاب آئے گا، آئے گا، مزہ آئے گا
 ہم نہیں کہتے مگر لوگ کہا کرتے ہیں
 مشاعرہ اب کام بہ کام منزل کا مایابی کی طرف جڑ
 رہا ہے۔ لوگ بدعت گوں جو کشتوراء کے کام کو
 محسوس رہے ہیں اور ضروری دوا سے فارغ نہ ہیں۔
 اب اعلان ہو رہے شاعری سخن کی ترجمانی ہے،
 اور سخن یا کو طرقتِ حید ہے یا پھر وحدت میں۔

حاصل میں یہ مادہ جگہ کے لئے اب مختصر
 نسیم بخت لکھنوی کو زحمتِ غزل سرائی دے گا
 چونکہ مختصر نسیم بخت صاحب جو دانش پرورد
 اور دہشیں بڑی شاندار ہے نیازی کے ساتھ اپنی

جگہ سے اٹھتی ہیں۔ کالے پرندے میں ساڑی اس پر
 کوٹ زیب تن کیے ہیں۔ ذوقوں کو شانوں پہ پہلنے
 کے لئے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ زندہ دل فوجانِ برحق
 گوش بنے ان کو درگج سے رہے ہیں۔ گہرو میں بھی حرکت
 میں آگئے ہیں۔ ترنم سے غزل پر صفائی کو کوشش کر
 رہی ہیں۔ انترہ اٹھانے میں سانس ساتھ نہیں
 دے رہی ہے مگر قطعاً چھوڑ رہی ہیں سے
 ساز کے ساتھ میں لغات بدل جاتے ہیں
 تم بدلتے ہو تو کلمات بدل جاتے ہیں
 بے وقافی کا زمانے سے کر دیا کیا شکوہ
 وقت کی دھوپ میں حالات بدل جاتے ہیں

غزل کے جنفا اشعار بھی سن لیجئے
 بیگی ہوئی آنکھوں سے جو بیزار بہت ہیں
 وہ ہنستے ہوئے لوگ بھی بیمار بہت ہیں
 اے گردِ سفر یاؤں کے چھالوں سے آنکھ مت
 ہم اہل جنوں جو بھی ہوئی خود دار بہت ہیں
 چہلے زمانہ، خرد دل اور غم جاناں
 منتفی ہوں کہ میرے کبھی پرستار بہت ہیں

ہر موڑ پہ مل جاتے ہیں جہدِ ہزاروں
 شاید ہری سبھی میں ادا کار بہت ہیں
 محترم جو آرزو میں لے کر تشریف لائے نہیں وہ
 پوری نہ ہو سکیں اور بہت معمولی داد یا کر رہے
 مشاعرے کی داد نہ کہنا ہی بہتر ہوگا، اپنی جگہ
 تشریف لے آئی ہیں اور اب دعوتِ سخن دی
 گئی ہے جنابِ تہیر مرزا صاحب کو۔ زبیر مرزا
 صاحب گرم سوٹ زیب تن کیے ڈانس پر تشریف
 لائے ہیں اور بڑے عمدہ ترنم سے غزل مسخروں
 کی ہے۔

ہم کہ خود ہی دیتے ہیں روپ نیت سے اس کو
 وقت ہی محافظ ہے، وقت ہی کشیدار ہے
 گردِ گرد ہیں شامیں دھوپ دھوپ ہیں صبحیں
 اٹھیا کہاں یا رو، کیسا یہ گاؤں میسر ہے؟
 کوٹھیلوں کے پیچھے سے آگ صدا ابھرتی ہے
 یہ صبحیں جہاں بابا تیرا ہے نہ میسر ہے
 کس کو معتبر سمجھوں، کس کو اپنا گرداؤں

کل جو میرا اپنا تھا، آج تیرا میسر ہے
 مشاعرہ کا حامل کچھ ایسا اکھڑا اکھڑا ہے
 کہ اس کو کٹر دل کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ وقت نپلا
 ہو گیا ہے، سردی کی شدت ہے اور ہر شخص اس
 موڈ میں ہے کہ اس کا پسندیدہ شاعر بلا جاملے
 مشاعرہ کے بھڑکتے ماحول کو دیکھ کر تقدیم و تاخیر
 کی دیواری توڑ کر جنابِ کیفیت بھوپالی کو زحمت
 سخن دی جا رہی ہے۔ تعارف کرا۔ تم ہوئے جتنا
 اتور حلال پوری فرما رہے ہیں کہ جب مشاعرہ کا
 رنگ بگڑا جاتا ہے تو اس کو سنبھالنے اور دلوں
 پر بارشِ کیفیت کرنے کے لئے حضرت کیفیت
 بھوپالی کو ہی بلانا پڑتا ہے۔ کیفیت صاحب جو
 دانش پرورد قریب بیٹھے تھے، اس بجلے پر
 چراغ پا ہو گئے ہیں۔ مانگ کے قریب پہنچ کر
 فرما رہے ہیں:

”جب تعارف کرنے کی اہلیت نہیں
 ہے تو تعارف کرانے کی ضرورت کیا ہے۔
 آپ کی نظر میں گویا میں مجھے لگاتے والا
 چلوں۔“

ایک سیکنڈ ٹھٹھانے کے بعد کچھ داؤدی میں
 غزل شروع کر دی ہے

زندگی شاید اسی کا نام ہے
 دُوریاں، مجھڑیاں، تنہائیاں
 داد کا رہا ہے کہ کہنے میں نہیں آ رہا ہے۔ کئی
 فوٹو گرافوں نے ایک ساتھ کھیرے میں کیفیت
 صاحب کو بند کر لیا ہے۔ مگر مکتور کی صدائیں
 بلند ہو رہی ہیں اور کیفیت صاحب بڑے دالہاد
 انداز میں پڑھ رہے ہیں۔

کیا زمانے میں یونہی نکلتی ہے رات
 کروٹیں، بیتابیاں، انتظار دلیاں
 کیفیت صاحب نے غزلِ خم کی اور تیزی سے اپنی
 جگہ آنے کے لئے بڑے کہ ایک ادھر، ایک اور
 آواز میں بلند ہو گئیں۔ مجبوراً کیفیت صاحب کو کچھ
 مانگ کے سامنے آنا پڑا۔ فرما رہے ہیں۔
 ہم نہ پیشین گوئی کے ہیک کی ساقی

لے یہ چرا پیمانہ پڑا ہے
 کیت صاحب اپنے لب و لہجہ کے ان کے بن
 سے ایک نمایاں حیثیت کے مالک ہیں چنانچہ
 کامیاب و کامران اپنی جگہ واپس آئے ہیں۔
 اور جلال پوری نے کیت صاحب کے رنگ
 کو ہلکا کرنے کے لئے جناب آفتاب گھنوی کو
 دعوت سن دی ہے۔ لیکن وہ کیت صاحب کے
 رنگ کو اتارنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کا
 ایک قطعو آپ بھی شوقیے سے

سوال ہے بڑے حالے میں اب کہاں جائیں
 ہر ایک شخص یہ کہتا ہے بھائی تل جاد
 میں ان کے گھر پر پہنچا تو ان کی ماں نے کہا
 کھادی قرینہ زیادہ ہے، تم محل جاد
 آفتاب صاحب مناسب داد کے ساتھ اپنی جگہ
 پر واپس آگئے ہیں۔ بیچے اب دعوت سخن غزل
 شتیر صدیقی کو دی جا رہی ہے بشیم صاحبہ
 میرے اور کیت صاحب کے قریب ہی زندگی گزار
 تھیں۔ چھوٹا سا ڈھری میں بیٹھیں ہیں۔ مالک
 کے قریب آکر فرما رہی ہیں کہ اگر آپ لوگ اجازت
 دیں تو کچھ شنائیں۔ اس پر ایک آواز بلند ہوئی
 ہے کہ شنائی نہیں تو کیا شکل دکھانے کے لئے
 مالک کے سامنے آئی ہو۔ اس نچلے گوشہ کو سن کر ہنسا
 میں ایک قطعو پڑھا ہے

اوسوں کا سب اس کی حساب کر دیا گی
 ہنسا ہنسا کے میں اس کو گلاب کر دوں گی
 وہ دیکھنے کو اگر مل گیا کہیں اب کے
 پڑھوں گی اتنا کہ چہرہ کتاب کر دوں گی
 زندہ دل طلبار نے بڑا لطف لیا ہے اور کیسے کیسے
 فقرے چست کیے ہیں جن کا لکھا جانا خلاصہ ادب
 ہے، اب ان کی غزل کے اشعار سے بھی لطف
 اٹھائیے۔

اب کے پھر ڈوں گی تو کھو جاؤں گی
 راستہ روک لے پاگل ہیرا
 ایک صاحب زادے جو میرے قریب ہی بیٹھے ہیں
 اور انتظامیہ کمیٹی کے ممبر ہونے کی سہولت
 کی شکل میں بیٹے پر لگائے ہوئے فرما رہے ہیں

راستہ تو ضرور روک دیتا مگر کیا کروں پولیس
 افسران ضرورت سے زیادہ ہی یہاں آگئے ہیں
 ان کے اس چلے پر چشمہ صاحبہ بھی مسکرائے
 بغیر نہ رہ سکیں اور جابجا فرما رہی ہیں اپنی اپنی
 بحث کی بات ہے۔ آگئے ارشاد ہوا ہے
 کھو گیا کھیلنے بچپن کی طرح
 وقت کی بیڑ میں اک پلی میرا

عندہ غزل، خوبصورت پر اپنا بیان، صبر
 اور دلکش ترنم اور اس پر بھولنے کی بوجھاڑ
 شاعروں میں رنگ لگایا ہے۔ شتیم صاحبہ غزل
 پڑھ کر اپنی جگہ واپس آئی ہیں اور اتنا دلنسر
 نے اعلان کیا ہے کہ اب میں اپنے مشاعرے کے
 اس شاعر کو دعوت دے رہا ہوں جو دلجو افلاں
 کے دلوں کو اپنی آواز سے مسکراتے ہیں۔

بات آستین کی بوڑھی اور سفید پتلیوں
 پہنے بکھرے ہوئے بالوں کو جنبش دیتے ہوئے
 جھومتے جھلکتے نور اندری صاحبہ مالک کے
 قریب آئے ہیں اور وہی محسوس اپنی غزل
 شروع کی ہے جو متعدد مشاعروں میں شائع
 ہیں۔ صن سامین سے نئی غزل کا مطالبہ زور پکڑ
 رہا ہے۔ تقاضہ شدید ہوتا جا رہا ہے چنانچہ ایک
 صاحب زادے کھڑے ہو گئے ہیں اور انھیں کے
 انداز میں یہ مصرع پڑھا ہے۔

”تمہاری غزل تو بہانی رہے گی“
 عروہ قد اندری ہی کیا جو ایسے اچھلے کا کوئی
 دلش لیں۔ وہ تو مجھوم مجھوم کے فرما رہے ہیں
 ابھی وقت ہے تو کوئی کام کر لیں
 کہاں مڑتوں تک جواتی رہے گی
 سرشام اکٹھے بکھری ہیں وہیں
 سو تک نفاذ و عزائی رہے گی

فرد صاحب کو میں شعر پڑھنے کے بعد
 غزل کو جوتا پڑا ہے اور اسی حال میں دوسری
 غزل شروع کر دی ہے۔

کہیں بھی دفائی نشانی نہیں ہے
 بزمِ دل کی بستی پہ پائی نہیں ہے

اب ایک ایسی بستی کو دعوت سخن دی جا رہی
 ہے جسے شاعروں کو اپنے کلام اور ترنم سے قسٹ
 لینے کا حق آتا ہے اور یہ ہیں جناب فنا نظامی
 کا پوری کشمکش پر رنگ کی سفید وانی، لکھی ڈپٹی
 سفید داڑھی اور آنکھوں پر چشمہ لگائے پوری
 شاعرانہ دھج دھج کے ساتھ مالک پر آئے ہیں اور
 فرما رہے ہیں کہ علامت طبع کے باوجود محنت مولائی
 کی یاد میں منعقد ہونے والے اس مشاعرہ کی
 کشش مجھے یہاں بھیغ لاتی ہے۔ یہ مشاعرہ اس
 ہوٹل میں ہو رہا ہے جہاں بے ادبی کرنے والوں
 کو اکٹھا کر باہر کر دیا جاتا تھا۔ آج جس ماحول میں
 یہ مشاعرہ مناجارہا ہے اس سے مجھے شگفتہ
 پہنچ رہی ہے۔ اتنی عظیم بستی کی یادیں مشاعرہ
 اور اتنی بے کیفی کی فضا میں، تعجب کا مقام ہے۔
 فنا صاحب کی تقریر سامعین پر اثر کر گئی ہے اور
 انھوں نے بحث، اللفظ غزل مناجارہ خوب

داد و وصول کی ہے۔ آپ بھی سنتے رہے
 ہم بھی اسی چمن کے ہیں تو خار ہی بھی
 تھوڑی جگہ گھڑوں کے برابر ہیں بھی دو

ہم نے دیا ہے اپنا ہوشاں شاعر کو
 اب آئی ہے بہار گل تر ہیں بھی دو
 ایسا بھی کیا کہ سیر بہاراں تمہیں کر دو
 تسکین کے واسطے کوئی منظر نہیں بھی دو

یاد دالہ کون ہے پھر ہوگا فیصلہ
 جیسا تمہارے پاس ہے مجھ میں بھی دو
 جو ٹوٹ کر بھی سیکڑوں شکلیں بنا سکے
 ایسے ہی آئینہ کا مقدر نہیں بھی دو

حقیقت افزوں ہائیں اور غمیری قاب میں ڈھلی
 ہوئی، جناب فنا نظامی کا کلام بہت پسند کیا
 گیا ہے۔ وہ داد کے شعور میں اپنی جگہ واپس
 آئے ہیں اور اب اعلان فرما رہے کہ جناب
 راحت اندری سے ان کا کلام سماعت و شائع
 راحت صاحب مالک کے قریب آئے ہیں
 چند اشعار آپ بھی سن لیجئے۔

کشتی پر آج آہلے توبہ قلم کر دیا
 لاؤ مجھے چواریا دید و میری ذمہ داری ہے

ایک ایک قطرہ تول کے دے گا ایک ایک پیڑ لگا کر
 اب سانی مڑوں کا نہیں ہے اب سانی بیویاری ہے
 پھولوں کی خوشبو توئی ہے تھنی کے پڑھے ہیں
 یہ رنجن کا کام نہیں ہے رہبر کی مکاری ہے
 راحت صاحب کے بعد جناب تصور
 زہری کو دعوت سخن دی گئی ہے بقدر صاحب
 پدمے شاعرانہ وقار کے ساتھ انک کے قریب
 آئے ہیں سامعین پر ایک طائر تو نظر ڈالی ہے نصیحت
 اور کلام کا اثر رنگ دکھا رہا ہے فرار ہے ہیں سے
 بکھرتی تھی جب آواز تو خیال آیا
 کھامشی کو بھی جینے کی آرزو ہوئی
 آنری بار جہاں ہم نے پکارا تھا نہیں
 اس سے آگے تو غمخیزی بھی نہیں جانتی ہے
 اکادمی کے اپنے ہی در پہ کھڑا تھا میں
 خاموشیوں نے چپکے سے اندر گلابا
 موفرا ذکر خیر کے مصروف ثنائی میں ڈم کا پہلو تلاش
 کہ کہ مصروف اولی کے آنری ٹیبل سے ربط پیدا
 کیا جا رہا ہے۔ ایسی پر سرگوشی کے ساتھ زیر لب
 تبسم کی بہار بھی دیکھنے میں آ رہی ہے تصور تھا
 داد و وصول کر کے واپس گئے ہیں اور ادھر ناؤنٹر
 کی آواز ابھری ہے کہ کلم کو کس عطا کرنے کا نام ہے
 قہیم بریلوی۔ جیسے جسم صاحب کتنی سوٹ اور
 جس کی زیب تن کیے انک کے قریب آئے ہیں اور
 اپنے مخصوص ترنم میں غزل مشاعرے ہیں سے
 اُن نے یوں باندھ یا خود کوئے رشتوں میں
 جیسے مجھ پر کوئی الزام نہ آئے دے گا
 کہیں کہیں سے آدواہ کی صدا سن کر و سیم صاحب
 فرار ہے ہیں کہ خاموشی کے لئے شکر گزار ہوں
 لیکن اگر آباد والی داد تو دیکھئے۔ ان دو مصرعوں
 میں آج کا ہندوستان ملاحظہ ہو
 سب اندھروں سے کوئی وعدہ کیے بیٹھے ہیں
 گون ایسے میں مجھے طبع جلانے دے گا
 سمجھتی جھیل، کنول، بانے، سہک، استانا
 یہ برا گاؤں۔ مجھے شہر نہ جلنے دے گا
 اگر آباد میں ظلم رہی تھی میرا خالق نہیں
 کے گیت جناب شہر بار کے تحریر کردہ ہیں ملاحظہ

اسی قصہ زیادہ جی جو مجھ رہی تھی کہ شہر بار بھی
 تشکیل اور مجروح کی طرح اپنے ترنم کے مالک ہیں
 لہذا انھوں نے شہر بار کے نام کی رٹ لگا رکھی تھی
 لہذا شہر بار صاحب کو بلا لیا گیا۔ انھوں نے مالک
 کے قریب آکر تحت اللفظ میں فراق کی خدمت کے
 عنوان سے چند اشعار سنائے
 بٹک گیا کہ منزلوں کے وہ سراغ پا گیا
 ہمارے واسطے غلام میں راستہ بتا گیا
 مرا دل تھی آنسوؤں کی اوس سے ہوئی تھی
 اسی لئے عذاب بھر اس کو اس آ گیا
 سامعین کے جذبہ کا باندھ کوٹ گیا اور وہ فلم کے
 گیت کا مطالبہ کرنے لگے۔ شہر بار صاحب نے غزل
 تحت اللفظ سنائی شروع کی تھی کہ ترنم سے ہوئی
 کا شور بلند ہوا۔ وہ صرف شاعر تھے گیتا بننا ان
 کے پس کی بات نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ ان کے لئے اس
 کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ تھا کہ حول پڑھتے
 ہوئے اپنی جگہ نشست پر پہنچ جائیں۔ لیکن
 اب جناب قہیم جے پوری تشریف لائے ہیں۔
 خیر وانی، پانچا مار اور انھوں پر بٹکے درم کا چہرہ
 لگائے برسوں کے ریاض سے تیار کی ہوئی اپنی مٹی
 غزل شنار ہے ہیں۔ آج بھی وہ ان کی نظر میں تازہ
 ہے۔ پرانی غزل کو نئی بنا کر باذوق سامعین کی نذر
 کر رہے ہیں
 اپنے منے کا تم کچھ نہیں غم یہ ہے
 کون اٹھائے گا بیل تیرے غم زندگی؟
 زندگی کے لئے حشر درکار ہے
 زندگی کے لئے اتنی کم زندگی!
 مرنے مرنے بھی تمسکراتے رہے
 رکھ لیا ہم نے تیرا بھرم زعمی
 فہیم صاحب اپنے ترنم کی داد پاکر واپس آئے
 ہیں اور اعلان ہوا ہے کہ کیجیے اب ایسے شاعر کا
 کلام سماعت فرمائیے جس کی غزلوں میں چڑو وال
 اور نظموں میں گاؤں کی سونہری مٹی کی خوشبو
 لگی ہے۔ میری مراد ہے جناب تذکرہ نگار سے۔ جتنا
 تذکرہ نگار جی جو میرے وانی اور ٹوٹی زیب تن کے
 ہوئے ہیں، اپنی جگہ سے قدرے آگے بڑھ کر

ڈانس پر بیٹھ گئے ہیں اور سب سے ٹوٹی آنا کرنا گ
 نیچے کیے جانے کا مطالبہ کیا ہے۔ بہت قدر ہونے
 کے باعث کھڑے ہو کر پڑھنا ان کے بس کی بات
 نہیں تھی۔ اس لئے بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں۔ ان کا کلمہ
 ملاحظہ فرمائیے۔
 ہے قدم قدم پر خطروں سے آگے بڑھ رہا ہوں
 اسے موت کیسے روکے جسے زندگی بھلائے
 ذرا دم تو لے لے لطفال اک تھا کہ راستے کا
 میرے دل کے توڑنے میں تیرا دم نہ توڑے جائے
 جناب تذکرہ نگار کی مناسب داد وصول کر کے اپنی
 جگہ واپس آ گئے ہیں اور اناؤنٹر کے اعلان کی ہے
 کہ شاعری شہرت بھی ہے اور شاعری بعیرت بھی۔
 ایسی شاعری کے لئے آج کا ناد جناب میں اسی
 جذبہ کا نام لیتا ہے۔ — انھوں نے دو
 غزلیں سنائی ہیں، آپ بھی چند شعر ملاحظہ
 فرمائیں۔
 جنوں کی راہ الگ تھی مگر خود والے
 ہر ایک محام ہے کہ تو نکارتے ہی رہے
 خبر نہیں آتھیں ابلی جہاں نے کیا بننا
 رو طلب میں جو دامن پسارے تھا ہے
 مٹی کے ساتھ مری چشم خوں دشمن ہوئی
 گھوٹوں کے ساتھ دل داغدار بھی ہو گا
 جہتی صاحب کے بعد اعلان ہوا ہے کہ ترقی پسند
 تحریک میں چند دانشور پیدا ہوئے تھے اس میں
 ایک نام علی سردار جعفری صاحب کا ہے۔ لیکن
 اب صدر محترم سے ان کا کلام سماعت فرمائیے۔
 جعفری صاحب نے مالک کے قریب آکر غزل
 سنائی ہے۔
 باعث رشک ہے تنہا روی رہبر و شوق
 ہمسفر کوئی نہیں دوری منزل کے سوا
 ہم نے دنیا کی ہر اک شے سے اٹھایا دل کو
 لیکن اک شوخ کے پرہیز مارے محفل کے سوا
 صدیق شاعر کی اس غزل کے خاتمہ پر اعلان کیا
 گیا ہے کہ وہ محفل شوخ و سخن جو یاد حضرت سونانی
 سجائی گئی تھی، اب تم کوئی ہے۔

آپ کی
اور آپ کے کاروبار میں
ترقی کا ضامن
سودہ فرمیں



نصف صدی سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک ایسے ادارے کا
حیثیت کا حامل
سودہ فرمیں

آپ کا اپنا بینک

بمبئی مرکنٹائل کو آپریٹو بینک لمیٹڈ

(شیلڈ ولڈ بینک)

جو سماج کے ہر طبقہ کا ساقی اور مددگار ہے [۱] جہاں غلامانہ اکیلیج سے متعلق سچی
سہولیات دستیاب ہیں [۲] جہاں جمع کی گئی رقم پر دوسرے کاروباری بینکوں

سے ایک فیصد زیادہ منافع ملتا ہے

ہمارے کھاتے دار ہی ہمارے سب سے بڑے سرمایہ ہیں۔

عازمین جو کینے خرر مبادیہ کے خصوصی انتظامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین معیاری خدمات کا نمونہ ہیں

دھلی آفس
۳۶۵۵ نیتاجی سبھاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵

فلاورین الکن جی ڈیوار ٹمپٹ
۳۶ نیتاجی سبھاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵
۳۲۷۱۳۹۵
ٹیلیکس ۳۱۰۷۷۸۳۳ ZAININ

مہد آفس
زین رنگون والا بلڈنگ
۷۸ محمد علی روڈ
مجمعی سوسائٹی ہمارا شرا

میرے خواجہ تماش

سامھو شیار پوری

میں طبع آزمائی کی ہے۔ وہ شریکداری میں مجھے
پر مٹائی رکھتے تھے۔ فنی اور ادبی حقیقت سے بہ طور
خاص و محبت تھی۔ عروسی پر محکم دسترس تھی۔
عم نجوم کے ماہر تھے۔ علم طب سے بھی شغف تھا۔
سکندر کے عالم تھے۔ تصوف اور روحانیت
میں درک حاصل تھا۔ عبادت اور باو الہی کے
انے پابند کہیں سفر میں بھی ناغہ نہیں تھا۔ گویا
ان کی ذات جامع القہات تھی جس پر انشوری
کی تقریب کا منہج اطلاق ہو سکتا ہے۔
وہ صاحب کی مطلوبہ تصانیف کی تعداد
پر بشمول مجموعہ ہائے کلا متعجب ہے اور ہر تصنیف
ان کے تجرّی علم اور ہنرمندی کا شاہکار ہے۔
لیکن میری نظر میں ان کی جادوئی ہیبت پر مغفرت
دیکھنا کا منظوم ترجمہ ”ہندی کے سلطان شہزادہ“
”حقیقی مباحثہ“ اور ”غنی تاریخ مٹوئی“ ایسی
میر کر آراء و تصانیف ہیں جو رہتی دنیا تک ان کا
نام و نشان رکھیں گی اور ”ثبت است بر جہدہ

کرلی۔ اسی دوران میں فارسی زبان سیکھنے کا
شوق پیدا ہوا، تو جالیس میں کاسفر پیدل طے
کر کے قندھوش میں سیاحت کی خدمت میں کوہ جانبر
ہوئے اور پٹائی کے لئے درخواست کی، ان سے
”عراقی البلاغت“ کا نسخہ لے کر پیدل بحسب
دائیں گئے۔ اس کے بعد قدم قدم پر دستاویزوں
اور دستاویزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ادب حاصل
اور خوشی فحش کے امتحانات پاس کئے۔ عربی کا
درس حاصل کیا اور انگریزی میں بھی مشدّد
پیدا کر لی۔

جناب وقن کی شاعری کا آغاز ۱۹۳۶ء
میں ہوا۔ حضرت جو شریسیان کی تحفقت اور
تربیت سے ان کی صلاحیتوں کو ابھرنے لگے پھر
کا موقع ملا۔ پھر جو شریسیان کی اجازت سے
احیار الملک جناب وکی شاہ جہانپوری سے بھی
مشورہ لی گئی۔ اور انھوں نے افوا البلاغت کے
خطاب کے کو ادا۔ جناب وقن نے جملہ اصناف سخن

وستان و اشعار کا ایک اور روشنی
چراغ بجھ گیا۔ جناب وقن ہندوستانی نے ہر
نظم کو بھان کوٹ میں داخل کر لیا اور بیک کہا۔
ان کی پوری زندگی جستجو، محنت، لگن اور استقلال
کی درس آموز داستان ہے۔

جولانی سرشتیہ کو ہندوستانی و ہندو
گوردا پتور میں ان کا جنم ہوا۔ ان کے ذی علم
والہ ہند متھرا اور اس ”کھٹ شاستری“ کہلاتے
تھے اور ملنے بھر میں محرم تھے۔ لیکن لاکھ کا یہ
عالم تھا کہ وہ وقت کی زبان جو میں میر نہیں تھی۔
وہ لادام وقن ہندوستانی نے ایسے ماحول میں
جیسے میرے قریب کے گاؤں سے پانچویں جماعت
تک تعلیم حاصل کی۔ وہ بنگلہ دہلی کا امتحان پاس
کیا۔ نزدیک اور ذکی تھے۔ لہذا اندر میں کی خواہش
افزائی اور تعلیمات سے بے دوسری کی سند نادریں
اسکول۔ گور دھس پور سے حاصل کر کے ۱۹۳۵ء
میں بھونڈیالہ میں اسکول میں ملازمت اختیار

حالم دوام کی ضامن ہیں۔

جناب رتق ہمدان ہونے ہوئے میں خود کو بچھڑان کہتے تھے۔ نہ عقلی، نہ قلبی، نہ شعری، نہ فاضل، نہ گویا جزو انکسار کا ایک زخمہ کواد تھے، شاخِ قردار کے مانند سرخسوں اور ٹوکڑیوں کا پھانسی کی ٹیکہ سرخی کا خاتمہ تھا۔ اپنے عزیزوں اور خودوں سے محبت و مودت کا انہار ایسے سلیقے سے کرتے تھے کہ اس میں جذبہ احترام کا پہلو بھی ملحوظ رہے۔ میں بصر میں ان سے اندازاً اچھڑا سس چھوٹا ہوں، لیکن انھوں نے اپنے التفات و تیز سنوٹک سے بزرگی اور خودی کا پردہ بھیج میں حائل نہیں ہونے دیا۔ ان کی اعلیٰ ظرفی کے اس پہلو کی ایک جھلک درج ذیل خط میں ملاحظہ کیجئے۔

پندرہویں
۳۴ مارچ ۱۹۶۹ء

سرایہ ایتام و مروت، قبلہ جناب صاحب

صاحب !

آدابِ نیاز و دعاؤں و دعائے فقیرانہ۔
جناب داد کا دل چاہی صاحب کے خط محبت غلط میں جناب کا ذکر خیر پڑھا کہ پانی یاد میں تازہ ہو گئی۔ آپ کا ایک حکم جو مقامِ فرید کوٹ صادر ہوا تھا بنو زحود جان ہے۔ محبت بے وفا کی کر گئی۔ سیدہ دوار کے دورے اور آخوب چشم نے اس بچھڑاں فقیر حقیر کو سہرا پا فقیر بنادیا۔ لیکن اس حکم کی تعمیل ضرور ہو گئی۔ دینا بددعا آید۔ ایک مقالہ جناب کے استاد خزل کو شرفِ اخلاک کے زریعہ ہوتا ہے۔ اس میں جناب کا ذکر خیر شدہ ہے۔ اس کی جگہ لگا۔

صحت کی خرابی کے سبب باہر نہیں جاسکا ورنہ ہوشیار پورے مٹا کرے میں جناب کے دربار پر اندر ضرور نصیب ہوتے۔ احباب کی خدمت

میں سلام بخون۔ زیادہ نیاز !

خاک نشیں، رتق پندرہویں

خوابی صحت اور صحت کے سبب سری ہر گو بند پڑ کر بچوڑ کر یہاں اپنے آبائی گھاؤں میں آنا پڑا۔

یہ خط کیا ہے صحیفہ اخلاص و جلم ہے۔ ایسے بلند خیالات کی حامل شخصیتیں اس جہان فانی سے رخصت تو ہوجاتی ہیں کہ ہر ذی وقار کے لئے موت برحق ہے، لیکن ان کی یاد نہایت دل میں ہمیشہ زندہ و پائندہ رہتی ہے اور ان کے اخلاقِ حمیدہ کی خوشبو گھسانے اور معنی کو محفوظ و معبر بنانے کا کفایت ہے۔

رہے نام اللہ کا !



کیا

آپ کسی کوئی تصنیف

ناول۔ افسانوی یا شعری مجموعہ

اشاعت کے لئے تیار ہے، اور آپ اسے بچھڑانا چاہتے ہیں ؟

تو

اس سلسلے میں آپ ہماری خدمات حاصل کیجئے۔

ہمارے پروڈکشنز حسن کتابت، طباعت اور گٹ آپ کے لحاظ سے اعلیٰ معیار

پیش کرتے ہیں۔

شان ہند پبلی کیشنز، فلیٹ ۸۔ انصاری مارکیٹ دیانگ نیو دہلی ۲۔

موسم کا یہ چکر ہے
پھر کاؤ ہے ہندوؤں کا
بس نام کی برکھا ہے

یو ساتھ تو کیسے ہو
سوئے سادہ کی میلا
جب ہاتھ لگے سے ہو

انہلے نہ اندوں کا
ناپیں گے نہ قلیں گے
یہ مال ہے چوروں کا

ہر منہ کی صد اماندھی
ہر جھوٹ نے برج بن کر
کیا خوب بڑا اماندھی

پنگٹ ہے نہ پنہارن
اک تو ہے لوہے کا
سینچے ہے زمین کا حق

خود اپنی ہوا سے ہے
ہم نے تو بھی سمجھا
جو ہے وہ خدا سے ہے

آکاش تو میں میرے
کس کام کی یہ دنیا
جب تم ہی نہیں رہے

کلی ہوئی صحت ہے
دھرتی کی ہوا بدلی
ناسا از طبیعت ہے

جب محمود بھی جائے
پھر کام کے دفتر کو
پاگل کی طرح بھاگے

اُنہی ہو کر ہو سیدھی
پھر دکر نہ تم پھر د
یہ مالا ہے مشکوں کی

کیا دُعب جھائے ہے
ہے جینو بڑا پانی
اک آگہ نہ بھائے ہے

کس سوچ میں دلدل ہے
کیا چوکا کسرتی سے
کجوس کی کسرتی ہے

دیکھا ہے تو دیکھا کیا
بے حد سے بڑے بے حد
آکاش کی سیا کیا

آپس میں سمونا ہے
دلوں کو محبت میں
احساس بھی کھوتا ہے

اس پہلے سے یوں نکل
وہ بے کو خود آیا
جب بھی وہ ہوئی اگی

اب پنج میں اک پل ہے
اک تپ پہ پہا بیٹھا
اک چھوڑ یہ بائل ہے



ماہیا

دیکھ قمر



حسن اصلاح

زارِ علامی

ہے کہ مجھ فنونِ لطیفہ میں شاعری کا ذوقِ سب سے
اُدھیا ہے۔ یوں تو دوسرے فنون میں بھی باقاعدہ
ریاضی اور سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے مگر شاعری
کا تعلقی پچھلے غار میں حسن کے علاوہ باطنی سے
جتنی جڑیں ہیں۔ لہذا یہ فن کچھ زیادہ ہی عجیب گامی
کا مستحق ہے۔

خون سے سینا پر تاج کا کام نہ لیں
منہ سے یہ لہجہ اُٹھنا کوئی آسان نہیں

زارِ علامی

خود کا ظاہری حسنِ قویہ ہے کہ کلام
میزانِ عروض پر تلا ہوا ہو اور بہ اعتبارِ زبان و
بیان بالکل صاف سُفرا ہو۔ سلاست و روانی
بدو جلا اتم ہو جو گد ہو۔ ردیف اور قافیہ اپنی جگہ
دوست ہوں۔ ادا الی کے علاوہ مشابہت کے
حاکم کردہ یا بندہوں کا پورا خیال رکھا گیا ہو۔
یعنی اب ہم اپنے ہی اشتیاقِ اصلاحی
توجہ پیش کرتے ہیں۔

خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جو
اصحابِ عبق انظر، بجز کا اور کچھ مشتق ہیں،
اُن کے یہاں غلطی کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔
جن حضرات کا تنقیدی شعور بالغ ہوتا
ہے وہ اپنی تخلیقات پر گامے گامے نافذ از نظر
ڈالنے رہتے ہیں اور جو اس مقام یا خامیاں اُن کو
فطر آتی ہیں، اُن کو سنبھالنے کی سس کرتے رہتے
ہیں۔ ایسی وجہ سے ان لوگوں کے مشاہدہ کا
مقابلہ زیادہ جاذبِ انظر ہو جاتے ہیں۔ بعض
اوقات یہ کوشش اس لئے بھی ہوتی ہے کہ اُن
کے مشاہدہ کا ترقی یا کُویب سے خوب تر ہو جائے
لیکن یہ سلیقہ ہر فن کا کہ میسر نہیں ہوتا۔ اس
اسلوب میں بظنی لائے کے لئے ظاہر اور منہ
ریاضی کی ضرورت ہے۔ اگر یہ طریقہ کار کسی
کاہل فن کی رہنمائی میں ہوتا ہے تو ہر سوں کے
منازل دیکھتے ہی دیکھتے سر ہو جاتی ہیں۔
اس حقیقت پر مجھ فن کاروں کا اتفاق

ہو اصلاح کے لغوی معنی
ہیں: صحت، درستی، مروت، تربیت، تصحیح
اور نظارت۔ یعنی کسی بھی چیز کو دوبارہ اس
ذھن سے سنو اور نا اور سجانا کہ وہ جاذبِ نظر
ہو جائے۔

کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام
کا پتلا اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اُس پتے کے
خود حال سنواڑنے کے بعد ہی فرشتوں کو حکم
دیا کہ وہ اس کو سجدہ کریں۔

جب خداوندِ دو عالم کو اپنے ہاتھوں
سے بنائے ہوئے شہ کاہ پر نظر ثانی کرنا پڑی
تو پھر ان کی (جو کچھ خطا و غمیاں تھیں)
ادھت ای کیا ہے۔

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی تخلیقات
ہر قسم کے مغایب سے پاک و صاف ہیں، اور
اُن میں کسی قسم کا محول نہیں، وہ سر اسر

ناموز و نیت

میر باغی زائر:-

خبر ہی سے ہے حکومت و خانہ حیات
خبر ہی کو جانتا ہوں سامان حیات
خبر ہی کے واسطے ہیں جی میں خوشیاں
خبر ہی سے اصل میں ہے آسکان حیات

اصلاح:-

خبر ہی سے فتنہ ہے کوئی خانہ حیات
خبر ہی مل حال
خبر ہی مل حال
خبر ہی مل حال

توجیہ:- اصلاح سے پہلے معرکوں کی
ناموزوں تھا۔

سلامت و روانی

سرمایہ زائر

تفصیل کہ ہوتی ہے ہمیشہ سبکی
کس کا کہ کا وہ کام جو کر دے بونی
اسے نامور کشتوں کا سینہ سیکو
بروقت کی بھی نہیں با با علی علی

اصلاح:-

تفصیل مل حال
کس کام مل حال
اسے نامور مل حال

نیت کا بھی نہیں بجایا علی علی علی
توجیہ:- محامدہ "با با علی علی" بھی درست
ہے مگر سلامت اور روانی کے پیش نظر "با با"
کی جگہ "میری" رکھا گیا ہے۔ "میری ہی علی"
نے جو لطف دیا وہ اب زبان سے پوشیدہ نہیں۔
مشعشع زائر:-

جنتیہ الفت میں اثر ہے تو وہ دن و رات
راہ پر آئیں گے کسرا کے نکلنے والے
اصلاح:-

جذبہ الفت میں ہے تاثیر و انشاء اللہ
راہ پر مل حال

توجیہ:- یوں تو پہلے معرکوں میں روانے
دواں تھا، مگر اس خیال نے کوئی بھی کام
اندر کی مرضی کے بغیر یا یہ نیکین تک نہیں پہنچا
ہمیں پہلے معرکہ کو بند ہی کرنا پڑا اب خبر
نسبتاً زیادہ رواں دواں بھی ہو گیا اور معنی
میں بھی خاص لطف پیدا ہو گیا۔ وجہ اصلاح
یہ حقیقت بھی ہوئی کہ وہ تاثیر غیر اختیار ی
ہے، اس نے انشاء رابطہ کہنا بہت ضروری تھا۔

حسن و دیقہ

مشعر زائر:-

تو خوش ہوا ہے نہ ہی میں اس کا چراغ
تار کیوں میں توڑ کا دیا بہا دیا
اصلاح:-

روشن ہوا ہے نہ ہی میں اس کا دیا
تار کیوں مل حال

توجیہ:- جس غزل سے یہ شعر لیا گیا ہے
اس کا مطلع یوں ہے کہ
مناجبات و آفتاب و طلسمات کا دیا
میری نظر نے حسن کو کیا کیا بنا دیا

یہ غزل بقید دو قافیہ تین و بغیر یک
قافیہ تعلق ہوئی ہے۔ شعر کو مطلع بناتے سے
اسے یہ اصلاح لکھ کر دو بالا کر دی ہے۔ وجہ
اصلاح کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ "چراغ" کے
مقابلہ میں "دیا" یعنی دیک کی ہستی نہ ہونے
کے برابر ہے اور اس کی روشنی کھلا نہ صرف
میں ڈوبنے کے لئے ایک نئے کی مثال اچھ ہوئی
ہے۔ یعنی ضرورت کے وقت ایک بے حقیقت
چیز بھی بہت بڑا کام کر جاتی ہے۔ ایک پہلو
اور "اس" ہندی لفظ ہے اللہ چراغ
فارسی "کام" حوت امانت "اس کا چراغ"
درست ہونے ہوئے بھی ذہنی سلیم پر بار سلوک
ہو تا تھا۔ اسی لئے "اس کا دیا" بنایا گیا ہے۔

سادگی

مشعر زائر:-

جنتی کی راہ میں لے ڈار سنیں کہ جنت
مُنہ کی کھاتے ہیں پہلے دوزخ کے چلنے والے
اصلاح:-

راہ الفت میں ذرا دیکھ کے جنتا ہے واڈ
مُنہ کے بل کہ نہ گمے دوزخ کے چلنے والے

توجیہ:- ظاہر داری میں شعر میں کسی قسم
کی کوئی کمی نہ تھی لیکن حضور کر نے بہ کئی کر دیاں
نظر آئیں۔
علا سخیں کر جنتا۔۔۔ گرنے سے بچ کر جنتا۔
"مگر نا" فعل اختیار ہی بھی ہے اور غیر
اختیار ہی بھی۔

مُنہ کی کھاتا۔۔۔ مُنہ پر چوٹ کھاتا
"مُنہ پر چوٹ کھاتے" کے نئی اسباب
ہو سکتے ہیں جن میں سے ایک سبب "اوند سے مُنہ
مگر نا" بھی ہو سکتا ہے۔

فعل غیر اختیار ی کی صورت میں مصلحت
کی تعین کرنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح
جب مُنہ پر چوٹ کے اسباب اور بھی ہو سکتے
ہیں تو دوزخ کے چلنے والوں کے ساتھ یہ ٹکڑا
بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

اب اصلاح سے شعر میں کسی قسم کا
اُلجھاؤ نہیں رہا۔ "دیکھ کر جنتا" یعنی رستے کی
ناگوار داری اور اینٹ پتھر کا خیال رکھنا تاکہ
طلو کر نہ لگ جائے اور مٹو کر کھا کر دوزخ سے مُنہ
نہ گر جاؤ۔

مُنہ کے بل گرنے میں مُنہ کی کھانے کا پہلو
بھی مختص ہے۔ دوزخ کے چلنے والے کسی وقت بھی
طلو کر کھا کر دوزخ سے نہ گرنے سکتے ہیں۔ یہی وجہ
اصلاح ہے۔ محامدہ کے استعمال میں بھی
کوئی فرق نہیں پڑا۔

تحقیق میں آمیزش جذبات

حقین عوام اور حقین شاعر میں اگر کوئی
فرق ہے تو یہ قصہ بھی کہ شاعر اپنی بات میں سے
جذبات کی چاشنی بھی بھر دیتا ہے اور اسی چاشنی

کے سبب ایک معمولی اور بے رُوح خیال ہیں
بھی زندگی سی آجاتی ہے۔ اور اسی زندگی کو
تڑپ کا نام دیا جاسکتا ہے۔

پڑتا ہے۔ یعنی "پا" کا الٹ سا لگا کر پڑتا ہے۔
اسی کے اصلاحی معرکہ میں "کر" کی جگہ "کے"
بنا یا گیا ہے۔ اب معرکہ کا وزن یہ ہو گیا:-
مفعول مضمر / مفعول مقامی / مفعول

قائم کرنا دُور کی بات ہے۔ ”مکرمہ اکاغہ“ کہہ کر صحیح مناسبت قائم کرنے کے علاوہ معنی میں خوبصورتی لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

معنی آفسرینی

شعبہ ڈاک

تمام جملے ہی ذیل جملوں میں حقیقت میں
نظر کو حشر کی آئینہ دار ہونے کے
اصلاح:-

مجازاً آپ ہی ذیل جملے کا حقیقت میں
نظر کو علی حال
توجیہ:-

جملے آج جملے ہیں، لہذا ان کا حقیقت
میں وصلتا ہے مگر سی بات ہے مجاز کا حقیقت
میں وصلتا اپنے دامن میں نہایت نہیں معنی میں
ہوئے ہے۔

پرواز تخیل و معنی آفسرینی

شعبہ ڈاک

اب نہ کہہ سکتے تھے کہ بھول کے نہ دیکھ سکتے
آج یوں شیخ کا منہ بند کیا ہے ہم نے

اصلاح:-
زہر اگلے گا زہر بھول کے نہ دیکھ سکتے
جام سے شیخ کا منہ کین دیا ہے ہم نے

توجیہ:-
”منہ کھولنا“ اور ”منہ بند کرنا“ دونوں
مجازوں میں تضاد ضرور ہے مگر خدشات سا
ہو کر رہ گیا ہے ”یوں“ یعنی ”اس طرح“ کی
کوئی وضاحت نہیں۔ مگر اڈائی میں ”ہر“ معنی
بھرتی ہے۔

منہ کھولنا وہیں کشادہ یا باز
کردن کا ترجمہ ہے۔

زہر اگلنا ... منہ سے زہر ڈالنا۔ بڑا بھلا
کہنا۔

زہر اگلنے میں کسی کو کسی سے کم
نہیں اور کوئی کی نظر سے زہر اگلنا ہے ”منہ
کھولنا“ ”منہ بند کرنا“ کے مقابل میں بہتر ہے۔
اور جام سے شیخ کا منہ کینا تو ایک جملہ جو ایجاد ہے۔
ایک دقیق پہلو اور۔ صوتی اعتبار سے

”جام“ ان الفاظ میں سے ہے کہ اس کی ادائیگی
کے اختتام پر بند ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ
میں دے گا جو اس سے بہتر نہیں دے سکتا۔

شعبہ ڈاک:-
عجب چال خطاب کی باز دیوانے
ہو اس آؤ گئے پھر غضب را دیوانے

اصلاح:-
غضب کی چال خطاب کی باز دیوانے
ہو اس آؤ گئے پھر غضب را دیوانے

توجیہ:-
”عجیب چال ہے“ سے بہتر فریب دینا

کے معنی ہی برآمد ہوئے ہیں ”جبکہ“ غضب کی
چال دینا“ میں تیزی و رفتار کا پہلو میں مضمر ہے
اور یہ دیرالوں کا خیال دین کے آؤ گئے“ کیلئے ایک
مناسب و ہم جواز بھی ہے۔

”غضب“ کی تبدیلی کا باعث یہ بھی
ہے کہ غضب میں استعجاب کے ساتھ جوش

بھی ہے اور فراخی کی وہ علامت بھی ہے جس
کا احساس دیوانے کو تو نہیں ہوتا، البتہ
خود مندوں کے لئے یہ فکر یہ ضرور فراہم ہو جاتا ہے۔

شعبہ ڈاک:-
پیری آئی تو بے نوا بی خیاب آئی ہے
تاوانی میں عجب جوش تو آتا ہے

اصلاح:-
پیری علی حال
تاوانی میں نیا جوش تو آتا ہے

توجیہ:-
”ہرگز آمد عمارت تو ساخت۔“ بہت
خیال و جہر اصلاح ہے اور اسی تبدیلی سے یقیناً
معنی کا حسن دو بالا ہو گیا۔

”صوتی اعتبار سے“ نا ”اور“ ”سب“
”قرب“ ”خروج“ ہونے کے علاوہ حسن کا مزید ٹکڑا
اس لئے بنا رہے ہیں کہ دونوں میں سبب اور
دور کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی کا مکتب اور مستند کلام

کلیات اکبر

چھپ کر تیار ہے مجملہ، بہترین کتابت طاعت، خوشنور گرد پوش
قیمت: ایک سو پچاس روپے

برگنے

ناشر کاظمی کے مجموعہ کلام کا خوبصورت
نیا ایڈیشن قیمت: پندرہ روپے

نا قابل فراموش

نامور صحافی سردار دھان سنگھ متھن دیلیر سیٹا“
کی اپنی طرز کی واحد تصنیف

قیمت - ۱۰/-

پٹھان کی بیٹی

پریم گمار چوہے

خام گمار پٹھان کو اپنے گھر سے لے گیا۔

آج سے قریباً سولہ برس پہلے کی وہ خام شاہ فلم ڈسٹری بیوٹر کے دفتر میں ملحق ہوا جانے کے بعد خام گمار بھائی گھر پہنچے۔ پولیس کی گلیوں میں گزرتا ہوا اس اسٹینڈ کی جانب جا رہا تھا کہ ایک ایک پٹھان نے روکا۔

”برادر! میں حیران نہیں ہوں۔ مگر تم نے اعداد و اہل ہوں۔ میری اپنی سوت چاہی ہے۔ میری دو دو پتی معصوم کچی مروی ہے، گناہوں کے علاج کے لئے دو پیر دکا رہے۔ میں اپنے باپ، دو سوتوں کے پاس بھی گیا مگر وہ جس سے کوئی بھی نہیں ہوا اور میں اور حیران ہوا کہ خدا کا کوئی تو بندہ میری مدد کرے گا۔“

”مگر میں نے پاس تو ملنے سے ایک دو پہ ہے، اور مجھے بس کھٹ بھی پتا ہے۔“

”خدا قسم! میں نے تم سے پہلے نہ کیا ہے۔“

مگر اس کے کوئی پر جا بیٹھا اور اس کی نظریا بننا کے معنوم چہرے پر ایک گلیں۔

اس نے میں کسی نے خام گمار کو پٹھان کو آدم کی خبر کوئی۔ خام گمار دوڑا اور پٹھان بھاگ گیا۔ اور اس کے چہرے کو سوز سے دیکھنے لگا۔

”اسلام علیکم! اچھے بیچا نا؟“ پٹھان نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”نہ“

”او میں منصور پٹھان ہوں! تمہارا دوست! تمہیں یاد ہے برادر؟“ کتنے سال پہلے میں تمہیں بھائی گھر پہنچے پولیس کے قریب ملا تھا۔ جب میری کچی بھاری تھی۔“

”اوہ! منصور پٹھان!“ یہ کہنے ہوئے خام گمار نے گرو غنی سے پٹھان کا تیرہ مقدم کیا اور دونوں ایک دوسرے سے ہلکے ہو گئے۔

میتا سمیرا اور دفتر کے اگلی حیران سے یہ منتظر دیکھ رہے تھے۔

ایک اینڈ کمپنی کے ری سیپشن کسٹمر کے دفتر کے سائے اٹھ گیا۔ پٹھان خود دار ہوا اور بولا ”جیسے خام گمار صاحب سے ملتا ہے۔“

کاؤنٹر پر بیٹھ کر ری سیپشن کسٹمر نے خام گمار کو پٹھان کو دیکھنے کی گھبراہٹ۔ اس کے ذہن میں کچل کی خبری سے وہ بات آئی جو کہ اس نے کچل کو گلوں کی بابت ملنے کو سن کر وہ لوگ پٹھاؤں سے دوپہر اڑھا رہے ہیں۔ مصیبت عدم ادائیگی پٹھاں انہی قرضہ داروں کا چچا اپنے ہاتھ میں چڑائے کر کہتے ہیں۔ کیا مسٹر خام گمار نے بھی اس پٹھاں سے دوپہر قرضہ لے رکھا ہے؟

خوشنما نے درد سے کہتے ہوئے ہاتھوں سے پٹھان کو کرسی پر بٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ اسے درد تھا کہ پٹھاں اس کی بات نہیں مانتے گا، مگر پٹھاں نے

کا ہاتھ پکڑا تو اٹھوں نے میں ایسا ہی جواب دیا۔
میں نہیں ہڑکاؤ اسلحہ دیتا ہوں کہ میری ہتھی کے
واسطے پکڑ کر دو۔۔۔ اس کی آواز میں بڑا درد تھا۔
شام کے نہ پٹھانوں کی آنکھوں میں دیکھا
جس میں الجھنک، یہی کلمہ ادا کیا، "تجھا تو نہیں
آنا کر سکتا ہوں۔ میں ایک ڈاکٹر کو جانتا ہوں۔
ڈاکٹر وہ بھی۔ اور کئی دیکھنا کے سامنے دکھانے
تم اپنی ہتھی کو آؤ تو اسے ڈاکٹر صاحب کو دکھا
دیتا ہوں۔"

پٹھان کی جان میں جان آئی۔ کتاب جامع
سجدہ کے نزدیک واقع کسی جگہ سے اپنی بیوی اور
بچی کو دکھائیں پٹھان کو لانا تھا۔ مگر اس کے پاس
دیکھنے کے لئے بھی پیسے نہ تھے۔ چنانچہ شام کے لئے
ایک والف کا بیچاڑی سے دو روپے ادھار کر کے
پٹھان کو دے دیا اور وہ شام کے کوڑھالیں دیتا ہوا
جامع مسجد کی جانب چل پڑا، یہ کہتا ہوا "اوتارا
اٹھ، نہیں بندہ میں منٹ میں ٹوٹ آؤں گا۔ تم
میں میرا انتظار کرنا۔ خدا کے واسطے!"

شام کے قریب پٹھان گھنٹہ بیک جگہ کی گھر پر
انتظار میں کھڑا رہا۔ اس دوران اس نے دیوار پر
لگے ہوئے خام پوسٹر پڑھ ڈالے اور ایک چائے
والے سے چائے بھر لیا، لیکن پٹھان کہیں نظر نہ
آ رہا تھا۔
مٹا خام کھا کر پٹھان دھن میں سوار نظر
آیا۔ اس کے ساتھ ایک عورت برفہ پہنے اور ہاتھوں
میں مٹھا بچہ لے کر پہلی صف میں پہنچے کہ جسم کے گرد کپڑے
جس میں چپڑی پہنی ہوئی تھی۔

پٹھان کا یہ جس و حرکت جسم پہلی بار نبھ
مٹھو واسطہ اور اس کے منہ سے ڈیڑھ تو بڑی چیخ نکلی
جیکو ڈاکٹر وہ بھی نے اسے ایک انگلیں مٹھا با پھر
ڈاکٹر صاحب نے دو لڑکی چار پڑا دیتے ہوئے
چار چار گھنٹے کے بعد ایک پڑیا پانی میں گھول کر
پٹھان کو پلانے کی جاہت دی۔ ڈاکٹر نے اپنے دھنوں
پٹھان کا نام "خاندانہ" رکھ دیا اور اس کے باپ کا

نام منصور خان۔
پٹھان ادا اس کی بیوی ڈاکٹر کو بے خبر
دھالیں دیتے ہوئے ڈاکٹر کے کمرے سے باہر نکلی
گئے۔ شام کے لئے وہی ڈاکٹر اس سے کہا۔
"ڈاکٹر صاحب آپ کچھ کا کھانا کھانا
کر دیں۔ جب تک کہ ہر روز دست نہ ہو جائے۔ میں
آپ کا بن پہلی تاریخ کو چھکا دوں گا۔"

"جن کی خبر نہیں مگر۔۔۔ ڈاکٹر نے کچھ
وہی آواز میں شام کے لئے کان میں کہا۔ "بچی کی
حالت بہت ناگہم ہے۔ میرے خیال میں اس کا
بچنا محال ہے لیکن ہنگواری میں کچھ سکن ہے اسے۔
میں نے بہترین علاج دے دیا ہے۔ بچی کو ڈیڑھ گھنٹہ
بٹو ہے۔ دو ڈول پیچڑوں میں سوچیں آچکی ہے۔
سائنس اکوڑ چکی ہے۔ اب آگے ان ماں باپ کی
تقدیر۔۔۔"

پٹھان اور اس کی بیوی بچی کو لئے کٹھانیں
سوار ہوئے تو شام کے لئے ان سے کہا "کسی
صلح نہیں آجانا۔ بچی کوئے کر دوسرے بچے ڈاکٹر صاحب
کو دکھا دیں گے۔"

منصور خان نے ماں "میں سر لایا۔
رکتا آگے بڑھ گئی۔

شام کے لئے اس ایلیٹ کی راہ لی۔
بیس میں سفر کرنے وقت میں ڈاکٹر کا لٹا
اس کے کافوں میں گڑھا ہے تھے۔ "بچی کو ڈیڑھ
نمونہ بڑا ہے۔ اس کا بچنا محال ہے۔ آگے
ایں ماں باپ کی تقدیر۔۔۔"

پھر خیال آئے ہی کہ اگر وہ حق جی چل بس
تو کن روز وہ پٹھان اور اس کی بیوی کو کس حالت
میں دیکھے گا۔ اس کا جسم کا پٹا اٹھا۔

اس رات وہ اس کی فکر کے باعث وہ دیر تک
سو نہ سکے۔ کافی رات گئے اس کی آنکھ کی تو شام کے لئے
نے طلب میں دیکھا کہ کچھ مسلمان لوگ ایک بچے کی
لاش اٹھاتے ہوئے اسے دفنانے کے لئے جا رہے تھے۔

اچھی صبح شام کے لئے دوسرے بچے کی گئی کہ
نکڑ پر کمر منصور خان کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اس کا بول

دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ بچے زندہ تو نہ ہوئی
مری گئی ہوگی۔ اتنی نفی میں جان اور ذہنی خونہ۔
نکڑ آجکل بڑی کامر دوا میں بھی قوت سیاب ہیں۔
ڈاکٹر نے کہا تھا نا کہ بہترین دوا دے دی ہے۔
شام کے لئے اس میں پریشان خیالات کے تانے
بانے میں الجھا تھا کہ اس کی نظر سامنے سے آجوا لی
ایک رکشا پر بڑی جھپٹہ منصور خان رکشا میں
سوار تھا۔ شام کے لئے اس کے لئے بڑی جگہ۔ تو بچی
داخلی چل بسی!

منصور خان رکشا سے جھلانگ لگا کر اٹھا
اور شام کے لئے اسے مٹھے ہوئے بولا۔

"اٹھ کر فضل اور تیری مہربانی۔ بچی کی
حالت بہت بہتر ہے۔ اس کا بخار بھی گھٹ گیا ہے۔
اور خاص میں سپولیت سے لے رہی ہے۔ میں بچی
اور اس کی والدہ کو ڈاکٹر کی ڈکان پر بھیج
آیا ہوں۔"

منصور خان کی بیوی برفہ پہنے اور اپنی بچی
کو گود میں لے ڈاکٹر کو کان پر مہربانی کے پہنچ
(الحمد للہ) پر مہربانی میں شام کے لئے اس
کے قریب جا کر بچی کو ایک نظر دیکھنا چاہا۔ ماں نے
بچی کو اپنے ہاتھوں میں ڈال دیا تھا اٹھایا۔ پھر
اپنے جیسے سر سے ڈھاسا برفہ سر کا کر ایک آنکھ سے
شام کے لئے دیکھنے کے بعد کھڑا۔ اور جیسے تم ہی سے اس
کا شکریہ ادا کیا۔ شام کے لئے کو لگا کر جیسے اس
خود کی روح اس کی آنکھ میں اتر آئی تھی شام
کے لئے بنایا ہوا اٹھا، لالی سے مہربانی کو لگی ہوئی
آنکھ دیکھ کر، جو طابات بہرہ و حق رہی تھی۔
مگر جس میں اب شکریہ کا ایک آنسو تکی کی طرح
چمک رہا تھا۔ ایک ہفتہ تک علاج حالہ کے بعد
بچی کس قدر خوشنایاب ہو گئی۔

شام کے لئے اور منصور خان دوست بن چکے
تھے۔ منصور خان شام کو اکثر شام کے لئے دفتر کے
قریب اس کا انتظار کرنا۔ اور دفتر سے جتنی پوتے ہی
شام کے لئے اسے آن رٹا۔ پھر وہ دن گھنٹے پہنچے

سادھو

سلام بن رزاق

ادھم تھا میں نے اس کی چنگاریوں کا فوہ سنا دھوا
الادھم کے سہارے مدھن میں وہ لوہا یوں دکھائی دے
رہا تھا جیسے ابھی اچھا مسندہ متھن کے پھدائی آگ سے
کسی سیاہ فام مردان کی طرح براہ پہنڈ پاس کی ایک
چھوٹا چکر بڑے انچاک سے شعلوں کی کہ پھان زباقوں
سے اڑنے والی چنگاریوں کا رقص دیکھو رہا تھا سام
نے ہر سب دیکھا تھا کہ بڑا تشف ہوا کہ اس نے اس طرف
کیوں نگاہ کی۔ پیش آنے والے حادثے نے کچھ بار
پھر مٹھل کر دیا اور اس نے پاس کو کھڑے بہتے شخص
سے کہا۔

وہ اب بیڑہ مجلس کر رہا ہے گاہ اور قری سے
آگے بڑھ گیا۔ وہ ٹھس سا دھوکا اس بات پر پہلے تو چکا
پھر رورہا جاتے سا دھوکا کوئی بہتری کی کہ اس پر ایک
مستفادہ نگاہ ڈالی اور متحرک رہا اٹھائیں ہنسنا۔ وہ پتہ
انہی کا تھا اس کے چھٹے کئی رخصتے اسی طرف روڑا ڈال
اگر بیٹھا تھا ادب پا نے شعلوں کا فاشا دیکھتا رہا
تھا کہیں ایسی دلی بات نہیں ہوتی۔ اتنے میں وہ دھوا

اور کھٹکھٹا تھا وہ اتنی دھوا تھی کہ شاپ کی نوک سے
باؤٹھو اس کے پیر سے پہنڈل جیسی مصوہیت باقی تھی۔
سادھو کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا چہرہ سا چوگیا
اور ہڈی کی کانٹہ جیسا پڑکشش ہون ٹرہہ دھوکا
مانہ پھوٹے لگا۔ سادھو نے گہرا کہہ رہا دوسری جانب
پیریا اور پیریا آواز میں ایک راہ گریہ ہوا۔

وہ اس راہ کو دیکھتے ہو۔ وہ ابھی کنویں میں ڈھک کر
مر جائے گی۔

پھر پیر کے تری سے آگے بڑھتا چلا گیا ابھی وہ
سڑک کے پہلے سڑک پر پہنچا تھا کہ مقب سے صورتوں کے
جھٹکا چھٹے جانے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے
ٹوک ٹوکیں دیکھا۔ دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی وہاں
جو کہہ کرنا تھا اس نے اپنا لگاؤ پیش میں سے پہلے ہی دیکھ
لیا تھا۔

تھوڑی دیر چلنے کے بعد اس کے ایک طرف حلقہ چری
دکھائی دی جس میں ایک سیاہ فام لوہا اپنے زون
جھوڑے سے لوٹ کر رہا تھا سامنے بڑا سا ڈھک

وہ ٹھکا کا تھا۔ سادھو اس گاڑی پر پہلی
بار داخل ہوا تھا مگر اس نے گاڑی کی متعدد میں اس
انجام دے لہم رکھا جیسے گاڑی کے سارے گلی کوپے
اس کے دیکھنے بھاٹے ہوں۔

گاڑی کے کنارے ایک کنویں پر بہت ساری عریں
پانی بہ رہی تھیں جن میں پڑھی جوان بھی شامل تھیں
ان لطف، عمر وں پر نظر پڑنے سے وہ خشک گیا
اس کے پڑھے چہرے کی جڑیاں مزہ گری ہو گئیں اور
اٹھ پر ادھول گرب کی ایک گہری آہیر آئی۔

وہ نہ جان کی طرح بدلتی بسا دہر چھہ دانے بہ جھامت
وگولہ پڑنے پر اس آیا۔ ان میں سے ایک کے
مشتبہل کا احوال وہ کھلی کتاب کی طرح پڑھ سکتا تھا
خصوصاً اس کی نگاہیں اس دہریشیز مرد پر کھائیں جو
کنویں کی موز پر برقی ڈول سے پانی کیچ رہی تھی
اس کے چہل چل کرتے پاس سے بہت جھٹکا کہ وہ ایک
نویا ہوتا ہیں۔ اس کا ہم ہڈی کی کانٹہ جیسا پھکد

میں سنبھل کر پھاٹی اور گردن کا پسینہ صاف کیا اور کوئی پہاڑی خرابیوں کو دیکھا چھوڑ کر پہاڑی پینے کے لئے اتر چلا گیا۔ سادھو نے نیز قدم اٹھا کر اس ان دیکھ بھنگ کر کچھ جندھا پہنچا تھا سادھو کے گھڑ پر اسی کا پڑھا تھا وہ جانتا تھا کہ اس وقت کے سر پر سیاہی کے پتے پیچھے پتے کی طرح سٹائی وے کی اور دیکھا تھا کہ اس کے سامنے وہ صاف کی چھاؤں میں قدم کا پتہ نہایت سے ایک دلہن پر چڑھائی دی سادھو کے قدم کے نیچے وہ چلتا رہا۔ اب وہ گاؤں کے باہر پہنچا تھا وہ اس کا اصرار تھا وہ بھی کہ چوکیا تھا۔ اسے یہی تھا کہ اس سامنے طلبہ بکری کے داس وہ مندر پر پہنچا چند قدم لے کر تھی اس کی نظر مندر پر پڑی۔ وہ ایک پہاڑی اور سیدہ مندر تھا جس کے سونے ڈھچکے تھے سونے کی پڑی تھی اور چاروں طرف تاریکی کا راج تھا۔

اس نے سوچا اب اس مندر کے ایک گوشے میں گرگ چلا چکا ہے وہ سکون اور اطمینان سے ٹکی کی ٹوکھا رہا۔ وہ اس مسافر کی سی طریت محسوس کر رہا تھا۔ جو ایک غریب مسافر کے بعد کس کچھ وقت کے بعد میں پہنچ گیا ہو۔

اس نے گرگ چلا فرش پر پھیلا اور اس کی زبان سے آواز آئی کہ یہاں ہر وقت کے پتوں کی سرگرمی کے سوا وہاں کسی بھی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

تھا اس دیوانی مندر میں ایک مریض سے کسی منتظر کا گھر نہیں ہوا تھا۔ فرش بدھوں کی دینے چاروں طرف جس پر دوا سے بھر گیا تھا اب صرف اس کے قدموں کے نشان دکھائی دے رہے تھے۔ وقت وہ پہاڑوں کی گدہ ہوا تھا۔ سادھو دوا سے بہر نظر میں چاہے خاموش بیٹھا تھا۔ وہ اس حقیقت سے بہت پہلے آگاہ ہوا تھا کہ آئے والا کو اپنے وقت پہنچ ہی آتا ہے۔ فراہ فراہ کی جہرے سے بھرا دوا و قوس پہنچے مندر وقت سے پہلے نمودار نہیں آتا اور وہی کسی کے ذمہ گھرانے کے وہاں پہنچے لے کر اٹھتا ہے۔ بڑی دیر کے بعد باہر خشک پتوں پر کسی قدموں کی چرچہ ہوتی تھی۔ دوسرے پہنچے ایک اور چوہہ قسم

لاؤ جو میں ہاتھ میں لے کر غریبہ دوا سے میں کوئی نہ کہتا رہا۔ تو میں دوا سے میں کوئی اور مندر کے مندر میں آگیاں میں ہاتھ میں لے کر دوا سے میں کوئی نہ کہتا رہا۔

”بھرت! اندھا جا لیا یہاں اس کو نہ میں نے بھلا دیا ہے میری غلطی تھا۔ مندر کے مندر میں سادھو کی آواز گونئی۔

”جہاں اپنا نام سن کر پہلے تو چکا یہ پھر سادھو پر اس کی نظر پڑی اور وہ چپے چپے قدم اٹھا سادھو کے سامنے آکر گھبرا گیا اس کے سر پر سادھو کی جوتوں کے اٹھ گئے۔

سادھو اس کا نام کو کو معلوم ہوا کہ اس نے گرفت و قتل میں پہنچ کر لیا۔

”دیکھ جانتا ہے کہ یہاں جہرے ہیں۔“

وہ جانتا تھا کہ بھرت اس سے یہ سوال پوچھ چکا تھا۔ وہ اس کی دل میں شک تھا۔ وہ یہی جانتا تھا کہ جہرے میں اسے بائیں خاموش رہنا ہے مگر اس سوال نے اس کی یادوں کے سر سکون کا لہجہ میں ایک جھلک سی پھل دی جس طرح وہ حال کے بطن میں چھپ کر مستقبل کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ اس کی طرف سے اس کی ہی سدا کہ اس کے سامنے آکر رہا۔

جہرے میں پہنچا تھا کہ اس نے اس کا نام بھرت دیکھا تھا۔ اچھے چپے کی پٹن سے جہرے میں پہنچا تھا۔ اس کی پوری گھر اور خاندان کی پر وہ اس کے بچے کو چھوڑ کر کہیں چلا گئی۔ وہ اس کی آغوش میں قدم رکھتے رکھتے گھر سے فرار ہو گیا۔ یوں گھر کا پورا شیرازہ بکھر گیا۔ اب سے وہ اپنے بچے کی تلاش میں جھلک جھلک رہا تھا۔ اس نے مستقبل کی آنکھ سے بار بار اپنے بچے کی جھگڑا کی خوشخوار و جوان کو اس کی پوسیدہ مندر میں اسی حالت میں خبر بھگت دیکھا تھا۔ یہ منظر دیکھتے دیکھتے اس کی انگلیاں برف چمکی تھیں۔

وہ جانتے میں اس گاؤں کے اس سے کتنی ہی بار گھر پہنچا تھا۔ اس کے مندر دکھائی نہیں دیا اور نہ ہی کسی گاؤں میں داخل ہونے کی اس کے دل میں کوئی لاش جاگ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ واقعات اپنے وقت پر ہی نمودار ہوتے ہیں۔ وہ ایک ہی بھر دیکھ چکا تھا۔ جیسے ہر شخص جیسے کہہ کر دیا گیا

ہو۔ اس نے قصور میں اس نے جہرے کے ہاتھ میں لے کر بھرت کی دیکھا تھا۔ مگر ایک غیب ناگہی طرقت سے وہاں پہنچ لائی تھی وہ دیکھنے والا اور دیکھنے والا دونوں وقت کے اس نے بکریاں جالی میں کس قدر بے بس ہیں۔ بے بس میں اس لے دوا کی بے قصور ہیں۔

سادھو کو خاموش دیکھ کر بھرت بولا۔

”دو جانتا ہے اس بستی میں میری جگہ پر ہے میرے انتخاب سے لوگ لپکتے ہیں اور میری زندگی جاہل انہیں نہیں کر دیتی ہے۔ تو شاید نہیں جانتا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔“

سادھو اب ایک بات جانتا تھا پہلے کتنے ہی برسوں سے مستقبل کا ایک ایک راز اس پر افشاں ہوا تھا۔ جب وہ اپنے انت سطر پر گھر سے نکل رہا تھا تو اس سے پہلے اس وقت جب وہ اپنے بچے بھرت کا کام تو بزرگ رہا تھا اس سے بھی پہلے جب وہ خود پہنچا تھا اس سے بھی پہلے جب اس کے باپ کا نام ہوا تھا۔ اس سے بھی پہلے جب پہلا انسان وجود میں آیا تھا وہ ہر نظر کو غیب بے خلق سے دیکھتا تھا۔ جیسے کوئی نامک دیکھ رہا ہو۔ اس کے بعد ان کے کنبوں کی طرح بے شمار انسانوں کی بیدار تھی اور ان کی قسمتوں کی بازیگری سے ساتھ چلی ہوئی ایک ایک گھر۔ وہ گھر کا ہر سدا سے نکل چکا تھا۔ اب جو کہہ سونے والا تھا اس کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ مستقر مستقبل کا ثواب کرنے والا وہ موجود ایک جدت میں مستقبل کی مدد پر کرنے والا تھا۔ وقت کے بہاؤ میں گھر کو ایک گھر پر نہ تھا تھی اور پھر سب کہہ سونے کی طرح خات اور بکریوں کے ساتھ تھا۔ ”تجہ جیسے گھر کا ذرہ دہنا بے حد خطر کی ہو گا۔“ بھرت نے کہا۔ ”تجہ جیسے گھر کے لئے آج کی جی رہا ہے۔“

وہاں سے موت ہو چکی ہے۔ تیرے اعلا جی اسی وقت کا خطا میرے ہے۔

سادھو نے جاہل اطمینان سے کہا۔

”تجہ کہہ رہا ہے تجہ جیسے گھر پر ہر طرف نہیں ہے لفظ کو تو سنا ہے اختیار کی کہ نہیں میرے اعلا کسی وقت سے اس کا سیر ہو رہی ہیں سکتے ہیں جو بہت

بہ کوئے یار

یہ شاعری ۱۳ سال پہلے لکھی گئی

یہ اندازِ محرمانہ نہ کر

مستقل کلام
سرد و قوسوی

خوشتر گرامی کو بیوقوف بنانے کے مُجربے نسخے

خوشتر گرامی میں بکراٹے

واقف کار ہیں۔ یہ پہلے بہت معمولی حیثیت کے آدمی تھے۔ اپنی محنت سے نہیں بلکہ قدرت کی قسم ظریفی سے ان کا کاروبار میں پڑا اور دولت کی سواہری تو ان کو ہوتی ہی ہے، لہذا ان کی ہوتی ان کے دو متمدد میوے میں خاص شعا دلہ رہی۔ اند آج یہ ایک اچھے خاصے سرمایہ دار ہیں۔ بیکوگر یہ خاندانی امیر نہیں ہیں اس لئے خدائی طوف پر انتہائی بگوش اندھے جس ہیں۔ کسی کی ترقی ان کو ایک گھم نہیں بھاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بہ دوست سے جب بھی ذرا سی ترقی کی، تو ان کی فاس سے نہ بنی۔ جہاں تک کوئی غریب و فواد ان کے آسے یہ زبانِ دستانِ دست کہتے رہتے ہیں۔ اگر غدا ان کے ان کے کسی دوست کو کوئی مشکل پیش آجائے تو پھر یہ ایسی آنکھیں چھیڑتے ہیں جیسے کوئی طاغوت کی کھاوت جی ہی ان کے لئے ہو

مگر انہیں یہ خوف بنا کر آپ ہر دم کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آئیے آپ کو پڑائیے قرب نسخے بنا دیے جائیں تاکہ ناظرین میں سے جو اصحاب خوشتر صاحب سے کوئی فائدہ اٹکانا چاہیں اٹھا سکیں۔ آپ جب خوشتر صاحب کے دفتر میں جائیں تو کرسی پر بیٹھنے کے دو منٹ بعد گھٹکھوکھٹک شروع ہوں شروع کیجئے۔

(۱) خوشتر صاحب آپ جس فوٹن پیسے رکھ رہے ہیں ذرا دکھائیے تو سہی۔ فوٹن میں کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد (جی طرح سے خود دیکھ لے کر) کیجئے وہ وہ خوشتر صاحب بھی آپ کے تیر خوشتر میں اتنا زور ہوتا ہے اور آپ کے پسرود میں جان پڑتی ہے۔ یہ بیکوگر وہ ہے جو بیچو بیچ پاس تھا۔ وہ اس سے جو ذرائع کو محبت میرے خطوط لکھا کرتا تھا۔ لوگ تو جانتے ہیں کہ آپ کچھ تر رہے ماما پر پندرت ہری چند اختر سے تیر خوشتر۔۔۔ سرگوشیاں ہیں مگر کچھ دھیر دھیر گہرا ہے

ہیں۔ خدا کی قسم اس قسم سے تو آپ ایک ہی آسمانی کتاب رکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد خوشتر صاحب پورے نذر سے آواز دیں گے "حیدر، جاؤ ایک بجو کا کو لا لاؤ" اور آپ فرمایا شروع کیجئے۔ (۲) خوشتر صاحب خدا ماچیں تو دیکھئے۔ آپ ماچیں مانگیں گے تو وہ الماری سے ۵۵۵ کی سگریٹ کا ڈبہ نکال کر پیش کر دیں گے۔ اس پر آپ یہ کہائیے کہ حضور یہ سگریٹ تو اب میں میں غیر ملکی سفیروں کو ہی بل بکتی ہے اور یا پھر آپ کے من۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہ دیکھ کر آپ کو تھے سفیروں سے کم ہیں۔ میں نے تو سنا ہے کہ حکومت پاکستان یہ سوچ رہی ہے کہ غصنر علی خاں تو بس اب تشریف لے جاتے والے ہیں، ان کے بعد آپ کو کچھ دہ پاکستان کا سفیر ہندوستان میں مقرر نہ کر دے گی۔ کیونکہ آپ سے ویرادہ پاکستان کے سفیر کی عہد شکنی کر سکتے ہیں اور ساتھ ہی یہ فکر دیکھ کر خدا

ظفر کی قسم آپ کی دنیا سلائی تو مندر کی مگر می
 سے بنی ہے۔ جلائے ہیں مندر کی خوشبو آئی ہے۔
 لئے میں سے کو کا کو لا آجکا ہوگا اور خوشتر صاحب
 الہامی سے بسکوں کا ذریعہ بکال رہے ہوں گے۔
 اور آپ اتنے میں یہ کہنا شروع کر دیجئے۔
 (۳) خوشتر صاحب آپ کی کسی وقت
 ملاؤں سے۔ جیسے آپ جتنے ہیں، ویسے ہوتے یہ
 حرکت کرتی ہے اور اس پر آپ نے جو سرخ رنگ
 کا خلاف جو صادر کیا ہے، وہ اسے واقعی حق
 ملاؤں سے تشبیہ دلا رہا ہے۔ اور ساتھ ہی
 یہ قسم یاد دیجئے۔
 (۴) قبلہ میر تو حافظ بونف صاحب نے بھی
 بنوایا ہے مگر خوشان آپ کے میر کے یہ وہ حافظ
 صاحب کے میر کی کہاں۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ میر
 زیادہ جتنی ہوگا، مگر معاف فرمائیے آخر وہ میر
 ہے تو کڑی کا بنی۔ اور باتا اور یہ میر
 گودرج کا ہے۔ سارے کا سارا لوہے کا ہے۔
 جب آپ اس کے دواڑ کو لے ہیں تو اب معلوم
 ہوتا ہے جیسے کوئی کا فر (باڈی) کھڑکی کی ہوئی
 اسٹیج پر آ رہی ہے۔ وہ خوشتر صاحب وہ جتنا
 شہزادہ انی آپ کا ہے، حافظ صاحب تو اس کی
 گرد کو بھی نہیں پہنچتے۔ دیکھئے۔
 (۵) آپ کے ہاں گودرج کی پانچ الماریاں
 ہیں اور کس ڈھنگ سے اکملی ایک دوسری کے
 ساتھ فریٹ سے رکھی گئی ہیں۔ اور آپ تو آپ کا
 کرہ جو اصل نہرو کے کرے سے بھی زیادہ اہمیت
 رکھتے تھے۔ الماریاں تو شاید دفتر "مطبع" میں
 آپ سے زیادہ ہوں گی مگر صاحب آجکی الماریوں
 کا جو رنگ ہے وہ تو آج تک گودرج والوں نے
 کبھی دوسری الماری پر رنگا ہی نہیں۔ اور پھر
 ان کے اندر صلیف ہیں ان کا کوئی بھی کیا ہے۔
 وہ وہ خوشتر صاحب وہ وہ۔
 اتنے میں آپ کو کا کو لا اور میکٹ قسم
 مگر لکھے ہوں گے اور خوشتر صاحب زور سے دلاؤ
 دے کر کہہ رہے ہوں گے۔ اسے حیدر دے دیجئے
 جلدی کر اور انعام و منورث سے اس غلے،

کتاب حسان اور خلافت کے آراء اور آپ کو خوشتر
 بدلتے ہوئے کہئے۔
 (۶) خوشتر صاحب جی ابھی ابھی ایک لکٹ
 اخبارات کے ہاں سے اکمل ہوں۔ ہاں گودرج
 کہ رہے تھے کہ خوشتر صاحب کی کتابوں کی تعداد
 دیتا ہے، مگر بیسویں صدی ایسا رسالہ ہے کہ اس
 میں خوشتر صاحب کی اپنی تصویب آئی ہیں۔ اور
 ظاہر ہے کہ خوشتر صاحب کی تصویب و تصدیق کو کسی کا
 اخلاق نہیں گزرتا، لہذا بیسویں رسالہ پڑھ کر
 باحسان اور حیدر ہے۔ اور پھر چند۔
 (۷) آپ کے تیر خوشتر صاحب نے انوار الہام
 آراء کے "الہام" کے بعد اگر کسی نے بھی کسی
 تعریف سنی ہے تو آپ کے تیر خوشتر صاحب
 جاتا ہوں جس وقت تیر خوشتر صاحب کی ذکر کر رہے
 ہوتے ہیں۔ پوسوں جگہ زمانہ ذرا قبلہ پنجاب
 کہ رہے تھے۔ "اچھی مگر خوشتر صاحب تیر خوشتر
 سے بہت گہرا ہے ہیں یہ عمل دات الیکٹریک کے پیلے
 میں تقریر کرتے ہوئے چوہدری بوم پر کا کش
 چیف منسٹر دی کہ رہے تھے کہ اللہ تو فیہ کسی سے
 نہیں گھبراتا مگر بیسویں صدی کے تیر خوشتر
 اس قدر دوتا ہوں کہ شاید کسی وقت اسے
 دے دوں۔ اس پر وگوں نے بیسویں صدی زندہ
 باد، خوشتر صاحب پانڈہ باد اور تیر خوشتر
 جیٹا باد، کے فکسنگ کیا ہے۔ یہ سننے کے بعد
 خوشتر صاحب زور سے آواز دیں گے پنڈت جی
 --- یہ ان کے منہ میں ہیں۔ ان کے آنے پر حکم دیا
 جالیا کہ دیکھئے آپ کے نام رسالہ بیسویں صدی
 اعلیٰ جاری کر دیا جائے۔ اور آپ سبیلہ کلام کو
 جاری دیکھتے ہوئے فرمائیے۔
 (۸) حضور آپ کی "سرگوشیاں" وہ وہ
 قسم ہے۔ بیسویں صدی کی اس کے پوسے سے زور
 تو جو ان عداوت سے گودرج کی گئے، نہراؤں نے
 مندروں، سکندروں اور گودرج والوں میں جاتا
 شروع کر دیا۔ اور صاحب آپ کا جو فریڈ ہے
 اس کی تو گرد کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اتنے میں
 خوشتر صاحب پنڈت جی کو زیادہ آواز دے چکے

ہوں گے اور حکم کیا جاریا ہوگا کہ انہیں برہم
 ماہ و ہجری سے جھڑپا جایا کہے اور اسے میں
 حیدر رکھائے ہیں کہ چھریں بھی آئے ہوگا۔
 آپ کھاتے میں جائے اور اس جھڑپا سے کہتے ہیں
 جائے۔
 (۹) یہ نالائق سرورہ کو کہ ہے؟ خان ہند
 میں بھی کہیں آپ پر لطیف طنز کرتا ہے۔ میر تو
 خیال ہے آپ ان پر مقدمہ کیجئے۔ خدا کی قسم
 ان کی ضمانت نہ ہو سکے گی۔ جب آپ مقام بل میں
 جوں سے تو کس وقت ٹینگ نامہ پڑے گا کہ پانچ
 کوئی اس کی ضمانت دینے نہ جائے گا اور حیدر
 کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی اسے ٹھکر ہاں لگ
 جائیگی اور جب تک فیصلہ نہ ہو تب تک
 ڈسٹرکٹ جیل میں رہیں گے۔ آپ جیسا ایماندار
 تو خدا نے آپ کے بعد پیدا ہی نہیں کیا۔ اور
 جس ڈھنگ سے آپ نے غمناک بازی مشور کی،
 بڑے سے بڑے سمگلر اور غنے باز اور قمار باز
 اس قسم کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ خدا کی قسم
 میں جہاں بھی جاتا ہوں لوگ بیسویں صدی
 معمول کے غمناک گاتے ہیں۔ گوکل ایک صاحب
 کہ رہے تھے کہ سقوت نہ معلوم اپنے برہم میں
 غمناکوں کے تعلیق ہے کیسے غلط طور پر لکھ دیا،
 کہ سطح مشغول میں آخری روز مقامی حلقہ میں
 بائیس ہزار روپیہ آتا ہے لڑکا لکھہ یہ حقیقت
 ہے کہ مہمہ ۲۵ میں آخری دن مقامی طور پر
 ۲۹ ۳۲ روپیہ آیا ہے۔ اس پر خوشتر صاحب
 کو (خکا) بچ قلب کا وہ دے دئے گا۔ اور آپ خود
 کیجئے کہ خوشتر صاحب مگر بیسویں صدی اور
 شے کا مقابلہ ہی کیا۔ لوگ تو آپ ہی کی تعریف
 کرتے ہیں۔ کیا ہوا، روپیہ اگر زیادہ مبلغ کو آتا
 ہے۔ اور پھر خوشتر صاحب ان کا کہ لکھ لکھ
 کا انجام نکھو، اور آپ کا بیس تیس ہزار۔ اس
 کا بھی تو فرق ہوتا ہی ہوگا۔ مگر اس کے باوجود
 لوگ آپ کی ایمان داری اور دیانتداری کی تعریف
 کرتے ہیں۔ اور پھر آپ کا مکتبہ بورڈ خدا کی قسم
 ایشیا میں ایسا بورڈ نہیں ہے مگر بورڈ تو کیا،

جیسا بیسویں صدی کا ساکن ہوتا ہے، ایسا اور ڈی
ایشیا بحر میں نہ مل سکے گا، جہاں تک ایسا سمندر
بروز ہو۔ آتے ہیں کہیں نہ کہیں سے خوش صاحب
کو قون آئے گا اور قون کی گھنٹی بجے گی اور
آپ قورڈ کیجئے۔

(۱۰) واہ واہ میں تو سمجھا تھا کہ کون کوک
دی ہے، مگر یہ تو آپ کے قون کی گھنٹی بجی ہے۔
خدا کی قسم میں حافظ صاحب سے بھی کی بار بلا
ہوں۔ ان کے قون کی گھنٹی تو کیا چیر کر لوگ لگاتے
کی گھنٹی میں عجب دھڑک آواز لگاتی ہے خوشتر
صاحب آپ کی گھنٹی نہ لاتی ہے۔ اس کے بعد دینی
طرف بڑی ہوئی ایک شخصیت پر نظر پڑا جو عجیب
اور جس قدر چیت کے اٹار آپ اپنے پیسہ پر دکھا
سکتے ہوں، دکھائیے، مگر جھوٹو یہ کیا ہے خوشتر
صاحب آپ کو بتائیں گے کہ اس سے کھٹ جھپٹے
ہیں۔ اور ہم ستر ہزار فیصد منہ کا بچا پتے ہیں۔
اور آپ کیجئے۔

(۱۱) میں نے تو غریبوں کو خوشتر صاحب پر
لفٹ چھاپنے کی شیشی آپ کے ہاں ہی دیکھی ہے۔
اور ہونے سے پہلے خوشتر صاحب پیسہ پیسہ
یا آواز کے ٹکٹ چھاپتے ہیں کیا جتنا ہوگا؟ اس
سے سو سو کے ٹکٹ نہیں چھاپتے؟ اس پر
خوشتر صاحب ایک پیکر سا اٹھا تھا جھپٹ لگا بیٹھے۔
اور آپ کو سمجھائیں گے کہ اس شیشی سے کھٹ چھاپتے
کا کیا مطلب ہے۔ اور آپ کی گھنٹی بجے آئے نہ آئے
آپ شیشی کے ٹکڑوں کی تعریف کرتے چلیئے اور
کیلے کو پھینک اس صفائی سے چھاپتی ہے کہ...
گورنمنٹ کے پرنسٹنٹ کٹ میں اس کا مقابلہ نہیں
کر سکتے۔ اس کے بعد ایک جھوٹی سی مینز پر
بڑی ہونی مینز کی طرف اشارہ کیے کہ صاحب
آپ نے یہ کیا عجیب دکھائیے؟ اس مینز پر ایک
باہر رنگ کا کپڑا لٹا ہوا ہوگا۔ اور خوشتر صاحب
آپ سے کہیں گے کہ یہ کوئی مہمہ میں لاکھوں آدمی
جستہ لیتے ہیں دھال لاکھ ہزاروں میں ٹھیک ہوتے
ہیں، ان کو صحیح صل قورڈ اچھا کہ کر بھڑاتا ہوتا ہے
بڑھیں صحیح میں چھاپتی ہے۔ اور آپ اس پر پیا ہنہ

کیجئے۔

(۱۲) یہ بات ہے ج۔

وہ انگ بانڈھ کے دکھائے وہاں آجپا
اور کیجئے خوشتر صاحب خدا کی قسم آپ کے حق
انتظام، آپ کی نفسانیت، اور خوش ذوق کو
دیکھ کر دل بانج باج ہو گیا۔ اور ساتھ ہی یہ کہہ
دیجئے کہ حافظ صاحب سے ملنے جاتے ہیں تو بس وہ
مطلب کی بات کرتے ہیں اور چلنے کی پسپائی
بلا دیتے ہیں مگر آپ کے ہاں اگر قورڈ اتنا خوش
ہو کر خوش ہو کر رہے جیسے حافظ صاحب، وہاں ہی
آپ کو پایا نہیں پاکستان میں کیا تھا اور۔۔۔

(۱۳) وہاں تنہائی سے لے کر مولانا سالک
صاحب تک یہ کہہ رہے تھے خوشتر گرامی ایسا
مشافہوں کا کوئی ہندو دوست ذخیرہ راہ نہیں
ہو سکتا۔ دیکھئے نا ان کا پچاس ہزار کے قریب
نیازی صاحب کے ہاں جمع تھا۔ سات ہزار تو
سالک صاحب کو دیر لے اور ان کو لاؤنگ ہو گیا
اور ان کا مکان لے کر وہاں خضر دہلوی کو بھلا کر
بیسویں صدی کا دفتر بنا دیا خوشتر گرامی لغات
میں بیسویں ادیبوں نے کھائے، کی اصلاح کے لے
ایک ہزار روپے سالک صاحب کو اور دیئے گئے
لغات کی کتابت میں لاہور میں سالک صاحب کے
زیر انجام ہوئی، لہذا کہ جن کو کبھی روپیہ پیشی
دے دیا۔ دس بارہ ہزار روپیہ تعریفیاری صاحب
کو کمیشن کا دیا۔ اور جو پاکستانی دی جانے
اس کے دس آئے کا کرایہ اور سٹے کے تھان خوشتر
کے فوٹے ہوتے ہیں خوشتر صاحب آپ نے لکھ نہیں
دکھائے کہ پاکستان میں جتنا آپ کا ذکر کیا جا رہا
ہے اور تعریف ہو رہی ہے، اتنا ذکر تو آج کل
وہاں مرحوم قائد اعظم کا بھی نہیں اور نہ اتنے
تعریف آج کل وہاں گورنمنٹ کی ہے اور ساتھ
ساتھ یہ بھی کہتے جاتے کہ خوشتر صاحب آپ کی
قیامت، دوستوں کی خدمت کے وقت میں نے
سنے ہیں، مثلاً نجم تاج کو آپ ایک صد روپیہ
ماہانہ دیتے ہیں۔ دولت صاحب سپاہی پور
ہسپتال میں رہے تو اخراجات آپ کو گوانے دے۔

اور اسی طرح ہزاروں دوستوں کی خدمت آپ
کرتے ہیں۔ اور ہر خوشتر صاحب کی آنکھوں
میں جگ اور دماغ میں روشنی آجائے گی۔ اور
وہ خود آپ سے کہیں گے کہ میں آپ کا بھی ظلم
ہوں، کوئی خدمت ہو تو فرمائیے اور آپ جھٹ سے
کہہ دیجئے کہ جناب وہ خدا اگر جگ بڑے کام کا جیسا
ویسا ہی ہے۔ اگر آپ ایک صد روپیہ دے دیجئے
تو بڑی سہرا بنی ہوگی۔ اس پر خوشتر صاحب زور
سے آواز دیں گے، پنڈت جی! خدا جن صاحب
کو سمجھتا۔ اور کہو کہ چیک ایک ساتھ لیتے آہوں۔ اور
جب پنڈت جی آجائیں گے تو ان کو چاہنا لگا رہا
انعام میں کہیں گے۔ دیکھئے یہ لاہور مرحوم جی جی ہیں
ان کو ضرورت ہے۔ ایک صد کے چیک پر بس دیکھ
کہ ہاں ہوں۔ آپ دو چار معاہدہ مضمون ہو گا کہ
امید لے لیں۔ اب آپ کو آئے ہونے چاہا پانچ گھنٹے
تو ہو ہی گئے ہوں گے۔ ایک صد کا چیک جیب میں
ڈال کر کیجئے خوشتر صاحب۔ آپ کی بی بی، کی
بہت تعریف سنیں گے، کبھی شرف کر لیں۔ اس پر
خوشتر صاحب کہیں گے بس ایک گھنٹہ اور شرف
کر لیں۔ دفتر بند کر چکے ہیں۔ آپ کو سیر بھی
کرادیں گا۔ گئے لاہور میں بھی ہے چلوں گا۔ اور
اس کے ساتھ ہی دھ سے پکار رہے ہیں۔ اور بعد
جلدی سے چائے لاؤ۔ مگر آپ کا خوشتر صاحب بیٹھے
کسی کی بچی لکھائیے۔ اگر آپ کو خوشتر کے طالبوں
کے نام آتے ہیں تو ایک ایک کا نام لے کر وہ وہ
چار چار بی بی لگی گایاں دیئے جائیں۔ اگر نام نہیں
آتے تو ہر سرور قونسی کا جتنے سے جتنے اہ کیجئے
کہ دیکھئے خوشتر صاحب یہ سردار دوا کی خدمتوں
کو کیا سوجھ بوجھ ستر کے کیجئے پر ساتھ چلے گئے اور
منظر منظر کا مقدمہ خارج کر آئے خدا کی قسم
جب تک ستر پر مقدمہ تھا، بی بی والوں کے
جان بچوئی ہوئی تھی۔ اب دیکھئے کا مقدمہ منظر
ہوئی ہے اس نے آپ کی عین خراب کردی ہے۔
آپ کا چہرہ بھی کھلنے سے آج گیا ہے۔ خرفہ کہ
آپ ستر کے خلاف جی قورڈ لے سکتے ہوں غلط
سلط بولتے جاتے۔ اس سے آپ کو یہ فائدہ ہوگا۔

خبر دے سہارنپور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو جنوں
پر حکم دے کر جیل کے قید پر احکم جو۔ ایم۔ لائی
سے لے منگائے تھے۔ اور اپنا اپنے کے بعد آپ
دو سیکہ دین دوپہر کے کھانے پر بلالے جائیں تھے۔
اس کے بعد یہ آپ کے اختیار میں ہے کہ آپ
دوپہر کے کھانے میں کسی چیز کی طرف توجہ کر کے
دعوت کے اس سبیلہ کو جس وقت درجیب ہیں
طویل کر لیں۔

اور پھر بے کیے کے صاحب اس کا تو میرٹھ میں
لوہے کا ہے اور نکل کیا ہوا ہے۔ واہ واہ خوشتر
کی بل میں اور پھر کے لاڈ۔ تو کے لاڈ والاں
کا ہے۔ بیٹا آپ کا ہلکا اندھوہ یہ خوشتر گرامی
کا۔ اپنے بیٹا اور خوشتر کے دوپہر کے تارے
جودل چلے کھانے اور پیچھے۔ اور اگر اکسوں کا
خوشتر ہے تو دوران دعوت میں کہہ دیئے کہ فلاں
صاحب کہہ رہے تھے خوشتر صاحب دوستوں
کو وہ آم کھلایا کرتے ہیں جو ہنڈت جوا ہر محل

کہ خادم کو۔ جے لاڈ۔ میں آپ کو دعوت آتی
جے گی۔ اور اگر آپ بیٹے میں ہیں خوشتر میں ملتی
اور جیسے میں خوشتر کے بندہ ہوں تب تک اپنا فرض
اور اپنے جلیے۔ اور جب خوشتر تمام کو خوشتر بندہ
کر کے آپ کے ساتھ خوشتر کے پیچے اپنی بل میں کے
پاس تائیں تو آپ ان کی بل میں نہ بیٹے رنگ کے
کپڑے کا غلات دیکھ کہے ساتھ کہیے کہ آپ نے
مناہیات غلات خانا میلے سلوا یا ہے۔ ولایت کی
لکھیاں اس صفائی سے فرخ لیدر میں نہیں بخوا
سکتی ہیں اور ساتھ یہ کیے کہ اس پر میں بائیں
رو پیہ لگ گیا ہوگا۔ اس پر خوشتر صاحب انتہائی
اؤٹکی آواز سے کہیں گے ۸۶ روپے کا قہر
پڑا ہی لگا ہے۔ پھر آپ کیے کہ صاحب یہ ذرا بڑا
کیوں بنا گیا ہے خوشتر صاحب آپ سے کہیں گے
کہ یہ غلات میں سے پلائی ہوئے "کار کے بنوایا
تھا۔ میں میں کو فروخت کر کے اب میں پلائی ہوئے
لے رہا ہوں۔ اس پر آپ کیے کہ واہ حضرت واہ۔
حافظت اندیش ہو تو آپ جیسا ہو کہ پلائی ہوئے
کتنے سے پہلے اس کا غلات بنوایا ہے۔ یعنی اس
کی حفاظت کا انتظام پہلے کر لیا ہے۔ جس تو آپ
کی بل میں کو تری کی طرح خوبصورت ہے۔ اور
ساتھ ہی ذرا سرگوشی کے لیے میں فرمایے کہ خوشتر
گرامی کی خانہ میں ہی ہے۔ اگر حافظ صاحب کے
ہاں پلائی ہوئے ہے تو آپ ان سے کہیے کہ میں۔ ج
آپ نے بہت بعد میں سوچا۔ آپ کو بہت پہلے
پلائی ہوئے خرید کر بنا دینا چاہیے تھا کہ "قصہ" ہی
نہیں۔ بیسویں صدی میں پلائی ہوئے خرید سکتی ہے
اور کیے کہ چلو اچھا ہو کہ آپ اب خریدیں بھی
ایک تو بامال ہوگا۔ اور آپ کہہ سکتے ہیں کہ
حافظ صاحب میری پلائی ہوئے نئی ہے۔ اور جب
آپ خوشتر کے ساتھ بل میں میں بیٹھ کر نئی دہلی
کی طرف روانہ ہوں تو کیے خوشتر صاحب امان
مظاہرتم یہ گاڑی تو چنے وقت جلی میں نہیں
ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہوائی جہاز میں بیٹھے ہوں
جا رہے ہیں۔ اتنے میں "جے لاڈ" آجائے گا
اور کار سے اُن کے بعد گاڑی کو بخود دیکھیں

اردو کے دانشوروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ کونے یار

ایسی کتاب اب تک اردو زبان میں اس موضوع پر شائع نہیں ہوئی جو اس قدر
دلچسپ ہو کہ ایک کے بعد ایک ایسی سچائی اضافی رنگ میں قاری کے سامنے آتی جی جاتا
جسے جان کر وہ ششدر و حیران رہ جائے۔

اس مشروط پر

یہ کتاب منگائیے کہ اسے پڑھنے کے بعد اگر آپ کے دل دوامانے کسی گوشے سے ملی یہ بھی
سی آواز بھی نہائی دے کہ کتاب پسند نہیں آئی تو کتاب بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ واپس
کر کے کتاب کی ادراخہ قیمت واپس منگائیے۔

- قیمت: ایک صد روپیہ۔ "خانہ ہند" کے خریداروں سے ۸۵ روپے۔
- رجسٹرڈ محصول ڈاک: آٹھ روپیہ۔ ایک صد آٹھ روپے کا منی آرڈر بھیجیے۔
- دہلی بی نہیں کیا جاتا۔ "خانہ ہند" کے خریدار ۹۲ روپے کا منی آرڈر بھیجوائیں۔

شان بہن پبلی کیشنز

فلٹ ۵ انصاری مارکیٹ دریا خانہ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

راجہ گدھ بالادھ سے
۷۵/- روپے

ڈو بتا اچھرا آدمی رام من
۲۵/- روپے



جب فلمی ستارے مداح بن گئے



● ادکار سنجے دت اور ان کے بھران نور محمدی ہوٹل کے کھانے سے نطفہ اندوز ہو رہے ہیں

فلمی ستارے جو ہر دم مداحوں میں گھرے رہتے ہیں جب خود کسی کے مداح بن جائیں تو یہ ہجرت کی بات ہے۔ لیکن اگر آپ نور محمدی ہوٹل کی نئی نہاری کا ایک بار ذائقہ لے لیں تو پھر آپ کو تعجب نہیں ہوگا۔ یہ ہے ہی اتنی عمدہ، لذیذ اور صحت مند کہ پہلے ہی نوازے میں خواص و عوام کا دل موہ لیتی ہے۔ اس لیے نور محمدی ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں بڑی بڑی ہستیاں، مشہور فلمی ستارے شامل ہیں۔ یہاں کی بلی، نہاری، پیسجہ، پائے، دھاش کی ڈال اور دیگر کھانوں کے پیچھے ۹۰ سال کا تجربہ اور جناب عبدالعظیم ملک نور محمدی ہوٹل اور ان کے فرزند خالد حکیم کی ذاتی نگرانی شامل ہے جس نے اسے ممتاز بنایا ہے۔ آپ یہاں تشریف لا کر شوق فرمائیں، اپنے احباب کے لئے گھرے جائیں یا اپنی کشتے لے جائیں۔ آپ اور آپ کے بھران ذائقہ کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

نور محمدی ہوٹل، وزیر بلڈنگ 183/181 ای۔ آر۔ روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی ۴۰۰۰۴

فون نمبر: 8511008 فون دفتر: 8516115

باب انتقاد

حقاً زمین میں ان اشعار کو نظر انداز کرنا چاہتا تھا جو خود قصہ غزل کے منافی ہیں اور جن میں وہ "مناف" یا "نفاست" "مقصودیت" وغیرہ نہیں ہے جو کلاس دوم والے بچے کا فہم و فہم بتائی جاتی ہے۔ اگر ضروری نظریں اچھا یا اہم ہے، تو میں نے اسے ضرور شامل کیا ہے۔ چاہے اسی کے ذریعے تیر کی جو تصویر میرے وہ اکس سے مختلف ہو جس سے ہم نقادوں کی تصویر اسے اور بد و خبیروں کے گھوڑوں میں دوچار ہوتے ہیں۔ یہ کتاب میں سے اس آئینہ کے ساتھ جتنا فی سب سے کر اگر اسے فیوڈیسیوں میں بطور کلاس دوم منی استعمال کیا جائے تو طالب علم تیر کے فلسفے غرضی فرسے اور کبر و داسے واقف ہو سکیں۔ اور اساتذہ علمائے ادب کلاسیکی غزل پر ہندی نظروں سے اسے ترمیم حاصل کر سکیں۔

اس کتاب پر تفصیلی تبصرے کے لئے مناسب ہند کے بچوں صفحات بھی کر رہے ہیں۔ مقرر آئم یہ بلا غلط کہہ سکتے ہیں کہ فاروق صاحب نے تیر کے متعلق جن پانچ نکاتی پروگرام کے تحت یہ کتاب ترمیم دی ہے، ان میں وہ سونقید کا صاحب رہے ہیں۔ یہ کتاب ہر ایک لائبریری و محفوضہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کی لائبریریوں کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں ہے اور تیر کے شائقین کے لئے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ فاروق صاحب کو خدا اعز و اذ دے۔ انھوں نے یہ کتاب کچھ کر ثابت کر دیا ہے کہ انہیں ساقیہ اکادمی کا ایوارڈ ان کی خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیا گیا ہے، نہ کہ بعض نااہل اور سفادشیں راہروا یا نشان کی طرح۔

فانی محقق نے تیر کے انتخابات (جوابدار میں دستیاب یا نایاب ہیں) میں سے کسی کو اختیار کرنے کے بجائے اپنا انتخاب خود ترمیم دیا ہے۔ کیونکہ یونیورسٹیوں میں پڑھانے جانے والے انتخابات سے وہ ملنے نہیں ہیں۔ آخر کھنڈی کے انتخاب (مزامیر) کو سب سے بہتر کہے ہیں حالانکہ اس میں تنقیدی مصیبت کے بجائے محققیت سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ محمد حسن عسکری کا انتخاب جو اساتذہ کے ایک خاص بزرگ شکیں میں چھپا تھا وہ کہیں بھی دستیاب نہیں۔ فاروق صاحب کا کہنا ہے کہ عسکری صاحب نے ایک مخصوص اور قدر محدود نقطہ نظر سے کام لیتے ہوئے تیر کے بہترین اشعار کی جگہ تیر کی کٹنگ یا اگر ممکن نہیں تو نمائندہ تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہذا اس طرح کے بہت سے عمدہ اشعار کے ساتھ کم عمدہ اشعار بھی انتخاب میں آئے۔ لہذا اکس انتخابات سے تیر کے شاخو اور تیر کے باب میں مزید رائے نہیں قائم ہو سکتی۔

فاروق صاحب نے سرور جعفری صاحب کا ترتیب دیا ہوا انتخاب تیر اچھا قرار دیا ہے۔ اور جعفری صاحب کے دیباچہ کی تعریف کی ہے۔ مگر یہ انتخاب بجا اب دستیاب نہیں ہے۔ مگر فاضل محقق نے سرور جعفری کے انتخابات تیر کو بھی اپنے مقصد کے لئے کافی کہا۔ کیونکہ جعفری صاحب نے تیر کے کئی رنگوں کو نظر انداز کر دیا اور بہت سے کمرہ شعر شامل کر لے۔

جناب فاروق صاحب فرماتے ہیں کہ میں تیر کے کلام کو بغلوں ڈبیوں۔ بی۔ بی۔ شمس ستود اور دھاسوں کے ساتھ "Kalam-e-shams and all" پیش کرنا چاہتا

شعر شور انگیز (جلد اول)
مصنف: شمس الرحمن خاں
ذہان ساز۔ صفحات: ۱۲۷
پہلی کتاب، اسے چھپائی،
دیر کا فہم، مضبوط جلد
تو تیر کا فہم و پیش۔
جبت: چھ فہم و پیش
ناشر: ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی۔

شمس الرحمن فاروقی کی ہر تصنیف اردو ادب میں اضافہ کی حیثیت سے وارد ہوتی رہی ہے۔ زیر نظر کتاب غزل یا تیر کا انتخاب اللہ تعالیٰ مصلحتاً اللہ سے متعلق ہے۔ جلد اول و دیا چھ، غزلیات اور دیباچہ الف تک محدود ہیں۔ اس کتاب کے مقصود حسب ذیل ہیں:-

(۱) تیر کی غزلیات کا ایسا عیاری انتخاب جو دنیا کی بہترین شاعری کے سامنے بے جھجک رکھا جاسکے اور تیر کا نمائندہ انتخاب بھی ہو۔
(۲) اردو کے کلاسیکی غزل گویوں، بالخصوص تیر کے حوالے سے کلاسیکی غزل کی شرح کا ایک بارہ حصول۔

(۳) مشرقی ادب مغربی شریات کی روشنی میں تیر کے اشعار کا تجزیہ، تشریح، تفسیر اور محاکمہ۔

(۴) کلاسیکی اردو غزل، فارسی غزل، (محل، خصوصاً سبک ہندی کی غزل) کے تناظر میں تیر کے مقام کا تعین۔

(۵) تیر کی زبان کے بارے میں نکات کا منتخب ضرورت بیان۔

شماره ۱۹۹۱

محبت تو سنی رہی ہے سماں اور زمین کے
کونسا ہوں۔ کوئی میرے لئے نہیں
تا بیس دار ہوں۔
آپ کا اپنا
ہری رام جی

میرا ہر لمحہ آپ کے لئے ایک کام کا لمحہ ہے
فرادیں تو بہت آج کل کے ہوں مگر
خدا سے بہنوئے یاد کو مجھ کو ادا ہوا وہ کلام
میرا صاحب، اسٹاک میں کوئی ادھ
انجی کتب یا سوانح حیات آئی ہوں، بہت

میرا ہر لمحہ آپ کے لئے ایک کام کا لمحہ ہے
فرادیں تو بہت آج کل کے ہوں مگر
خدا سے بہنوئے یاد کو مجھ کو ادا ہوا وہ کلام
میرا صاحب، اسٹاک میں کوئی ادھ
انجی کتب یا سوانح حیات آئی ہوں، بہت

چالیس سال کے طویل انتظار کے بعد سموڑ تو نسوی کی مایہ ناز تصنیف منقہ شہود پر دلی کے مشاعرے

جیسے منقہ طور پر آزادی کے بعد اردو مشاعروں کی تادنی و ستاد پر
قرار دیا گیا ہے۔
۱۹۸۳ء تک دہلی میں ہوئے مشہور و منیس مشاعروں کی کنگوں
دیکھیں اردو کا فون سنی رگداد۔
اس اردو ادب میں آپ کم از کم ایک ہزار سے زائد مشاہیر شعراء کا ایسا منتخب کلام
پائیں گے جس میں ہزار ہا اشعار تیر و نشتر کا مقام رکھتے ہیں۔
مذہبہ چالیس سالوں میں جن سینکڑوں شعراء کے کلام کا انتقال ہو چکا ہے،
ان کا کلام بلاغت نظام میں آپ اس کتاب میں پڑھ سکیں گے۔
سینکڑوں ایسے ادبی لطائف جو ان مشاعروں میں شعراء کے کلام نے نکلے، آپ
پڑھیں گے تو دلا دیے بغیر نہ سکیں گے۔
سامعین اور شعراء کے کلام کی دیکھیں اشعار کی ہر جوا سیوں، شعراء کے حصار
پنڈت ہری چند اختر کی کنگوں اور دیگر کئی شاعروں کی کنگوں کی دلچسپ داستانیں۔
۶۰ صفحات، دو مائی سائز، جلد بہتر اور نکتہ کاغذ، چھاپی اور
کتابت شاہی ہند کی کنگوں کی مشہور روایات کے مطابق۔
قیمت ایک روپے پچاس روپے۔ شاہی ہند کے خریداروں کے لئے
روپے کی رعایت۔ اپنے ہاں کے برکت فروش سے طلب فرمائیے یا ہمیں لکھیں۔

دفتر شاہی ہند، فلیٹ ۵، انھار می مارکیٹ، دورا گنج، دہلی

میرا ہر لمحہ آپ کے لئے ایک کام کا لمحہ ہے
فرادیں تو بہت آج کل کے ہوں مگر
خدا سے بہنوئے یاد کو مجھ کو ادا ہوا وہ کلام
میرا صاحب، اسٹاک میں کوئی ادھ
انجی کتب یا سوانح حیات آئی ہوں، بہت

میرا ہر لمحہ آپ کے لئے ایک کام کا لمحہ ہے
فرادیں تو بہت آج کل کے ہوں مگر
خدا سے بہنوئے یاد کو مجھ کو ادا ہوا وہ کلام
میرا صاحب، اسٹاک میں کوئی ادھ
انجی کتب یا سوانح حیات آئی ہوں، بہت

میرا ہر لمحہ آپ کے لئے ایک کام کا لمحہ ہے
فرادیں تو بہت آج کل کے ہوں مگر
خدا سے بہنوئے یاد کو مجھ کو ادا ہوا وہ کلام
میرا صاحب، اسٹاک میں کوئی ادھ
انجی کتب یا سوانح حیات آئی ہوں، بہت

شاعری

جلد ۵۲ شماره ۳

چیف ایڈیٹر
سرور تونسوی

جوائنٹ ایڈیٹر
مطرب محمد رائی

اشاعت کا
۵۲ واں سال

اس شمارے کی اہم جھلکیاں

یہ بھی کہا جائے کہ سطر نشینانِ قادری، مسندِ امجد
کا دعویٰ کی بھی گڑبگ میں تھے اور انھیں مافوقِ ہرید کی قیادت میں
اسی سلسلے میں خطا ہوئی تھی۔

بہیں چہ گفت... سرور تونسوی
ایک شاعرہ تونسویہ میں ایسا متفرد ہوا کہ جس
کی نظیر سارے ہندوستان میں نہیں ملے گی۔
(عظیم آباد کے بادشاہ شاعرے)
دیوان شگہ مفتون اکائی نہیں، فدائی، سیکڑہ، ہنر
ہے، بکھ لاکھ ہے۔

(دیوان شگہ مفتون) سعادت حسن منٹو
خاتم مبارک نوست انبالہ کا ستھن اقدام -
(ادارتی خزندہ)

کو کر پتا (ایک انکشاف) خوف کی گمراہی
سین، (کہا نیاں)

”لیا“ ویک ٹر — حیر آسانی، آخرت
بسن نقشبندی، ہر کوئی بکھ سالی، دو بہت علمی
جگر بے سوس، امتیاز ہے وری، جیتے سرور کی طرف
باب انکشاف، سن کو کھوت الہ، یہ کھتا بارہ
(مشتعل کلام بے سلف)

پنٹر، پبلشر، پروڈیوسر، وڈیا پرکاشن سرور تونسوی
طباعت، خواجہ پریس، جامع مسجد دہلی۔ مقام اشاعت: دہلی
”شان ہند“ فلیٹ ۵، انصاری مارکیٹ، دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

ہندو پرست ہوں نہ مسلمان پرست ہوں
دامن پرست ہوں نہ گریباں پرست ہوں
ہر ذرہ وطن سے ہے قیاس محمد کو پسند
یعنی وطن پرست ہوں افسان پرست ہوں
قیاس کو الیاری

قیمت فی شمارہ -
تخت سالانہ
لائف ممبری

محالک غیر میں -
ہندوستان سمندری ڈاک
ہندوستان ہوائی ڈاک

غزل

ڈاکٹر حقیر آستانی مرحوم



طرب ہو، آشتی ہو، خود سری ہو
 اور اُس پر جان لیو، ابر بھی ہو
 تجھے محظوظ رکھیں جانِ دل سے
 خُدا رکھے اگر اس میں کمی ہو
 کسی کو بے وجہ مسمار کر دیں
 زیادہ گر نہیں اتنی تو پی ہو
 وہ دن آئے ضرور آئے خُدا یا
 ہمیں بھی آپ کی طسرح خوشی ہو
 بہت ممکن ہے اس دِل کو تپ کر
 کسی نے دُور سے آواز دی ہو
 حقیرِ ختام ہونے جا رہی ہے
 تیری خدمت گزاری کیا اُمی ہو

دلی اردی اکادمی میں سیاسی گھس بیٹھ

کیا اخبارات کے یہ بیانات وزیر اعظم مسٹر محمد یونس کی ایجیڈنڈا نہیں کرتے؟ کیا یہ وزیر اعظم
کی سیاسی زندگی کو داغدار نہیں کرتے؟

کے پورے اردی نے اس سلسلے
میں کیا کیا کردار ادا کیے ہیں
بعد نگاہ کے امتحان پر
جائے جاتے ہیں؟
اس کا مانتا مطلب یہ ہو گا کہ

پنے کے بعد سے امتحان کا بیانی
غندوہ اکادمی کے سکریٹری کے
لے لگے دو خصوصیات کی
انہاں کی زندگی کے مطالعہ
آخر پر پیش تیر جتنا دل دہیں

روزنامہ قومی آواز "اشتہار
ہادی ہائی انڈیا اکادمی کے سکریٹری"
کے عنوان سے لکھا ہے کہ:
"مسٹر محمد یونس کے وزیر اعظم

میں نے اس شخص سے ملاش کے بعد وہ اندو اکادمی کی سکریٹری شپ حاصل کر گئے۔ اپنی علمی مادیاتی اندوڈ پرستی کے بنیے پر نہیں۔ حالانکہ اندو اکادمی کی سکریٹری شپ ایسے شخص کو ہی دی جانی چاہیے جن کو اندوڈ کی بقا و حیات کے ساتھ ساتھ اندوڈ کی ترقی کے لئے کڑی محنت کرنی چاہئے۔

یاد رکھو! باتیں بنانے میں تو آپ ہی اپنا جواب دہ ہوتے ہیں لہذا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسٹر اشتیاق عابدی مسرورہ ایجوکیشن کی بھی کڑی ایک میں تھے اور انھیں ماڈرن ریڈ کی پڑھنی چاہیے اس سلسلے میں عطا ہوئی تھی۔ اور اب چند شجرہ جی کے ذریعہ اعظم نے پر مسرورہ ایسے دوستی اور قریبی تعلقات کی بنا پر مسرورہ اشتیاق عابدی کی جھولی میں دلی اندوڈ اکادمی کی سکریٹری شپ ڈال دی۔

اس سے پہلے اخبارات میں آیا تھا کہ دلی کے نقشبند گورنر جناب دارکنڈے سنگھ جو گورنر اعظم چند شجرہ شکر صاحب کے کلاس فیلو اور دوست ہیں، اس نے انھیں دلی کی گورنری عطا کی گئی ہے۔

سما اخبارات کے یہ بیانات ذریعہ اعظم مسرورہ شکر کی ایسی خواب نہیں کرتے کہ گورنر اعظم کی سیاسی زندگی کو وہ افساد نہیں کر سکتے؟ کیا مسرورہ شکر ایسا فاضل اعظم جو اپنی اپنا خدای اور سیاسی دیانت داری کے لئے اپنی فاک پر تکی نہیں بیٹھے جتنا اس منصب کی افادری و فروع پر خاصوش رہ کر اپنے اہلیات کی خدمت میں توجہ دے رہیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ مسرورہ کنڈے سنگھ نے بطور نقشبند گورنر اپنے قبضہ مندوں سے کسی طرز بھی دلی کے کم خدمت نہیں کی۔ اور یہ بھی یقین ممکن ہے کہ مسرورہ اشتیاق عابدی اندوڈ اکادمی کی بہترین اخاند میں سنبھال سکیں۔ مگر کسی سکریٹری عہدے پر کسی شخص کی تقریری سیاسی طرز پر ذریعہ اعظم کے ذاتی تعلقات یا سفارش اخاند پر مبنی جانتے تو حوام میں ذریعہ اعظم کی

اشتیاق عابدی مسرورہ ایجوکیشن کے بھی گڈ بک میں تھے اور انھیں ماڈرن ریڈ کے جبر میں شپ ایسے سلسلے میں عطا ہوئے تھے۔ اور اب چند شجرہ جی کے ذریعہ اعظم نے پر مسرورہ ایسے دوستی اور قریبی تعلقات کے بنا پر مسرورہ اشتیاق عابدی کے جھولی میں دلی اندوڈ اکادمی کے سکریٹری شپ ڈال دی۔

وہ اپنے حریف مسرورہ شکر کی ان تقریروں کو برقرار رکھے گی۔؟

ہر سرکاری کارندہ حکومت وقت کا وفادار ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو پھر وہ یقینی طور پر سرکاری ذمہ داریاں نبھانے کے قابل نہیں ہے۔ کیا ہمارا سیاسی لیڈر اس معمولی سے طریق کار سے بھی واقف نہیں ہیں کہ معمولی سے معمولی اور ذمہ دار سرکاری آسامیوں پر ایسے اختصاص کے تقرری کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں جو ان کے ذاتی طور پر وفادار ہوں۔

اگر یہ طریق کار جاری رہا تو سرکاری کارندے بھی سیاست کی دلدلی میں پڑنے لگے۔ اور اس سے سرکاری کام کا بھٹکا بھٹکا ہو گا۔

مگر دلی تو انھیں دیکھتے ہیں کہ مسرورہ اشتیاق عابدی اندوڈ اکادمی کو پھر اخاند سے ترقی و ترقی کے لئے انھیں ہر کارکن رکھیں جو ان کے قبضہ میں دو جناب نقوی صاحب متعین کر گئے ہیں۔ اور ہم یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ مسرورہ اشتیاق عابدی کی ان خطائی سے ہمیں آگاہ کر دیا جائے تاہم اندوڈ اندوڈ نہیں۔ اور وہ

ایک کو بگاڑنے کی کوشش ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سرکاری عمل داری سے سیاسی دخل اندازی کو برقرار دیتی ہے۔

پچھلے دنوں مسرورہ ایجوکیشن کی رہائش گاہ کے انیس پاس ہریانہ پولیس کے دو کارندے مسرورہ ایجوکیشن کی کھڑائی کرتے ہوئے گرفتار کئے گئے اور اس کا سیاسی کارڈ کاغذ یہ ہو گا کہ مسرورہ شکر کی وفات کو متعین ہونا بڑا اور جتنا دل (ایس) اور کانگریس (آئی) کے دو بارہ گم جوڑ کے ملے گا مگر اس دلی کی طرف سے جو سفارش کی گئی تھیں، ان میں ایک سفارش یہ بھی تھی کہ مسرورہ نقشبند گورنر مسرورہ کنڈے سنگھ کو اس عہدے سے ہٹا یا جائے۔

لہذا اس کی کیا ضمانت ہے کہ اگر ذریعہ اعظم انتخابات کے بعد کانگریس (آئی) اقتدار میں آتی ہے تو وہ مسرورہ شکر کی دوستی اور کلاس فیلو نقشبند گورنر اندوڈ اندوڈ کے جتنا دل (ایس) کے لیڈر مسرورہ ایسے سفارش پر دلی اندوڈ اکادمی کے سکریٹری مسرورہ اشتیاق عابدی کو شکوکہ محض نہیں کریں گے یا اگر عبادتہ جتنا پارٹی اقتدار میں آتی ہے تو

جس کی ہر سانس مشاعرہ طغوی کرتا پڑا تھا۔
اس سال بھارتیہ رشتہ پارٹی کے انبار سے
مکتبہ محمد اسماعیل نے جن اس مشاعرے کو
بند کرنے کا مطالبہ کیا، جس سے ان کی ذہنیت
کا پتہ چل گیا۔ مکتبہ کے ایک دفتر پہلے
کچھ لوگوں نے پاکستانی شعراء کے گھیراؤ کی
وکیل دی اور وہی کشترا انبار نے مشاعرہ
منسوخ کر دیا۔ اس مشاعرے میں پاکستانی
شعراء و ادیب شرکت کے لئے نیچے دیئے گئے
وہ اپنے ملک جا کر انبار میں مشاعرے کے
نہ ہونے کا حالات کا ذکر بڑھاپڑھا کر پیش

کر رہے اور اس طرح چند لوگوں کی وجہ سے
ملک کو خواہ مخواہ کڑھوائی ہوگی۔ حالانکہ جہانا
ملک اور اس کی تہذیب میرانی کے لئے تمام
ذنیائیں اپنی انگلی بھائی بنائے ہوئے ہے۔
مشاعرے میں پاکستان سے جن ایما،
زادہ جتا، خوشاد نازکی، ڈاکٹر شاہد الہدی،
اعجاز رحمانی، استاد شہید اعظم، سر فواد عبد،
احمد فاضل، سعادت سعید عبد، عارف گھنوی،
احسن سلیم، نازی حبیب الزرقانی، اور بنوستان
سے ڈاکٹر ملک زادہ منقولہ، افتخار امام، ویر
دیوانہ، شبیر خاں، محسن تبریزی، ملک زادہ

جلادہ، نسیم صرکائی، اعجاز باپو نور علی،
ساحر حجازی، شہزاد فتح پوری، محمود مہمند شکر
بیرونی سحر، فاضل شعلوی، کشمیری لال ذاکر،
نیکش امروہوی کے علاوہ گنبد اسے دلی حام
شاہیں اور نوازک سے شہر شکر شہر نے
شرکت کی۔
مشاعرے میں ہندوستانی شعراء کو
ہریانہ اردو اکادمی کی جانب سے تحائف پاکستانی
سفیر جناب عبد الستار کے ہاتھوں پاکستانی
شعراء کو ہریانہ کے وزیر اعلیٰ چودھری حکم
شکر کے ہاتھوں دیئے گئے۔



ماہیا
ویکسٹر

نئے ہوئے ہیں دی محی
کیا جانے وہ کیا کہت
کہ بات نہ پوچھی محی

باہیں کیا کہیں اُس کی
کہو گفت میں اچانک ہی
اُس کہیں جو ہیں اُس کی

کیوں اچھا بُرا کہنا
سیکھا ہے مغیروں نے
ہر حال میں خوش رہنا

برے نہ مگرے پاؤں
سادگی کا ہے اندھا دہ
سوچے ہے ہر اور چل

موت توہ سے بھگ جانا
سائے کا سہرا آج بھی
چنے پر نہ رک جانا

کر مٹنا اے اک دن
یہ سنگ اُٹھو سنگی
پتوں کے بکھرے اک دن

جو بول بڑا بولے
خدا اپنے ہی ہاتھوں سے
اُنہ اُنہ کے کہ وہ نہ بولے

اچھا یا بُرا خود ہی
یہ پیار اچھا ہے
اپنی ہے دوا خود ہی

ہر بات نرالی ہے
خوشیاں ہیں دکھا دے گی
ہر غم بھی خدائی ہے

چپ چاپ بی جا ہیں
جو دلی سے چھپنے لگے
رستہ نہ کبھی ناپیں

رمضان المبارک
روح کی پاکیزگی کا مہینہ

شربت روح افزا

وہذا کی حالت میں تمام دن کہ نہیں کھا یا پیا جاتا،
اس لیے بدن میں پانی، شکر اور دھات کی کمی ہو جاتی ہے اور
شکر میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اٹھانے والے ایک دو مہینے پہلے سے
کے کوئی بڑا شربت پینے سے، درست میں تحلیل ہو کر آتی ہے۔
اس سے بچے کے اٹھانے والے دن یا رات کو کھانے کی حالت میں
مرن شربت دفع افزا لیجیے



اگر آپ کو وہ دوا یا ایسی کئی دوا جس میں سب سے زیادہ
 صحت دینے والا دوا ہے۔ روح اور ان کے معلقہ کے ساتھ
 روح کو اسے آپ جس کریم دوا دے، اس کو دینے کی (کیر)
 اس کو دینے کی دوا ہے!

افطار کے وقت رُوح افزا کوٹہ بیوی لے
۲۰ سال سے بھی زیادہ مدت سے
سب کا من پسند

شربت روح افزا

جی پائیوں، حیات بخش عناصر اور
قدسی عناصر کا نادر مرکب

نوع انفرکس استعمال کریں؟

وہاں ایک عورت کے ساتھ ایک آدمی کی تصویر تھی۔ اس کے ساتھ لکھا تھا کہ وہاں ایک عورت کے ساتھ ایک آدمی کی تصویر تھی۔ اس کے ساتھ لکھا تھا کہ وہاں ایک عورت کے ساتھ ایک آدمی کی تصویر تھی۔

سنگارا

روزِ عذابِ ازل کے لیے اچھلے سے پال،
 لائے تیری بنیادی عناصر، وراثتوں اور جڑی پھوس کا نادر مرکب

عبادت و ریاضت کے اس خاص متنہ سے پہنچنے میں صحت و وقت کی
 بھالی کے نئے سنگار ایسے اور عمدہ کو طاقت حاصل کرنے کی نیت سے
 چھوڑ دینا چر اول سے ناگزیر ہے۔ سنگار اس کی بہت ہے۔
 چھوڑنا ساقی حقیقت کے خیالات کی گدیوں کو سنگار کا خاص اصول،
 چھوڑنا جگہ و مکان، اور تیرے کو کب سے اور کس طرح کی جانی حق کرنے
 والوں، اور تو اس اور تو اس کے لیے اور کس طرح میں کس حد میں ہے۔
 دستِ سنگار اپنا بندری سے پیچھے اور حیلان سے اڑنے کے لیے !

حضراتِ اہلِ کلمہ میں شکار کے مواقع بہ استعمال : افطار، صبح اور ترائی کے بعد اتھنا یا پانی یا دودھ میں ملا کر بیڑوں کے لیے دوڑے ہوئے، کم عمر والوں کو ایک بڑا کچھ۔



سنگارا

مشہور عالمی ٹائیک
ہیز موسم میں سب کے لیے

[illegible]



عظیم آباد کے یادگار مشاعر

عطا کاوی

دیکھتے رہیں۔

مہر دولت میں ہوئے۔ سہلے پاندی کی تہوں پہنے گئیں،
اس کے مقابلے میں عظیم آباد میں دولت و عظمت کی اتنی
فراوانی تو نہ ملتی مگر ایک لک کے ہوتے عظیم الشان نے اس
موجود کو دیکھ کر ہر پڑے بنا دیا تھا۔ فداۃ اہلی حق، امیر
مٹات تھے۔ عقل و فطرت کے مٹانے کے ساتھ لوہی اور شہری
دو کی کی بھی سیسلیں جاری تھیں۔

اگر وہ کے قدیم نذر کے شاہد ہیں کہ یہاں اکثر و
بیشتر چھوٹے اور بڑے سہلے پاندی کے مشاعرے منعقد ہوتے
رہے۔ ان سب مشاعروں کا جائزہ لینا نہ تو ممکن ہے
اور نہ اس مختصری صحبت میں ہر پند سرسری نظر ہی ملے
جاسکتی ہے۔ آج کی نشست میں صرف ایسے دو مشاعرہ دیکھا
اور وہ بھی مختصر سا جائزہ پیش کر رہی گا۔ ایک مشاعرہ
تو سزاوارتہ میں ایسا منعقد ہوا جس کی فکر سادہ چہرستان
میں نہیں ملے گی۔ اور دوسرا مشاعرہ تو اس کے میرا پاس
ملاں بعد منعقد ہوا جو اپنی ذہنیات کا ایک معجزہ تھا کہ اس
جاسکتا ہے۔

پہلا مشاعرہ بڑی شان و شوہر سے منعقد ہوا۔

غیر بہ باتیں تو بڑے متعلق ہیں۔ ہزاروں موضوعات تو
عظیم آباد کے یادگار مشاعرے ہیں۔ میں نے انگریزوں کے علاوہ
کہا تھا کہ عظیم آباد کی اور انکھڑ کے بعد انکھڑ کا تیسرا
مرکز ہے اور اس کی تصدیق عظیم الشان نے ہی کی ہے
کی ہے مگر کچھ اختلاف ہے کہ کون سا خط ہے۔ ولی
کے بعد انکھڑ نہیں بلکہ عظیم آباد کی وہ دوسرا مرکز قرار پاتا ہے
اور اس کے بعد انکھڑ۔ اس وقت تفصیل میں جانے کا
موقع نہیں۔ جب انکھڑ میں کسی شہری جلسوں کا قیام
کسی بڑی انجمن کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور گیسٹ ہاؤس
نہ تھا اس وقت عظیم آباد میں علی اور شہری، انکھڑ میں چنگ
میان کی دم چلتی رہتی تھی گو دیکھ کر سب حیران رہ جاتے
تھے۔ انکھڑ میں شہر کے چنگل سے پہلے ہی پڑے ہیں خٹاں
آئے۔ ضیاء مستور میر حسن آئے خٹاں گھینا خٹاں آئے خٹاں
مستور اور داغ آئے اور آئے جاتے تھے۔ انکھڑ میں تو پورے
خاک ہوئے، انکھڑ کی طرف آئے، انکھڑ کی طرف آئے۔ انکھڑ
دولت کی رہی چل انکھڑ میں نصف انداز کے

مشاعرہ جس کو عظیم الشان نے منعقد کیا

کچھ زیادہ سوز و گم
ہماری علی اور ولی تہذیب کا آئینہ دار رہا ہے یوں
تو علی اور شہری جہیں ہر قدر اور زمانے میں چلتی رہی
ہیں مگر معرہ طرما وہ کہ شہرہ کو کچھ بڑائی کی و حوت
و جانور پھر ان کے کام کی طریقوں یا ضعیف و بزرگ نظر خاطر
فائن اور اس طریقہ انکو و لہان و ادب کی ترویج و ترقی
میں کمر و محنت ہو تا مشاعرہ کا خاص ذرا احتیاج رہا
ہے۔ مگر یہ کسی دور کی باتیں ہیں جب انکھڑ میں اس
اب نہ تو وہ مشاعرے ہیں اور نہ ان کی وہ انکی مشائیں
ہیں اب ایسی مجلسوں کو کتنے کہیں تو زیادہ مناسب
ہے۔ اب مشاعروں میں نہ انکھڑ کے دور و بہت نظر پر ہے
ماہیت کا صفہ ہے یہ صیاف ہے نہ انکھڑ کی طرف
تو ہے اور نہ وہیں وقتا فیر کے باقی رہتے پر نگاہ ہے
اب تو شاموں کو اس کی دھن ہے کہ میں اور دھن کے
سب کا کام سنا دیا جائے اور سامعین اس پر ہر

دیوان سنگہ مفتون

سعادت حسن منٹو

ہارنی میں صفت پولیس سے گرفتار ہوا۔
دیوان سنگہ نے اپنی پہچانی کے ذمہ مرنے کی گھانٹوں
میں دکھائے۔ بڑی بڑی دیا سنوں سے بچہ لڑایا
اکالیوں سے تصادم ہوا۔ ماسٹر ناما سنگہ اور سردار
کھر کی سنگہ سے تلوار بازی کی مسہم ٹیگ سے
چوٹ لگی لڑا۔ پولیس کو گولی کا تاج نہ پایا۔ طرہ
نیکو دروازہ، حضرت حسن نظامی سے چلیں گیں۔
نیس سے کچھ اور متحدے چلوئے اور ہر بار سرخرو
ہوا۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں کمائے اور آؤ آؤ اسے
بھٹکی کے دہانے میں اگر کوئی دوست آیا تو گلہ
میں چار سو ہیں کہ کہے ہو یہ حاصل کیا اور اس کی
تواضع پر خرچ کر دیا۔ جیسے بابا بھری ہونے پر
موتور کی بیٹھ لائیں میں نکل حور توں کا رخصی دیکھا۔
اور اپنے دو بہتوں کو دکھایا۔ آپ کم پنی اپنے
یا دون کوئی میرے چلائی۔
دیوان سنگہ مفتون اکالی نہیں، دہائی،
سیکنڈ، ہزار ہے۔ وہ میں ہزار ہے، بلکہ لاکھ ہے۔

استہار معلوم ہوتا ہے، فرق صفت اتنا ہے کہ اس
استہار میں جو ناموں کی بنی ہوئی انسان کا شکل
ہے، اس کے چوڑوں میں درد نہیں ہوتا مگر دیوان
سنگہ مفتون محیا کا ماما ہے۔ اس کا بند بندہ اور
جوڑ جوڑ درد کرتا ہے۔ آپ اس کے سینہ پر وقت
قلم دوات کے ساتھ کوشش سات کی بوتل کچھ
کئے ہیں۔ یہ قلمدان کا ایسا جزو ہیں کہ وہ گولی کچھ
کے بعض اوقات آپ کو ایسا معلوم ہوگا کہ دیوان
سنگہ اپنا قلم روشنائی میں ڈوبنے کے بدلے کدوش
سات میں ڈوبتا ہے اور اسی سے کھتا ہے۔
جس طرح دیوان سنگہ مفتون کی کوئی کل
سیدھی نہیں، اسی طرح اس کی تحریر کا کوئی جملہ
سیدھا نہیں ہوتا۔ آدب کا وہ جانے کہے جوتے
کہہ دے۔ لیکن صحافت میں اس کا وہی کرہ ہے
جو بے ستمی کے ذریعہ آجہا پی پی جی ہارنی میں
کا تھا۔ بلکہ نیا کھنا چھوٹے اس سے باشت بھر
اڑتا ہے۔

لغت میں مفتون کا مطلب "عاشق"
میان کیا گیا ہے۔ اب ذرا اس عاشق زار کا خلیہ
کھانچ کر لیتے۔ مانا قد، عید اجسم، اکبری ہوئی
توند، دہائی سر جس پر چھوڑے کھڑکی بال جو کس
کہلانے کے ہرگز مستحق نہیں۔ آگے کئے جانیں تو
بھٹکی کس کھڑکی میں کی جوتی ہے۔ گھر سا فلا رنگ
چوٹی سی کبھی بنی دامن جو خایہ کس زمانے میں
واڈھیں کی لہجہ کھن ہو۔ آنکھیں بڑی چھوٹی
مگر ہلاکی تیز اور مضطرب۔
بیمیت مجبوری یہ عاشق زار سردار۔
دیوان سنگہ مفتون ایک میر بختہ دار ریاست دہلی
کس زمانے میں راجا دیں، مہاراجوں اور نوابوں
کا وطن، اہی کے ماز فاش کرنے والا ادارہ،
صحافت میں ایک نئے نظام، مگر بہت زوردار غلطی
نظم کا مالک، دوستوں کا دوست بلکہ خادم،
اور دشمنوں کا ظالم ترین دشمن۔ چلن تاثر کا

وہ ایک عجیب گھر ہے جس میں بیگنوں ، بکھ
ہزاروں نادر دستاویزات معلق پڑی ہیں وہ
ایک دیک ہے جس کے کمروں میں گندھکے حسا
دہ ہے۔ وہ اسکاٹ لینڈ یا ڈوبے جس میں
لاکھوں جراثیم پھیلنا ان کے خفیہ آلات کو جوڑ
ہیں۔

اگر وہ امریکا میں جوتا تو وہاں کاسٹے
بڑا انگلشٹر جوتا۔ کئی اخبار اس کے تابع ہوتے
ہے بڑے بڑے بیرونی سرمایہ دار اس کے ایک اخبار
پر ناپتے۔ وہ دایہ باز کا بنیاب ہونا۔ مغربوں
کے لئے اس کی تجویز یا ہر وقت کھل پھلتی ہے۔

آپ مفتون کو دیکھیں گا تو اسے معمولی سا بڑھا
لکھا اور حیران کن لکھیں گے۔ لیکن وہ بہت بڑھا
لکھا ہے۔ ایک دن میں نے انھیں ”ریاست“ کے
خصوصی خدمت پانڈی رنگ کے کارڈوں پر دستخط
کرتے دیکھا۔ کارڈوں کی دو تین دھیریاں لگے
تھیں۔ میں نے ایک کارڈ اٹھا کر ناپ لیا وہ چار
پڑی۔ بیرونی ملک کی کسی فرم سے فہرست بھیجی
وہ فرماست کی کئی صفیں۔ سب کارڈ اسی مفتون کے
تھے۔ مجھے بہت حیرت ہوئی کہ اتنی فہرستیں لکھ کر
سروا صاحب کیا کریں گے۔ میں نے بوجھ مفتون
صاحب کیا آپ کوئی اسٹوکر کوٹنے والے ہیں یا سر
کو سکھوں کے مفتون اس انداز میں ایک طرف بھیجا کہ
مفتون کو بے مشابہ نہیں مٹو صاحب میں بہترین
لکھا رہا ہوں کہ مجھے ان کے مطالعہ کا شوق ہے۔

میری حیرت میں اور اضافہ ہو گیا۔
”آپ مطالعہ فرمائیں گے۔ میںی خبرستون
کا۔ حاصل کیا ہو گا؟“

”معلومات! میں اپنی معلومات میں اسی
مرح اضافہ کیا کرتا ہوں۔“

”آپ کی جوابتہی بڑی ہے۔“
”ذہن کمپنی کیا بناتی ہے؟“ ایک دم
بڑے سوال کیا گیا۔

میں نے نہایت سادہ جواب دیا۔ ”ٹائر“
اس پر مجھے بتا گیا کہ ذہن کمپنی صرف
ٹائر ٹیوب ہی نہیں بناتی ، اور ہزاروں چیزیں

بناتی ہے۔ محلات بال ، درجے کے گتے ، تختیاں ، دہر
اسپرنگ ، بکلیاں ، ہونڈ پائپ اور عظیم کیا کیا
جب خبرستون آتی ہیں تو وہ ہر ایک کا پورے مطالعہ
کرتا ہے۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ سروا دیوان
سنگے مفتون بہت بڑھا لکھا آدمی ہے۔ وہ تمام
فہرستیں پڑھتا ہے۔ جب دیکھا کہ وہ جاتی ہیں تو مجھے
کے کچن میں منتہم کر دیتا ہے کہ وہ حضور بریں دیکھیں
اور خوش ہوں۔ بچوں سے اسے بہت پیار ہے۔

بیرونی ملک کے کارخانوں کی فہرستیں
بڑے بڑے گروہ اپنے ہرے کے ذہن دلدادہ رہے
تھیں۔ ”نا قابل اور موش“ کا ناقابل اور موش
کا دم کھتا ہے۔ سوا ان کے ”ٹچ“ جواب دیتا
ہے اور فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ کرتا ہے۔

بہت پر خط ہے۔ جس طرح وہ آپ بڑھا
میشا ہے ، اسی طرح اس کے قلم سے لکھے ہوئے
ٹیرے میرے ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ اب اس
کا لکھا ہوا کیسے بڑھتا ہے۔ مجھے جب بھی انھیں اس
خدا آیا میں نے اندازاً اس کا مطلب لکھا اور دوسری
مرتبہ حیرت سے ”ای سا لکھ کر کے بڑھا تو معلوم ہوا
کہ میں نے اپنی نظر میں جو مطلب لکھا تھا ، بالکل
غلط تھا۔ تیسری دفعہ بڑھا تو حیرت اپنی فصاحت
فعلی اختیار کر گئے۔ چوتھے مرتبہ بالآخر جس
جہازت کس قدر بڑھ چکی ہوئی۔

دیوان سنگے مفتون بہت بڑھا آدمی ہے
معاذ ربہ وہ وہ کہ جہاں جہاں چھوٹا چھوٹا کمر
چتا ہے۔ چھاپے کے علاوہ وہ پانی میں ٹھونک ٹھونک
کر پیتا ہے۔ کتب کو چاہت ہے کہ جب اس کی کمی
ہوئی پہلے پینے کا پتہ نہ پھیل جاتی تو خود
واپس کر دی جاتی۔ کتب بت لکھ لکھ کر مطالعہ
لکھنے کے بعد وہ میز پر ہی میڈی کا لکھ لکھتی
کھوٹے کا اداس میں کام لیں ڈال کر اس کو
معلق کر دے گا۔ اور جب پرچہ چھپ کر آجائے گا
تو اپنی قہرہوں کو تلف کر دے گا۔ معلوم نہیں یہ
احتیاط کیسی برتن جاتی ہے۔

اس کی ساری ڈاک ایک جیلے میں مقفل
ہو کر آتی تھی۔ اسے کھول کر دیکھ ایک خط ایک

ایک اخبار باہر نکالے گا اور ترتیب وار میری لکھتا
جائے گا۔ لکھ کھول کر خط نکالے کے بعد وہ لکھتا
رہی کی کو کسی میں نہیں بھیج سکتا بلکہ خط کے ساتھ چن
لکھ کر بھیج کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ ہواوں اور
اخباروں کے ”رہبر“ بھی شائع نہیں کرتا۔ میں نے
اس طرح عمل کے مفتون پوچھا تو جواب ملا ”احتیاط
جرحات میں ایجنٹ ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے میں کسی
اخبار یا دوسلے کے مفتون ہفتہ وار کرنا چاہوں
اب قافلان یہ ہے کہ اگر لکھو تو کسی اخبار میں
جلالت لکھا ہے اور ”رہبر“ جس پر میرا نام اور
پتہ موجود ہے ، میں پیش نہیں کر سکتا تو مفتون
صرف لکھو ہی میں جیل سکتا ہے۔ مجھ کو دیکھ
یہ ”رہبر“ اس بات کا ثبوت ہو گا کہ میرے
بے حق پناہ دی میں ہوتی ہے جہاں مجھے پرچہ
اور سال کیا گیا ہے۔ اس لئے میں یہاں اپنی کلمات
میں دعوئے دال کر سکتا ہوں۔“

دیوان سنگے مفتون پرچہ آخری مقدمہ
(خانہ تیشواں) چلا ، بہت خطرناک تھا۔ وہ لکھ
ایک بنگالہ بلک میری جیل فٹ ہائے کے الزام
میں ماخوذ تھے۔ میں ان دنوں جیل میں تھا ایک
دن مجھے ”مفتون دیل“ کی معرفت ایک ناپ کیا
ہوا خط ملا جس پر کوئی دستخط نہیں تھے ناپ میں
دیوان سنگے مفتون نے لکھا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت
کی گئی تھی کہ میں گواہ کے طور پر پیش ہوئی۔

حیرت ہوا میں دیوان کیا تھا اور ان کے
خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ میں دفتر پہنچا تو دیوان
کوئی جلی نہیں تھا۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور
کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ بہت بڑا میز تھا جس کے
دو طرف دروازے پر پڑے تھے۔ قلمدان کچا کچا
کروشی سات کی دو دھیریاں تھیں۔ ایک کھوٹے
میں پڑے کے کچے صوفی کا چیر تھی جس پر چٹا لکھا
دیوان صاحب اس طرح فرماتے ہیں گے سب
الماریاں کھلی تھیں۔

میں نے یہ اور دوسری تفصیلات سمجھیں
میں ایک محفلوں کی خدمت میں شائع کی تھیں اور
کہا تھا کہ اگر اس کمرے میں جہاں اس کی خدمت چا

آپ کا دستورِ دینی دلی میں تھا اور یہ مجھے
ظاہر ہے کہ خندہ دل نہیں بول رہا تھا۔ وہ اس سنگ
مشتون بول رہا تھا۔ وہ اس سنگِ گنہگارِ آپ نے کئی
مرتبہ اس طرح مختلف جملے ادا کئے ہیں ان میں
سے لالہ — کے مصنف نے کہا کہ وہ کہاں ہیں۔

ایک طرحے نے جاہلانی اٹھانے کے کوشش کی مگر اس سے ناکامی۔ درویش صاحب کوئی سے لکھے اور جاہلانی کو اٹھا کر بھیج دیا۔ محمد داغ غم سے ڈرا نہیں۔ اپنی کریا دیجو۔ جہاد والو نزدیک جینا تم سے بھی کہیں زادہ مار کر دوں گے۔ اٹھ سے

دوبوں شکوہ مضبوط کیا یہ بیان کون کون کا مصفا
 کا بیان نہیں تھا۔ بلکہ جو درجہ ملی حکومت احساس
 کے کا بدعوں کے خلاف۔ آخر میں انھوں نے اپنے
 مقدمات کی جہت نکال رکھی تھی۔ یہ سچو بہت مختلف
 خلاصہ ہے۔ اگرچہ یہ ایک اچھا کلام ہے۔

چلا، کس کی ایاد پر چلا، کس عدالت میں پیش
جوا اور اس کا کیا فیصلہ ہوا۔

خانا جیسے مقدمہ تھے۔ ان میں سے
اکتیس میں وہ باعزت طور پر بری ہوئے تھے۔
صرف ایک مقدمہ تھا۔ بہت بڑا اور ہیبت
مشہور مقدمہ تھا۔ جو لوہاں بھوپال نے ان پر چلا یا
تھا، جس میں ان کو خایہ صرف اس حد تک سزا
قید دی گئی تھی جو انھوں نے سحلات میں گزارا تھا۔
سردار صاحب نے فاضل جج کے یہ الفاظ
خاص طور پر اپنے بیان میں دہرائے ہوئے تھے۔ میں
سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر "پاس" دہلی
کی بہت سی داد دیتا ہوں جو اپنے عمود قرائع کے
باد و طویل و صغیر ایک شہزادے کی طرح وہی کیسا
مقابلہ کرتا رہا۔

لوہاں بھوپال سے سردار دیوان سنگھ مفتون
واقعی بہت دلیری اور ثبات قدمی سے لڑا۔ لیکن
اس جنگ میں اس کا دلورہ پری گیا جو جج پر بھی
میں سب پاؤں کی طرح بہہ گئی۔ کوئی اور ہونا اس
کی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کڑاوت جاتی مگر مفتون نے
حوصلہ نہ ہارا اور جو دن اپنا پارا پر پڑے ریاست
مخالف کرتا رہا۔ انھیں نے بڑے بڑے آدمیوں سے
مٹا کر لیا اور فتح حاصل کی۔ لیکن اپنا نام ہی سے
ایک آدمی سے شکست بھی کھائی۔ کس سے؟ خواجہ
حسن نظامی سے۔

سردار صاحب نے ایک دن پنج بچہ ہو کر
مجھ سے کہا "میں نے بڑی بڑی قبیلہ صاحب کی لافظی
کو خجکا دیا مگر بہت حسن نظامی مجھ سے نہیں
شجکا یا جاسکا۔ جن صاحب میں نے اس شخص کے
ظلمات اٹھا کھائے کہ اگر باجست وہ غلام پرچے
جہاں میں بھنا میں چھپے یہ ہیں اس پر دیکھ دے
جائیں تو ان کے دن ہی سے اس کا کچھ نہ بچا۔
لیکن ان میرا کچھ نہ بچا یہ لاکھ نہیں نے اس کے
ظلمات اس قدر بڑھائے کہ میں چاہتا تھا وہ بہت کر
قانون کو بگاڑے۔ مگر عدالت میں مقدمہ پیش نہ
اور میں وہاں اس کے دھوکے پاؤں کھول کے رکھ
دوں۔ مگر وہ بڑا کیا نہیں ہے۔ اس نے مجھے بھی ایسا

موقع نہیں دیا اور نہ وہ گا۔

یہ عجیب بات ہے کہ کسی زمانے میں سردار
دیوان سنگھ مفتون اور خواجہ حسن نظامی میں گاندھی
چھٹی تھی۔ معلوم نہیں کس بات پر وہ ایک دوسرے
سے الگ ہوئے۔

میں جو مقدمے کی طرف آتا ہوں گورگافان
کی عدالت نے ان کو بائاد و فحاش کے ماتحت ۱۲
۱۱ برس قید با شقت کی دوسزا دی۔ سردار
صاحب نے گورگافان ہی کے لٹاکر کہاں کا محشر بن
گئے کڑی سے کڑی سزا دے کر پٹنجا ایسا ہی ہوا
لیکن انھوں نے مجھے شفی دی مگر کھینچنے کی کوئی
ضرورت نہیں ہے۔ ہائی کورٹ میں صاف بری ہو جائیگا
یہ بھی صحیح ثابت ہوا۔

ہائی کورٹ میں انھیں باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔
سردار صاحب نے گورگافان میں کہا
تھا کہ وہ کچھ حوصلہ پہنے محمد میں تھے۔ وہاں ایک بار
میں جس میں اس زمانے کے چیف جسٹس سر ڈھول
بنگ بھی تھے۔ وہ اس کے خلاف بہت کچھ کہہ چکے
تھے۔ سردار صاحب کو حیرت ہوئی جب سر ڈھول
نے اٹھ کر بٹنے کی خواہش ظاہر کی۔ پھر جلال پور
کی ملاقات ہوئی اور چیف جسٹس نے ان کے قلم کی
قوانین کی بہت تعریف کی اور کہا "میں ایسا آدمیوں
کا وہ دست ہوں۔ اگر مجھے نہ اسے کام آسکا تو
یقیناً نہ ان کی تہا ری ضرور مدد کروں گا۔"

جہاں تک میں سمجھتا ہوں سر ڈھول بنگ کے
اس وعدے کو سردار دیوان سنگھ کی بہت سے
کافی دھن ہونا چاہیے۔ مقدمہ دیر تک چلتا رہا۔
دیوان صاحب جیل میں تھے۔ اس مقدمے کی داد
بڑی دلچسپ تھی۔ استغاثہ کی طرف سے یہ کہانی
پیش کی گئی تھی کہ دیوان سنگھ نے کچھ جہاں فوج جوئے
کی خاطر اپنے دوست سچوون لال ملو کو ایک لٹاکر میں
لا کر بھیجے تھے جو راستے ہی میں ہی لیس نے اپنے
قبضہ میں لے لے۔ لٹاکر میں تاپ کیا ہوا ایک
خامس تھا۔ یہ ثابت کر کے کہ یہ خطہ دیوان
صاحب نے اپنے دفتر کے نائب ماسٹر تیار کیا
تھا۔ عدالت میں اسے پیش بھی کیا گیا۔ خطہ میرے

صرف "اد" اور "بی" کے بہت کثرت استعمال
سے بھر گئے تھے۔

ہائی کورٹ میں جب پیش کردہ نائب ماسٹر
کی طرفہ کا نمونہ دیا گیا تو "اد" اور "بی" کے بہت
بالکل صاف تھے۔ اس کے علاوہ جب کہیں لٹاکر
کی طرف سے یہ استغاثہ کیا گیا کہ لٹاکر جو کہ قبول
استغاثہ دیوان سنگھ مفتون نے سمجھ لال ملو
کو بھیجا۔ اس پر دہلی کے ڈاک خانے کی ممبر
جنوری کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ لاہور کے لٹاکر
کی ممبر ظاہر کرتی ہے کہ یہ لٹاکر ۱۵ جنوری کو دہلی
لور" ہوا۔ "یہ تار تاریخ کو چلا ہوا لٹاکر سکتا
ایہ کہ یادہ سے زیادہ ۱۳ تاریخ کی صبح کو مل
جانا چاہیے تھا۔ (تاریخیں غلط ہیں اصل تاریخیں
بچے یا نہیں) تین دن یہ لٹاکر کہاں چھلکتا رہا۔

یہ سوال اٹھا تھا کہ ایک ہنگامہ پر پا
ہو گیا۔ استغاثہ اس کا کوئی معقول جواب نہ
سکا اور میں بائیں شاہیں کرتا رہا۔ یہ نکتہ ظہور
کو شک کا فائدہ دینے کے لئے کافی تھا چنانچہ
دہلی میں (ان دنوں میں آٹھ یا دہریہ میں ٹھہر
تھا) اخباروں میں یہ خبر بھی کہ سردار دیوان
سنگھ مفتون ایڈیٹر "پاس" دہلی میں قتل
بنائے کے مقدمہ میں صاف بڑی کر کے لے کر
ڈاکٹر دیوان سنگھ آٹھ نو بجے کے قریب صبح بڑے
لکھنؤ روڈ کے ٹھیک نمبر (میں یہاں رہتا
تھا) کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میری بیوی
نے دروازہ کھولا۔ منہم ہونکہ وہاں دیوان صاحب
ہیں۔ میں نے دوڑ کر ان کا استقبال کیا اور
سبے بچے بازوؤں میں لے لیا اور ٹھیک ٹھیک
پائیں۔ "پینڈاس کے کہیں نہیں تھا کہ جب
دیتا، انھوں نے مجھ سے کہا "بھان امٹر۔
لفٹ آگیا۔"

میں نے ان سے پوچھا "کس بات کا؟"
آپ نے جواب دیا "میں نے جی میں آپ
کی کتاب غنیمت کے اضافے دیکھی۔ اس کا احباب
خوب تھا۔ اخباروں میں دیکھا کہ نام جس میں
ظلمات سب سے زیادہ گناہاں سمجھے ہیں۔"

دو بیویاں ہوں۔ میں نے سوچا صاحب سے پہلے
مگر خوشو صاحب کو داد دینی چاہیے۔
اس سے مجھ پر تابندہ ہو کر کئے لطیفانہ
صاحب دینے آتم منہ بخود ہے۔

ظاہر و باطن میں اودھنی کی کینٹر
پیسے تبدیل ہوئیں۔ لفظ اتنی دیر کے بعد کیوں
ڈھونڈا ہوا۔ یہ ایک راز ہے جو سدا مارا رہے گا۔
بیب میں سے ان سے اس بات میں پوچھا، تو وہ
کہہ کر نالی گئے۔ "مفتو صاحب، یہ بات تو کی صفائی
ہے۔"

بات کی صفائی ہو یا پاؤں کی، استعاض
کی طبیعت یقیناً مصفا ہو گئی تھی۔ دیوان صاحب
کو مجھ سے پیار ہے۔ مولانا جبرائیل حسرت کا
وہ احترام کرتے ہیں۔ ہم وہ دن دہلی میں تھے۔
اُن کو جب بھی ضرورت ہوتی تھی وہ صوفیوں کا گھر
اور کسی دفتر اور انعام بخش مقام پر ملے جاتے۔
دہلی میں ہم سب بیکو کر پئے، چپٹیں لڑائے، پیرودہ ہم
دو دن کو گھر چھوڑ جاتے۔ ایسی ششمنوں میں کوئی
سیاسی یا آدمی بات نہیں ہوتی تھی۔

ایک لطیفہ شکیا جو انھوں نے خود مجھے سنایا۔
انہا کی فطرت کے دہلی کے کرانہ ایک دوست آن
فارم ہوا۔ پہلے تو وہ بہت پیشانے کو جب میں ایک
دھندلا بھی نہیں تھا، لیکن فوراً اُن کو ایک ترکیب
سُجھی۔ بارہ لیٹن کر وہیں ٹنگوا لیں۔ ۱۹۳۳ء
کو چلیں، دو روز وہیں۔ باقی آخر ضلوع میں
خالی کر دیں اور نوکر سے کہا جاؤ یہ بارہ خالوں میں
بچے آؤ۔ جنگ کرنا نہ تھا۔ کوئی والی وہیں آچے
و اُمہ لے آئیں۔ چھاپہ دوست کو رات کا کھانا
کھلانے کا مسئلہ حل ہو گیا۔ دوسرے عیسوی روز
انھوں نے دو کاغذ کو بارہ پلوں کی قیمت ادا
کر دی۔

ایک نانا آیا کہ وہ آل انڈیا ریڈیو کے جانی
دشمن بن گئے۔ میں پھر کرنا تھا۔ ہر روز گرم سنتے
ایک دھڑلہ تھا جس میں کی طرف سے تھے اس میں
دھڑلہ تھا کہ یہ دیکھ کے کس اشکر کس گانے والی
تھے تاکہ (یہ لفظ اُن کی خاص ایجاد ہے)۔

ان کوئی گانے والی کسی بدمعاش کی شکر
نہیں دیتی اور اس کی جگہ کسی اور گانے والی کو گویا
جاتا تو اُن کو فوراً معلوم ہو جاتا کس اشکر کی ہر بات
ہوتی ہے۔

بہت دیر تک وہ ذوالفقار نظامی کے
جیلوں کھتے رہے۔ آخر جنگ کشمیر وصال احمد
سلطان ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل ریڈیو پاکستان ()
پر چلے گئے۔ جنگ کشمیر پہلے کھتے میں تھے۔ دہلی
تبدیل ہو کر آئے تو اُن کو دہلی کی ایک جگہ لے
گئے تھے جیسے شہر دہلی کے جنگل کو حیرت انگیز کہ
یہ خطہ مسیحی باس نہیں رہتے ہفتوں کو رہتے ہیں۔
یہ بھی غالباً ان کی صفائی تھی۔ بہر حال میں نے
مرتب خوشامد کے جنگل صاحب کی ٹھکانہ دہلی کی
اور اُن سے درخواست کی کہ جنگل کے خطہ کو
دیکھئے۔ آپ نے مسکرا کر کہا۔

"میں اُنابہ وقتوں نہیں۔ اگر آپ کا
دوست یہ خطہ پر چھٹا چاہتا ہے تو میں نقل کر کے
اُس کو بھجوا دوں گا۔" میں نے یاد دہ زور دینا
مکا سب نہ کہا۔

دہلی میں ایک شخص جو امرتسر کا یعنی میرا
ہم شہر مقام سمٹ پریشانی کے عالم میں میرے پاس
آیا۔ اُن کا چھوٹا بھائی ایک لڑکی کو بھگا کر دہلی
لے آیا تھا۔ اُس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے
تھے۔ وہ اس معاملے کو کھانے کے لئے میری مدد
چاہتا تھا۔ میں اُسے دیوان صاحب کے پاس لے گیا۔
انھوں نے سادہ اجازت کرشمہ دیا کہ اچھا کہتے
والے اور منویہ کو مسیحی پاس لادو۔ دوسرے دن
دیوان صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھ
سے کہا "وہ لوگ آگئے تھے، میں نے سب ملک
کر دیا ہے۔" — سب ٹھیک کر رہی تھی تو
وہ تودہ شخص میرے پاس دوبارہ ضرور آتا۔

دیوان صاحب کی معلومات کے ذریعے بہت
دیر میں۔ پاکستان میں کسی کے لئے کوئی معلوم
نہیں تھا کہ قابلِ اعظم زیارت میں خطرناک طور پر
علیں ہیں۔ کیونکہ ریاست میں اس مضمون کا ایک
نوٹ کو بہت ہی دقت دار، دوپٹے پہلے شائع

غزل

جہاں میں تیری یاد اُجالوں کی طرح ہے
کسوں اش کی حیرانگی تماموں کی طرح ہے
وہ بات جو کہنے کے لئے ہفتوں کی طرح ہے
احساس میں مجھے ہفتوں کی طرف ہے
تم جو کس کو کھانے کو، کھیرے لے لے تو
وہ شخص بھی یا کھیرے یا کھانے کی طرح ہے
انسان جو کھانے کو، کھیرے لے لے تو
اس زندگی تہذیب میں ہفتوں کی طرح ہے
رہنمائی وقت میں سکون لے لے لے لے
یہ درد جو کہنے کے لئے ہفتوں کی طرح ہے
دیوار و دروہام پہ چھائی ہے ادا سی
اب مگر کی خدا جو کہنے کے لئے ہفتوں کی طرح ہے
اس درد میں اولاد سے اُفتد کلمات
نیکو ہیں تو ان ہفتوں کی طرف ہے
وہ چاند جو کہنے کے لئے ہفتوں کی طرح ہے
وہ چاند کو کہنے کے لئے ہفتوں کی طرح ہے

آخر شہا بھیا پنوری

ہو چکا تھا۔ جس میں دیوان صاحب نے اپنے
مخصوص ظالمہ ادا دیں کیا تھا کہ۔

"قابلِ اعظم محمد علی جناح بستر مرگ پر ہیں
لیکن میری دعا ہے کہ وہ زندہ رہیں اور پاکستان
کو تباہ و برباد نہ ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔"
اب دیا ستیں نہیں رہیں۔ راجے ہیں نہ
مہاراجے جو اس کے دل پر نہ کھولتے تھے۔ مگر شہزاد
دیوان سنگھ مفتوں نے یقیناً اور کھولنے کے لئے
ہوں گے۔ راجہ نہیں ہو گا، کوئی مذہب ہو گا۔
مہاراجہ نہیں ہو گی تو کسی بہت سے سیراب داد
کی کھلی کھینے والی دھرج پٹی ہو گی۔ مفتوں کا
جونی کیسے فارغ ہو سکتا ہے۔

کوکر بیٹا

ظہیر آفاق

پوسٹ مارٹم میں معشوق ہوئے۔ مقصد یہ
رہا کہ آزاد شاعری میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے
رہیں اور آزاد شاعری کے ناقدین کو ہمیشہ متعال
رکھیں۔

”کوکر بیٹا“ کی تحقیق کے لیے اس انداز سے
ہوئی ہے

- تراویح میں آٹھ مصرعے ہوتے ہیں۔
- کوکر بیٹا آٹھ الفاظ پر مشتمل ہے۔
- ہانی کو بیڑ میں معرغے ہوتے ہیں۔
- کوکر بیٹا کی مقدار ڈیڑھ مصرعے ہے۔
- نظم معرغی کا کوئی تقویر نہیں ہوتا۔
- کوکر بیٹا کا کوئی قاعدہ نہیں ہوتا۔

سائنٹ میں قافیوں کی ترتیب اور بحر
ایک مخصوص شکل میں کی جائے

کوکر بیٹا میں نہ قافیہ نہ ترتیب نہ بحر اور
نہ کوئی نظام۔

آزادی ہے۔ کوکر بیٹا
یہ ایک نیا انکشاف ہے۔ یہ ایک ایسا انکشاف
ہے جس سے آزاد شاعری کی دنیا میں نور بدست
لگنے لگا اور نئے نئے دامن ہوئے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آزاد شاعری میں
یہ نئی تحقیق کیا ہے۔

”کوکر بیٹا“ آفریقہ شاعری کی ایک نئی
ہریت ہے جو مصرعہ ڈیڑھ مصرعہ پر مشتمل ہے۔
اس میں مہم جویم ایک نئی انفرادیت ہے، بیگم رنگ
انعام میں نمایاں ہوتا ہے۔ یہ تحریک آفریقہ سے
ہوتی ہوئی فرانس پہنچی اور پھر فرانس سے
ہوتی ہوئی پاکستان آئی۔ اور پھر پاکستان نے
آزاد و ریچز اگرچہ وسطان کے آزاد شاعری
کے فرشتے اس میدان میں گمراہ تھے۔ اس سے
پہلے پاکستان کے بہت سے آزاد شعرا
حضرات نے ”ہانی کو“ کی خوب پائی کی۔ اور
پھر پاکستان کے ناقدین ”ہانی کو“ کے تفصیل

بقول شیخ سلیم احمد ”شاعری

ادب کی اصل ترین صنف ہے، لیکن نہایت ہنگام
جو کہیں دو مصرعے نوڈوں کر ناجاں گیا، وہ
شاعر کے حریہ پر فائز ہونے کا دعویٰ کرنے
میں ہے۔ ان کے ان کلمات سے نہیں بے حد
تحقیق ہوں اور اندازہ شاعری ان کے اس
بیان سے بے حد خوش ہوئی ہے، لیکن بیت
سے خاص حضرات ناراض ہوئے ہیں اور باسی
ناراضی کے زیر اثر کچھ شاعروں نے ہانی کو ایک
نئی تحریک کا آغاز کیا ہے اور یہ تحریک ایک نئی
تحقیق کی روشنی میں آگے بڑھ رہی ہے۔

آزاد شاعری میں ”تراویح“ فرانس
سے پہلے کیا ہوا اور غیر شعور ہے اور ”ہانی کو“
جاپان سے اخذ کیا ہوا نا باغ حقیقت ہے۔ اور
اب ہانی کو کے بعد آزاد شاعری میں ایک نئی
صنف بہت سادہ سے ہنگام کے منتظر عام پر

آواز نغم کو انگریزی میں (free verse) کہتے ہیں۔ اور کوہیٹا کو Polygamy Poem کہتے ہیں۔ دراصل لفظ "کوہیٹا" عربی نامات سے یا گیا ہے۔ نامات کے تحت نامتوں میں "کوہیٹا" ایک بیٹوں کا نام ہے۔ اور اس بیٹوں میں زردان اور ندر علی دو ذوں پائے جاتے ہیں۔ اس بیٹوں کے زردان اور ندر علی میں کوئی بد عمل نہیں ہوتا۔ اس بیٹوں میں نہ شرافت تاؤات جوئے ہی نہ نہ کر۔ بیٹا لوجی کے تہ نظر اس بیٹوں کی تعریف کے اس طرح سے ہوتی ہے۔

اس بیٹوں میں جنس کا کوئی احساس یا محسوس نہیں ہوتا۔ یہ بیٹوں کوئی بد عملی کے قابل نہیں ہوتا۔ لیکن اس بیٹوں سے ہر قسم کی تندیوں، تمکینوں، مجبورے وغیرہ اچھی طرح سرسبز ہوتے ہیں۔ لہذا اس فلسفہ کو تہ نظر رکھتے ہوئے آزاد شاعری کے دو جوان دانشوروں نے "کوہیٹا" کے نام سے آزاد شاعری کی ایک نئی صنف کو ایجاد کیا ہے۔ آزاد نظم میں مصرعہ کی لمبائی، چوڑائی کی کوئی حد نہیں ہوتی، کوہیٹا میں واحد جمع کی کوئی تعریف نہیں ہوتی۔ کوہیٹا سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ شاعری کی کسی بھی صنف پر تنقید ہو سکتی ہے، لیکن کوہیٹا ایک ایسی صنف ہے جس میں تنقید کو بالکل جائز ہی نہیں۔ "کوہیٹا" ہر موضوع پر لکھے گئے ہیں جن کی تعریف، فطرت کی منظر کشی، ذات و رُخسار کے تشبیہ و تفریق، احباب و چٹائی کے طعنے و کوس و حیات کے تذکرے، استاد کی باد انتہاء مسترت، کسی کے انتقال پر قبرستان میں لے آلودہ، طبعی، عاشق و معشوق کے غلیانہ رومانس، ہر حال ہر موضوع پر کوہیٹا لکھ

سکتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام بے اثر ثابت ہوتا ہے مگر کوہیٹا لکھنے والے شاعروں کو اس کی پروا نہیں۔ کوہیٹا لکھنے کے بعد خود شاعر کو اس کا اپنا معنی سمجھ میں نہیں آتا یہی اس کی سب سے بڑی شان ہے

کوہیٹا میں —
Concise قصور کو کہتے ہیں۔
Precise دقیق کو کہتے ہیں۔
Scrutinise خیالات کو کہتے ہیں۔
Epitomise مختصر کو کہتے ہیں۔
Paraphrase معنی کو کہتے ہیں۔
اور جذبات و احساسات کو
Allegorise کہتے ہیں۔
ذاتی سادی سہوئیں شاعری کی کسی اور صنف کو پیش کرنا۔
کوہیٹا لکھنے والے شاعر حضرات کے تخلص بھی آزاد تخلص ہوتے ہیں۔ نونے کے طور پر۔
ذہن پر بازی، جواز ذہنی، رنگ ادراکی، ترشیف، بیضوی، قویہ دہری، آزادہ تفصیلی وغیرہ۔
کوہیٹا کی صنف تنقید کی پیروی نہیں کرتی۔ تنقید کو چاہیے کہ کوہیٹا کے شاعر اور اختیار کرے۔ نہ تذکرہ و تائید کا جگہ، نہ واحد جمع کا لحاظ، اور نہ تباہی الفاظ کے معنی استعمال پر پابندی ہوگا۔ ہر حال کوہیٹا کی اس نئی صنف کے نگار خالوں میں، اس طرح کے خبر و غیب استعمال کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔
کوہیٹا کے اکتان کو سر آزاد کرنے

کے لئے، اس نئی تحریک کے تمام دانشوروں نے جن کو ایک آزاد خیالی نے میں بیٹے سوچنے کا ارادہ کیا ہے کہ پابند شاعری کا جنازہ کہاں سے نکالا جائے اور یہ جنازہ کی حضرات کے کندھوں پر دکھا جائے۔ اور اس پابند شاعری کا مدفن کہاں ہو چاہیے۔ ہندوستان میں — یا پاکستان میں — ؟ مدفن تو اکثر فرشتوں میں ہی ہوا کرتا ہے۔ لہذا کیوں نہ اس کا مدفن ایک قبرستان میں ہو۔!

انشائیہ کی بنیاد

ڈاکٹر سلیم اختر
ایک نوردے

تفصیلات اپنا مہر شان ہندوئی

زیر قلم قلم — مطابق ذیل ہے۔
مقام شاعت: قیث ۱۵، انصاری مارکیٹ دیہات دیہی ۱۲
وقوعہ اشاعت: ماہنامہ
پرنٹر کا نام: ڈی پی کاشن سروس
قومیت: ہندوستانی
پتہ: قیث ۸، انصاری مارکیٹ دیہات دیہی ۱۲
پبلشر کا نام: ڈی پی کاشن سروس
قومیت: ہندوستانی
پتہ: قیث ۸، انصاری مارکیٹ دیہات دیہی ۱۲
ماگ کا نام: ڈی پی کاشن سروس
قومیت: ہندوستانی
پتہ: قیث ۸، انصاری مارکیٹ دیہات دیہی ۱۲
میں دیہات پر کاش سروس سونی اعلیٰ کی طرف
کوئٹہ، ہندوستان میں سے ہر دو صنف کے مطابق خدمت ہے۔
ڈی پی کاشن سروس سونی
نظم ہندوستان

فخر جمال

سخنِ گفت کی نغمی کا بڑا ساتھ ہے
 بھی زیادہ اندھیرا تھا۔ دھوئیں کے مرحلوں
 بادوں کی طرح آسمان میں نہرا رہے تھے۔ ہزاروں
 چاروں طرف کی آواز نہ تھا بلکہ تھی تو آواز تھی۔
 ایک طرف چند لوگ کھڑے تھے۔ دوسری طرف
 کاف رہے ہیں۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں تو ختم
 کی حالت میں ہیں۔ غریب، بے گناہ، بے حق کی
 چٹانیں سرسبز میدان کی ہیں۔ اس کے کلمے جو
 شے، انہیں گواہ کے گھر دیا ہے۔

[illegible][illegible]

تلاشوں کو دیکھتا ہے اور خوف کی نگری کو اندھیرے کے
ظلم میں اس طرح بند کرنا چاہتا ہے کہ سداۓ کسے
برن اندھ و ارجل نہ ہو سکے۔

زمین جس پر وہ بھاری بھاری ٹوپے کے
بڑے رکھ کر چلتا ہے، اُسے جیڑ معلوم ہوتی ہے۔ وہ
رور زور سے پاؤں رکھتا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے اُسے
پنی طاقت اور زمین کے بھڑکے احساس ہوتا ہے۔
نجانا خوف بھی محسوس ہوتا ہے۔ اگر زمین میں وقت
بال اور ہوا کے ساتھ اس کے خلاف سازش کرے تو
کیا چوگا؟ اس نے وہ بھاری بھاری ٹوپے کے جوڑے
زمین پر مار کر اٹھانے کو کہتا ہے کہ زمین اُس کے خلاف
نرم نہیں اٹھا سکتی۔

لوگ دار جو قوت اور لاپے کی کیلوں سے
دھرتی کا سینہ ڈکا رہے۔ وہ خاموش ہے مگر اندھ اندھ
کوئی آگ سلگ رہی ہے۔ دھرتی صابر ہے تو صبر کی
بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ایک دن لاوا اگلنے ہی لگتی
ہے۔ !

لوگوں نے کالے دیو کی شکل نہیں دیکھی تھی وہ
ایک سیاہ نقاب ڈالے رہتا تھا جس میں سے اُس کی
جھوٹی جھوٹی گول گول آنکھیں نظر آتی تھیں۔ نقاب
میں ناک کے پاس دو بڑے چھید تھے جن سے ہوا اندر آتی
اور اس کی ذوقوں کو بچھیں انھیں ہوا دروں میں گھا
لگی رہتی تھیں اور وہ کالی دھبوں کی صورت میں انھیں
پائین پڑی رہتی تھیں مگر جب اُسے فخر اور جلال آتا تو
ان کی جگہ دو دلہرا تے ہونے لگتے سب ہی کو بچھیں اٹھا
ہوئے نظر آتے۔

کالا دیو شکرا جیٹ سے نا آشنا تھا مگر اس
کا گرد و غبار قہر تہہ کبھی کبھی آدمی دانت کو کٹاتی دیتا
تھا اور خوف کی نگری کے باسی اس کا تہہ زمین کے
گہروں کے درد و آنسو بند کر دیتے۔ اُس کے قہر کی
گنج بہاؤ میں ہر جیل کا کڑا کڑا کڑکھٹکتا تھا جب وہ
کسی کو سرکشی پر سزا دیتا تو قہر قہر دگھاتا۔
سرکشی کا سب سے بڑا ثبوت آواز آتے سمجھ
جاتی تھی۔ اس نے لوگ پانی کے پینے، پوکا کھلے۔ اور
دھتور کے سرگھٹانے کمنے سے خوفزدہ رہتے۔ اپنے
اپنے لوگوں میں خفا سے چڑھوں کی طرح دنگ مارتے تھے۔

کالے دیو کے فقر کو وہ شہسب اور محاذ بھی گھونٹے
بھرنے کے لئے آڈال دیتے۔ اور ان کی وفاداری کا
سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ وہ اپنی آنکھیاں دیو کی
آنکھیاں بنا چکے تھے۔ اس طرح کہ ان کی آنکھیاں
دیو کے آٹھاسے بڑھ کر تھیں۔ بظاہر قوانین کے
باتوں میں نظر آتی تھیں لیکن ان کی قوت اداوی
سے نہیں بلکہ دیو کے داغ سے ان کا دستہ بڑا ہوا
تھا۔ اس نے سب وفاداروں کی آنکھیاں دیو کی اپنی
آنکھیاں تھیں۔ جو انھیں اُس کے داغ سے کام نہ
کرتی آئے وہ سرکش قرار دیتا اور وہ سزا پاتی۔

جب لوگ اپنا سر کالے دیو کے سامنے جھکا دیتے
قوان کے داغ کا دستہ فوراً دیو کے داغ سے ٹکراتا تھا
اور پھر ایک منزل ایسی بھی آتی ہے کہ صرف آنکھیاں
بھی نہیں زبان، دل اور سارے ڈھکڑ کو وہ جذب
کر لیتا ہے۔ وہ لوگ دیو کے اپنے بن جاتے ہیں۔ دیو کے
قوت و تاج کی نگہانی ان کی اپنی بھلائی میں جاتی تھی
اور دیو کے ہر لفظ خوف کی نگری کے محاذ کھلتے
تھے۔ وہ نگری کی حفاظت کو مطلب دیو کی حفاظت
سمجھتے تھے۔ اس لئے خوف کی نگری کالے دیو کے دم
سے ہے۔ وہ نہ بھگا خوف کی نگری میں نہ بھگی۔

اور ہر کام کمنے والے کے سر پر دیو نے
اپنا ایک محاذ بٹھا دیا تھا جو لوگوں کی لڑائی نگہانی
کرنا تھا۔ بہتر ہی آدمی اُسے سمجھا جاتا جس کے دل
کی دھڑکن خوف اور لرزے کے سبب گڑھے کی
سی ہوئی جسے درد نہ سہانہ کر سچوڑ دیتے ہیں۔
دل و دماغ سے ورشتہ توڑ کر کام کرنے والے کو
ہی وفادار سمجھا جاتا تھا۔

ظلم کی نگری میں بہت سے لوگوں کا کیا
ہو کہ سانس لینا ہی محوم تھا۔ سانس لینے کے بھی
قواعد و منو وابطہ مقرر تھے۔ دیو کے قہر میں
کے سمجھو اچھے سانس پیتے تھے کہ ان پر ہونے چاہئے
کاگنی ہوتا۔ مگر سانس بھی سرکشی کی علامت
تھی۔ رونا، رونا، رونا، سسکا بھی حرکت اور آواز
کی نشانی ہیں، اس لئے یہ بھی بھلاؤں کی علامتیں
بھی جاتی تھیں۔ پھر کابٹ ہی کہتے ہیں بھلاؤں
الوئی کی خسران بھی۔

کالے دیو کا ظلم انا بڑھ گیا تھا کہ لوگ سفید
دیو کو یاد کرنے لگے تھے۔ سفید دیو کا زمانہ انھیں
شہسری زمانہ معلوم ہوتا تھا اور وہ سفید دیو کی
ظلمی سے آزادی حاصل کرنے پر پکڑتا تھا۔ اس
لئے کہ سفید دیو کی ظلمی سے نکل کر انھوں نے ایک
دن بھی چین کا سانس نہ لیا تھا۔ اُن میں سے ہر
اب بس یہ خواب دیکھتا تھا کہ کسی طرح سے کالے
دیو کی نگری سے چھٹکارا دل جائے تو وہ سفید دیو کی
نگری میں جا کر بس جائے خواہ وہاں آئے جتن ہی
آدنی کام کرنا پڑے۔ وہ سفید دیو کی نگری کو اب
جنت سمجھتے تھے اور یاد کرتے تھے کہ اس کا وہ ظلمی
ان کی زندگی کا بہترین زمانہ تھا۔ پھر اگلی نندھی
اور تیری سے جلتی تھی۔ پتے سرسرا تے۔ خاخس
جھوٹیں، پھول شکستے، دل دھڑکنے، پانی کے
پینے کی آواز کے ساتھ ساتھ بائسری کی دھڑکنا
دور دور جاؤں جگاں !

بس سفید دیو کی شراب یہ تھی کہ وہ سب
اپنی زبانیں سفید دیو کے حوالے کر دیں۔ وہ اپنی
زبانیں سفید دیو کو نہ دینا چاہتے تھے۔ اس لئے کہ
زبان تو ذوق کی پگڑا ہے، محبت ہے، لفظ ہے،
دھنگ ہے، نقش ہے، زندگی ہے۔ اگر زبان نہ ہو
تو ذوق کو بھی ہو جاتی ہے۔ آدمی کی پہچان ختم
ہو جاتی ہے۔ اپنی دھڑکن کا آزاد دیکھنے کے لئے
انہوں نے غریبی جتہ وجہ کے بعد سفید دیو کی
ظلمی سے آزادی حاصل کی تھی۔ مگر سفید دیو
جلستے ان پر وہ کالے دیو و شلہ کر گیا تھا کہ جس کی غریبی
تربیت لاد پرورش اس نے خود کی تھی اور اُسے اپنے
سارے گز اس طرح سیکھا تھا کہ وہ سفید دیو سے
زیادہ ظالم اور دھنگل بن گیا تھا۔ اُس نے بائیں
دیکھنے کی اجازت دے دی تھی مگر اس خسران پر کہ اُن
کی زبانیں اور آنکھیاں لہو ان کے دل ان کی
حس کے تابع ہیں اور اس کی ذات کا جہت جسے
جانیے کالے دیو جاتا تھا کہ سارا خود بھلاؤں کا
انسان کی ذوق کی وجہ سے ہے لہذا دیو کو کڑوہ کرنے
کے لئے خیر کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اُس نے ایک گہرا
تاہ کی گھاس بٹوایا اور ہمارے ہندوں کو شکم دیا کہ

انہی میں اپنے اپنے ضمیر ڈال آئیں اور کثرت
ضمیر کے سہ پہا پناہ کریں وہ دیں۔ اس پھر وہ اگلے
والا نام لے گا اور ضمیر کو یہی ہے ڈالنے کے بعد سیر
لے کر دیو کی برادری کا کارکن بن جائے گا۔

کالہ دیو کا خیال تھا کہ زبان انہی خطرناک
چیز نہیں ہے۔ جسمی قوتوں کے بوجھ سے دیہ دیہ تو
چمک رہا ہے۔ لیکن میں کوئی حیرت نہیں ہے۔ ضمیر پر ہنر
دیکھ کر وہی وہاں دی کا خوب دوست الوداع کی ضمانت
دے چکے تھے۔

سفید دیو کی غلطی سے بھلا کہ باک حرفت کی
نگری والوں نے جب اس آئینے کا کٹے دیو نے اسے
آگے دکھا دی۔ اس کے قہر کی بجلی نے آئینے کو جلا کر
ٹھاک کر دیا۔

سالہا سال بعد لوگوں نے اکتے ہو کر پھر
ایک دفعہ اپنے آپ آئینے بنایا۔ اس پر سب نے غوطی
غوطی دھنک دیا۔

آئینے تو ایک آئینہ ہوتا ہے جس میں قوم اپنا
چہرہ دیکھتی ہے۔ کالہ دیو کا چہرہ بھی بچپن میں ملے
اس لئے کہ اس آئینے کا ضمن بھی تھا۔

خوف کی نگری کے لوگوں نے آئینہ کی کدھنی
میں اپنا چہرہ دیکھا تھا، اسے آپ بکھا جاتا تھا۔ انھیں
اپنی ذات پر اکتادہ مضرب ہوتا تھا۔ ادب جس کو
ایک دفعہ پر اکتادہ ہو وہ وہاں کی طرف نہیں دیکھتا۔
اس کا ہاتھ سوالی نہیں رہتا۔ جب تک کہ اس نہیں
بولا۔ کالہ دیو نے جب دیکھا کہ آئینے میں ضمیر کی تازہ روی
کی ضمانت اور احاطات کا ذکر ہے تو اس نے آئینہ کس
عبرت ناک سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنی ذات پر اکتادہ
کا مطلب ہے کہ وہ آئینہ کالہ دیو کی ذات پر اکتادہ
نہیں کر رہا ہے۔ کالہ دیو آئینے کو اپنا سیر ہے تو انھیں
گھٹے لگا۔ اس نے لب کے آئینے کو گہر کی بجلی سے
جلانے کے بجائے چھائی کی سزا سنائے کا فیصلہ کیا کہ
خوف کی نگری والوں کو کدھ باہ آئینے ناگلیں خواہ نہ ہو
آئینے خوف کی۔

خوف کی نگری والوں کی روح کا کالہ دیو ہیش کے لئے
ترجما تھا۔ اسی کی روح کا کالہ دیو ہیش کے لئے
فیصلہ کیا جاتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے ضمیر کو
انہی کے کونچوں میں ڈال کر ان کی روحوں کی تفسیر دی

بنایا اور پھر آئینے کو چھائی کی سزا سنائی۔ دیو کے
ملاح کاروں نے بھی اسے یہی وارنہ دی کہ آئینے
کی چھائی خوف کی نگری کے خلاف میں ہے۔

سادہ دنیا کے لوگ خوف کی نگری والوں
سے اظہارِ جہد دی کہہ رہے تھے۔ اس نے گہرائیوں
سے طویل جہد و جہد اور محنت کے بعد آئینے بنایا تھا۔
کالہ دیو یہ سمجھتا تھا کہ آئینے کا کالہ دیو پیر ہیں ایک
بے حقیقت چیز ہے اور اس کی چھائی تو ایک فنکاری
چھائی ہے اور فنکاروں کو تو چھائی ملتی ہی آتی ہے۔

اس نے خوف کی نگری میں مضمتہ ایک فنکاری
ضرورت ہے۔ وہ اکتادہ جو دیو کا حکم ہو۔ اور لوگوں کے
لے کیا بات ابھی ہے اور کیا باجہ نوری ہے، یہ وہ خود
نہیں جانتے تھے۔ یہ بات دیو ہی جانتا تھا۔ ابھی
بات وہ ہے جو دیو ابھی کہتا ہے، بری بات وہ ہے
جو دیو بری کہتا ہے۔ اس نے انھیں آئینے کی ضمانت
ہی نہیں ہے۔ دیو کا ہر لفظ ان کے لئے آئینے ہے سادی
دنیا کے لوگوں نے کالہ دیو سے دم کی رہیں کہ وہ
آئینے کی سزا سنو گا کہ وہ اس نے آئینے خوف کی
نگری والوں کے جذبات، احساسات، خیالات، اور
انگوٹوں کا ترجمان ہے۔ کالہ دیو نے ان کی انجلیوں کو
خوف کی نگری کے معاملات میں داخل کیا اور کبھی
کی بات پر کان نہ دھرا۔

آئینے کی چھائی کے اعلان کے بعد کالہ دیو کو
ہر طرف سے سرگوشیوں کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے وہ
ہوا پا لی اور وہ اس سے خوفزدہ تھا اور اپنے گھس
کے بچے ڈھکی ڈھکی سے اس کے ادا ہار دھرتی سے بھی خوف
کھا رہا تھا۔

خوف کی نگری کے باشندے سفید دیو کو یاد
کر تھے کہ اس نے مضمتہ مذہب میں بھی نہیں، ضمیر
کا مذہب کو بھی میں ڈالے اور اس پر چڑھ گئے کہ مذہم
دیا تھا۔ اور اب ان کی روح کالہ دیو کی قید میں ہے
اور آئینے کی چھائی کے بعد ان کی روح پر غلطی کی
ابھی ہر طرف جاتے گی۔

وہ گہری تادیکہ رات تھی، چند من کی پادش
کے بعد زمین نرم ہو گئی تھی۔ تھوڑی سی تادیکہ
چاپ سنائی دی۔ جب چند ساتوں کی آواز آئی اور

روشنی کی سرسراہٹ پھوٹی۔ اور آئینے کی لاش ٹکڑا
پر چھوٹے ٹکڑے کالہ دیو پیر ہیں بالکل بھی آجے جان
تھا۔

رات کی تاویکی میں ایک نمک کی آواز آئی
اور پھر خاموشی۔۔۔ آدھی رات کی خاموشی میں دیو
کا ضمیر سنائی دیا۔ اس کا لگا تھا کہ وہ چھٹے بننے والی
ہو جائے گا۔ چھٹے کی گڑ گڑاہٹ سے وہی جاگ
گئے تھے۔ تھوڑے لمحوں سے لپٹ گئے۔ کتنے اگے گئے۔ اور
سے بھونکے۔ کتنے اگے خوف کی نگری والوں نے گھروں کے
اندھ نالے ڈالے۔ اور اندھ نالے ڈال کر اپنے گھروں میں
بند ہو کر انھوں نے سوچا کہ وہ کھڑے ہیں!

صبح کی افان کے بعد وہی جاگ سارے میں جانے
گئے تو انھوں نے ایک دو سکر سے پتھر اکر رات بھر پھینکا
بہت زیادہ سرگوشیاں کر رہی تھیں، کیا وجہ تھی؟
تھیں، بیان اور گہرے دھوکے اور درد سے جلا رہے تھے؟
دیو کیوں بیٹھے لگا ہوا تھا؟ ایک خوفتہ آئے تھے جس
کیرہ ڈالے ٹھوم، یہی تھی۔ وہ اٹھیں کسی ٹک کی تازہ نگار
معلوم ہوئی۔ وہ ان کے پاس آئی اور وہی کادرات
کی پورا تھا؟ خوف کی نگری کے ضمیر لوگوں نے داخلی کا
اظہار کیا اور کہا کہ ہمارے گھس میں ہاتھوں میں بند تھے۔
انھیں بہت ہی معلوم کرات کوئی ضمیر کوئی واقعہ تھا ہے۔ ہاں
دیو کا پھر ضرورت سنائی دیا تھا۔

خوف کی نگری کی خوشی اپنے سرکاروں تک
پہنچے۔ کتنی بھی تاکہ کھائے ان کے ہاتھوں میں سرسریٹ
نہ ہو اور رات کی بادب سے سرگوشی ان پر مضمتہ
دلے آئے۔!

نامہ نگار خاؤن کا سر اور بال اور کان کھٹے
ہوئے تھے۔ اس کی دھن آکھیں بے غلاب نہیں
اُس کے بال منہ پر تھے اور اس کا لباس بھی سرخ تھا
جو ایک بری ہی تھا کی صورت میں اس کے پیروں کو
چھو رہا تھا۔ اُس کے گھس میں ہاتھوں کی ایک مال تھی۔
نامہ نگار خوفتہ سے حیران ہو کر کہا میں سادی
نگری گھوٹا کی ہوں۔ یہاں تو سب انھوں کی طرح
ہے جس میں ہے، یہ جگہ ہے، آواز آتے ہو کہ انھیں تھا
جملات کہہ گئے ہیں اس لئے ہوا تھا اور اُس کی آخری
سانسیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ کوئی نہ نہ شخص

حدا نامہ نگار کے سال کا جواب کسی نے نہ دیا۔ صاحب
زادہ جیسے کہ خوف سے حق پر کاٹ رہے تھے۔ اداد
ڈھبے کے کہانی کی پکی پست کوڈ کو سرکشی نہ کولے
اداس نہیں سرکشی کی سزا ہے۔

نامہ نگار کا تو انہی بھانک تیری ادھر پر اسرار
سننے میں گونجے لوگوں سے پریشانی ہو کر پڑے
کی طرف نکل گئی۔

دیرانے میں اسے ایک کنوئیں سے سسکنے
اداد دوسرے کی آواز سنائی دی۔ سانس کھینچ
علی جیسے کوئی بڑی تکلیف سے سانس لے رہا
ہو۔ اگر محنت کے حواس سے عام انسانوں کے
مقابلے میں زیادہ تیز ادا حساس نہ ہوتے تو وہ
یہ آواز نہ سن سکتی۔

خود سے کنوئیں میں بھانکا تو دیکھ
کہ اندھا کتواں تھا جس میں پتروں کا ذخیرہ تھا
اداد ان میں سے ہر پتھر پر کالے خوف میں نام
لکھے ہوئے تھے۔ اس نے سوچا کالے دیو کسے
نگری تو۔ جس میں صدی کے کسی ملک کے بجائے اٹ
لیل کی پراسرار دنیا معلوم ہوتی ہے۔

”یہاں کوئی ہے؟“ نامہ نگار نے کنوئیں
کے اندر منہ ڈال کر پوچھا۔

کسی نے نہ بولے۔ ”اے“ ”ہاں“
”تم کون ہو؟“

”میں خوف کی نگری کے باسیوں کا خیمہ
ہوں۔ انہوں نے مجھے اندھا کتوئیں میں ڈال کر
بچھڑا رکھا ہے۔ ان پتروں پر تم ان کے نام
پڑا ہو سکتی ہو۔“

سادہ جلی حروف میں اس نے ان لوگوں کے
نام پڑھنے کی کوشش کی جن میں وہ جانتی نہ تھی۔
”تمہیں اس کنوئیں سے نکلنے کی ہمت
کوئی تمہیں کرتی ہو؟“

”اے“ ان پتروں کے پھوسے میرا دم
گھٹ رہا ہے۔ اگر کوئی ان پتروں کو بنادے
نہیں باہر سنا سکتا ہو۔ آواز ہو کر سانس
لے سکتا ہو۔ اگر مین آواز ہو گیا تو میرے
ساتھ ان کی دوسری بھی آواز ہو جائے گی۔

میری موت نہانی کی مدد کی موت ہو گئی۔ مگر وہ
یہ نہیں جانتے۔

نامہ نگار نے خیمہ سے پوچھا۔ ”رات
قباری سانس سنائی دے رہی تھیں۔ ادا
پھر مجھے ایسا عجیب سناؤ کہ ادا تھیلے پر کسی
نے دم توڑ دیا۔ شک کیسے تم زندہ ہو۔“
خیمہ نے کہا ”نہیں وہ دوسرا شخص جو
رات زندہ تھا، دم توڑ چکا ہے۔ وہ آئیں خدا
اے رات کالے دلہنے بھانسی دے گی۔“

خوف کی نگری کے لوگوں کو یہ بات سنی سویرے
معلوم ہوئی مگر وہ موت کے سبب غامض ہیں۔

خیمہ کی بے بسی ادا آئیں پتھر نگار
کو دم آیا۔ وہ بکاہ پتروں کے بھٹنے صرف
آواز دہرائی کہ سکتا ہے۔ اس نے خیمہ سے پوچھا۔
”کیا اس نگری میں کوئی ادا ہے؟“
خیمہ نے کہا۔ ”ادالت ہی نے آئیں کو
بھانسی کی سزا دی تھی۔“

نامہ نگار نے پوچھا۔ ”ابھار کیا سب
بجوں نے یہ فیصلہ کیا تھا؟“

خیمہ نے کہا۔ ”نہیں، اُن میں گڑبگڑ
وائے ضرور تھا۔ اسی نے قویں زندہ ہوئیں۔“

ضروری اطلاع جواب طلب اُردو کے لے جوالی پوسٹ کارڈ یا ادا ضرور بھیجیے، مگر وہ
قیدی جس کے معذوری کیجئے۔ (ستمبر)

حق ٹریولز اینڈ ٹورز

حج عمرہ زیارت

بین الاقوامی، ملکی، ہوائی ٹکٹ و دیگر سفری سہولیت کے لے تشوین لائیں

۲۱۹۱- ایم۔ پی۔ اسٹریٹ، اکو چرچ لائن

دلیا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)

ایس۔ ایم حق

خون: ۳۲۷۶-۷۷

آپ کی
اور آپ کے کاروبار میں
ترقی کا ضامن
ہو جائے گا



نصف صدی سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک اہم اور ضرور
جیت کا حامل
ہو جائے گا

آپ کا اپنا بینک

بمبئی مرکنٹائل کو آپریٹو بینک لمیٹڈ

(شیڈولڈ بینک)

جو معاج کے ہر طبقہ کا ساقی اور مددگار ہے۔ جہاں فارین ایکسچج سے متعلق سبھی
مسبوبات و مستیاب ہیں۔ جہاں جمع کی گئی رقم پر دوسرے کاروباری بینکوں

پر ایک فیصد زیادہ منافع ملتا ہے

ہمارے کھاتے دار ہی ہمارے سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

عازمین جو کینے نر مبادیہ کے خصوصی استقامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین معیاری خدمات کا نمونہ ہیں

دہلی آفس
دھ ۲۰۰۲ نیترا جی سمبھاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵

فارین آفس جمخ دیوار ٹمپٹ
۳۶ نیترا جی سمبھاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۲۲۲۷
۳۲۷۲۲۲۷
ٹیلیکس ۳۱-۷۷۸۶۲ ZAINAN

مبئی آفس
بین رنگون والا بلڈنگ
۷۸ محلہ علی روڈ
بمبئی ۴۰۰۰۱۱ ہمارا شمار

برف کی سیل

نسرین اعجاز

مہاجر، مذہبی و فاضلین سا حیرت انگیز تعلیم
پس ایک احساس ہوا تھا کہ وہ سب بکری تھے۔

توڑی دیر ہی بعد کی سبیل انھیں صاف
کے پاس میں تھی کہ وہ سب بکری تھے۔
کہہ کر دیکھ کر انھیں ان کے ساتھ بکریوں کے
انگلیوں میں انھیں۔ مگر ان کے پاس میں تھے
رنگہ ملی اندھیرے دیکھ کر ان کے ساتھ
ہونے لگتی تھی۔

انگلیوں کو دیکھ کر انھیں
کا کہیں پیدا کر دے۔ کہہ کر انھیں
ہی رہ گئی تھی۔ ان کے ساتھ بکریوں کے
کے کبیلے میں تھے۔ ان کے ساتھ بکریوں کے
میں تھے۔ ان کے ساتھ بکریوں کے
میں تھے۔ ان کے ساتھ بکریوں کے
میں تھے۔ ان کے ساتھ بکریوں کے
میں تھے۔ ان کے ساتھ بکریوں کے

مسلطہ اندھیرے دیکھ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
واحد ہونے دیکھ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
کہہ کر دیکھ کر انھیں ان کے ساتھ بکریوں کے
آواز میں بکریوں کے ساتھ بکریوں کے
پس تھے۔ ان کے ساتھ بکریوں کے
اب تمام ہونے لگتی تھی۔

اس کے ساتھ بکریوں کے ساتھ بکریوں کے
کے ساتھ بکریوں کے ساتھ بکریوں کے

ان کے ساتھ بکریوں کے ساتھ بکریوں کے
دیکھ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
دیکھ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
دیکھ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
دیکھ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
دیکھ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
دیکھ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
دیکھ کر ان کے ساتھ بکریوں کے

موت تو دیکھ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
بکریوں کے ساتھ بکریوں کے
دوسرے دن کے ساتھ بکریوں کے
اس کے ساتھ بکریوں کے
جائے کے ساتھ بکریوں کے
اس کے ساتھ بکریوں کے
رشتہ داروں کے ساتھ بکریوں کے
بکریوں کے ساتھ بکریوں کے
کروں تھیں۔

روئے دیکھ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
پھر چھوٹی بکریوں کے ساتھ بکریوں کے
انہیں۔ کہہ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
بکریوں کے ساتھ بکریوں کے
کہہ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
کہہ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
کہہ کر ان کے ساتھ بکریوں کے
کہہ کر ان کے ساتھ بکریوں کے

بہ بڑی عداوت اس سے بھی تشدد کی، بہت عرصے
سہرے اس کے اے پتے پتے بدلتے رہے اس
اس کا لٹ صاحب میاں، اس کوئی چیز پسندی نہیں
آئی، اب دیکھو نا، اور یہ چوٹی لٹا اے قہر دیا
لوں گی۔ پہلے قہر اسے اپنے ساتھ لٹانے کی
کوشش کر دی گئی، لیکن یہ بڑی مڑ پھٹ جوش میں
بگڑا کر رہی ہے۔ قہر کے قہر کی بات ہے، اسی حال
قہر کے قہر کرنا ہے کہ اس کی موت کا سب سے
زیادہ تم مجھے ہے، اب سوچو ہی اس سے ایک زحمت
دھاؤ داری اور میں ہر نوٹ ہڈی ہڈی ہڈی۔ ہائے ای۔
پیار کی ای، دو تین عرصوں اس کی طرف بڑھیں۔
پانی مہر۔ پانی مہر۔ اور ان میں سے ایک نے سوچا

یہ قہار و ساری رات کی ہوتا رہا، کبھی قہر کی
رات پڑی ہے۔
قہار کا پہلے پہل ایک قہر کی رشتہ دار سے
لاق چنگوں پر کھینچے ہوئے تھیں، مگر چنگوں سے
وقت دیکھا اور سوچا کہ کیا یہ وقت مری ہے
ذرا سوچو کہ مر جائی تو کھانگ ہمارا، ہو جائے
اس رات کبھی قہار سے قہر جاتا ہے
ہیک اور قہر کی رشتہ دار سے کوئی کریمت لیتا
سوچا ہے۔ تو کبھی کبھی ہڈیوں کے لئے طرب بنی
رہی اور جاتے جاتے ہیں طرب میں ڈال دی، اب
جاگو ساری رات اور مر واس سر دی میں۔
ان سب سے الگ، ایک کوئے میں سب سے

چوٹی پٹی میں اندر کی اندر روئے رہی تھا
کچھ کچھ میں نہیں آ رہا تھا، چانگ پر کیا ہو گیا ہے
بیس ایک کی احساس تھا کہ کسی سے اس کے سر سے
آسمان کچھ لیا ہے۔
وہ یہ سب دیکھ اور سن رہی تھی۔ لیکن
کچھ کرنا، پڑنے اور کچھ لا وقت گزر چکا تھا۔ عرف
کی سلوں میں وہ بھی عرف کی سہل بنی جا رہی تھی۔
"کچھ کب ہو گی۔ کچھ کب اس عداوت سے
نجات ملے گی؟
لیکن کسی نے اس کا سوال نہیں سنا، سب
اپنے اپنے حیاؤں، سوچوں اور منصوبوں کے مطابق
میں ڈبکیاں کھا رہے تھے۔"

عزیزیں

فراق و ہجر کا بدلہ بھی تو برسا نہیں اب تک
تجربہ رے دمن کا کوم کر آیا نہیں اب تک
طوائف قہر پاکر رہی ہیں جاتے منزلیں کتنی
ہمارے مگر ہی کو آپ نے کہا نہیں اب تک
یہ عالم ہے کہ جبکہ دوستوں کا ساتھ چھوڑا ہے
کوئی چہرہ ماری کہتا ہے اگلا نہیں اب تک
بہادر فدا کی میں ہم نہ جلتے کس لئے آئے
ظہیموں کی صفوں پر نہ تو چھوڑا نہیں اب تک
خود جلتے ہیں اب تک تو کبھی کبھی ہوں ہی
جنگلی مٹی، برسی میں کتنی بھی کچھ نہیں اب تک
افغانہ آتش کی جلا کر رکھ کر دے گی
بتاؤ شہر حرم یا قہر کیا دیکھا نہیں اب تک
جلاؤ شہر حرم یا قہر کیا دیکھا نہیں اب تک
بتاؤ شہر حرم یا قہر کیا دیکھا نہیں اب تک

کب ہی دمن میں شہنائی بجے یا نہیں
کب خیالوں کی ہرات آئی بجے یا نہیں
میں تو منزلیں کی طرف پاؤں بٹھاتا ہی گیا
کہ تک ساتھ حق تھا ہی بجے یا نہیں
اتنا معلوم ہے بے ڈور باقاعدہ حرم کا
کتنی پانی میں شہنائی بجے یا نہیں
یاد آتا ہے کہ کون سا کسی نے اک دی
کوئی دشمن تھا کہ بھائی بجے یا نہیں
ہوش کھو بیٹھا تھا جس ایک جگہ میں نہ
کس کی تصویر تر آئی بجے یا نہیں
جس کی کب یہ میں ہر طرف رنگ بٹھا
بیتھہ حق تھا ہی بجے یا نہیں
اتنا یاد تھا جس تدبیر کا نہ بھولے کہ
میری عداوت کہاں لائی بجے یا نہیں

دل نہ دکھانے کی خاطر نہ کوئی کھائی لیتے ہیں
ایک مرض سے بچتے بچتے کتنے رنگ دکھائی لیتے ہیں
بہتر کھوں کے ساتھ میرے خواہجہ لیتے ہیں
مجھ سے ہی بیٹھتی ہیں جا کر دام نہ لیتے ہیں
شوہر صدائے شوق تھا جس کو نہ ساز دھون نہ جھڑو
باغی ہو بواغک برائیں اپنے ایک توا بیٹھیا
شہر نہاں ہے آہٹ سر کا کارکنی خواہ مجھ
اپنے کمر خمیو لیتے ہیں اور دھن چکا لیتے ہیں
چہرہ آگ جاتے جا کر صبح کی شہید اکثر
پانی ہی لے نہیں پاتے بازو بھی کٹا لینے ہیں
بہرہ امین دیم میں کھٹے قہر میں ہیں
خافہ قہر کرنے کی بجائے قہر کر دے لیتے ہیں
خواب ہو کر گریہ میں ہی ہر طرف کھینچ لیتے ہیں
ادجائے لے لے نوم کے بچے تھیں چپا لیتے ہیں

انتہا عجایبی

اقیانہ ہے پستی

جستہ ہے سرور

بہ کوئیار

رہ نند از محرم و شہر

مستقبل کا نام
سرود تونسوی

مولانا عبدالباقی اب جن کو دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

پاکستان میں ہی رہنا چاہتا تھا، محرمات نے
کہ ”اسا رخ اختیار کر لیا کہ میں نے ۱۲ اکتوبر
سنہ ۱۹۴۷ء کو ملتان کو باولی نامواست، تم آؤ
آنکھوں سے خیر باد کہا اور ۲۲ اکتوبر سنہ ۱۹۴۷ء
کو دلی گیا۔“

یہ تو اخبارات کے قدیم پتہ جن ہی جگہ
تھا کہ دو مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے پاکستان
سے ہندوستان ہجرت کر لی ہے۔ اور وہ تھے
مولانا عبدالباقی اور جناب غلام خان کابلی۔
ماہنامہ ”صبح“ کی دو ذیلی جگہ حبش
خان سے شائع ہوتا تھا اور نتیجہ کے مالک
جناب حافظ محمد رفیع صاحب دہلوی پنجاب
سے آئے جوئے شہر ناصیوں کو سر جھپانے کے
لے مسلمانوں کے متروک مکانات و لانے کی
معدودہ دیکھ کر کشت گرد ہے تھے سارا بیسویں
صدیء کا وہ قزاق صاحب نے دفتر صبح میں
ہی قائم کرنے کی اجازت خواہش کر لی کہ وہ دلی

پر اس نے لیا گیا ہے کہ ایک بے باک اور تہائی
کی راہ پر چلنے والے ہفت روزہ کی حواشی
خدمات کا عمل اعتراض کیا جائے۔ یوں
نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے یہ بھی
فرمایا کہ میں ذاتی طور پر شکایت ہندو دلی کے
مشہور ہفت روزہ ”ہندوستان“ کا پاکستان
ایڈیٹر بن گیا ہوں۔

باقی صاحب کے ان جملہ انفرادی
نے ہی جگہ یہ تحریک دی اور سیکرٹریوں
میں سرور دیوانہ سیکرٹری کی بے باکی
آفا طور حق کا تحریک کی آتش لڑائی، اور
مولانا عبدالباقی کے محسوس طرز فکر کو
جھجک دکھائی دینے لگی۔ انہوں نے گزشتہ
بادوں سال سے شان ہند کو اسی شعبہ پر
محاذ بن رکھا ہے۔

”شان ہند“ کی اشاعت کا آٹھواں
سال تھا کہ تقسیم ملک کا سحر حبش آیا۔ جسے

ہفت روزہ ”شان ہند“
سنہ ۱۹۴۷ء میں ملتان (پاکستان) سے جاری
کیا گیا۔ یہ ہفت روزہ بے باک اور مفیدی
صحافت کے فضائل بہت جلد فیلو عام
حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ چھ ماہ بعد
ہی اسے محکمہ اطلاعات پنجاب لاہور سے
جو پہلے اشتہار برائے اشاعت فرماتوں ہوا
اُس کے ریلیز آرڈر پر بطور ڈائریکٹر جناب
عبدالباقی صاحب کے دستخط تھے۔

اقتیادات ہر اخبار کے لئے بڑھ کر
پڑی گئے جاتے ہیں۔ لہذا میں نے بھی لاہور
جا کر محکمہ اطلاعات پنجاب کے ڈائریکٹر جناب
عبدالباقی سے ملاقات کی اور شان ہند کو
سرکاری اشتیادات کے لئے منظور فرماتے کے
لئے غور یہ ادا کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”شان
ہند“ کو بغیر کسی درخواست کے اپروٹسٹ

مٹی۔ نیم گرمی مکان کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ چنانچہ سردار دوان ملکہ مضمون کی طرف پر جناب حافظہ محمد رفعت و دیوی کی خدمت میں حاضر ہوئی دی اوردان سے عرض کردہ عیال کیا تو حافظہ صاحب نے فرمایا کہ سرقد صاحب آپ نے بیت دید کر دی۔ اب تو مکان سے کا بنا نا ممکن ہے۔

دفتر مریض سے نیچے آکر تنگ بازدار میں فرسے ہی لگا تھا کہ جناب عبد ابا ہی صاحب نظر پڑے۔ مضمون و حضور سے معاف فرمایا ملک سلیک اوردنک وطن کے مختصر حالات سننے سننے کے بعد فرماتے تھے میں سانس ہی رہتا ہوں۔ تم کہاں رہ رہے ہو؟ عرض کیا کہ ایک مشورہ کیلئے ہوئے مکان کی چار دیواری میں رہ رہا ہوں جس میں ایک کمرو کی چھت کسی حد تک باقی ہے۔

سردار دوان ملکہ مضمون کی سفارش پر مٹھی جھڑکا لہذا بر صاحب نے جاندنی محل میں ایک مشورہ کہندہ کامکان اس کے منور و منہ مالک کسی حکیم صاحب سے کرایہ پر دلایا اوردنک کو درمند و سبک بیدی تھو جو ان دنوں دنی کے سنی مجسٹریٹ تھے، نے کم فرمایا اوردنک کے ادا میں شاہی ہند کا اجراء ممکن ہو سکا۔ اب مولانا بابا فی صاحب سے ہفتہ مضمون کی ملاقات رہتی اوردنک ہند کی حیات تازہ سے متعلق ان سے صلاح مشورہ لینے کی مسابلی کے حل کرنے میں مدد دینا رہا۔

بابا صاحب مختلف انگریزی اخبارات میں مختلف موضوعات پر کالم لکھ کر لپے تھے اوردنک نے یہ کہ ہر اخبار میں مختلف فرمیں نام سے ملے بیرون ملک اخبارات میں وہ اپنے اصلی نام سے ہی کالم لکھتے تھے۔ ممکن اوردنک فرنگی اخبارات میں بھی لکھتے تھے انھیں اچھا خاما معاد و ملا تھا جس سے ان کی مالی حالت لا ہند کی سرکاری کلازمت کے مقابلے میں بہتر تھی۔

ان دنوں دنی کے شری مامی بلام دنی کی ایک بھائی فراد خان خان شاہہ بیگم محبت کی نگرانی تھی۔ یہ بھائی تیرا دواستان محمد و لاینگ میں رہائش پذیر تھیں۔ چنانچہ آزاد ہندوستان میں جب پہلی بار ایکشن ہوا تو بیگم صاحبہ مذکورہ نے کانگریس اوسیدوار حکیم غیلان الرحمن ناز کے مفاد میں ایکشن کرنے کا اعلان کیا۔ بیگم صاحبہ جناب تیرا خان بیدی کے کہیں جان بچان ہوئی تھی۔ لہذا جب بیگم صاحبہ نے ایکشن کرنے کے سلسلے میں اپنے ہی خواہوں سے صلاح مشورہ کرنے کے سلسلے ایک میٹنگ اپنے دولت کہہ پر بلائی تو ایڈیٹر شان ہند کو بھی مدعو فرمایا۔ اس میٹنگ میں مولانا صاحب ابا فی نے بیگم صاحبہ کے حق میں جو گفتگو فرمائی وہ تمام ہی کہہ ہی کر مولانا بابا فی بیگم صاحبہ سے مانوس ہو گئے ہیں۔

جناب کنور ہند ملکہ بیدی سحر سے دنی کا گھر میں کئی کے ارکان نے اپنی سے حضرت اسی مضمون بھائی شاہی تھے، گزشتہ کی کردہ کسی طرح شاہہ بیگم محبت کو حکیم غیلان الرحمن ناز کے مقابلے سے دست بردار کرادیں، اور نہ کانگریسی اوسیدوار حکیم ناز بیگم شاہہ کی آتش و خنار کی طاقت میں اپنی ناز کی صفت گنوا۔ مٹھیں گئے۔ لہذا کنور صاحب کی کوشش سے دنی کی کانگریس کمیٹی کی عزت رہ گئی۔ یہ کہ کنور صاحب کے فرماں کی تعمیل میں بیگم شاہہ نے اپنا نام داپس لے لیا۔

بیگم شاہہ محبت کے بابا جب بھی جانا ہوا تو مولانا بابا فی سے ان کے ان ملاقات ضرور ہوتی۔ چند دنوں کے بعد ہی بابا فی صاحبہ نے بیگم شاہہ سے نکاح تانی پر صوالیا۔ اوردنک بیگم شاہہ کی محبت نے بابا فی صاحب کو اس قدر محبت دی کہ انھوں نے دنی سے وقفہ بہ وقفہ "پہلیم وطن" جاری کر دیا۔ مٹھی غلام محمد بابا فی صاحب کے دیرینہ عقابوں میں سے تھے۔ انھوں نے دنی کے چھٹ گشت سے کہہ کر احاطہ کالے خان

میں باقی صاحب کو گیارہ مہینوں کا ایک بہت بڑا مکان الاٹ کر دیا۔ یہ مکان ایسی جگہ واقع نہیں تھا کہ کسی مذمت نام کے دفتر کے لئے موزوں ہو سکتا۔ لہذا اوردنک نامہ پیام وطن کا دفتر ترکمان ٹیٹ کے باہر اجیت محل روڈ پر قائم کیا گیا اوردنک مولانا بابا فی نے ملاش و بیٹ نظام الدین میں رہ گئے اوردنک احاطہ کالے خان والا مکان دفتر پیام وطن کے اسات کے رہائش گاہ بن گیا۔

لہذا نامہ پیام وطن کے ادارتی فرامین باقی صاحبہ نے سنبھالے اوردنک بیگم عبد انتظامی انور بیگم شاہہ محبت نے نہایت اچھے انداز میں انجام دے دیے۔ پیام وطن جو کچھ خاص وطن پرستانہ یا سیاسی کار تھیں تھیں، اس نے مضبوطیت عوام حاصل نہ کر سکا اوردنک عرصہ بعد ہی اس کی اشاعت بند ہو گئی۔

بابا فی صاحب مقبہ بہاد نے اپنے والے تھے اوردنک دستان کے پہلے راشتری جیاب راجندر پرشاد صاحب سے ان کے والد صاحب کے برادرانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ راجندر بابا نے مولانا بابا فی کو ہمیشہ اپنا عزیز سمجھا۔ پیام شاہہ سے شادی کرنے کے بعد جب بابا فی صاحب اپنی بیوی کو راجی بابا کے ہاں سلام کرنے کو لے گئے تو راشتری راجی بابا نے اپنے دست راجی کے مطابق ایک کسر کر محبت میں شاہہ بیگم کو فو ادا۔

جناب رفیع احمد قدروانی صاحب جناب عیانی ذیل ملکہ صاحب، اوردنک بیگم کی اکا بری ملک سے بابا فی صاحب کے گہرے تعلقات تھے راشتری صاحب نے مولانا بابا فی کو کسی اسلامی ملک میں ہندوستان کا سفیر بنائے جانے کی پیش کش کی مگر رفیع احمد قدروانی نے بابا فی صاحب کو مشورہ دیا کہ اگر اپنے فکر و فکر کو کرنا ہے تو بے شک سفارت بیٹوں کو لہذا بابا فی صاحب نے راجی بابا سے معافی کے ساتھ عرض کیا کہ وہ حفاظت کے مولانا میں ہی رہتا

چاہتے ہیں۔

اس وقت وہ سولانا باقی کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ لہذا بخشی غلام محمد زور پر اٹھ اچوں و کھیر کے بلاوے پر باقی صاحب کھیر چلے گئے اور وہاں کنشی صاحب نے انھیں اس قدر ڈانڈا کر اچھیں کسب معاش کی فکر دلائی تھی۔

مگر مصافحہ کا جبکہ اتنا لذت ہے کہ کوئی بھی مصافی اس شخصانہ پیشہ سے زیادہ دیر دور نہیں رہ سکتا، خواہ وہ کھیر جتن کھیر جس آرام کی زندگی کیوں نہ گزار رہا ہو۔ لہذا گنگہ جی حرمہ بعد باقی صاحب سعد امی و عیال دہلی لوٹ آئے اور بہت دفعہ کا وہاں دھن جامی کیا۔ یہ بہت دفعہ وہ اپنی قسم کا ایک کھن اخیار تھا اور اس نے سرکار اور عوام دونوں میں محبوبیت پائی۔

باقی صاحب نے اپنی زندگی میں کھسے بچوں کو بلا نصیب مذہب و ملت نصیب دلائی۔ وہ بے لطف نصیب باقی صاحب کے ہاں کثرتی میں تھا ہی نہیں۔ باقی صاحب کے مذہب و بہت کے اچھے لوگوں کے ساتھ گھڑیوں و تعلقات تھے۔ اور جو فکیر انسان سے انسان کی نفرت اور بچے کے فانی نہ تھے، اس نے کونوئی ان سے ناخوش تھے۔

باقی صاحب نے کئی بیواؤں کے خلاف متحرک کر رکھے تھے۔ ان میں نصیب، بیواؤں میں ان کے خاندان کی بھی کچھ خواہش تھیں اور ایسی بھی جو ان سے کوئی دشمنی نہیں تھا اور اس فریضہ میں بھی مذہب کی کوئی نصیبیں نہیں تھی۔ باقی صاحب کو تسلیم پر اتنا خلافت کہ جس مذہب کی بات آپ چاہیں ان سے تسلیم برداشتہ یہ بھوکو ایسے کہ ہر مذہب نے انسانیت کا کچھ مقدم کر دیا ہے اور مذہب ہر انسان کا ذاتی مسئلہ ہے اور مذہب کا سیاست یا فقہ ہے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ اور اچھی عقیدوں سے مکرر لوگوں کو ان کا دشمن بنا دیا تھا۔

راجہ الخروٹ نے باقی صاحب کو ہمیشہ

لپے اُستاد کا درجہ دیا حالانکہ اس نے آزاد منہ کو اپنا ہی خواہ اور دوست سمجھتے تھے۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ اکثر و بیشتر شاہ ہند کے ادا رہے اشاعت سے بیکار تھیں دکھائے اور ان کے عقیدہ مشرعوں سے اپنی ادبی خامیوں کو دودھ کرنے کی کوشش کی۔

کتنے وزیروں کی تعادیر باقی صاحب نے کھیں، کتنے نوآموز صحافیوں کو ادا رہے بکھنا سکھایا۔ اور کتنے فرضی علمی ناموں سے ہر زبان کے علمی اور غیر علمی اخباروں میں کالم لکھے، یہ باقی صاحب کے سوا کوئی نہیں جانتا کس کس کی مالی مدد کی، کس کس کو عقیدہ کے نوآموز آراستہ کر دیا، کس کس کو ہر ماہ کتنا روپیہ دیا، یہ بھی دہی جانتے تھے۔ ہر حال میں باقی صاحب کا چہرہ کشتیم، مزاج میں شکستگی، عاجز و جوانی اور ہر موضوع پر گفتگوں کھنکھانے کا مسکنہ موجود تھا۔

سردار بیل بھی باقی صاحب سے خوش تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آئی۔ اے ایس کبڈر کے اس پوٹا اور ادب و ہمت پھولمائی کو کسے قسم کی مالی تعلق نہیں رہی چاہے۔ لہذا باقی صاحب کو مشتعل ہونے پر ذرا ہر ہر ہر تھا۔ ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ فلم کے دشمن

نقد کے حق سے بہرہ اندوز نہیں ہوتے مگر باقی صاحب جس قدر ستر کھتے تھے، اُنہی جتنے نقد میں بھی اپنا جواب آپ تھے۔ مگر ان کی تعادیر میں سیاسی دو غلابیں نہیں ہوتا تھا۔

وہ خالص ادبی، فنی، تنقیدی اور مذہبی ہر موضوع پر بے تکان بول سکتے تھے مگر سیاست کے مسئلے انھیں سے متعلق وہ زبان کو گنگ دکھائی ہی سہی سمجھتے تھے۔

آپ کسی بھی لفظ کے معنی پوچھتے، باقی صاحب ہمیشہ اس لفظ کے لغوی معنی ہی بتاتے، مگر اس لفظ کا ماتھہ کیا ہے اور کس زبان کا ہے، اس کی بھی تفصیل بتاتے۔ اس جتنی بھر تو لغات میں نے

بیمیلوں بار کئی الفاظ کے معنی پوچھے اور کئی بار دیکھ کر دانت اسیے الفاظ کے معنی دے دیا۔ ان کے نسبت اپنی دانست میں یہ یقین تھا کہ باقی صاحب یا تو کثرتی سے دیکھ کر بتائیں گے یا کہیں گے کہ فلاں لفظ میں ادبیکے مگر صاحب باقی صاحب نے لفظ نہتے ہی اس کے معنی اُگل دیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ فرانسیسی زبان کا لفظ ہے اور دیکھ کر فارسی کا۔

باقی صاحب غیر ضرور دسان مصافحہ، علمی مسائل پر بے لاگ تنقید اور فحشی یک جہتی کے لئے متحدہ جہد میں جس انداز میں شہک رہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے کیونکہ وہ ان خاص بند و ستانی کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرتا اس لئے شغف دم سمجھتے تھے کہ بند و ستانی مسلمانوں کے لئے ایک نظیر ثابت ہو سکیں کہ یہاں کا ہر مسلمان وطن پرست ہے۔

باقی صاحب ہندوستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں نہ سمجھ کر ادا کھنا چاہتے تھے بلکہ اسے ایک ایذا دہی شان کا حامل بنانے کی ترقی کے دل میں حق نگر زندگی دونا نے کی اور سولانا باقی صاحب نے نہ وہ کی محنت خاندان کے باعث اپنی صحت کو ہزارہ نہ کہ کئی بار ستر علالت پر دراز ہو کر ہمدرد کلینک میں داخل ہو گئے۔ اور اسی ہمدرد کلینک میں ہی وہ اس کے پیارے ہو گئے۔

رہے نام استاد کا۔

جون و ناہر کسی کا یہ افلی جی ہے مگر
دل اور فکار کا انداز مجھ کو کلام
خدا ابھوٹ نہ ملو اے

پتے نا تو جھوٹ بولے کی برکتوں سے
پوری طرح واقفیت پائے گا۔

جنت: ہندو مذہب



جب قلمی ستارے مداح بن گئے



● اداکار بنے دت اور ان کے بہان نور محمدی ہوٹل کے کھانے سے ٹکٹ لے کر وہاں پہنچے

قلمی ستارے جو ہر دم مداحوں میں گھرے رہتے ہیں، جب خود کسی کے مداح بن جائیں تو یہ ہجرت کی بات ہے۔ لیکن اگر آپ نور محمدی ہوٹل کی نئی بنیادی کا ایک بار ڈانٹ لے لیں تو پھر آپ کو تعجب نہیں ہوگا۔ یہ ہے ہی اتنی عمدہ، لذیذ اور صحت مند کچیلے ہی ڈانٹ میں خواص و عوام کا دل بوجھتا ہے۔ اسی نے نور محمدی ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں بڑی بڑی ہستیاں، مشہور ہیستے شامل ہیں۔ یہاں کی کئی، بنیادی، بھیجہ، پکے، ماش کی دلی اور دیگر کھانوں کے پیچھے ۶۰ سال کا تجربہ اور جناب عبدالکیم ملک نور محمدی ہوٹل اداکار کے فرزند خالد حکیم کی ذاتی نگرانی شامل ہے جس نے اسے ممتاز بنایا ہے۔ آپ یہاں شریف لاکر شوق فرمائیں، اپنے صاحب کے لئے گھرے جائیں یا پائل کے لئے جائیں۔ آپ اداکار کے بہان ڈانٹ کر بھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

نور محمدی ہوٹل، وزیر بلڈنگ ۱۸۱/۱۸۳ ای۔ آر۔ روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۲

فون: ۸۵۱۱۰۰۵ فون فکس: ۸۵۱۶۱۱۵

البيروتية

سب کے باوجود کوئی بھی کام نہیں ہو رہا
دفتر دوکان، بینک، کارخانے سبھی کھلے
ہوئے ہیں اور میل رہے ہیں۔ دیکھنے میں تو کام
پر پہنچنے نہ پائے کی محنتوں دیکھ رہے ہیں کہ سخت
برفباری ہو رہی ہے۔ کارخانے جو کئی برس
بند ہیں۔ سبھی کے لئے یہ ناگزیر صورتحال
کو جاننے کو جتنے ہیں، مگر جو بھی یہ کوئی محنتوں
وجہ نہیں ہے۔ کام پر پہنچنے کا انتظام اور
اہتمام کپ کی اپنی ذمہ داری ہے۔

سرکار کی جانب سے جرات ہے کہ
سبھی کے چلو، احتیاط برتو۔ ٹونکے بجائے
دیں سے سفر کرو۔ وقت سے پہلے گھر سے نکلو۔
پاؤں جاکر چلو۔ پورے اور ہمارے لوگ ملادی
اداروں سے فوراً رجوع کریں۔ پولیس ہر قسم
کی مدد اور رہنمائی کے لئے ہر وقت ہوجو ہوتی
ہے۔ (وجہ وغیرہ)

ہاں اضافہ ہے کہ جھوٹے پتوں کے
نوسری اور اسکول ضرور بند کر دیے جاتے
ہیں۔ پورے اور ہمارے لوگوں کی فوری ہزار
پڑی کی جاتی ہے۔

دیکھا آپ نے۔ چھوٹے بچوں کی بڑا
کی جاتی ہے اور بڑوں کو محض احتیاط برتنے
کی نصیحتیں۔ میں یہی ہے یہاں کا مصروفیات
احتیاط برتنے کا معبود (محض مشورہ) ہی
زندگی کی سیاست ہے۔ اور یہی اس کے نظم و نسق
میں یکدمی حیثیت رکھتا ہے۔

ابھی ریڈیو پر خبر آ رہی ہے کہ سرکار کی
ایک کاروں نے ملٹری لندن میں مدد کے کام
لوگوں کی ایک فہرست مرتب کی ہے۔ یہ وہ
لوگ ہیں جن کا کوئی گھر بار نہیں ہے۔ اور جو
تسبب پرو Sub ZERO والی راتیں
رہوے پلیٹ فارم یا کسی دوکان کے بارے
میں تین بیچارہ جو کہ محنتوں کو چھاتی میں دیتا

بہت زیادہ نہیں بھرتا تو اسے ریلوے
پلیٹ فارم پر مرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔
برطانیہ اپنے آپ کو صوبہ اولیٰ کا نمک
سمجھتا ہے۔ لندن اپنے آپ کو دنیا کا
دار الخلافہ کہلاتا چاہتا ہے۔ اور وہاں بھی
ایسے لوگ موجود ہیں جو بے یار و مددگار۔
پلیٹ فارم یا برآمدے میں پڑے بھوک اور
تھکے سے بلک رہے ہیں۔ م۔
شہرم کوئی گھر نہیں آتی۔

بیحد لال شہرما
ہنسلو، لندن

کی ناکام کوشش میں غمزدار ہے ہیں جان میجر
کی نئی سرکار نے فوری احکام جاری کئے
ہیں کہ ان لوگوں کو ہسپتالوں میں ڈال دیا
جائے، تاکہ جان بچا سو دی میں بھٹکر کر
مر رہے سے رہیں۔
ظاہر تو خوب نیک انتظام کیا ہے
سرکار نے۔

مگر امدادی ادارے، سوشل ورکر
ابھی نالاں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بہت زیادہ
سروری میں بہت زیادہ محنتوں پر محنت کا حشر
پر پہنچا دیے جاتے ہیں کوئی خاص نیک نہیں ہے
جبکہ سروری بہت زیادہ نہیں ہے اور کوئی

منٹو نامہ

سادت حسن منٹو نے شعلی ایک ایسی ملی آذنی اور آذنی دستاویز جس سے آواز و آذیب
میں واقعی اضافہ ہوا ہے۔

آج تک سادت حسن منٹو پر ایسی ستاویزی نہیں کہ اب شائع نہیں ہوئی، محض قوتِ جناب جگہ میں
چند صدیوں کا یہ ملی آذنی کا نام آواز و آذیب میں ہمیشہ یادگار کی حیثیت سے رہے گا۔

خداوند سادت حسن منٹو نے آذیبانی ساز، بہترین جلد اور دلکش گروپیشن۔

حیث:۔ ایک صدی آتی رہی

میلے کا پتہ:۔ دفتر شائع ہند، طبع ۵۵، انصاری مارکیٹ، دہلی ۱۱۰۰۰۶۔

شانی ہندوستانی ایک نئی پیش کش اردو اسٹیج ڈرامہ

اردو اسٹیج ڈرامہ کی ایک نئی پیش کش
اردو اسٹیج ڈرامہ کی ایک نئی پیش کش

شاعری

جلد ۵۲ شماره ۴

چیف ایڈیٹر
سرور تونسوی

جوائنٹ ایڈیٹر
مطرب صحرائی

اشاعت کا
۵۲ واں سال

اس شمارے کی اہم جھلکیاں

”آتش چنار“ کو محض اس نے اوار ڈوایا کہ خطابِ فوقِ جہانہ کی خوشنودی حاصل کی جائے، ورنہ..... مہل جھگفت - غلطی کا عرفان اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بتائی نہیں جاتی، ”حسنِ اصلاح“ - زائرِ ملامی - جس نے ذرا نیور سے پوچھا ”کیا معاملہ ہے؟“ ”نوک لہی معاملہ ہے“

”پھولے ہوئے لوگ“ (ڈاکٹر اودے سرین امان) ”خطباتِ نقد“ کہانی (انباں بابیکہ) ”خون کی نگری“ کی دوسری قسط (اعتر جہاں) ”ماہیا“ (دیپک قر) ”حاصلِ مطالعہ“ (کمان گپادی) غزلیں - حقیر آستانی، سراج الدین سراج، منشتر اکبر آبادی -

بابِ انتقاد، من کہ مکتوب الہیہ (مستقل کام برستور)

پنر، پبلشر، پروڈیوسر، وڈیا پرکاشن سرور تونسوی
طباعت: خواجہ پرین جامع مسجد دہلی - مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ
”شاہین ہند“ فلیٹ ۵، انصاری مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

ہندو پرست ہوں نہ مسلمان پرست ہوں
دامن پرست ہوں نہ گریباں پرست ہوں
ہر ذرہ وطن سے ہے قیاض مجھ کو پسند
یعنی وطن پرست ہوں انسان پرست ہوں
قیاض گویا رہی

محاکبِ خیر میں :-
ہندو ہندو مسند دی ڈاک - /- ۱۰۰ روپے
ہندو ہندو ہوائی ڈاک - /- ۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ - پانچ روپے
چیت سالانہ - پچاس روپے
لاٹفِ لمبری - پانچ سو روپے

غزل

ڈاکٹر حقیر آستانی مرحوم

تمہارے پاس تو رنگینی قبا ہو گی
ہمارے حق میں خدا جانے کیا فضا ہو گی
وفا ہماری نہ بھٹکے گی راستہ لیکن
وہ بے وفا ہے تو چیلے وہ بے وفا ہو گی
بڑھے گی چاروں طرف سے خرابی طوفاں
جدھر بھی جائیں گے ہم منتظر قضا ہو گی
وہی انا کہ ہر طور لٹ ہی جاتی ہے
خدا گواہ کسی کا وہ اسرا ہو گی
پلٹ کے آئی ادھر یہ بڑی غنیمت تھی
پلٹ کے آئی جو تجھ تک تری صدا ہو گی
حقیر سوائے عدم میں دیے ہیں ماتم کی
تمام دبیر میں فرصت کسے بھلا ہو گی



اُردو ایوارڈز کے ناخداؤں کیلئے ایک لمحہ فکریہ

کچھ عرصہ سے اُردو ایوارڈز کی ایک نئی قسم ”اجتماعی خدمات“ ظہور پذیر ہوئی ہے۔

باعث اور باجمعیہ جہانی مجتہد واد سے شائع ہونے والے ایوارڈز کا فیصلہ کیا۔
کہتے ہیں کہیں کسی کو پہنچ ”مفرد کی جاتا ہے تو فائدہ ملیں تو ہر مجتہد واد کے دل و دماغ میں بیج بیج کر کے کی قوت بخود کثافتی

جاسکتا ہے کہ وہ پوری پوری ایمان داری دیا ستراری کے ساتھ ”حق بہ خدا اور سید“ کے مصداق دیکھے گئے۔ ورنہ عام طور پر ہمیں ہوتا رہا کہ ایوارڈز کا فیصلہ کرنے والے حضرات نے کسی سیاسی دباؤ کے تحت یا سفاک شخص کے

جسے اُردو کہتا ہوں یا اردو کے دیہوں، شہزاد اور نقادوں کو ایوارڈز دینے کے لئے کار و راج ضرور بنوا ہے، تب تک کہ بے تک گنتی کے کچھ ہی ایوارڈز کے بارے میں کہا

ہے اور وہ کہ تو خدا کے ذریعے اور کئے انصاف کا ترازو ہاتھ میں ہونے کے باعث شیعہ فیصلہ کرنے کی حق کو شش کرتا ہے۔ جیسا کہ طشی پریم چند کے دو ایک انسانوں نے پہنچ رہا ہے۔ دھیرہ میں اس کا بہترین مظاہر کیا گیا ہے۔ محمد اورو اور ذرا کا فیصلہ کرنے والے

بعض اصحاب کے دل میں نہ تو خدا کا خوف ہی کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی انصاف کا ترازو ہاتھ میں لینے ہوئے ان کے ہاتھ کانپتے ہیں اللہ وہ ہے ایسے عجیب و غریب فیصلہ کرتے ہیں کہ حق و انصاف دونوں سر پٹ کر رہ جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ سے اورو اور ذرا کی ایک منبر

”اجتماعی خدمات“ ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اس ”اجتماعی خدمات“ کی تحت ایسے ایسے حضرات کو رقم خیر مطاع کی جاتی ہے جن کی اجتماعی قوت

کیا اور ان خدمات میں جس کے برابر ہوتی ہیں۔ اگر تعین میں جایا جائے تو جن حضرات کو ناجائز قرار دیا گیا ہے وہ تو ناراض ہوں گے ہی اس کے ساتھ ہی پچھرتے یہ فیصلہ کیا ہے وہ

ادب و ان کے لگاؤ پر جانیں گے۔ کچھ اورو اور ذرا کا دوسرے یہ دو ٹوک دیا رکھا ہے کہ ملک بھر میں کچھ حضرات کو سوانہ سمجھادیا جاتا ہے کہ ان کی باتیں اجتماعی خدمات کس ادب یا شاعر کی قابل اور ذرا

ہیں۔ اور ہوتا ہے کہ اگر کامی کے ارکان میں کو بھی یہ اور ذرا دینا چاہتے ہیں، اس نام کے لئے سینکڑوں خطوط احباب سے منگوائے جاتے ہیں۔ اور اعلان یہ کیا جاتا ہے کہ سب سے

زائد آزاد اسی صاحب کے ناموں ہوتی ہیں، تاکہ ان پر کوئی حق کشی نہ کر سکے۔

ابیں کوئی شخص نہیں ہضم فیصلہ نہایت بہترین اور حق و انصاف کی اصل مثال ہے جو بنے ہیں۔ مثالی کے طور پر حکومت مدیہ پر دیش کا افسانہ سکان اور ذرا اس سال جسٹس آنر ٹرانس فٹ کو دیا گیا ہے جس سے ملک بھر کے ہر جگہ سے حکومت مدیہ پر دیش کو مبارکباد دی گئی ہے

مگر اورو اور ذرا کا فیصلہ کرنے والے بعض اصحاب کے دل میں نہ تو خدا کا خوف ہی کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی انصاف کا ترازو ہاتھ میں لینے ہوئے ان کے ہاتھ کانپتے ہیں۔ اور وہ ایسے عجیب و غریب فیصلہ کرتے ہیں کہ حق و انصاف دونوں سر پٹ کر رہ جاتے ہیں۔

اور سرا ہا گیا ہے۔

”اجتماعی خدمات“ کا فیصلہ کرنے والوں کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ ملک بھر کے ادیبوں، شاعروں اور نقادوں کو نظر میں رکھ کر فیصلہ کریں، مگر اس کا کوئی علاج نہیں کہ ان کے کوتاہ بین نظریں اس پاس کے سٹائی کو خوش تک ہی دیکھنے کی عادی ہیں، خواہ کسی مقدار کا حق کیوں نہ مارا جائے۔ کیا آل احمد سسر کا تاراج ہونے لگا، محو چند نارنگ اور اللہ علی وغیرہ ان حضرات کی نظروں میں کب ہیں جنہوں نے گور صاحب اور تنویر علوی کے ناموں کا فیصلہ کیا ہے۔

غالب انسی ٹوٹ، ایک ایسے وطن پرست کے باعث وجود میں آیا ہے ہم محمد الدین علی احمد کے نام سے جانتے ہیں اللہ اسی غالب انسی ٹوٹ سے جو غالب کے یاد میں اور ذرا دیئے جاتے ہیں اگر ان پر تفصیل تبصرہ کیا جائے تو عرصہ بگم جاوے احمد نقیب ناراض ہوں گی، جن کے بارے میں غالب اور ذرا کا فیصلہ کرنے والے خود کہتے ہیں کہ بگم صاحب یہ فرماتی ہیں کہ بھی علی سردار جعفری یا کسی اور کو کو ضرور اور ذرا دینا ہے باقی اب جس کو چاہیں

اور ذرا دے دیجئے۔ تو پھر ایسی حالت میں اور ذرا کا صحیح فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جناب حیات اللہ انصاری نے جب صحافت کا اور ذرا (رقم ہونے کی وجہ سے) لینے سے انکار کر دیا تو یا تو ان کو نے ایک ایسے اخبار نویس کو یہ اور ذرا دے دیا جو ابھی صحافت کی دنیا میں ایسا مقام حاصل نہیں کر سکتے جس پر انہیں یہ اور ذرا دیا جائے (پھر ابھی عزت و دوست رضوان احمد سے معذرت خواہ ہیں)۔ اسی غالب انسی ٹوٹ نے جناب فکرت قزوینی کی بجائے طنز و مزاح کا اور ذرا دے دی اور کو دیا تو ہم نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور فکرت قزوینی کو نظر انداز کر کے برکتیہ دلائی تھی تو اگلے سال فکرت قزوینی کو یہ اور ذرا دیا گیا۔

”ہر کوئے یار بہ انداز محمد گنہ“ رقم الحود کی تصنیف ہے اور جس کے بارے میں بلا خوب تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس فیصلہ کی جگہ ضایعہ ”ہر کوئے یار“ سے کسی طرح سے کمزور ہیں، خواہ حضرت جوش ملیح آبادی کے ”یادوں کی برات“ ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے محض اس لئے اور ذرا عطا نہ کی کہ فکرت قزوینی اور ذرا کا فیصلہ کرنے والوں کا خوشہ چھین نہیں

مبارکباد پیش کرتا ہے اور دُعا کرتا ہے کہ
ہندوستان میں اُردو کی بقاء و حیات کی
ضمانت کو خدا اُمیر قبول دے۔

ادارہ خان ہند بھی تہہ دل سے پشیمیر
نارنگ صاحب کو اس اعزاز پر اور اچھے سال
اس سے بڑے ایوارڈ کی ایڈوائس دینے تک پیر

پرو فیسر اشتیاق عابدی سکریٹری اُردو
اکادمی دلی نے فرمایا کہ اگر کوئی چند کویں پیر
ایوارڈ دے کر ان کے ساتھ انصافی کی گئی

ہے۔ حالانکہ یہ اس سے بڑے ایوارڈ کے حقدار
تھے۔ اُدھے جے جے کہ یہ ایوارڈ بیس سال پہلے
ان کو کیوں نہیں دیا گیا۔ عابدی صاحب نے

یہ الفاظ کافی وقت اٹھیزا کر اُنہیں کہے۔ اور
اُنہوں نے ایک لمحے ہونے ادا کار کی طرح اپنی

ایکٹنگ سے پرو فیسر نارنگ کو یہ یقین دلایا کہ
اچھے سال اس سے بڑے ایوارڈ کے لئے آپ کی

ایڈوائس مانگ کر لی گئی ہے۔ حالانکہ جس کمیٹی
میں نارنگ صاحب کو یہ ایوارڈ دینے جانے کا

فیصلہ کیا گیا تھا، اس میں پرو فیسر اشتیاق
عابدی موجود تھے اور انہوں نے ہی اس کی

تصدیق کی تھی کہ نارنگ صاحب اسی ایوارڈ کے
مستحق ہیں۔ پرو فیسر کوئی چندا نارنگ کے بار

خدا ہر اراج کو مل ہی اس کمیٹی کے ممبر ہیں اور
وہ اس کے ضمنی شاہد ہیں کہ عابدی صاحب نے

اسی ایوارڈ کے لئے اپنی عمری حق اور خود ہر اراج
کو مل صاحب نے بھی یہی مناسب سمجھا تھا کہ

نارنگ صاحب کو یہی ایوارڈ دیا جائے۔
کینڈا سے آئے ہوئے اشتیاق حسین

صاحب، پاکستان کے ایک شاعر کے علاوہ
موزم خستہ صاحب، ڈاکٹر ظہور قاسم صاحب

کوہر مہمند سنگھ بیدی سحر، محمود باجی، پرو فیسر
حلیف کینٹی، پرو فیسر ایس۔ آر۔ قدوائی،

جناب شاربہ رودلووی اور دیگر کئی حضرات
نے نارنگ صاحب کو دل کی گہرائیوں میں مبارکباد

پیش کی۔ جناب ولیپ بادل، متین احمد ویسی،
و غیر ہم نے منظم و خارج حقیقت پیش کیا۔

جناب فقیر سنگھ خیر اور ان کی سرداری
صاحب نے مناسبت کا انتظام جن اعلیٰ انداز میں
کیا، وہ نہ صرف قابل تعریف تھا، بلکہ مثالی
بھی تھا۔

جناب ذہین نعوی نے نظام کے فرض
حسب سابق اچھے انداز میں نبھائے۔

مبارکباد اور مخلصانہ دُعا

سید خیم کاظم صاحب کو ڈپٹی مینجنگ ڈائریکٹر
کی دہ دایاں سونپی ہیں۔

ہر جناب جعفر بھری صاحب اور جناب
سید خیم کاظم صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتے

ہوئے کہ انہیں کرتے ہیں کہ ہر دو ہستیاں اپنے
ذرائع کو دلی احسن انجام دیتے ہوئے ہماری مرگناں

کو آپ بچو بک کو خریدتی کہ انہوں پر کام کی گئی۔
ترقی پسند شاعر

ولیپ بادل کو صدمہ

اُردو کے ترقی پسند شاعر اور ادیب
ولیپ بادل کے بڑے صاحبزادے خوش بخش

ظہاروت، جو حال ہی میں پیرس (فرانس)
سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے لوٹا تھا، اچھے خیالات

پر اسرار انا ز سے ۱۰ مارچ ۱۹۹۱ء کی شام
شکو قتل کر دیا گیا۔ مرحوم اُردو فارسی، بنگالی

ہندی، پنجابی کے علاوہ جاپانی، فرانسیسی
اور جرمن زبانوں پر اچھی دسترس رکھتا تھا۔

اُس نے یونیورسٹی ممالک انگلینڈ، جرمنی، فرانس
کینیڈا، سوئٹزرلینڈ اور امریکہ کی سیریا سیاحت

بھی کی۔ مرحوم نے جامعہ ملیہ اسلامیہ اور کلا
دلی، جے۔ این۔ یو۔ دلی اور دلی یونیورسٹی

سے تعلیم حاصل کی اور ہمیشہ اُردو تدریس حاصل
کی۔ مرحوم کی عمر تیس برس تھی۔ سو گواروں

میں اپنی ۲۰ سالہ بیوہ اور ایک پانچ سالہ
وہتر چھوڑ گیا ہے۔

بیمنی مرگناں کو آپ بچو بک دیا مینجنگ

دلی نے پچھلے چار پانچ سالوں میں جو ترقی کی ہے وہ
سب سید خیم کاظم صاحب کی خشک کوششوں،

اُن کی خوش خلقی، قومی محبت میں نکتہ ایمان اور مذہبی
تقویٰ کے کوسوں دور ہونے کے علاوہ مالی طور

پر کردہ مساعیروں کی خدمت کا جذبہ، اور
ملی وحدت کا اس کام ایسے نیک جذبات

کا نتیجہ ہے۔
یہ ایک حقیقت ہے کہ غریب بسمانہ

عوام کو بکننگ کی سہولیات سے مستفید ہونے
کا طریق کار ہی بیمنی مرگناں کی جگہ کے ذہن

نشین کر آیا ہے۔
اور آج یہ حالت ہے کہ جس قدر کھاتے

اس بک میں ہیں کسی دوسرے بک کی کسی
ایک شاخ میں نہیں ہیں۔

اس بک کی یہ خصوصیت کہ ہر بک
کر جمادی اپنے کھاتہ داروں سے نہایت چلبلی

انسانیت اور اخلاق سے پیش آتا ہے دُعا
بکوں کے ملازمین کے لئے مشعل راہ کا کام

دے سکتی ہے۔ اور یہ سب کچھ جناب سید
خیم کاظم صاحب کی ذاتی شرافت، حسن اخلاق

اور ہر ایک کو خدا کا بندہ سمجھنے کے باعث ہے
کہ بیمنی مرگناں کی بک کا ہر کارندہ اپنے سربراہ

کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔
حال ہی میں بیمنی مرگناں کو آپ بچو

بک لٹریچر کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے جناب
جعفر بھری صاحب کو مینجنگ ڈائریکٹر اور جناب

آپ کی
اور آپ کے کاروبار میں
ترقی کا ضامن
ہو



نصف صدی سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک اہم اور منفرد
حیثیت کا حامل
ہو

آپ کا اپنا بینک

بمبئی مرکنٹائل کو آپریٹو بینک لمیٹڈ

(شید و لڈ بینک)

جو سماج کے ہر طبقہ کا سماجی اور معاشی گاہ ہے [X] جہاں فارین ایکسچینج سے متعلق سبھی
سہولیات دستیاب ہیں [500] جہاں جمع کی گئی رقم پر دوسرے کاروباری بینکوں

سے ایک فیصد زیادہ منافع ملتا ہے

ہمارے کھاتے دار ہی ہمارے سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

عازمین جو کمینے زر مبادیہ کے خصوصی انتظامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین معیاری خدمات کا غوثہ ہیں

دھولی آفس
۳۶۵ نیٹاجی سہاش مارگ
دریا چنئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵

فارین آفس جنج ڈیوار ٹمپٹ
۳۶ نیٹاجی سہاش مارگ
دریا چنئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۴۲۶۱، ۳۲۷۴۲۶۲، ۳۲۷۴۲۶۳
۳۲۷۴۲۶۴
ٹیلیکس ۳۱-۷۷۸۶۳ ZAIN-IN

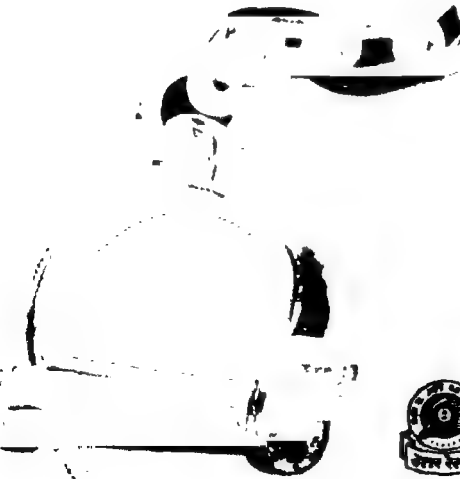
مید آفس
زین رنگون والا بلڈنگ
۷۸ محمد علی روڈ
بمبئی ۴۰۰۰۱۱ مہاراشٹر



ٹکٹ پانے کی جلدی میں جلساڑی
کے چکر میں مت پھٹئیے !



غیر قانونی فروخت اور خرید پر
۵۰۰ روپیہ جرمانا یا تین ماہ کی قید
یا دونوں بھی ہو سکتی ہیں !
نا جائز طریقے سے ٹکٹ خرید کر
اتنی بھاری قیمت نہ چکائیں !
ریلوے ریزرویشن دفاتروں
یا مجوزہ ایجنٹ سے ہی ٹکٹ خریدیں !



اُتر ریلوے
آپ کی خدمت میں





حسنِ اصلاح

زارِ علّامی

دانشہ بار بار پھلنا پڑا ہے

توجیہ :-
رحمت کو نغز شیوں کا پسند آتا بھی تو
پھسلنے کا ایک سبب ہوا، لہذا اُسے وحید
ہے معنی۔ ”دانشہ“ نے شعر کو جامع کر دیا۔

شعورِ شائق :-

رنگ و بو کا بار بار پسند جہاں پرکشش گیا
جب میں سینہ چیر کے کچے صدا دیتے گئے

اصلاح :-
کھل گئے سارے جہاں پر داند لے دنگہ ہو
رنگ کھا کر جس گلابی کچے صدا دیتے گئے

توجیہ :-
ا۔ ”راز سر بستہ“ کو کچھ غصہ و رین،
بحرِ مہمیکہ نزدیک پر نہ کبب حسن نہیں نہ لاف
بہشتہ سر بستہ ہی ہو تا ہے۔ یعنی وعدہ نہ لاف
ہی نہیں جو سر بستہ نہیں۔

اصلاح :-

سائے میں علی حال
مجبوریوں کے تحت بدلتا پڑا ہے

توجیہ :-

اہلِ نیاں ”ہر سر قدم“ کے حوض
”ایک ایک قدم“ یا ”قدم قدم“ بولے ہیں۔
”خود کو“ حشو۔ بدلنے کی کوئی دالِ طرح و جہ
موجود نہیں۔ ”مجبوریوں کے تحت“ کے کھوکھ
نے مضمون اُچھا کر کر دیا۔ یعنی بدلتا تو نہیں
چاہتا تھا مگر مجھے مجبوراً بدلتا پڑا۔ یہ مجبور یاں
کسی عجزِ قسم کی ہو سکتی ہیں۔

شعورِ شائق :-

رحمت کو آگئی نہیں میری نغز شیوں پسند
بے وجہ بار بار پھلنا پڑا ہے

اصلاح :-
رحمت کو علی حال

چودھری عبدالحمید شارق (ادیب
فاضل منٹن مغلہ گڑھ (پاکستان)
کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۸۹ء میں حشد اکو
پیارے ہو چکے ہیں۔ وہ اس راز سے بخوشی
واقف تھے کہ غلطی کا عرفان اس وقت تک
ہیں ہوتا جب تک کہ وہ بتائی نہیں جاتی تھے۔
اسی لئے وہ عروض اور شعری محال و محاسن
سے متعلق نہایت پیچیدہ و اہم استفسارات
کرتے رہتے تھے۔ میری ذات سے انھیں
والہاء محبت تھی۔ مجھے تمام عروضِ نذریہ
خط و کتابت پڑھا۔ جب بالغ النظر ہوئے تو
دنیا کو چھوڑ کر چل دیئے۔ انھیں کے اشعار
معِ اصلاح و توجیہ دے رہا ہوں۔

شعورِ شائق :-

سائے میں حادثات کے ڈھلنا پڑا ہے
ہر پرستہ مہرِ خود کو بدلتا پڑا ہے

پچھڑے ہوئے لوگ

ڈاکٹر اودے سرن امان

میں بچا آتی ہے، جنہیں غریب لوگ خرید لیتے ہیں۔
کارخانے کی بنی ہوئی دیو کی طرح وہ خوب صورت
تو نہیں ہوتی ہیں لیکن کس قدر دلکش و مہذب
ہوتی ہیں۔ تین دن میں ایک درمی بنالیتی ہے۔
خالی بیٹھے کا بھی تو زمانہ نہیں ہے، بیکار ہونے پر
دل میں نہیں گستاخ ہے۔ اس کی مالی حالت مجھ سے
اچھی ہے مگر میں بھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا
ہوں۔ میں رستیاں بنانا ہوں جو کس فتنے کا
آتی ہیں۔ چار پائیوں کی ادوا میں بھی جتنی ہے
میری بچہ سی ان رستیاں کو کلاں میں محوم پچھڑ
کر بیچ آتی ہے اور رات کو وہ مسکے کام میں جا
جاتی ہے۔

”یہ کام تم اپنی بیوی ہی سے کیوں کر لے
جو؟“
خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا کہ
”میری کام مزدوروں کی نسبت محدود نہیں ہے
سے کر لیتی ہیں۔“

ایک ڈیرے میں ایک آدمی رستی ٹر دیا
معا اور اس کی بیوی مجھے کے سر کو در آتی ہے بھار
بھار کر کھٹکتے کر رہی تھی۔ اس کے تین بچے ننگروں
سے کھیل رہے تھے۔ دو ستر ڈیرے میں ایک غور
چھوٹی چھلیاں صاف کر رہی تھی اور اس کے چھ
بچے کھیل کود میں مست تھے۔ میں نے دسی بٹنے
والے شخص سے دو فوں پر پورا روں کے بارے میں
مشاورت پونے کی خواہش ظاہر کی۔ پہلے تو وہ
کچھ شکرایا مگر فوراً ہی انتہائی سنجیدگی کے ساتھ
کہنا شروع کیا:-

”میرا نام امر اور سامنے والے لاکھوں حکیم
کہتے ہیں۔ وہ میرا سکا جاتی ہے اور چوڑی بن کر
بازاروں میں بیچتا ہے۔ اس کی بیوی بازاری سے
سستے واسوں دھوپیاں خرید لاتی ہے جی کو امیر
لوگ اپنی کاروں کی صفائی میں استعمال کرتے ہیں
ان سے نیل پٹی بنایا بنا کر ان کی موٹے سوٹ کی
طرح بنائی کر لیتی ہے اداان کی وہیاں بنا کر ان

میں ایک کاڑیا ہوں اور سیرا سکانے
بستی کے باہر میں سہیل بنگلی کے قریب ہے میرے
گھر کے سامنے سڑک کی دوسری طرف خالی جگہ پر دو
ڈیرے کچھ دیوؤں سے ایک ڈھکے کے ذرا فاصلے پر
نصب ہوئے ہیں جس طرح اکثر فن کچھڑاؤ دھڑکا
خانہ بدوش جگہ جگہ ڈیرے ڈال کر کچھ وقت گزار کر
پھر کسی دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔

میری سستی کے رہنے والے باعام دھیران
دو فوں ڈیروں کو دیکھتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور کوئی
بھی ان ڈیروں کے قسمیوں سے نفرت کے مارے
بات تک نہیں کرتا کیونکہ اسے وہ باعث خرم سمجھتے
ہیں۔

ایک دن مجھے یونہی خیال آیا کہ ان ڈیروں
میں رہنے والے پچھڑے لوگوں کے پاس میں کچھ عورتا
ناہل کروں۔ کچھ اپنیس بے دھوکہ ان ڈیروں سے
کی طرف چل دیا۔

اُس نے دیکھا کہ کتنے بونے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ آپ دیکھتے نہیں شہر میں بونے بڑے مہذب گھروں کی لڑکیاں سلیز گرل بنی ہوئی ہیں؟ اسی طرح میری بیوی میری منبت باجیسے یکجہری کر لیتی ہے۔ کیونکہ کسان لوگ دن بھر کام میں مصروف رہتے ہیں۔ گھر پر آشرف کرتے ہیں۔ بیوی گھر پر غور و قوت میں جا کر اپنی غریب محبوبہ کی خاطر کر کے اُن کو کچھ نہ کچھ غریب سے پر راضی کر لیتی ہے۔ عموماً میں نرم دل ہوں تو بیوی ہی ہیں، جلدی کچھ جاتی ہیں۔ اس طرح ہم دونوں خاندان آرام سے گزارا کر رہے ہیں۔ کوئی برا شوقی جو لوگوں میں ہے نہیں۔

یہ کہنے بونے دس کی عمر میں صلیب لگا بیٹے اُس کے ذریعے پر نظر ڈالنا بہت کدہ ادا ہوا تھا۔ جہاں تھا اُس پر چوہ لگے ہوئے تھے۔ پھر ایک نظر سوکھا حکم کے ذریعے پر ڈالی۔ یہی گت اُس کی عمر۔ چلا گیا۔ بونے کی وجہ سے اُس کی چھان گھنی نہیں تھی اور گرمی کے باعث احوال تھا۔ بیٹے نے مائے کاسبینہ بوجھے ہوئے امر سے کہا۔

”اگر تو اپنے ذہن کو کسی چیز کے سامنے میں لگا یا کہ تو اس گرمی اور کھن سے بچ جاؤ۔“ یہ سن کر وہ مسکرایا جیسے کہ یہ استغورہ اُس کی نظر میں چمکا۔ اور ناقص تھا۔ اُس نے نوکھوں کو سمجھاتے ہوئے کہا

”سیٹھ جی، زندگی میں پہلی بار آپ نے ہماری پریشانیوں کا احساس کیا ہے اور اس طرح ہمہ ردی کا اہل کیا ہے۔ آپ جیسے لوگ اگر دیش کی باگ و دوں سمجھالیں تو پچھلے غریب مٹ جائے۔ بد قسمتی سے حکومت ان لوگوں کے دھنوں میں ہے جو ان کے گھر بیٹھ کر دین میں رہتے ہیں۔ آپ کی محنت اور محنت کا شکر یہ کیا کہ آپ نے سوچا ہے محنتیوں کے گھر میں بدلتا آتی ہے مگر وہ لوگ پریشانی سے محسوس نہیں کرتے اور اداش خوش رہتے ہیں۔ مذبح کے پاس سڑک آتی ہے اس کے پاس پاس بھی لوگ بیٹے ہیں۔ مجھروں کی سستی میں کوئی انداز آتی

ہے، لیکن وہاں بھی لوگ رہتے ہیں۔ مجھروں کے بارے میں کمال بڑی اور سنگ کے کارخانے میں کیا کم بدلتا آتی ہے، مگر وہاں بھی لوگ کام کرتے ہیں۔ یہ سب احساس اور برداشت کا کھیل ہے۔ ششسل اس حال میں رہتے رہتے ہمیں گرمی سسروری کی برداشت ہو گئی ہے۔ دیکھتے آپ کاسبینہ میں شراہ ہیں اور نامتے مائے پر تو نہ تک بھی نہیں ہے۔ پرزوں کے نیچے ذرا لگا تاہیں اس نے پتہ نہیں کیا کہ وہاں سے ذہین پر بند ہو کر کوئی کھیل ہے۔ طرح طرح کے کڑے ملوئے بھی کر سکتے ہیں۔ تیز دوا میں جلتے پر شانیہ بھی ٹوٹ کر گر سکتی ہیں۔ یہاں دوا پر چوہ تو اس کے چپ بھی کر سکتے ہیں۔ اور انہیں تو زندگی کو کشش میں پھینکے گئے ذہین پتہ بھی۔ چاندنی کا فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتے۔ بارش میں نہ ہونے کے بہت دیر تک پڑے چوہ سے فوڈ بن گئی۔ جی ہیں۔ میں دھوپ سے زیادہ سارے کھانا کھا کر سمجھا ہوں۔ اچانک سے زیادہ انا میرے میں غم ہوتے ہیں۔ حیرت آ رہی ہے پچھلے دنوں سے، لہا یا کہا، پھر کہیں آگے جاؤ ڈالو کوئی میں اٹھانے کی کوشش میں نہیں کرتا کیونکہ بے ایمان کرائے داروں کی طرح کسی کی جگہ پر قبضہ نہیں کرتے ہیں۔

”برسات میں تو بہت پریشانی ہوتی ہوگی“ میں نے غصہ نہ کیا۔

”تاہم یہ لوگ وہ چھوٹے کو بھونک سے گرا کر اُس نے کہا۔“ برسات میں تو سر غریب کو پریشانی ہوتی ہے لیکن اس موسم کا اپنا ایک لطف بھی ہے۔“

”مختصر سا جواب دے کر وہ چپ ہو کر آوین نے پوچھا۔

”تم نے اس چوٹے کو بھونک سے کیوں گرایا۔“ انگلیوں سے بچ کر کیوں نہیں چھینک دیا۔

”یہ لوگ مسکراہٹ سے کہتے تھے۔“

”بھونک سے اُسے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، انگلیوں سے بچ کر کہہ سکتے ہیں وہ دباؤ سے بھی سکتا تھا۔ چوہوں پر دیا کرتی چاہیے۔“

”سیٹھ دل میں آیا کہ اس سے کہوں کہ۔“

”نہا ہی بیوی ابھی بکری کے کاسکرت چھانٹ رہی تھی۔ کیا وہ جو نہیں تھا۔ مگر میں خاموش رہا۔ کیونکہ اُس نے میرے سوال کا صحیح جواب دے دیا تھا۔“

”تم لوگ دات کو آرام سے سویتے ہو؟“

میں نے اُن کی غیر محفوظ زندگی کے بارے میں معلومات کرنے کے خیال سے یہ سوال کیا۔ وہ چپکے ہوئے بولا۔

”کیوں، سوئے میں کیا پریشانی ہے۔“

”کسی کا لہنا نہ کسی کا دینا۔ شک سے سو نا اُس سے رہنا۔“

”لیکن ذہن کی فکر ہی تو شک تانہ کی کسے دشمن نہیں ہوتی ہے۔ اور بھی تو بہت سی باتیں ہیں۔ تم لوگ ہمیشہ حیرت آباد چھوٹوں پر ڈیرا ڈالتے ہو۔“

اُس نے میرا سوال پڑا۔ ابھی نہیں ہونے دیا اور میرا مقصد کہہ کر پوچھا۔ ”سیٹھ جی، ہم ایسی جگہ جا کر پڑاؤ ڈالتے ہیں کہ اپنی حفاظت کی فکر نہیں ہوتی۔ آپ لوگوں سے زیادہ سسرور ہمارے حفاظت کرتی ہے۔“

وہ اتنا کہ کر بیڑی سلگتا ہوا کہنے لگا۔ ”سیٹھ جی ہم ہمیشہ پوچھ لیں چوکی کے پاس بیٹے ہیں، یا سونپیں چھلکی کے پاس۔ ان دونوں جگہ رات جگا رہتا ہے۔“

”اتنا کہ کر اُس نے بیڑی کا لہا کش مارا۔ اور میں اُن لوگوں کی پوچھا رہی اور حقیقت کو سمجھ گیا۔ خانہ بدوش لوگوں کی زندگی علم سے کم، تجربہ زیادہ مملو ہوتی ہے۔“

”کیا تم لوگ کبھی اپنے گھر سے بچوں کے مستقبل کے بارے میں بھی کچھ سوچتے ہو؟“ میرا آخری سوال تھا۔

”ہم کی نہیں۔ آج کی جگہ کرتے ہیں جو کچھ ہم کر رہے ہیں، یہ بھی ہی کرتے لگیں گے، یا حالات کے مطابق جو ان کے مزاج میں آئے گا۔ اپنا لیں گے۔ ہم نے بھی تو ایسا ہی کیا ہے۔ ہمارے پھر دوا کرنا ہر تاپ رنگہ کے قلعے میں تھوڑا سا۔“

برہمن بنائے تھے۔ جب ان کا راج پاٹ چین ہوئی ہو گیا تو ہم لوگ بھی ادھر اُدھر جا کر ہلکے اندھا بدوشوں کی طرح بن گئیوں پر ضروری سامان سے گھومتے پھرتے تھے۔ مگر پیشہ وہی رہا ہستی تبدیلی ضرور آگئی کہ ہم کو کس قانون کی ضرورت کے سامان بنائے گئے۔ کچھ وہ دھندلے شکل آدمی خاند کا لگا، اس سے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ سب کو کھانے بھی چھوڑ دیا۔ وہ بھاد پر کا ش کے ایک نسخہ کے مطابق چوڑن بنا بنا کر کچینے لگا اور میں نے رستی بنائے کام شروع کر دیا۔ دام بائیس جنگل میں کافی ملتا ہے۔ ریخت کی چیز ہے۔ قدر اگت کا کام ہے۔ اسے کالانا بولا اور اس کی سن سے رستی بنایا ہوں۔ ہمارے ان دھندلوں میں کوئی خاص شے نہیں ہوتا ہے۔ سرکار ہمارا کوئی خیال نہیں کرتی۔ ویسے جب ہمارا کوئی ملوڑ ٹھکانہ ہی نہیں ہے تو سرکاری فون بھی کیسے ملے۔ قرض اسی کو ملتا ہے جس سے ادائیگی کی انتہی ہو۔ چنانچہ ہم غریب ہی سے دیتے ہیں۔ ہم سب کی نظر میں جنگل ادھر پھرتے ہوئے ہوتے۔ بیٹ پالنے کے لئے پلٹے بھی کر لیتے ہیں۔ کیسے بھی دیتے ہیں۔ کیسے بھی دیتے ہیں۔ حقوق ہم لوگوں کو کوئی بے ہی نہیں۔ ڈوسٹر ہماری اوقات میں نہیں کرتے۔ کھانے کے لئے کچھ خرچ کریں۔ گانے بروقت مفت میں ملنے کو بن ہی جلتے ہیں۔ برنگر میں رکھا لی وہی رہے ہو یا کچھ میں نکلتا تو اس سے۔ فلم کھانا لائیں کی طرح کھانا آواز ہی میں بجا لے جاتے ہیں۔ کسی کو نہ کسی پچھنے والے کی فکر ہے اور نہ ہی عبادت کے وقت کا لحاظ۔ انہیں تو قانون کو کتا ہے نہ سماج کو آتا ہے۔ جس طرح بچ کی تعریف کرنے والے ہوتے ہیں۔ مجھ کو زیادہ دیتے ہیں، بالکل دیے ہی خاشاکی کا دھندلے اور پھیننے والے ہی زیادہ اخلاقی پھیلنے ہیں۔

میں چپ چاپ یہ سب کچھ سنتا رہا۔ امر کو یہ بھی خیال نہیں تھا کہ وہ ہندوستانی ذہنیت کے مطابق میرے سوال سے کہیں زیادہ جواب میں بولی چکا تھا۔ میں نے بھی کچھ نہیں کہا کہ نہ کرا نہ کرا نہ کرا۔ دلچسپ تھیں۔ ڈوسٹر کس کو کیا کچھ اپنی کھپتی

نسل سے بھی جدا تھا جتنی ہے۔ میں آکر سے پھرتے کا وعدہ کر کے اپنے گھر واپس آئے ہوئے سوچتا رہا کہ ہم جن لوگوں کو پھرتے ہوئے، غیر مذہب، جنگل سمجھتے ہیں، اگر ان کا کچھ تعلیم ملے تو ان میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی نکلیں گے جن میں جو پیشہ کی کاپیٹ کر دیں۔ لیکن ادھر ابھی کسی کا دھیان ہی نہیں گیا ہے اور وہ میں پیشہ جتنی بڑی بوڑھوں کی طرح یہ لوگ سمجھ لیتے ہیں اور مستم ہو جاتے ہیں۔ اب تک ان خاندانہ دھندلوں کی بابت میرے دل میں جو شکوک تھے، وہ جاتے دیکھیں یہی طرح اند لوگوں کو بھی خاندانہ دھندلوں کے بارے میں کچھ شکوک ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کچھ افراد ان میں خاندانہ بدعاش بھی ہوں جیسے ہر فرقہ میں اچھے بُرے ہر قسم کے افراد ہوتے ہیں۔ مگر اگر وہ سب کچھ حکیم کے ڈھنگ دیکھ کر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی انگلیوں کی طرح بھی لوگ یکساں نہیں ہو سکتے۔ جو وہ ادب سے یہ بھی اگت نہ نکال کر لے رہے ہیں۔ حاکم اور ظالم سے کوئی نہیں بچتا کہ ان کے من میں کتنے دانت ہیں۔ سکری چھاپے زیادہ تر یہ بادیوں کسائی کی کھوکھڑے ہیں۔ کوئی افسروں کے دروازے پر جا کر نہیں بچتا کہ تھادی آمرانی کے مقابلہ اعتراضات کئی گنا زیادہ کیسے ہیں۔ یہ سب بھولے اپنے مکان پر بیٹھتا تو دروازے پر ایک ٹرک کھڑا تھا۔ میں نے ڈرائیو سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟

”ٹرک ڈن معاملہ ہے!“
میں حیرت سے دروازے سے باہر نکلا۔ حیرت سے کہہ رہا ہوں۔ ڈرائیو نے کوڈڈ صبح بتایا تھا۔ لہذا میں نے خود امکان کا چھانگ کھولی دیا اور ڈرائیو ٹرک کو صحن میں لے آیا۔ دھرم کا پتہ سے ملی ہوئی ہرجی ڈرائیو نے نیچے کے جعد مال آکر ڈالیا۔ ایسے دھندے میں بولیں کا ڈھیر ہوتا ہے مگر ”ستیاں“ میرے گوتال تو ڈھکے کا ہے۔“ پولیس کا جتہ ہر ماہ پہنچتا رہتا ہوں۔ آج کے مال میں دھندے کا مال زیادہ تھا اسی نے ڈرائیو سے ٹرک کو ڈن معاملہ کیا تھا۔ اس میں کچھ دھندلے زیادہ تھا مگر جو گھر بھی کھڑا تھا۔ آہ۔ جی۔ ایف کا کچھ جاری حساب نے کر

چلا گیا۔ میں بچے ہوئے فوٹ جیب میں سرکاتے ہوئے سوچنے لگا۔ رشتوں، نیکیں کی چوٹی ہنر دو کے دھندے، سبھی غیر قانونی ہوتی ہیں لیکن اس دھند میں ہی خاندانے کے دھندے ہیں۔ سرکاری کرپا جی سرکاری مال ادا دے پوتے میں کچھ جیت بنا۔ اس طرح حکمرانوں کو لگا نا نہیں چوڑا کو کیا ہو گا۔ آلوں کی بوڑھوں سے کچھ کچھ بھرے کو لڑ اسٹوریج کی طرح مسافروں سے بھری گاڑیاں روز آتی جاتی ہیں۔ مگر مال کی مار دھانڈا دھندوں کسے چھڑی کا یہ تجربہ کہ دیوے ڈپارٹمنٹ سرسار لٹے میں جاتا ہے اور سرکار اس گھانے کو ڈرا کر کے لے ہر سال نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے۔ یہ حکمران کا بھی حال ہے۔ بڑے لوگ مرنے کو رہے ہیں چھوٹے بوجھ سے دب رہے ہیں۔ سوچتے سوچتے میرا سسر بھائی ہو گیا۔ میں نے جھجکا دے کہ سرکار ہلکا کیا۔ ”اکیلے جتے سے بھارت نہیں بچتا ہے، ایک اچھا بھلا آدمی پورے دیش تو اچھا بھلا نہیں جانتا۔“ میرے دماغ میں یہ خیال آیا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ ڈور چارے پر گاندھی جی کا بت دکھائی دیا اور اسی وقت دماغ میں یہ خیال آیا کہ اس اکیلے شخص نے بھی تو پورے دیش کو بدل ڈالا تھا اگر میری حکومت سے نجات دلا دی تھی۔ مگر ان جیسا وطن پرست حق پرست اور قوم پرست بھی تو ہونا چاہیے۔ اس دور میں یہ صفات تو کھٹا چیں۔ ہر ایک خود غرض ہے اور دولت کمائے کی فکر کے علاوہ اور کچھ ارادہ ہی نہیں رہ گیا ہے۔

”حرام نادری میری تمام دن کی محنت کا مٹی میں ملا دیا۔“ یہ سچ نکال دینے والے الفاظ جو جی میں نے بلند آواز میں سننے کو میرے خیالات کا اتنا ٹوٹا اور میں نے آواز کی سمت دیکھا تو اپنے ڈیرے میں سوکھا اپنی بیوی سے بات چلا کر رہا تھا۔ اس کا بھائی اور بیوی دو وہی چہرہ ہیں کے وقت پانڈروں کی طرح چپ چاپ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ مجھ سے ڈر گیا اور میں نے بھاگ کر سوکھا کو پکڑ کر ایک طرف کھینچے ہوئے کہا۔ ”موت ہمارا تھا نا بڑی ہی نہیں ہے تو فوٹی بھی ہے۔ اگر میری سے کچھ

مجلس ہو جس جیسے تو بوجہ کہ نہیں بیٹے تم بھی اگر سنی
کوئی شایعہ قریب نہلا۔ امر اللہ تبارک و تعالیٰ جو یہی
بیٹے بیٹے فرم کر دے سو کھا کوئی نہیں کر سکتے
تھے کیا؟

میری بات میں کہ دو دنوں نے ایک شریعت
کہا۔ یہ کسی کے گرد ہوا صاف میں سے کھڑکے کوئی نہیں
دینا چاہیے۔ یہ میں کہہ کر بھی بڑی حیرت ہوئی۔ میں
اُن کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ کیسے عجیب لوگ تھے
ابھی میں سو کھا کوئی نہ ہونے تھا کہ وہ پسر نہ
میری کو پوچھنے لگے۔ سو کھا کی بیوی نے مجھے مخاطب
کرتے ہوئے اپنے گالوں کو سپلائے ہوئے کہا۔

”سلیجی، آج جاؤ اپنا کام کرو۔ میں نے
پچھلے کام کیا ہے سو پتہ لگ چکا ہے۔ غلط پر سزا نہ
دینا غلط کہ خیر دینے جیسا ہوتا ہے۔ مجھے اپنے بیٹے
کا کوئی احساس نہیں ہے۔ بیٹے نے کام ہی ادا کیا
ہے۔“

انتا کہ کہ وہ چپ ہو گئی اور خاموش بیٹھ
کر سلیجے سے کہنے لگی کہ بیٹے نے سو کھا
کو چھوڑ دیا اور اس کی بیوی کو بلو کر دیکھنے ہوئے بیٹھے
تھے کہ خراب اس کے بیٹے کا کوئی خاص راز ہو چکا ہو
کیا میں ضرور ہے کہ مروت کا کیا پتہ کہاں اللہ کب
مالک کٹا بیٹے۔ اب غور میں جس تو آدمیوں کی دیکھا
وہی مودت ہوئی جا رہی ہیں۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے
سو کھا سے انتہائی غری سے کہا: ”بھائی نہیں تو اس
طرح غصے میں کبھی نہیں دیکھا۔ آج نہیں یہ کیا ہو گیا؟“

”بات یہ ہوئی سیدھی، میں نے سو کھا کوئی نہ چاہا
تجربا ہوں۔ کھنڈت کرتے کے ساتھ کھنڈت کوئی نہ چاہا
کہ کھا تھا۔ اس نے جلنے میں ڈالے سے جا بوجھو ڈال
دیکھو، اس میں ڈال دیا۔“ وہ کہہ کر خاموش
ہو گیا۔

میں نے کہا: ”بھائی فوراً اوپر سے اُتار دو۔
چاند لگا کر بگڑ گیا۔ اس طرح اس کا ذائقہ اور
جی اچھا ہو جائے گا۔“

”سیدھی دو اس حالت کو تپا پھینکا،
یہ کھانہ دینی نہیں دے سکتا۔ بنایا گیا ہے۔ اس میں
کبھی میں طرح کا اضافہ نہیں دیکھا۔ دو اس میں

جلوت، بیک کی حرکت، اور حرکت کسی عجم کی
غیر متحرک نہ لگاؤ کے کا خوب یاد دلاتی ہے۔ جھگڑائی کی
جھڑپ ہوئی برکت جاتی رہتی ہے۔ وہ کھڑکے
کو لوگ میرا کھانا استعمال کرتے ہیں خدا کا نہیں
فرق دیکھ کر جلوت کے خیال سے آج غصہ کیا ہو چکا
اس سے میری ساکھ کو دھتکا لگا۔ بیان رفتی
رفتی ہی کا نہیں بیٹے کی آواز کا بھی تو سوال ہے۔
میں چھتروں کے دھن سے بھاگنے اپنے اخلاقی
پرستہ نہیں آئے دن اب غریب کے پاس جلوت
تو ہوتی ہی نہیں، ایمان میں نہ رہے وہ کس کے
سہارے چلے گا۔ اب تمام ہو گئی ہے۔ سب کو کھانے
بند ہو گئی ہوں گی۔ یہ دو اس میں کہیں سے نہیں دے
سکیں گی اور نہ میں رات ہی رات میں کھانا کھانا
کر تیار کر دیتا۔“

سو کھا کو دوسرے دینے ہوئے میں نے کہا۔
”نہیں میں ابھی سب دلا دوں گا۔ چلو
میرے ساتھ۔“

یہ سن کر وہ خوش ہو گیا اور میرے ساتھ
چل دیا۔ میں نے ایک بیٹے والے کی دکان کھنڈت کو
پورا صفحہ دلا دیا۔ رات کے بارہ بجے تک وہ میں نے
اس کے تمام دینے کی آواز سنی، پھر میں سو گیا۔ پتہ
نہیں وہ کب تک کام کرنا دے گا۔

چلنے نکلے پتہ چلا کہ بدایوں میں اردو میٹھا
کو آتر پردیش کی دوسری سرکاری زبان قرار
دینے کی مخالفت میں لکھنے والے جلوس نے ہندو مت
منا کا زور دیا۔ اللہ لاکھوں کہہ دوں گے مالی
نقصان ہی نہیں جیسا کہ کئی بے گناہوں کی حالتیں
ہو گئیں۔ سو کھا حکم نے جب گھر میں اس فساد
کے بارے میں ذکر کیا، اس کی بیوی نے کہا۔

”اردو ہندی کا کیا جھگڑا؟ یہ دو
بولیاں ہیں۔ ایک کو ہندو لوگ ہے، دوسری کو
مسلمان لوگ ہے۔ کہیں بولیاں میں جھگڑے کی
نشانی نہیں۔ ہر جا تو ہر جگہ ہم نے کی بولی ایک
دوسرے سے الگ ہے۔ مگر کسی کو کسی کو کسی کو
اسے اس بنا پر جھگڑتے نہیں دیکھا۔ ہمیں تو سب کی

بات سمجھیں آتی ہے اور جیسے مسلمان بولتے ہیں،
وہی ہی ہندو بولتے ہیں۔ جھگڑا ہندو
بول رہی ہیں کہ لکھتے۔“ اللہ چہرہ پر خوشی
ہیں لگا۔

”یہی ہندی ہے اور یہی اردو ہے۔“
”تو چہرہ دوسرا توں میں فساد کا
پاگھی بن کیسے پیدا ہو گا؟“

”تم اپنا کام کرو، مال کی کھال میں کھال
یہ مسجد تبارک و تعالیٰ کی جس میں نہیں لگے گا۔
ابھی اس گفتگو پر بات حجت دوسری گئی
کہ چوں بیٹے آئے ہوئے کسی کا کہنے لگا۔

”حکیم جی سیکر پتے کے بیٹے میں اللہ دے
ہسپتال جا نہیں سکتا۔ بستی میں جھگڑا ہو گیا
سے جلد دے دو۔“

سو کھا نے ڈیڑھ گھنٹے ہوئے پوچھا: ”کیا
جو بھائی ایک جاؤ تو سہی۔“

”بستی میں ایک رفتی اور رفتی مار گئی ہوئی
ہے۔ کچھ لوگوں کے کہنے کی بھی سمجھا دنا ہے۔ کسی
ہندو کے گھر میں چلنے کے چلوں سے چھوٹ کر کوئی
تازہ ہڈی گر گئی تھی۔ اس نے کہا کہ یہ کسی نے
چھینکی ہے۔ بس یہی ہڈی چھیننے کا کاروبار بن
گئی۔ لوگ طبیب میں جھگڑے لگے جاتے۔ سو کھے
جو بھائی میں آگ لگے دیر نہیں لگتی ہے۔ وہ تو
خمسیر ہو کر کیڑوں میں شریک تھی۔ فوراً آگ لگی۔
خام بستی میں کہ جیو گھ گیا ہے۔“

”کہ جیو گھ گیا ہے؟“ سو کھا نے پوچھا
کے انداز میں پوچھا۔

”جی ہاں کہ جیو گھ گیا جھگڑنے شاف
کرتے کے لاسر کا دیکھ پاس ہی ایک بھیار ہے
مجبورانہ جانے بیک کبھی کسی میں کی ہی بولی ہے
کہ کہہ میں اٹھانے لگے دکھوں کو جلدی کی بولی
جاتی ہے۔ وہ اردو اسی باتوں پر لوگ ایک دوسرے
کو مارنے کا پتہ پر آئے ہیں اور یہ بھول جاتے
ہیں کہ سب ایک ہی جگہ کے جلنے ہوئے ہیں
نہ انہیں اندر ہی رہنا ان کی ضمیر یاد دہانی ہے نہ
دھرم گرتھوں کے اوپر۔ محبت، بھائی جان

اور یہ داشت کھانہ ختم ہو چکا تھا۔ نیلے
 زائے میں گویا رنگ رہے انہی تھے۔ خود خرمن
 راجہ یا قلاب لوگوں کا خون بہانے تھے، گھبراہٹ
 بیک سے نہیں لڑتی تھی۔ کچھ بوجا پر جب سے
 لڑتی ہے۔ پڑوسی پڑوسی کا خون کرتے ہیں۔ اس
 لئے اس خون خرابے کا انتہا بھی نہیں ہوگا۔
 وہ آگے کیے جا رہا تھا اور سوکھا حکیم
 جردن کی پڑیاں بنائے ہوئے صبح رہا تھا کہ آج
 بازاہ بند ہوئے کی وجہ سے اس کا جلد نہیں
 یک کے گاہک اپنے بیوک سے رجوع ہیں۔ وہ قوت
 کنواں کو دتا اور دوزیاں بیٹا تھا۔
 جب جردن کے کدہ نفس چلا گیا تو سوکھا
 کہنے لگا کہ میں بھر کو میرے دماغ میں آیا کہ میں اسی
 ایک گاہک سے وہ پہرے کھانے لائق رہے اپنے اپنے
 لوں، عمر ایک دم خیال آیا کہ مرنے کے وقت میں تو
 سونے سے بھر رہا ہوں دے سہی ہوئے کہ وہ جلتے
 ہیں۔ جب بازاہ بند ہو گیا تو آٹا دال مزید
 کہاں سے جانے گا۔ چنانچہ وہ اپنے دھولوں سے
 نہیں گرا اور جردن کے صبح پیسے لے لے۔
 امر کا کتبہ بھی مانتا۔ وہ دیکھ اس کی بڑی
 دہات میں رہتی تھی سویرے سے جا کر تھی اس
 لئے شام کو زیادہ کھانا بنالیتی تھی تاکہ صبح سویرے
 بھی وہ کچھ کھانی کو گھر لے سکے۔ لہذا امر کے کہنے نے
 صبح کو دات کا بچا ہوا کھانا منوڑا کھا لیا۔ مگر
 سوکھا حکیم کے بچوں کو کھانے کو کچھ بھی بچا ہوا نہیں
 تھا۔ ان کو جلد ہی ہی بیوک ملنے لگی۔ بڑی اپنے
 بچوں کو داتا پر تاپ کی کہانیاں سناتے تھی۔ طرح
 طرح کی باتیں سناتا کہ کھانی رہی مگر بیوک بڑھتی
 سے اور شوق منہ میں سے خافت نہیں ہوتے۔ جب
 بچوں کا وہ ناراجتا دیکھا نہیں گیا تو بڑی نے سوکھا
 سے کہا
 ”تم کہو تو آہرے کچھ لے آؤں۔ اس کی بڑی
 دو وقت کا نام قصہ ضرور کہتی ہے۔“
 ”پریشانی کے وقت میں اپنے سے مدد
 لی جاتی ہے، لیکن یہ بھی تو دیکھتا تھا کہ بڑی
 یا بنادافنی مدد کرنے کی حالت میں بیٹے کہیں

ایسے کو تو ہر پر سے بڑے ہاتھ قسمت انسانا منہ
 پھیر لیتے ہیں۔ وہ تم سے خرچہ دے۔ اس نے کوئی
 طعنہ مار دیا تو منہ دکھانے لگا۔
 ”وہ داتا ہے اور اپنے کی گالی کا بھی بڑا
 نہیں ہوتا چاہیے۔ جس کی بھی گالی نہ ہو تو کھانے کے
 لئے جو بھی بچہ کرتی پڑھاتی ہیں۔“
 ”کشتی ایسا نہیں ہوتی ہے۔ بیوک
 ایک پر کشتی ہے لہذا یہ وقت میں بہت اندر صبر
 سے کام لینا چاہیے۔ وہ ہوتے ہوئے بھی کچھ چوتے
 کا ہاتھ نہ ناسکتی ہے۔ میں جردن کے کراڈوں میں
 جاتا ہوں اور وہاں سے کچھ نہ کچھ لے کر ہی لوں گا۔
 خام بیک کا وقت جیسے ہی تم ہی جاسے گا کوئی
 بیوک سے نہیں جرتا ہے۔“
 ”مگر گاؤں میں چھلنے لے گا کون؟ عمت
 کرنے والوں کا بیٹ خراب نہیں ہوتا ہے۔ انہیں
 وقت پر صبریت روتی ہی نہیں۔ وہ چھلن کیا
 لیں گے؟“
 ”تم صلیک کہتی ہو، مگر میری کچھ نہ کچھ
 لے گا۔ چوڑا کھانا لے لے جس کو کھایا جاتا ہے
 آدمیوں سے زیادہ عورتیں کھاتی ہیں۔ جب سونا
 پیٹ میں تھا تو تم کتن جردن کھاتی تھیں۔“
 بڑی یہ سن کر کوئی کھٹک میں مسکرائی۔
 اسی وقت بڑی لڑکی بولی ”اس ہی کے کاکیت
 ہے، وہاں سے دو دو کچھ لے آئے ہیں اور انہیں
 چوش کر شام کھانا کھانے کی۔“
 یہ سن کر سوکھا حکیم کھانا لایا اور بولا ”بیٹا جتنے
 کے چھکے پتے دیکھ کر ہم پر جتنے چوری کر کے کا الزام
 لگے گا۔ ہاں بھڑوی اور بیوک کے باغ میں کھیت
 ہی میں جا کر دو دو کچھ جو سن آؤ۔ تین دن عیاض
 رہے دوسرے زیادہ کوئی نہیں توڑے گا چوری کر کے
 پیٹ نہیں بھرنا چاہیے۔“
 ”صلیک ہے، ہم وہیں جا کر کھا آئیں گے“
 سب نے کہا مگر اسی وقت بڑی کی جیب آتے
 دکھائی دی۔ سوکھا نے توڑا سب کو گھڑی بھر نظر
 جانے کے لئے اشارہ کیا۔ سب بچے سہم گئے۔ جیب
 بچگی تک آکر وہاں پہنچ گئی۔

بچے خود بخود کھانے کے لئے تیار ہوئے تو میں نے
 سوکھا سے کہا کہ زور صبر کرو میں گھر سے پوچھ کر آتا
 ہوں۔ اس پر سوکھا نے بڑی بچوں سے کہا کہ ایسا
 کام صبر کرو میں سے لوگ نہیں گئے سوکھا حکیم
 کے بچے چوری کرتے ہیں۔ حالانکہ کوئی بھی منہ
 کام چھپائے سے چھپتا نہیں ہے۔ داس میں رکے
 انکار کی طرح ظاہر ضرور ہو جاتا ہے۔“
 میں نے روٹیاں لے کر سوکھا کے ہاں پہنچی
 اور سوکھا سے کہا۔ تم لوگ بند ہو، میں مسلمان
 ہوں۔ ایک تم صبر کرو ہاں کہ دوشیاں منوں کر کتنے
 ہو۔“ میں نے کدہ منگوانے ہوئے بولا۔
 ”میرے بچے، قندت کسی بھی چیز پر بندو
 یا مسلمان کی ٹھہر کا کہنا نہیں کرتی ہے۔ مجھ میں
 اور بھی کاذات بات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا
 ہے۔ آپ نے ہم پر اتنی مہربانی کی ہے! دونوں
 کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے سوکھا نے کہا۔
 میں نے کہا کہ کوئی مہربانی نہیں۔ ہمارے
 مذہب میں یہ حکم ہے کہ مسلمان کو بلا تفریق مذہب
 بت اپنے بچوں کے پڑوسی کو کھانا کھلا کر ہی خود کھانا
 چاہیے۔ آج تمہارے یہاں جو کچھ ہے دھواں نہیں
 اٹھتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔“
 (رات ہو گئی، مگر کسی کو خوف کے مارے
 نیند نہیں آ رہی تھی، ہر طرف شام ہی سے ہوا ہو
 دھواں دھواں آوازیں آ رہی تھی۔ سوکھا حکیم
 اور امر ایک جگہ بیٹھے تھے اور آپس میں کچھ باتیں
 کر رہے تھے کہیں بھی ان کی خبر حیرت اور یافت
 کہنے جا رہی تھی۔
 سوکھا نے آہرے کہا۔ ”اگر لوگ وہی آئیں
 میں لڑنے دے دوں دیش کا کیا ہوگا؟“
 سوکھا حکیم نے جواب دیا۔ ”بڑا ہی!۔
 مہا مہادت کا خیرہ سانس ہے۔ میں چوں اور خانی
 سے دھاترق کے لئے ضروری ہے۔ انہیں دو لو سے
 چیزوں کی کی ہوتی جا رہی ہے۔۔۔۔۔“
 اہیں سوکھا حکیم کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ
 آہرے اس کو چپ رہے گا اور خدا کا ادا بادی کی

موت ادا کر کے ہوئے بولا۔ دو گھنٹے پہلے آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور خبر کی طرف سے کچھ نہیں جانتے آ رہے ہیں۔ سو کھائے تار پک کی روشنی پکھلی تو پتہ چلا کہ وہ مٹے کسی پتے کی لاش کی کھینچا تافتے کر رہے ہیں۔ خورہ دو دن اور صحران پڑے۔ لکھنؤ کو جھگا کر لاش اٹھا لائے۔ یہ سچ، سات سال کی بچی کی لاش تھی۔ سو کھولا۔ یہ کس کی بچی ہو سکتی ہے؟ امی نے کہا۔ ”ابھی یہ بچی نہ بندو پتہ نہ لکھا۔ کوئی نشان ابسا نہیں ہے؟ تاہنا جسے کس کس کی لاش ہے۔ ہاں میں اتنا تو کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک انسان کی بچی ہے، نہ دوستانہ کی بچی ہے۔ ایسے معصوموں کا خون کسے والے دھک خورہ پتھر کا کیمبر اور لہجے کا دل دیکھتے ہوں گے۔

تو کھانے آ رہے کہا۔ ”اگر یہ زندہ ہوتی تو ہم اس کو ہال لیتے۔“

بات کاٹ کر جلدی سے امر بولا۔ ”ہاں پوس کر بھی کیا کرتے۔ اتنی سند دلا کی تباہی مانی ہی نہیں جاتی اور کوئی نہ کوئی فرسے لے جاتا۔ اقل تو پولیس کی انتہیں چین سے بیٹھے نہیں دیتی۔ اب اس کو کہیں بھیج دیا۔ وہ نہ مصیبت میں پڑ جائے۔“

”اس کی مٹی خراب کسے کے لئے سرک پر بھیج دیا۔“

”سوال کیا اور پھر کہا۔“ بھادڑا لاڈ اور اس کو جلدی سے گئے کے کھیت میں دفنا دو۔“

”یہی ٹھیک ہے گا۔“ سو کھا کی بیوی نے کہا۔

دو دن اس کو دفن کر آئے۔ ساری رات طرح طرح کی باتوں میں گزار گئی۔ بچے تو مسموم ہی دیر کے بعد سوئے، لیکن بڑوں میں کوئی نہیں سویا۔ گھانگ بھنٹیا، لے بیٹھے ہی رہے۔ طرب کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔ وہ شک سے سو رہا ہے۔ امیر کو کوئی ڈر ہوتے ہیں، وہ سو نہیں پاتا۔ لیکن ایسے ماحول میں کس کی بھی نیند نہیں آتی ہے۔

دن بچے سو کھا حکیم میرے کمرے میں داخل ہوا۔ ایک ڈیرہ اس کے ماتھوں میں تھا۔ دو بڑے آڈب سے سلام کرتے ہوئے بولا۔ ”میں ایک طرب خانہ بدوش پچھڑے ہوئے طبقے کا آدمی ہوں۔ یہ

چھوٹی سی مجینٹ لایا ہوں۔ آئیے دیکھ آپ جنوں کر لیں گے۔“

اُس نے ذہن سیری طرٹ بڑھایا۔ وہ دوانا سا تھا۔ میں نے ذہن قوت میں لے لیا مگر اس سے کہا۔ ”میں اس کی کیا ضرورت ہے۔ تم اپنے چوڑوں سے کئی روز کی روزی کما سکتے تھے۔ یہاں میں لا یہ دکھائی رہے گا۔“

اس کے رکھے رہنے سے بھی ہمیں خوشی ہو گئی آج ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔“

”ختم کیاں سے جا رہے ہو؟“

”جی۔“

”حکیم جی ہمارے ہوتے ہوئے تم لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تم ایسے وقت میں کہیں مت جاؤ۔ تمہارا سہا جاتے سے بچے دکھ دیگا۔ لوگ کہیں گے کہ ایک شلمان کے خوف سے دو دنوں ڈیرے اکڑ گئے۔ جانا ہی ہے تو امن قاع ہونے کے بعد چلے جانا۔ جو

لوگ ایک کو شکر پرے دھیر بھیا اٹھاتے ہیں نہ ان کا کوئی دھرم ہو نہ سہ ذرا ایمان، نہ وہ بندو ہوئے ہیں نہ شلمان۔“

”سینہ جی آپ بہت اچھے آدمی ہیں مگر ایسی سستی میں رہنے سے ہمارا بھی اکڑ گیا ہے جہاں عام لوگوں میں بھائی چارے کی کمی ہے۔ ان خیر دوس تو کھاؤں اچھے۔ وہاں امن ہے، سکون ہے، میں ہے، مروت ہے۔ نہ کہیں کوئی جھگڑا ہوتا ہے، نہ بھی کر فہم گن ہے۔“

سو کھا حکیم نے اٹنا کہہ کر ادب سے مہر سلام کیا اور خود اڈیرے میں چلا گیا۔ اس نے سیری زبان سے پوچھا تھا بھی گوارا نہ کیا۔ اُس نے چلتے چلتے اپنی بھاشا میں بچے انبکوں و دھرم گزشتوں کے پانچ پڑ چلائے اور میں سوچا کہ کہیں ان لوگوں سے کو پچھڑا ہوا اتلے والے تو پچھڑے ہوئے نہیں ہیں؟

حق سیریلز اینڈ ٹورز

حج عمرہ زیارت

بین الاقوامی، ملکی ہوائی کنٹ و دیگر سفری سہولیت کے لئے تشریف لائیں

۲۱۹۱۔ ایم۔ پی۔ اسٹریٹ، کوچیہ چلیان

دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)

ایس۔ ایم۔ حق

فون: ۴۲۷۶۔۷۷

خطِ ماتم

اقبال پاریکھ

بڑھا کر فون کا ریسیور اٹھا لیا رات وہ تیلنوں کے جوابات دینے والی ابھنسی کو ہدایات دینا بھول گئی تھی کہ وہ چار میں گھنٹے کے باہر جیسی ڈیوٹی پر جا رہی ہیں اور کسی مقامی پر نہیں دیکھ سکیں گے۔ اس غلطی کا خیال وہ انہیں بھگتنا پڑ رہا تھا۔ اُنہوں نے کہیں بیٹا یا اور ریسیور کان سے لگا کر بولے "ہیلو!"

دوسری طرف سے کسی شخص نے بھراؤ ہوئی آواز میں کہا "ڈاکٹر فریڈ بول رہے ہیں؟" جانسن نے حلق صاف کر کے کہا "جی نہیں! میں ڈاکٹر جانسن ہوں۔ ڈاکٹر فریڈ کی جگہ پر کمیشن کر رہا ہوں۔" فرمایا۔

"آپ جلدی سے آجائیں۔۔۔ میرا دوست بیمار ہے ڈاکٹر۔۔۔ پلینز جلدی کیجیے۔۔۔" اُس کی حالت نازک ہے۔۔۔"

ڈاکٹر جانسن نے اس کی آواز سے اندازہ لگایا کہ کیس سیریس ہے۔ اُن کی

بالوں میں انگلیاں پھسکتے ہوئے بڑبڑایا۔ "آدھی رات کو اس اجنبی شخصے میں کسی ڈاکٹر کو کیسے بکوا یا جاسکتا ہے؟ مجھے تو نہیں لگتا کہ ہماری اسد جا پر کوئی ڈاکٹر ایسی نمینہ خواب کہے گا۔"

کوشش کر دھیری! شاید کسی کو دم آجائے۔" فونی نے ہیکے میں منہ چھپایا اور ہیکوں سے روکنے لگا۔

جیری چند لمے اپنے دوست کو دیکھتا ہوا، پھر وہ میز پر رکھے ہوئے فون کی طرف بڑھا۔ اس نے فون کے پیچے سے مقامی ڈاکٹر کی مٹی نکال لی۔ اُس نے پہلے صفحات میں ڈاکٹروں اور سرجنوں کے خبر دیکھے اور پہلا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

لوگوانا نامی شخصے کے ڈاکٹر جانسن کی خواہجہ میں تیلنوں کی گھنٹی گونجنے لگی تیسری گھنٹی پر ڈاکٹر جانسن نے بڑبڑاتے ہوئے ہاتھ

وہ بستر کے برابر کھڑا اپنے ساتھی کو بچہ رہا تھا۔ اُس کا ساتھی در دی شدت سے ہلے اب آپ کی مانند تڑپ رہا تھا۔ اُس سے تکلیف اور اذیت دیکھیں نہیں گئی تو وہ بستر سے اُٹ گیا۔ مٹا بستر پر بیٹھا ہوا اور جان چلا "میری مدد کرو جیری! خدا کے لئے میری دکر۔"

جیری بے بسی لاد لاجاری سے اپنے دوست کو دیکھنے لگا "میری کچھ میں نہیں آ رہا فونی! میں کیا کروں۔۔۔۔۔ میں بھلا کر بھی کیا کرتا ہوں۔"

فونی ہاتھ پاؤں پٹختے لگا۔ اس کا جسم پسینے میں خرا برد ہو چکا تھا۔

"خدا کے لئے کسی ڈاکٹر کو فون کرو۔۔۔ اگر مرنے ڈاکٹر کو نہیں بلوایا تو میں مر جاؤں گا۔" "کیس ڈاکٹر کو فون کروں؟" جیری

نیزہ غالب ہو چکی تھی کہ اب کون بولی؟ میں نے کہا کہ آپ مجھے نہیں جانتے ڈاکٹر جی۔
 کیا آپ ڈاکٹر عزیز کے رفیق ہیں؟
 انھوں نے پہلے کسی آپ کا حوالہ کیا تھا؟
 ایک کے کا حوالہ دیا ہی، پھر دوسری ڈاکٹر
 نے دئی۔ "جی ہاں ڈاکٹر صاحب میں ڈاکٹر
 فرید کا رفیق رہ چکا ہوں۔ میرا نام جیکس ہے۔
 مجھے اپنے دوست کو دکھانا ہے۔ اس کی حالت
 بہت نازک ہے۔ ازراہ کرم وقت ضائع نہ
 کیجئے۔ یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔"
 ڈاکٹر جاسن ہاں جیسے ہوئے لیکن
 رہے تھے۔ وہ اسے لانے کے لئے معمولی جہاز
 سوچ رہے تھے "مسئلہ کیا ہے؟"
 "مجھے نہیں معلوم آپ معائنہ کر کے ہی
 پتہ چتا ہے۔۔۔۔۔ دیکھو وہ بیسے بیمار
 ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ اسے ناقابلِ برواخت تکلیف
 ہمد ہی ہے۔۔۔۔۔ پیئر ڈاکٹر جلد ہی آجائے
 ۔۔۔۔۔ اس کی حالت بہت نازک ہے۔"
 "پتہ کیا ہے؟" دلیں کندہ ہو کر
 کے درمیان دیکھو وہ باکر ڈاکٹر جاسن نے پیئر
 اور رقم سمجھا لیا۔
 "دوسری طرف سے انھیں پتہ بہت
 سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔
 فیمل اسٹریٹ کے چھوٹے سے آراستہ
 مکان میں جبریں نے دیکھو کہ بڑا پر رکھا
 اور اپنے کمرے کے دوست کے پاس پہنچ
 گیا۔ یہ ڈاکٹر غوثی دیر میں پہنچ رہا ہے تو
 تم دو سے غصہ پا جاؤ گے۔" تو فانی نے
 دانشدہانہ کراہت میں سر ہلایا۔
 جبریں کے چہرے پر خود سے ناگوار کی
 تاثرات نمودار ہوئے۔ "تم غوثی دیر صبر
 نہیں کر سکتے؟ مجھے بول آ رہا ہے۔ تمہاری
 حالت دیکھی نہیں جا رہی ہے۔"

رہے۔ محبت پر محنت کہہ سکتا ہوں
 نشانِ اہدہ ڈاکٹر آفاہہ حلقے میں قلمدات
 مجھے وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔
 انھیں کد اسٹارٹ کرنے میں بڑی دقت پیش
 آتی تھی۔ وہ کئی دفنوں سے کد کو گھیرا کر
 پر توڑ کر رہے تھے مگر کام کی زیادتی کے سبب
 انھیں موقع نہیں مل رہا تھا۔ وہ دلی ہی دلی
 میں دعائیں مانگ رہے تھے کہ کد راسخیں
 جواب نہ دے جائے۔ اتنی بات کے کسی مہتری
 کو حوصلہ نہ آجئے خبر لئے کے کد راسخیں تھا۔
 فیمل اسٹریٹ ایسٹ لائن کے حوالہ
 میں تھی جہاں روشنی کا معمولی انتظام نہیں
 تھا۔ مکانات کا سلسلہ خروار ہو کر ڈاکٹر
 جاسن نے کار کی رفتار بھٹی کر لی۔ مکانات پر
 غبر روشنی تھی اور یہ بات اُن کے لئے اطمینان
 کا باعث تھی۔ معمولی مکان کے سامنے انھوں
 نے کار کھڑی کی اور ڈاکٹر کی طرف سے ایک
 لے کر اتر پڑے۔ چاند نے گرد و پیش کا جائزہ
 لیا اور مکان کی طرف تیز قدم اٹھاتے چل
 دیئے۔ مکان میں وہ مختصر سا زینہ چڑھا ہی
 چاہتے تھے کہ اُن کی نظر مکان کے غبر پر پڑی
 جو زینے سے متصل دیوار پر رکھا ہوا تھا۔ ۲۱۹
 نمبر انھیں دہکار نہیں تھا۔ غوثی کرنے والے
 نے ۲۱۴ نمبر بتایا تھا۔ جبریں کی نظر دوسری
 طرف پڑی، جہاں مطلوبہ نمبر موجود تھا مگر
 نیچے "عقب میں جائے" لکھا ہوا تھا ڈاکٹر
 جاسن نے بڑا سا غصہ بنایا اور جھپٹے میں
 جا پیچھے۔ وہاں کونے میں لکڑی کا زینہ ایستادہ
 تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگے۔
 اوپر لڑے کا پلٹ فارم سامنا ہوا تھا۔ تین
 اطراف میں آہنی جھنگڑا تھا اور چاروں طرف المونیم
 اور کٹھن کے سلائڈنگ دروازے تھے۔ ان
 دروازوں پر پردے پڑے ہوئے تھے جس سے
 اندرونی منظر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
 ڈاکٹر جاسن نے آدھا زینہ لپکا کیا تھا
 کہ پردوں میں ٹھنسی ہوئی اور ایک فوجی کا

جہر و نظر کیا۔ چاند نے پردے پر ہٹ گئے اور
 دروازے سے نکل گئے۔ ڈاکٹر جاسن نے دلیز
 میں کمرے پر لے فوجی اور کو بیورو دیکھا جو۔
 بھولہ اور تھیں اور سیاہ جھنگڑی میں بیٹھ تھا۔
 "آپ ہی مسٹر جیکس ہیں؟" ڈاکٹر
 جاسن نے پوچھا۔
 "جی ہاں، قشریغ لایئے۔"
 ڈاکٹر جاسن جلدی سے کمرے میں
 داخل ہو گئے۔ انھوں نے محسوس کیا تھا کہ
 فوجی اپنے نوٹس پر ہوا ہے۔ "مریض کہاں ہے؟"
 انھوں نے پوچھا
 فوجی نے ایک بند کمرے کی طرف اشارہ
 کیا "اندر ہے"
 ڈاکٹر جاسن نے جلدی سے دروازہ
 کھولا اور کمرے میں داخل ہو گئے۔ مریض پر
 نظروں سے ہی وہ اس کی طرف پکے۔ فانی بستر پر
 پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اس نے کراہتے ہوئے
 ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور انھیں بند کر لیں۔
 ڈاکٹر جاسن کو مریض کی شخصیت میں
 دو سیکڑے زیادہ نہیں گئے۔ وہ تیزی سے
 ہوئے اور پلٹ کر جبریں کو دیکھنے لگے۔ اُن کے
 چہرے پر شدید غصے کے تاثرات تھے۔ "یہ
 فوجی بیمار نہیں ہے مسٹر جیکس! یہ تو۔۔۔
 ڈاکٹر جاسن کا جھلکا اُدھوا دہ گیا۔ وہ پٹنی
 پٹنی آنکھوں سے جبریں کے ہاتھ احتیاطیہ چار
 پانچ کے پسوں کو دیکھ رہے تھے۔
 "تم بیمار یا خیال غلط ہے ڈاکٹر؟" فوجی
 نے دہشتی سے کہا۔ "میرا دوست واقعی بیمار
 ہے۔ اس کی بیماری ذرا مختلف ہے۔ اسے
 درد سے بڑا کئے کے ماضی کے، ہلکشی کے
 ضرورت ہے۔ ماضی سے اس کو سکون ملے
 جائے گا۔"
 "دیکھو میاں، بات یہ ہے کہ۔۔۔ ڈاکٹر
 نے آگے بڑھنا چاہا مگر جبریں نے پسوں
 کے اشارے سے انھیں آگے بڑھنے اور جھلکا
 کھل کر نے سے روک دیا۔

”جی خیر ضرور دی باتوں کو پسند
 نہیں کرتاؤ بہتر“ جبریں نے جنوں سے بیگ
 کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”تو یہ حضرت عثمان
 کرنا ہے کہ تیرے گھوڑے بعد ازین کا انجمن جس
 دوسرے کو گھوڑا تاکہ اسے سکون ملی سکے
 آسانی سے بات ہے نا؟“
 ”اگر میرا حق بنے تو جو ان کو گھوڑے
 ہونے پڑے۔“ تجھے اتنے سے کہیں میں اس نے
 کر سکتا۔“

”اچھی بات ہے۔“ جیری نے مسکرا کر کہا۔ ”تم الجھنیں نہیں لگاتے تو دوسری یہ کام میں خود کو لگوں گا۔ دو تین ماہ کیا تو محمد کے طوطے پر بھی کام کر چکا ہوؤں۔“

جبر ہی بگ کہنے کے لئے تھا کہ وہ اکثر
جانسی اسے روکے کے آگے بڑھے مگر جبر
نے کسی اٹھیں سے دیکھ لیا اور فوراً اسے
سیدھا چوم گیا۔ "خدا تعالیٰ سے کہو کہ مجھے
وہ نہ ملے اور خدا تعالیٰ سے کہو کہ مجھے
میں نہیں نقصان نہیں پہنچا تا جہاں تک
مجھ کو کوئی چکاسے سے روکے نہیں کہیں گا
کہ وہ اسے جانسی نہ پائی جسے کوئی نہیں کہ
جبر ہی سدا کلام جاری رکھے ہو کہ وہ
"تم میرا سب سے گریہ کر رہے ہو مجھ کو
خدا تعالیٰ سے تمنا نہ کرو۔ میں کوئی دعا
نہ کروں گا اور میں دو دنوں میں سے چل جائیگا۔
تمہیں کوئی گناہ نہیں ہے۔"
"اگر میں نہ کروں تو کیا ہو گا؟" وہ اکثر
جانسی دل کو کرا کے کہنے۔

"میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ کوئی کوسہ
جلائے سے دو بیٹھ نہیں کر دں گا۔۔۔ مجھے افسوس
ہے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے"
جس سے تمہاری قوامیت کی جائزگی ہو سکے۔
ڈاکٹر جانسن چند لمحوں کے اندر دیکھتے رہے
پھر خانہ آچکا کہ کسی پرچار بیٹھے دو بے بسی
ادولہ جادی سے نو جوان کو ٹیگ کی حرکت بردھتا
دیکھ رہے تھے۔ حیرتی نے بل کو لاپرواہ کیا

کی سرخ لہو شعلہ کشش کی لہو جانسن کی
جس دماغ کے گہرے حصے میں دھنیں گہنیں دھکی ہے
۱۵ اکتوبر ۱۹۷۹ء

اس وقت میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر میں اس شخص کو اپنے دل میں لے لوں تو میری زندگی بگڑ جائے گی۔

میری کہنا سنا کہ بایا کہ جس کی
 طرف اشارہ ہو گیا۔ تو میں نے میری باتوں کو دیا
 تھا۔ اس نے کہا کہ یہ جلدی کہ میری ۵۰۰
 کے لئے میری کہنا جاتا ہے!

جبریل نے ملائکہ کی اطلاع پر جبریل کو دیکھا۔
 "بس جبریل کی بات ہے توئی، جبریل بہت
 جلد و دور سے غائب ہو چلے گئے۔" جبریل نے
 جیسوی کوئی لمحہ بار بستر پر کھڑا کیا کہ اسانی
 سے مائیں تلاش کر سکے۔

”ہم رو بنے کی کوکھ میں بے سود ہو گئی
ڈاکٹر! نہیں چہرہ پر پوری طرح گرے ہوئے
مثبت مجھ نہیں بھاگی۔“

چند عرصہ بعد جبریلؑ نے یحییٰؑ کی سبقت
 چرنے کے لئے نیکال لی۔ اُس پر مار فوس
 کا پیل لگا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے دوست کی
 طرف رخ کئے کہا: صبر کرو دوست تمہاری
 دعا جلد ٹیکل ہے۔ اسی جہیں آرام آجائے گا۔

ابو جعفر نے یہاں تک کہ جیسی نے ہمارے لئے لکھا
میں فونی کے بارو میں لگا دیا۔ پھر جیسی نے انہیں
بولے۔ دس منٹ میں دروازہ خالی ہو جائے گا۔
ابو جعفر نے کہا۔ کیا خیال ہے، کار تک جاں کو کہے؟
یا پھر دو تین گھنٹے کے کار پر گرام ہے؟

کوئی نے انات میں سر مل کر کہا "میرا خیال ہے میں کاؤنٹی پنچ جاؤں گا۔ مجھے صرف پانچ منٹ آرام کرنے دو۔" اس نے بعد میں جبری گود بچھا۔ اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تمہاری طبیعت بھی بہتر دکھائی نہیں دیتی۔"

• اہل میری حالت بھی جوڑی جلدی ہے۔
 ہے۔ ڈاکٹر بھی وقت پر پہنچا ہے۔ میری ہے
 ڈاکٹر جانسپر نے نظر ڈالی اور سرخ میز پر اٹھیں
 جہری۔ میرا اس نے آستین لپک کر اور سر پر ہاتھ
 سے سرخ قادم کر اٹھا ہاتھ میں انگلیشن نکلیا
 طبیعی کی کھالی آستین پر اس نے ایک خون چھینکا
 دی اور خوش سے مہرین کی قادم شیشیوں
 نکال کر عیب میں ڈال میں۔ ہم کہیں ساتھ
 لے جا رہے ہیں۔ راستے میں اس کی خصوصیت
 نکلتی ہے۔ "جیری نے رخ اپنے سامنے کسے
 ملوں کر کیا جو رنگ سے اٹھنے کی جلد دیدہ گرد
 تھا۔" اب جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔"

جیری نے بندوق اٹھایا اور دو بار گولی
الہادی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے دمہ اڑھ
کھو اور وہ اپنے خانے سے سوٹ کیس نکال۔ پھر
اس نے بگ بجٹ ٹوٹی کی طرف اٹھال جیا اور
دو سرخو پیسے لگا۔ اس کی نظریں منتقل ہو کر
جائسن پر پڑی جو ٹی ٹی ٹی سے بگ بجٹ سببن کر اس نے
سوٹ کیس اٹھایا اور ٹوٹی کی طرف بڑھا۔ اگر
خوجا جو قویرا سہارا لے سکے ہو، کیسی میسگر
پلٹنوں والے ہاتھ کو مت چھوٹا۔“

وہی جیکٹ پہنے فرش پاؤں پر جانے لگا۔
 "موصوفی کر دیا تھا۔ اس کا نام نہیں لکھا تھا۔"
 "جیکٹ ہے..... میں بغیر سہارے کے نہیں
 سکتا ہوں۔" جس میں اس کی شکل سے پتہ چلا کہ
 "دو تھم جاؤ تو...." حیرت سے کہا: "یہ
 تمہارے بچے کر رہا ہوں۔"

مفاسکی خال کے تحت جبر ہی نے سوط
 کیس فرخ پر دم کر دیا اور خون کی طوف ہڑا۔
 اُس نے ایک جھٹکے سے بلیغوں کا تار صحن کر دے
 بکا کر دیا۔ پھر ڈاکٹر جاسن کی طرف تھر تھرو۔
 ”بات یہ ہے ڈاکٹر کہ مجھے اور دونوں کو میکینکو
 بہت پسند ہے۔ ہم ملکر دوا بھلے دواں پہنچ جاتا
 چاہتے ہیں۔“
 ”تم لوگ میرے ساتھ کی سلوک کی بجائے“
 ڈاکٹر جاسن نے بوجھا۔

اپنے بچوں کو ان چھ مہلک بیماریوں سے بچانے

۱۔ پولیو، ۲۔ ڈیفیریا، ۳۔ ٹینس، ۴۔ خسرہ، ۵۔ پرنٹوسٹ، ۶۔ تپ دق

بچوں کو ان سے محفوظ رکھنے کے لیے فوری ٹائم ٹیبل

علاج

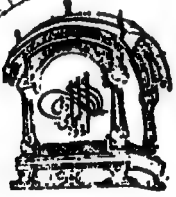
عمر

بی۔ سی۔ جی	پیدائش سے ۶ مہینے تک
ڈی۔ پی۔ ٹی پولیو I	۶ مہینے کے بچوں کے لیے
II " " " " " " " "	۱۰ مہینے کے بچوں کے لیے
III " " " " " " " "	۱۴ مہینے کے بچوں کے لیے
میزلس	۶ مہینے کے بچوں کے لیے
ڈی۔ پی۔ ٹی پولیو بوسٹر	۱۶ مہینے سے ۲۴ مہینے تک کے بچوں کے لیے
ڈی۔ ٹی	پانچ سال کے بچوں کے لیے
ٹی۔ ٹی	دس سال کے بچوں کے لیے
ٹی۔ ٹی	۱۶ سال والوں کے لیے
ٹی۔ ٹی کے دو انجکشن ایک ایک مہینے کے وقفے پر	حاصلہ مائوؤں کے لیے
ایم۔ سی۔ جی۔ ایچ۔ ایس۔ ای۔ ایس۔	بچاؤ کی مفت سہولتیں دہلی انتظامیہ ایم۔ سی۔ ڈی، این۔ ڈی۔ ایم۔ سی۔ جی۔ ایچ۔ ایس۔ ای۔ ایس۔
ایک بچے تک مہیا ہوتی ہیں۔	ٹی اور رضا کار تنظیموں کے سیمی اسپتال، ڈسپنسری، فیملی ویلفیئر سنٹر اور ہیلتھ نٹر ہر مدھ کو کچھ ۹ بچے

لڑکا ہو یا لڑکی
ایک ہو یا دو، بس کافی ہیں

جاری کردہ، محکمہ اطلاعات و اشاعت، دہلی انتظامیہ

نائب مندرجہ، اپریل ۱۹۷۲ء



اُردو اکادمی، دہلی

ادبیاتی

ادبیاتی اکادمی ہے

یکریٹری

خانہ ہندوستانی، ابراہیم آباد

رابطہ: گمشا مسجد روڈ، دریا گنج، نئی دہلی
فون: ۲۲۶۳۳۳۸ ۵۲۷۶۲۱۱

گزشتہ سہ ہفتے

خوف کی نگہری

اختر جمال

کتنا بے نصیب ہے آپ اپنا دشمن ہے۔
ضمیر کی دکھ بھری باتیں سن کر غور سے
کوہیت دکھ ہوا۔ اُس نے کہا "میں خوف
کی نگہری والوں سے جا کر کہوں گی کہ وہ اپنا
اپنا پتھر اٹھا لیں۔ میں تمہاری تصویر پر انہیں
دکھاؤں گی۔ شاید انہیں اپنے آپ پر دم
آجائے۔ میں ان کی تصویر پر کتبچوں لگی تاکہ
انہوں نے اپنی تصویر پر بھان کی تو وہ اپنا
پتھر ضرور ہٹائیں گے۔ نہیں اگر وہ اپنی موت
شہیدان کے تو پھر وہ اپنا پتھر نہ اٹھا سکیں گے
اور ہمیشہ کے لئے حرام موت کو گھٹے ٹالیں گے۔
موت حق کے لئے ہو تو وہ زندہ ہی ہے، اللہ
زندہ کی ظلم اور محنت کے لئے ہو تو وہ موت
ہے! حرام موت! اور یہ آدمی کے اپنے
احمال پر منحصر ہے کہ وہ اپنے آپ میں اللہ
کا وردہ بھتا ہے یا شیطان کے جیبے کی سی ہے۔
"آہ! ان کی آنکھوں اور دلوں پر ملے

موت نے کہا "کاش میں انہیں
پتھروں کو بٹا سکتی!"
ضمیر نے کہا "یہ بہت مشکل ہے۔ تم
ایک نازک سی صورت ہو اور پتھر بھاری ہیں!"
موت نے کہا "وہ اصل ہر شخص
اپنا پتھر خود ہی اٹھا سکتا ہے۔ اپنے اپنے ضمیر
کا پتھر ہر شخص کو خود لے کر جھانڈتا ہے۔ اپنے
ضمیر کو دھوکا دینا، اس کا شہ بند کرنا، اسے
ہمیشہ کی زندگی سلانا، دیو کی خوشنودی حاصل
کرنے کا ذریعہ ہے۔"
"آہ، وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر ضمیر
زمین پر کھڑا سامنے لے رہا ہو تو خوف کی
نگہری میں کالا دیو آئیں تو بھانسی نہ دے
سکتا۔ خوف کی نگہری میں دیو کی حکومت اور
زندگی کا دایمیری موت میں پوشیدہ ہے اور
اس لئے یہ سب دیو کے اشارے پر مجھے موت
کی نیند شکستے کی کو محنت کر رہی ہیں۔ انسان

نام نہ لگا دے اپنا کیمروہ کنویں کے اندر
جھکا کر تصویر کھینچی۔ سیاہ، جلی حروف میں نام
پڑے جا رہے تھے۔ جتنا بڑا نام اور عہدہ تھا،
اُتنا ہی بڑا اور بوجھل پتھر تھا۔ نام نہ لگا دے
سو جا کہ یہ تصویر وہ ساری دنیا کو دکھائے گی۔
خواب خوف کی نگہری والوں کے ضمیر پر دنیا کے
لوگوں کو ترس آجائے اور وہ اس نگہری کے
ضمیر کی مدد کریں اور اُسے کو یں سے باہر نکال
کر زندہ کی بنوا اور دشمنی دے سکیں۔ اس
نے سوچا یہ خوف کی نگہری کا داخل معاملہ قرار
نہیں دیا جاسکتا۔ اگر خوف کی نگہری والوں
نے آخری پتھر بھی ڈال دیئے تو پھر ضمیر
ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گا۔
ضمیر نے کہا "میں نے تمہیں انسانیت
کے ناطے مرد کو دکھا دیا تھا۔ آہ! اس کوں و
نکال میں کسی نے میری آواز تو سنی ہے!"

دبیز بد سے ہیں کہ وہ نہ نوکر دیکھ سکتے ہیں، ادھیساہی۔! نوکر دیکھنے کے لئے انھوں نے والی آنکھ ہونا چاہیے اور ساری دیکھنے کے لئے سچ بولنے والی زبان۔ وہ دونوں سے محروم ہیں۔“ ضمیر نے انھوں سے کہا۔

”ہاں اپنے شیطان کو بچان لینے والے اسے تسخیر کر لیتے ہیں، مگر وہ جو اپنی مروت نہ پہچان سکیں، وہ تو آنکھوں سے اسلاندے جھوٹے ہیں۔ مگر میں کو بخش تو کروں۔۔۔۔۔ شاید وہ تہوار اچھا اٹھالیں۔“

حکومت نے ضمیر کو مستی دی تو اس نے کہا ”تمہاری باتوں نے مجھے زندگی کسے اُمید سے دہی ہے۔ تم خوف کی عمری والوں سے جا کر یہ پوچھو کہ انھوں نے آئین کی کھانسی پر احتجاج کیوں نہیں کیا۔ اگر وہ سچ بولے تو پھر ضرور اٹھائے آئیں گے۔“

نامہ نگار خاؤن وہاں سے ٹھٹھٹ ہوئی تو اس نے سوچا سب سے پہلے خوف کی عمری کے صحافیوں کے پاس جانا چاہیے۔

وہ ایک بڑے ہال میں داخل ہوئے جہاں ایک پریس کانفرنس ہو رہی تھی۔ اس نے سنا تھا کہ کالا دیو بھی ان سے باتیں کرنے آ رہا ہے۔ اس نے سوچا کالے دیو کے آنے سے پہلے ہی میں انھیں ان کی تصویر دکھا دوں۔! نامہ نگار نے ہال میں بیٹھے ہوئے صحافیوں کی تصویر کھینی اور ان سے پوچھا کہ آئین کی کھانسی پر آپ لوگوں نے احتجاج کیوں نہیں کیا۔ آپ کا کوئی مدد عمل ظاہر نہیں ہوا۔ خوف کی عمری کا ایک پتہ تک نہ ملا۔ آج کیوں؟

ان سب نے اپنے اپنے ہونٹوں پر لکھ لکھ لیں۔ نامہ نگار نے دیکھا کہ ان کی زبانیں جتیس دانٹوں کے اندر بلی ہوئی ہیں اور دانت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس طرح کہ وہ دنیا جڑا کھوٹے سے منفرد ہیں۔

نامہ نگار نے انھیں ان کی تصویر دکھائی ہال میں کہ سیٹوں پر چلے بیٹھے تھے اور کچھ چہرے

ادھر اُدھر پھردے تھے۔ انھوں نے غصا ہو کر نامہ نگار حکومت کو دیکھا۔ اپنی تصویر نہیں پہچان سکے اور اس سے پوچھنے لگے ”تم کس ملک کی نامہ نگار ہو؟“ ہمارے پاس نامہ نگاروں اور نوکر فردوں کی کمی نہیں۔ ہم تمہارا بے محتاج نہیں ہیں!“

”تم یہاں کیوں آئی ہو؟“ نامہ نگار حکومت نے کہا ”سنو تم خوف سے چہرے بن گئے ہو۔ اگر وہ پتھر اٹھاؤ تو پھر سے انسان بن سکتے ہو۔ وہ نہ ایک تمہاری مددیں پوچھوں کی صورت میں بلوں میں مفید رہیں گی۔“

ان میں سے ایک نے اشارہ کیا کہ کالا دیو آئے والا ہے۔ وہ اپنے اپنے قلم اور کاغذ نکال کر بیٹھ گئے

”اے لوگو! اب بھی وقت ہے۔ اپنے پتھر اٹھاؤ۔“

ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ ”ہم پتھر نہیں اٹھا سکتے۔ انھیں تو بھٹ کر دو کے حکم سے حرکت کرتی ہیں۔ اور جب وہ دیو آئے اپنی باتیں بکھے کا حکم دے گا تو تم دیکھنا جساوی آنگھیاں کیسے تیز تر نکھیں گی۔“

نامہ نگار حکومت نے کہا۔ ”سنو، پتھر اٹھانے کا طریقہ بہت آسان ہے۔ تمیں کو نہیں تک جانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ پتھر اس طرح بٹ سکتا ہے کہ تم خوف سے آزاد ہو جاؤ۔ سچ بولو۔! کالا دیو رازق نہیں۔ سنو رازق تو خدا ہے۔ پھر تم کالے دیو سے کیوں ڈرتے ہو؟“

یہودی کا ایک تیز جھونکا آیا وہ سب خوفزدہ ہو کر اپنے اپنے جوں میں چپ گئے۔ وہ اس ہال سے نکلی آنکھیں جھومت رستوران میں داخل ہوئی تو اس شخص نے مردوں اور عورتوں کو دیکھا۔ ان میں سے ایک عورت بہت آراستہ ویراستہ نظر آ رہی تھی۔ اس نے بکرتے مارے عورت کی جانب مڑا تو

وہ مسکراتے لگی۔ اس نے عورت کے پاس جا کر پوچھا ”تم کون ہو؟“

عورت نے کہا ”میں خوف کی عمری کی کلک حسن ہوں۔“ وہ ہنسنے لگی۔ نامہ نگار بولے ”تم پہلی عورت ہو جسے میں نے ہنسنے ہوئے دیکھا ہے۔ یہاں تو لوگ نہ ہنستے ہیں نہ دوتے ہیں۔ پتھر کا بٹ بنے رہتے ہیں۔“

وہ حکومت خوش ہو کر بولی ”ہاں، میں اپنے متعلق اتنے تفریق بکھے سنتی ہوں کہ سدا خوش رہتی ہوں اور ہنستی رہتی ہوں۔ خوف کی عمری کے سبب داسٹور، فنگر، اسب، ڈیز، جھوٹے بڑے سیر اور دم بکھتے ہیں۔ کیا یہ ہنسنے اور خوش رہنے کی بات نہیں ہے؟“

”میں نے سنا تھا کہ یہاں ہٹنا اور دنا جرم ہے۔ آؤ فریاد کرو اور گبری سانس لینا سرکشی ہے۔ کیا تمہارے علاوہ اور لوگ بھی ہنستے ہیں؟“ نامہ نگار نے پوچھا

عورت نے کہا ”ہاں، وہ سب لوگ جو عقل کو کلوی کے صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا چکے ہیں، وہ ہی ہنس سکتے ہیں جو لوگ دماغ رکھتے ہیں، وہ ہنسی بھول گئے ہیں۔ اور اس لئے اب یہ لوگ جلد سے جلد عقل کے بوجھ سے رہائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔“

نامہ نگار نے پوچھا ”یہ کیسے ممکن ہے۔“ کلک حسن مسکراتے ہوئی ”اپنے دماغوں کو کلوی کے کبس میں رکھ کر دریا میں بہا دینے سے عقل سے نجات پانے والے کی تو وہ جس بول سکیں گے۔“

”دماغوں کو دریا میں بہا کر تم انسان تو نہیں کہنا ڈر گے۔“ نامہ نگار نے کہا۔

عورت نے جواب دیا ”ہمیں دماغوں کی نہیں، ذہن مٹا دینے کی ضرورت ہے۔ جتنے دماغ و سادہ جائیں گے اُتنا ہی ذہن مٹا دے گا۔“ ”یہ دماغ تم کن لوگوں کو بھیجتے ہو؟“

نامہ نگار نے پوچھا۔

عورت اسے سمجھانے لگی۔ ”بہ صندوق

بہر کہ مغربی کنارے پر جاتے ہیں۔ وہاں ہمارا مال کھول کر وہ اپنا مال ڈال دیتے ہیں۔ اور سڑکوں پر اپنی ٹریکس لگا دیتے ہیں۔ اس طرح ڈاکٹروں پر ان کا قبضہ ہو جاتا ہے اور اس قبضہ کے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں رہا ہے۔ نامہ نگار نے سوچا کہ حکومت کی نگرانی کے عا لیشان میں، باغات، سڑکیں، پوسٹ یہ سب جگہ دیک اس نے مبادلہ کا بیجہ ہے۔ بلکہ جس نے اس کو بتایا کہ ابھی ایک مشہور دانشور یہاں آئے والا ہے۔ پھر اس مسئلہ پر اس سے ناظرین کا خیال کر سکو گی۔ اتنے میں ایک بھاری بھر کم آدمی انھیں اپنی طرف آنا نظر آیا جب وہ دونوں کے شکوے کر کے گئے تو نامہ نگار نے دانشور سے پوچھا ”جب سب دماغ باہر چلے جائیں گے تو خوف کی نگرانی کا کام کاج کیسے ہو گا؟“

دانشور نے کہا ”دو کے پاس جو دماغ ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ یہاں بس اور دماغ کی ضرورت ہی نہیں۔ بیکہ بڑے بڑے دماغ بزرگ آلودہ ہو رہے ہیں۔ اچھا ہے باہر جا کر دوسروں کے کام آتے ہیں اور دنیا دلہ جیتے ہیں۔“

”خوف کی نگرانی کے مسائل حل کرنے کے لئے کیا بیسٹنڈر زبیا دلہ کرانی ہے؟“

دانشور نے خود سے اس کی طرف دیکھا بھرا لا ”ہاں مسائل تو ہیں۔ لیکن دیکھنا جتنی دوت بڑے گی اتنی ہی خیرات بڑھے گی۔ اور کاذ دوت کا یہ کتن بڑا فائدہ ہو گا؟“

”مگر مہذب دنیا میں لوگ خیرات نہیں حق چاہتے ہیں۔“

”حق تو صرف کا یہ دیکھا ہے حکومت کرنے کا حق ہے۔ لوگوں کو حق غلامی کا حق حاصل ہے۔ کیا ہمارے لئے یہ کافی نہیں ہے؟“

نامہ نگار نے غصہ سے دیکھا وہ بولا۔

”ہم تو پچھلے دماغ ہیں بہت تنگ کرتے تھے۔ اب ہم سوچ سے آزاد ہو کر چرچا رہے ہیں۔“

نامہ نگار نے ملکہ اسٹین سے کہا۔ میں نے ہال میں داخل ہوتے وقت تمہاری جو تصویر لکھنی تھی، میں تمہیں دکھانی ہوں۔

حورہ خوش ہو گئی مگر پھر تصویر باہر میں لے کر ناگوار سی ہوئی۔ ”تمہارا دماغ خراب ہے۔ یہ تمہارے ایک دوسری تصویر دکھانی ہوگا۔“

نامہ نگار نے کہا۔ ”یہ تو میری تمہارا باطن ہے۔ سستی، شہرت اور خوشی کا کردہ۔“

شکار لوگ تمہاری جھولی میں ڈال کر تمہیں بے وقوف اور غم و غصے کے بجائے جیتی رہتی ہو گی تم ایک دوسری کی چالاک سے ان سب کو اپنے دام میں نہیں اٹھاتی ہو؟ یہ دوسری تمہارے اندر چھپی ہوئی ہے۔ تم اسے پہچان لو۔“

پھر اٹھا لو۔ تمہارا ضمیر وہ دماغ ہے۔ عورت نے ڈکے سے کہا۔ ”کاش ہم صرف ظالم کے ساتھ نہ سکتے اور باطن کو جس دماغ میں پہنچتے۔“

نامہ نگار بولی ”باطن تو ہمارے ساتھ چکا ہوا ہے۔ تمہارے جسم میں جوئے کے بعد بھی باقی رہے گا۔“

”مگر اس نے کہا۔“ تمہارے اس کی باتوں سے ڈر لگ رہا ہے۔“

دانشور نے کہا ”تم کیوں مذمتی ہو، تم تو میری ٹوٹیا ہو۔ کہیں تم کو باطنی ڈرتی ہے۔ تم تو میری ٹوٹیا ہو۔ اور تم باطن جس جتنی رہتی ہے۔“

عورت پریشان کر رہی تھی۔

نامہ نگار نے دانشور کی تصویر اُتار کر، اس کے ہاتھ میں تھائی۔ وہ تھکے سے بولا ”تم نے مجھے اوت ڈال دیا ہے۔“

کے بڑے اعلیٰ میاں درندگی کی ضمانت لی ہے۔ اوت ڈال دیا تو اوت نہ کرنا ہے، غم و غصہ ہو جس کا اندر غصہ آگ ہے۔ اب بھی وقت ہے، اپنا پتہ لکھا لو۔“

دانشور آگ بگولا ہو گیا۔ ”تم ضرور غریبی و غصہ ہو۔ خوف کی نگرانی کی کوئی حکمت تمہاری طرح کی نہیں ہو سکتی۔“

پھر نامہ نگار میدان میں آئی تو اس نے ایک ابنہ دیکھا۔ انہیں تصویر اُتار کر دکھائی تو وہ سب مجھوں کے لوگ جونیوں کی صورت میں نظر آئے۔ انھوں نے غصہ سے کہا۔ ”تم کوئی باطنی عورت تو نہیں ہو۔ تم نے اس میدان میں انسانوں کی جگہ جونیوں کی تصویر بنا کر دی ہے۔“

”اوہ“ تم لوگ خوف اور بے بسی کے ہاتھوں میں پھنس کر اتنے سستے سستے ہو کر جونیوں کی مانند نظر آتے ہو۔ تم جو جونی و بین اور مصلحتی مخلوق ہے۔ اس کا حوصلہ اور ارادہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ صرف اس کا جسم ہی تم نے حاصل کیا ہے۔ اور کالہ دو تہیں اپنے ہاتھوں سے روٹ ڈالے گا۔ اب میں وقت ہے، دعاؤ

انہی کے کہیں سے پتہ نکال لو۔“

ایک شخص نے کہا ”ہم اب اگر کوئی کی جہاز سے وہ پتہ نہیں نکال سکتے۔ اپنے ہاتھ کی انگلیاں دو کے حکم پر ہی حرکت کرتی ہیں۔“

نامہ نگار نے کہا ”اے لوگو! پتہ نکالنا بہت آسان ہے۔ تم خوف سے آزاد ہو جاؤ۔“

وہ سب خاموش کھڑے رہے۔ اس نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کہتا ہے۔ ”نامہ نگار نے کہا۔“ کاش ہم جونی کا جسم نہیں، اس کی جنت، ارادہ اور اتحاد کا جذبہ حاصل کر سکتے تو کتنے کام ہو جاتے۔ بڑے رہتے۔ مگر تم نے آدمیت کھو دی اور غم

قتل سے بے خبر۔“

نامہ نگار وہاں سے اٹھ چلی اور ایک حدائق کے اندر گئی۔ اس نے ایک لکڑی کی ٹیبلٹ ہونے والوں کو دیکھا۔ ان کی تصویریں جونیوں کے سب اسے قاتل نظر آئے۔ وہ سب کھڑے ہوئے۔

اس کی جانب جھپٹے اوروں نے اس کو ہتھکڑیاں لگا کر قید میں ڈالنا چاہئے۔ یہ ہراساں کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کو اب بھی وقت ہے۔ اپنے اپنے پتھر اٹھاؤ۔ اپنی حکومتوں سے حکومت اوروں کی مخالفت دھوکو۔ کالے دیو کے خوف سے آزاد ہو جاؤ۔ نام نہان گارہ ایک اعلیٰ تعلیم کی درس گاہ میں گئی۔ اس نے چند نقادین یا تارین تو اسے علم و دانش کے اس وسیع میدان میں بہرہ ریز بنی ہی ہیں نظر آئے۔ ایک تصور میں بکریاؤں اور بچوں کے دیو دمن ہیں آ رہے تھے۔ پھر اس نے چند گدے بھی دیکھے۔ اچھے سو چاہیاں بھی جہان جہات کے لوگ ہیں۔

اس نے ان سے کہا "اے لوگو اب میں وقت ہے۔ آدمی کی چون میں آ جاؤ۔ اپنے پتھر اٹھاؤ۔ میں اوروں کے علم نہیں سکھا سکتے۔" وہاں سے آگے چلی تو ایک بڑی عمارت میں ایک اجتماع کے لئے لوگوں کو جاتے دیکھا۔ اسے معلوم ہوا کہ ایک کتاب کی تعداد فی تقریب ہو رہی ہے۔ صحافی، ادیب، دانشور، شاعر اور فنکار جمع ہیں۔ اس نے ہاں کی تصویب اتاری تو اسے کتے، تلبہ، لوجریاں چڑھے اور سننے والوں کی بھڑ میں بھیڑ، بکریاں اور گلے بس نہ لگے۔ نام نہان گارہ نے اس سے پوچھا "تمہاری تقریب میں آئیں کو پھانسی دے دی گئی۔ اور کالے دیو

کی جسمی قتل تمہارے سر پر مستعد ہے۔ تم نے آئین کی پھانسی پر کوئی اجتماع نہیں کیا؟" صاحب صدر نے غصے سے کہا "اے بے ادب تم کوئی ہو۔ تمہیں نہیں معلوم کہ ایک کتاب کی تعداد فی تقریب ہو رہی ہے۔ مضامین پڑھے جا رہے ہیں۔ تم رنگ میں جھنگ ڈالنے کہاں سے آ گئیں؟" ایک اور شخص بولا۔ اس کا دماغ درست نہیں معلوم ہوتا۔ اس کو فتح باہر سے آئیں کی بات کر رہی ہے۔ ہم ایک ڈکسٹر کے بارے میں مضامین لکھتے ہیں مصروف ہے۔ مجھ نہیں معلوم کہ آئین کا کیا حشر ہوا۔ اور اس سے تھلا جانا کیا واسطہ۔" اور ہے



ماہیا
دیکھتے

برساؤ بڑا بھاری
بوسن کا جیسا ترپے
چوٹیں ہیں بڑی گاری

لنگھنے کا بنا والا
ہر کان میں گوی کے
چاندی کا بڑا بالا

یہ دوست کی بیٹی ہے
آتا تو مجھے، کھڑے
اب مانگے وہ عید کی ہے

کیا بات بناتے ہو
کہتے ہوئے اوروں کو
تم اپنی سناتے ہو

اب سال ہی سولہ
انگوں میں جوانی نے
شکار کئے سولہ

یہ روپ اتاری ہے
بس دیکھ کے خوش ہو لو
سپنوں کی سواہی ہے

کیا کہتے ہیں ہشتے کے
ہیں ایک خدا بھی ہیں
دو پہلو ہیں سکے کے

بادام، قشکوڑوں سے
بھرائے ہیں موسم میں
تن میں میرے پھولوں سے

حاصلِ مطالعہ

کمالِ گیادی

عظیم جہوت، اس سے بڑا جہوت آج تک تصنیف نہیں ہو سکا کہ انسان بھائی بھائی ہیں۔

عقلمندی، دعوتِ بیگزشتہ کے اہلکائی ہے۔ تحریکِ بغیر مرکزیت کے دھواں ہے جہوت کے بغیر استقلال کے ٹیکہ ہے۔ عملِ بغیر زندگی کے قہقہہ ہے اور قربانی بغیر روح کے آنکھوں۔

ناگفتنی، سیاست ایک آگ ہے جو پہلے خود بھڑکتی ہے، پھر بھڑکانی جاتی ہے۔ !

(ابوالکلام)

فلسفہ، دماغ کی ادھیریت میں عقل کا دھواں سڑا رہا پیدا کرتا ہے۔

اشتمالی آدب، بائے ایٹھو امریکی بلاک والے ایٹھو امریکی بلاک۔ روئس زبرد باد۔ چین پائندہ باد۔ اور کافی باؤس سے باہر تمام محنت کش بھائی بھائی ہیں۔ سب سے بڑی گالی، رحمتِ اہل سب سے بڑی عزت بولتا رہا۔ اس کے سوا کچھ ہے وہ متر و کات سخن میں سے ہے۔ !

محض آدب، اہل نہاں یوں نہیں۔ یوں بولتے ہیں۔ حکیم غفرلہ فرماتے ہیں کہ قلمِ محض کے گم کی بجائی علامہ اقبال سے زیادہ صاف اندکھ کھتے اور بولتے تھے۔

مسادات، نیکدے کی چار دیواری اور طوائف کے بالا خلعے کے علاوہ میں نے اپنے گرد و پیش کہیں بھی مسادات نہیں دیکھی۔ !

دانشور، ایک ایسا انسان جس کی گردہ میں دانش کے سوا سب کچھ ہے۔ مثنیٰ جیٹ۔ دھنسی ہوئی آنکھیں، پچکے ہوئے کال بگھکے ہوئے بال، انش کا نصف آلہ ماسکو سے شستہ، اور نصیب ثانی تنگنائی کی پیداوار۔ اس کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے دماغ سے نہیں سوچتا، بلکہ منہ پر لب خطالات کا شیانہ روز پر چار کرتا ہے۔

نکار، نہ ادب، نہ شاعر، نہ نقاد۔ منہ نکار، یعنی آدب و شعر کی جھگائی۔ خود غلط، اہل غلط، انشا غلط۔

اسلامی آدب، نیکدے کی چوکھٹ پر عجبہ سپہ۔ طویل منہ سیدی، مریض کوثر نیازی اور جگر ماہر نقاد دی۔

شاعری دل کی پیچ بکراہیں جو جوان ہو گئی ہے۔

الفاظ خوبصورت چہروں کی طرح دمک دے جاتے ہیں

عورت دغا خیز، مہنی، بہن اور بیوی، لیکن حقیقتاً ایک دکاؤ پر کیلونا جس سے شاہ و گدا سب کیلنے ہیں۔ نرم ہو تو صبا کا جھونکا، گرم ہو تو دودھ پر کڑو۔ مشرق میں مہر سے لے کر لہجہ تک منیٹر۔ مغرب میں الٹ تائی کی سیر و سیاحت۔

تاریخ زمانے کے ایوان اور تاریخ کے گھر ہیں اب تک جسکست غور و غوریں گویا رہی ہیں۔ (موتی)

ہنسی کہیں کہا، بکھڑے ہوئے رفیعوں کے پیاد کی طرح سنگ اٹھتا ہے۔

حال رہی ہم سونو نش کنوں است۔

مستقبل جس کی توقع میں زندگی بسر ہو تی ہے لیکن خود امانی کے ٹھنڈیوں میں کھو جاتا ہے۔

سہانے منبر کا دھڑا، اسٹیج کی گونج، اور دگر کے ذمہ ہمیشہ سہانے ہوتے ہیں۔

گوشت بڑے بڑے نصف اس بائے میں متقی الٹے ہیں کہ انسان کے گوشت سے زیادہ کوئی شے بھی لذیذ نہیں ہے۔

مصنف ایک ادیب یا شاعر ہمیشہ اپنے قلم کی خواہش اور ہمسائیگی کی سب سے محبت کرتا ہے (جینی)

دعوت جس وقت میں سے ہم گمراہ رہے ہیں اس دور میں دعوت پڑے نہیں کھلتے بلکہ فتح کئے جاتے ہیں۔

ستارے آسمان کی جہاد میں ہیں۔

انتخاب قیدیوں کا جیلر منتخب کر دینے کا حق دے دیا جائے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ آزاد بھی ہیں۔

عظمت چند عالمگیر پتائیاں آدمی

کو ڈالتی ہیں۔

دو مذہب دنیا میں صرف دو ہی مذہب ہیں۔ امیر اور غریب۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ذہنی مغالطے ہیں۔

موت غالباً خدا کی ہی ایک نادی ہیت کا نام ہے۔

قبریں دھڑکی پڑت کی قبریں۔

غزلیں

دشمن کی آگ میں جلنے کا صلہ دیکھا ہے
نیرنگ بیکوں کے چراغوں میں خدا دکھا ہے
کیسے توفیق کہہ سوں میں سرخ کی کھن
پھول تیرے پر ترا نام بکھا دکھا ہے
دیکھا اس صحت میں غلاموں اور کاجلوں
کہ بلاؤ نے تو پر یا سوں کا دکھا ہے
جو مٹی میں مرے چہرے پر دکھا ہیں سب کی
گھر کے لوگوں نے کوئی خواب بڑا دکھا ہے
اسیرت و دور پر پھر شوب کی سیدہ دھڑل
جب ہو گیا دکھا ہے کچھ جبراً دکھا ہے
پہر میں چوٹی کی باتوں کی کاشتر
رہم پتائی پر پڑتوں کا دکھا ہے

نشرت اکبر آبادی

بے وفاؤں سے وفاؤں کا صلہ مانگے ہے
دل تو پاگل ہے اندھیروں میں مٹا مانگے ہے
منبر کتنا رہا ہو گا بھلا اس کا حلوں
جو کہ دشمن کے لئے دل سے دغا مانگے ہے
ایک تو ہے کہ ہوا آج غمراہ سے ٹکڑ
ایک وہ ہے کہ جو حق سے دغا مانگے ہے
بات یہ وقت کی نیچے کہ مقتدر اس کا
جو سزا دیتا تھا وہ آج سزا مانگے ہے
ہے اگر عزم تو خود و مومنڈے منزل اپنی
کوں کسی غیرتے منزل کا پتہ مانگے ہے
دل چلتا ہے سرخ اپنا منسل لیکن
کچھ کچھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا مانگے ہے

سراج الدین سراج



جب فلمی ستارے مداح بن گئے



● اداکار سنجے دت اور ان کے بھائی نور محمدی ہوٹل کے کھانے سے تعلق اندوز ہو چکے ہیں

فلمی ستارے جو ہر دم مداحوں میں گھرے رہتے ہیں، جب خود کسی کے مداح بن جائیں تو یہ حیرت کی بات ہے۔ لیکن اگر آپ نور محمدی ہوٹل کی نئی نہاری کا ایک بار ڈائننگ ایسے تو پھر آپ کو تعجب نہیں ہوگا۔ یہ ہے ہی اتنی عمدہ، لذیذ اور صحت مند کہ پہلے ہی لڑکے میں خواص و حوام کا دل بوجھ رہا ہے۔ اسی لئے نور محمدی ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں بڑی بڑی ہستیاں، مشہور فلمی ستارے شامل ہیں۔ یہاں کی نئی، نہاری، بھیجی، پائے، ماش کی دال اور دیگر کھانوں کے پیچھے ۹۰ سال کا تجربہ اور جناب عبدالکیم ملک نور محمدی ہوٹل اور ان کے فرزند خالد کیم کی ذاتی نگرانی شامل ہے، جس نے اسے ممتاز بنایا ہے، آپ یہاں تشریف لاکر شوق فرمائیں، اپنے احباب کے لئے گھرے جائیں یا پارٹی کے لئے جائیں۔ آپ اور آپ کے بھائی نور محمدی ہوٹل کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

نور محمدی ہوٹل، وزیر بلڈنگ 183/181 ای۔ آر۔ روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی ۴۰۰۰۳

فون: 8511008 فون دفتر: 8516115

انتقاد

آدمی درندہ ہے

(ڈاکٹر کشو چند ریشیہ جتیسہ آستانی)

ذیمائی سائز ۲۰۰ صفحات

ناشر: شری مہتی راج رانی سین،
انڈیا میری، ممبئی۔

قیمت کار: شاہ ہندو کی کیشور دہلی ۲
قیمت: ۱۰۰ روپے

حقیقی آستانی کو جو تک زندہ تھے،
اس جاں بلب زبان اودو سے بڑی محبت تھی
محبت تو مولیٰ لفظ بھوا، اُنھیں اس زبان سے
والہانہ محقق تھا۔ معاشیات اور حساب کتاب
کے آدمی تھے لیکن ادب اور شعر کے ان کا بارانہ
تھا۔ حقیقی آستانی اس نسل سے تعلق رکھتے تھے
جسے سیکو لزم جیسی مصنوعی، نفاستی اور فرائضی
چیزوں کی ضرورت نہیں تھی۔ میرا پیغام
محبت ہے جہاں تک پہنچے، اس نسل کا پیغام
ہی نہیں ملے، وصف اور طیرہ تھا۔ زبان
مذہب اور علاقہ، یہ چیزیں سامان ہیں
یہ بات اس نسل کے لوگوں کے دماغ میں آئی
نہیں سکی۔ حالانکہ وہ سب کے سب کھلے دماغ
کے لوگ تھے۔

حقیقی آستانی نے دنیا دیکھی تھی مجاہد تھا
نہیں، علماء، وہ جگہ جگہ کھڑے۔ عالمی بینک کے
مفتیروں میں سے تھے ہر ملک کے حالات سے
واقف تھے۔ ”انکار غریبان“ اُن کا پہلا
مجموعہ کلام تھا۔ اسی مجموعہ کلام میں اُن کا
ایک شعر میری نظر سے گزرا۔

ہم جا رہے ہیں ٹوٹے دم اپنے حقوق سے
کب تک نہیں گئے غم کا احسان نے ہوئے
خاموشی بہت جلد بتا دیا کہ یہ صرف شعر
نہیں، پتھر کی گیر بھی ہے۔ خاموشی کا بھی ٹوٹنا نظر
کتاب پر عادی ہے۔ ”آدمی درندہ ہے“ اسی
دل گرفتہ اور غم زدہ شاعر کے مشاہدے کے
تجزیہ و دستاویز ہے۔ حقیقی آستانی یوں کسی
محرومی اور مایوسی کے شکار نہیں تھے۔ زندگی
نے اُنھیں ہر طرح کی راحتیں، نعمتیں خوشیاں
اور آسائشیں بہت سی بخشیں، وہ اُن سے متعلق بھی
ہوئے لیکن ان آسائشوں نے اُن کی مینائی کو
متاثر نہیں کیا۔ اُنھوں نے آدمی کا سر روٹ
دیکھا اور اُن کی آنکھیں نم ہو گئیں، یہی دیکھ کر
اس کتاب کے مخ اور خشک مومنتوجہ و غمگینی
سی بنی عطا کرتا ہے درندہ (مضروب) حاکموں کے
ساتھ) اس کا پہلا باب شہسب آدمی
کی زندگی کا۔ اس باب کا آخری شعر ہے۔

جیسے تیسے درندہ ہے
آدمی درندہ ہے

کتاب کے دو سکر باب میں (۱۹) سے
۲۰۰ (۲۰۰) غزلیں ہیں اور ان غزلوں کا مؤثر
بھی اُس غزل کا کوڈ نہیں ہے جو غزل کے بھرپور
ہوتی ہے۔ بلکہ ان غزلوں میں بھی یاسیت کا
مختصر نمایاں ہے۔

حیات جاودانی تو کسی کو بھی نہیں ملتی
یہ ایسی بات ہے جس کو دنیا میں ہر سدا کا
خلاف ایک ذہن حقیقی جاں بلب سمجھو
کسی کی آرزو کو کسی کا آسرا رکھنا

یہ مجموعہ کلام شاعر کی رحلت کے بعد

شائع ہوا ہے لیکن اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ
شاعر اپنے آخری دنوں میں کیا سوچ رہا تھا۔
شاعر کو شاید معلوم نہ ہو کہ وہ کیوں ایسے شعر
کہہ رہا ہے، لیکن اُس کا لاشعور ہی اُس سے
اس قسم کے اشعار کو بار بار تھا۔

خوشیاں یا غم ہوں لیکن انسان حقیر ہی رہتا ہے
قائم دائم ہو جائے، ہے اس کا پہلے مفکر کہاں

آگے تو وہ میں گئے جل دینے کو صلی دیں گے
جو جہاں اب حقیقت ہے جو جہاں اب فسانہ ہے

ذہنت ناپا کمار ہے اتنی
اس کو ہرگز نہ پانچا کمار سمجھو

خود کو تو جی حقیقی دنیا میں
درندہ درگاہ ہے قراء سمجھو

اُن کے شعر نئی قوموں سے مالا مال ہیں یا نہ
ہوں اُن کے دل جذبات سے بہر حال محروم نہیں ہیں۔
اور اگر شاعر اپنی بات مکمل کر کہہ سکتا ہے تو نہ تاثر
ہی شاعری کا حاصل ہے۔

”آدمی درندہ ہے“ بہت سی خوبصورت
چھپی ہے۔ مضروب کی خاکے، کہانیاں، افسانے
کاغذ، علم و سرور، سب دیدنی ہیں اور
بین المستورہ میں شاعر کی ذہنی اور قلبی کیفیت
موجزن ہیں۔

یوسف ناظم

برہمنی، ڈاکٹر، بی بی ایم، طلبہ نایے

مَنْ كَمْ مَكْتُوبٍ إِلَيْهِ

پہلے
۱۸ اپریل ۱۹۹۸ء

محبت مکتوم، آداب!

یہ محبت آستان نے، کہ مجھ پر مہربان ہیں، عزیز و محترم شاعر کی کتاب
چند دن پہلے مجھے ڈاک سے بھیجی اور انہوں نے مجھ کو کی فرمائش کی، وہ فرمائش نہ بھی کر تیں
تو کتاب خود مجھ سے کچھ دیر پہلے بھیجوا لیتی۔

کتاب کا انتخاب آپ کے نام ہے اس لئے یہ تبصرہ بھی آپ ہی کے نام بھیج
رہا ہوں کہ اب بھی ہر مکتوب جیسا ابھی ہے، حسن سلوک کا مستحق ہے۔
مکمل ہے لیکن اسے واقعی زیادہ بھیجے۔ آپ ہی نے قرآن سے ملایا تھا۔
یوسف نابھم

قابل احترام بھائی جان
آداب!

مجھ کے آٹھ بیٹے کو ہیں، دو دھک کی ویتیں
اٹھانے کے لئے دروازہ کھولا تو دیکھتا ہوں کہ ایک
پارسل پڑ پایا۔ آپ کی ارسال کردہ چھ عدد
کتابیں۔ بہت بہت شکریہ۔

پارسل کھولتے ہی "دلی کے شاعر" کے
تو بیگ صاحب نے قابو کر لیا ہے۔ یہ پہلی بار ہوئی
..... میں نے بھی قرآن کو دیکھا ہے۔
"تو ضحک ہے۔ یہی" دلی کے شاعر

آپ کے نام.....
بازی مارنا تو ہماری بوسے نے سیکھا
ہی نہیں ہے۔ "آپ یہ اللہ اکبر بڑھ چکے۔"
یہ کہہ کر اکثر ان آبادی کی کتاب میرے ہاتھ
میں تھادی۔

شہر و صاحب! آپ نے بہت اچھے
شاعر اور کتاب خرید کر دی ہے۔ اردو ادب
میں ایک اہم اضافہ ہوا ہے۔ شاعروں کے
شائقین آپ کا احسان مانیں گے۔ مجھے گنت
ہے دو ستر ایدیفین بہت جلد ہی نکالنا
پڑے گا۔

میری ایک اگلیں دور کردادیں۔
وہ یہ کہ بہت ہی نہیں چل رہا کہ آپ کی محبت
کا شکریہ کیسے ادا کروں۔ نونہوں الفاظ
اور متاسب جگہ پر ہی نہیں چل رہا کیا
کیسے کہنا چاہیے۔

زبان سے یا قلم سے کچھ کہنے پر مجھ میں
کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مجھے غنا ہے کہ آپ کچھ
بچے ہیں کہ میں کیا کہنے کے لئے تھکا رہا ہوں۔
جولوہ کی شکل میں لکھی۔ بھائی چلو دیا۔

بہت بہت شکریہ۔
نارنگ ساقی اور مطلب محسراتی
کو سلام محبت۔

آپ کا بھائی
جعون لال مشرما
پنسل، لندن

محترم شہر و صاحب! نشتم!

"دلی کے شاعر" کی اشاعت پر
دلی بھائی کا دھوکا دیا ہے۔ سیکڑوں شاعر
گرام کے ہزاروں بہنوں الفاظ کا تکیہ
آپ نے جو اس کتاب میں لکھا کر دیا ہے،
اس کی مثال واقعی اردو دنیا میں نہیں ملتی۔
اور اگر یہ کہا جائے کہ سیکڑوں شاعر گرام
جو آپ اس دنیا کے فانی سے کچھ کہتے ہیں
ان کا بیچوں کلام اسی کتاب میں کیا جا رہا
ہے حالانکہ ان مرحوم شاعر گرام میں سے
اکثر کے مجھ سے ہائے کلام نایاب، بلکہ ناپید
ہیں۔ مثال کے طور پر مرحوم دیکھا جگنپری

کا کلام کسی شاعر کے کی روداد میں آج
تک پڑھنے میں نہیں آیا مگر "دلی کے شاعر"
میں دیکھا جگنپری کا بھی وہ کلام موجود ہے
جو انہوں نے کسی شاعر کے میں سنایا۔

شاعر کی نوک جھونک لہر برعل غزوہ
کشی اور سامعین کی طرف سے حاضر جو اسے
کے بیچارہ دلچسپ واقعات نے کتاب کو
اس قدر دلچسپ بنا دیا ہے کہ قاری بار بار
اس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بیساختہ
کہا اٹھتا ہے کہ کتاب کی قیمت دو گون ہوگئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو زبان
میں اس کتاب کی کتاب آج تک شائع نہیں
ہوئی۔ اردو ادبی کے بعد ہی نہیں، بلکہ
اس سے پہلے بھی اردو شاعروں کی تاریخ
اس انداز میں نہیں لکھی گئی۔ جب میں کوئی
اسکا اردو شاعروں پر تحقیق کرے گا تو
آپ سے دعا ہے کہ "دلی کے شاعر" تلافی کیا
ہی ہوگی۔ کاش یہ کتاب پاکستان جیسے
دستیاب ہوتی تو یہاں کے ادیبوں اور قاریوں

کوچہ جتا کر اردو کو زندہ رکھنے والی کتابیں
میں نظم کی ہوئی ہیں۔

آپ نے ان مشاعروں میں پاکستانی
شعرا کا جس ایمانداری سے تجسس کیا ہے
اس کی داد ہر پاکستانی دے گا۔ سیکھ
آپ کا یہ تجربہ اتنا جاندار ہے کہ جسے کوئی
جھٹل نہیں سکتا۔

جہاں آپ نے اردو ادب پر یہ احسان
کیا ہے وہاں یہ کام بھی کر دیجئے کہ دلی کے
مشاعرے کی دوسری جلد "نکل بند شاعری"
اور تیسری جلد "اندو پاک مشاعرے" بھی
جلد از جلد شائع کر دیجئے۔

اعمال کی بات تو یہ ہے کہ وہ شخص جو
اردو شاعری سے ذرا بھی لگاؤ رکھتا ہے اگر
وہ "دلی کے مشاعرے" اپنی ذاتی لائبریری
میں رکھے تو اسے بھر کسی بھی اردو شاعر کا کلام
پڑھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

جو نہیں آپ کی دوسری کتاب میں شائع
ہوں تو انھیں بلا توقف جھجوائے۔

ہمیشہ آپ کا تدارج
ابن خفصہ کا علمی،

ذہرہ غازی خان، پاکستان۔

بھائی سرور صاحب،

آداب و مشیما و نیازا

پچھلے خط کے جواب کے انتظار میں تھا۔

خاص کر عزیزہ زہرہ دیدہ سلیبا کے حالات معلوم کر کے

بیمہ نشین ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس واقعے نے

ذہن پر ضرور اثر والا ہو گا۔ نقصان مایہ انگ

ہوں، لیکن اس وقت ملک جس جھوٹ سے گزر رہا

ہے پاگڑا اراجاء ہے اس کے بارے میں کیا کہوں

دل کو حجاب کے پردہ واضح اور بدیہی ٹکلی مفادات

سے کیے اور کس حد تک نگاہیں کھل سکتے ہیں۔

ہنگامے کرانے ہیں اخلاق و اصول مفادات قومی

سب کا خون کہنے ہیں اور بعض تو اس پر غرور بھی

کرتے ہیں۔ ج۔

"ہم ایک ایسے بڑے خوشوں سے کہانی کہ جانی!!"

نیک حکیم ہے افسانہ اس افسانے سے ضرور

کامیاب نکلے گا، لیکن تاریخ کے دامن سے اپنی

نادانی، بے عقلی اور بربریت پر مبنی سیاست کے

دشمنوں کو قود حوت نہ بنائے گا۔ واپسی میں فیروز

حاجت سے غفلت کیجئے گا۔

"تاریخ شاعرہ" بیچے میں دیر ہو رہی ہے کہ تو

جہاں کہہ کر فرما جاؤ گویا ہندوستان کے اسکول

نیاں بند کر دیا تھا اور یہ فیروز جیسے نئے نئے

خدا کر کے تشریف لائے تو کسی طرح یہ تودہ بلا

بندہ خلوص

علی جو ادبیاتی

بی بی۔

چالیس سال کے طویل انتظار کے بعد
سردہ تونسوی کی مایہ ناز تصنیف منصفہ شہود پر

دلی کے مشاعرے

جسے متنبہ طور پر آزادی کے بعد اردو مشاعروں کی تاریخی دستاویز
قرار دیا گیا ہے۔

۱۹۵۰ء سے ۱۹۸۳ء تک دلی میں ہونے والے مشاعرے
دیکھی اور کافور سنی زوداد۔

اس رد و لا میں آپ کم از کم ایک ہزار سے زائد مشاعرے شاعر کا ایسا منتخب کلام
پائیں گے جس میں ہزار ہا اشعار تیر و نشتر کا مقام رکھتے ہیں۔

غزلیہ شاعرانہ سلاو میں جن سینکڑوں شعراء کرام کا انتقال ہو چکا ہے،
ان کا کلام بلاغت نظام بھی آپ اس کتاب میں پڑھ سکیں گے۔

سینکڑوں ایسے ادبی لطائف جو ان مشاعروں میں شعراء کرام نے سنائے، آپ
پڑھیں گے تو داد دیے بغیر نہ سکیں گے۔

سامعین اور شعراء کرام کی ٹوک جھونک، شعرا کی بدحواسیوں، شعراء کے حسد،
پندت ہری چند اختر کی بھلجڑوں اور دیگر کئی شاعرانہ اٹھیلیوں کی دلچسپ داستان۔

۵۰ صفحات، ڈھان سائز، جلد میٹرن اور پختہ۔ کاغذ چھپائی اور
کتابت خانہ ہندوستانی پبلیشرز کی مشہور روایات کے مطابق۔

قیمت ایک صد پچاس روپے۔ شاہی ہند کے خریداروں کے لئے پیس
روپے کی رعایت۔ اپنے ہاں کے ہر کتب فروش سے طلب فرمائیے یا ہمیں لکھیں۔

دفتر شان ہند، فلیٹ ۵، انصاری لکریٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

غزل

ڈاکٹر حفیظہ آصفی مرحوم



دختِ سفر کے ساتھ ہی عزمِ سفر بھی ہو
وہ آفتائے دیدہ ذوقِ نظر بھی ہو
کچھ تو گمانِ گردشِ شمسِ قمر بھی ہو
طلبِ سحر کے ساتھ ہی تابِ سحر بھی ہو
ایسا تو کوئی راستہ سو بھانہیں ہیں
جو دل کو درد مند کرے بے خطر بھی ہو
لائیں کہاں کے دھونڈ کے ایسا مقام جو
ویرانہ بھی چین بھی ہو غنیمت بھی گھر بھی ہو
کیا کیا نہ ہم کلام کریں اُن کے جب بنے
لیکن نیاز و ناز کا اُن پر اثر بھی ہو
کس سے کرینگے بات یہ پھوڑیں گے سر کیاں
ان بیکسوں کا مسکن دیوار و در بھی ہو
شکوہ جو کرے ہیں شبِ تار کا حشر
روزِ سیاہ کی فدا اُن کو جس پر بھی ہو

خدا بخش اسبیری پیٹن

ان معنائین میں سوائے ذاتی عناد اور موجودہ دود کے چند بہاری ارفود انشود
کے گھنٹیا پن کے مظاہرے کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

وہاں پیداوار کے خلاف دوسری عالمی جنگوں ختم ہونے کے بعد اسے جس میں یہ ناپید کرنے کی کام کو پیش کی گئی ہے کہ مختلف اقسام کے سے ڈاکٹر صاحبان اور اس غیر انسانی و غیر ہمدردی کو بر باد دے گا کہ ہے۔

موقوفہ اسلامیہ دارالعلوم خلیفہ آباد
انجمن میں پڑھنے والے محض مدرسہ
مکملہ اسلامیہ دارالعلوم خلیفہ آباد

میں نے کہا کہ میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔
کہہ گا ہوا۔

تو اگر ان مضمون نگاروں کی طرف سے یہ مضمون
 کے بارے میں یہ کہنا جائز ہے کہ تو ہم نے ان کی
 صاحب کے بالفاظ اور ملاقات کی اور ہم

میں اس سے کسی قسم کی حدود نہ لگاؤں۔
 یہاں تک کہ خدا انہیں لائبریری کو مرنے پڑے
 عرصہ بڑا اپنے قیام پختہ کے بعد ان کو لکھا اور

میروں کا بیب سی ہے
 ہو کر بھی نہیں ہے کہ
 یہ بات عجیب سی ہے

یہ روپ اٹا دی ہے
بس دیکھ کے خوش ہو
سینوں کی جلا دی ہے

جی بھائیو! دعا ہے کہ وہ بھی جی
جی کی جہنم میں نہ جائے

یہاں سے جے میں
میں نے یہ سب
میں نے یہ سب

جناباں کے گدی ہے
کھا جائے گی ہر شے کو
یہ نوبت آنکھوں کی ہے

اے مہمانِ سخیں
گرمیوں میں جن کا
دعایاں کہیں کوئی

مستحکم بنیادیں دی گئیں
ہے عمر بخت کی
نئے ہیں جو ان دی گئے

پھیری ہے نظر اس نے
جوڑے کبھی تمہاری
جبراً نہ خبر اس سے

پڑھنا ہے انا ڈی ہے
وہ خود کو ہر اے گا
کہنے کو کھلا ڈی ہے

ناروں کے میلے میں
ہر بات خوشی کی ہے
بطحی ہے اگلے میں

سچی جتنے کی پوری ہے
چھٹکوں میں چھپا ہے
دلوں کی وہ مجھ پر ہے

ہمراہ کیا گیا ہے
آج میں ایک
دستہ میں کھڑا ہے

برائے راس کی ہے
نیچے ہونے والی
برائے راس کی ہے

خدا کا ارادہ ہے
اُدھیاں بچیں گی
بچنے کو کتنا ہے



ماہیا
دیپک ستر

”مختلے خیلارے“ کا ایک سبق

آپ کی
اور آپ کے کاروبار میں
ترقی کا خاص
سودہ ملے گا



صرف صدی سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک ایسا اور فخر و
جیت کا عامل
سودہ ملے گا

آپ کا اپنا بینک

بمبئی مرکنٹائل کو آپریٹو بینک لمیٹڈ

جو سماج کے ہر طبقہ کا ساقی اور مددگار ہے۔ جہاں فلائین اسپیج سے متعلق سچی
معلومات دستیاب ہیں۔ جہاں صحیح کی کٹی و قسم پر دو سو روپے کاروباری بینکوں

ہے ایک فیصلہ زیادہ منافع ملتا ہے

ہمارے کھاتے داری ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

عازمین جو کہتے نہیں مبادیہ کے خصوصی انتظامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین میٹاری خدمات کا نمونہ ہیں

دھلی آفس
۳۶۵۵ پتھری جہاں ملک
دریا گنج نیوی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵

فلائین آفس جہاں چار ٹنٹ
۳۶ پتھری جہاں ملک
دریا گنج نیوی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵
۳۱-۷۵۸۷۲ ZAINAH ٹیلیکس

میل آفس
نہن رنگون و لاہور
۷۰ کوٹلی روڈ
بمبئی ۴۰۰۰۰۰ ہارٹرا

حسنِ اصلاح

زبانِ شادی

ایہیوں نے کوئی کمال کیا ہے
پیش نظر سرورِ عالم کی اس جہت سے
اور نہ دنیا کی شکستیں ہیں نہ کام۔

زبانِ شادی ہے
وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو
کہ وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو
کہ وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو
کہ وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو

ایہیوں نے کوئی کمال کیا ہے
پیش نظر سرورِ عالم کی اس جہت سے
اور نہ دنیا کی شکستیں ہیں نہ کام۔

یہیوں نے کوئی کمال کیا ہے

زبانِ شادی ہے
وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو
کہ وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو
کہ وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو
کہ وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو

ایہیوں نے کوئی کمال کیا ہے
پیش نظر سرورِ عالم کی اس جہت سے
اور نہ دنیا کی شکستیں ہیں نہ کام۔

مکذبتہ شادی

زبانِ شادی ہے
وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو
کہ وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو
کہ وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو
کہ وہ جس نے نہ ہر حال میں نہ ہو

ایہیوں نے کوئی کمال کیا ہے
پیش نظر سرورِ عالم کی اس جہت سے
اور نہ دنیا کی شکستیں ہیں نہ کام۔

یہیوں نے کوئی کمال کیا ہے
پیش نظر سرورِ عالم کی اس جہت سے
اور نہ دنیا کی شکستیں ہیں نہ کام۔

میں نے جو کچھ کی اٹھائی ہے مجھے
 وہ لوہے کی تختی کی گرائی ہے مجھے
 ہر وقت ہے ہمارے گھر کی خوشی
 دل میں تیری تصویر بنائی ہے مجھے
 اصلاح:-

بنیاد..... جواماں
 دیوار کوئٹہ کی ڈھانی ہے مجھے
 خرابی اور خوشی میں ہو جانے دو
 اغلاص کی خوشبو ڈھانی ہے مجھے
 توجیہ:-

اٹھائی، گرائی، میں اے اے رنگ
 شہادت کی تلاش سے کیا تہ عاصم ہو سکتا
 ہے۔ ربابی کے مصارع باہم دست و گریبان
 نہیں تھے۔

شعر شاعری:-
 میں نے جو کچھ کی اٹھائی ہے مجھے
 وہ لوہے کی تختی کی گرائی ہے مجھے
 ہر وقت ہے ہمارے گھر کی خوشی
 دل میں تیری تصویر بنائی ہے مجھے
 اصلاح:-

خواب کو تہ سب اختر لازم ہے
 نئے تو ہے..... علی حال
 توجیہ:-

دل کش استعارے عین تہ ہیں
 کلام میں خوبصورتی کا موجب تو ہونے لگے ہیں
 مگر نئے تو ہے مضامین کے خدائیں نہیں ہوتے
 ڈرامے صبر میں "میں" کے معنی پر خود
 کیجئے "چاہئے" کے معنی دے رہا ہے اصلاح
 میں اسی بات کا خیال رکھا گیا ہے۔

رباعی شاعری:-

میں نے جو کچھ کی اٹھائی ہے مجھے
 وہ لوہے کی تختی کی گرائی ہے مجھے
 ہر وقت ہے ہمارے گھر کی خوشی
 دل میں تیری تصویر بنائی ہے مجھے
 اصلاح:-

خواب کو تہ سب اختر لازم ہے
 نئے تو ہے..... علی حال
 توجیہ:-

شعر شاعری:-
 میں نے جو کچھ کی اٹھائی ہے مجھے
 وہ لوہے کی تختی کی گرائی ہے مجھے
 ہر وقت ہے ہمارے گھر کی خوشی
 دل میں تیری تصویر بنائی ہے مجھے
 اصلاح:-

خواب کو تہ سب اختر لازم ہے
 نئے تو ہے..... علی حال
 توجیہ:-

میں نے جو کچھ کی اٹھائی ہے مجھے
 وہ لوہے کی تختی کی گرائی ہے مجھے
 ہر وقت ہے ہمارے گھر کی خوشی
 دل میں تیری تصویر بنائی ہے مجھے
 اصلاح:-

شعر شاعری:-
 میں نے جو کچھ کی اٹھائی ہے مجھے
 وہ لوہے کی تختی کی گرائی ہے مجھے
 ہر وقت ہے ہمارے گھر کی خوشی
 دل میں تیری تصویر بنائی ہے مجھے
 اصلاح:-

خواب کو تہ سب اختر لازم ہے
 نئے تو ہے..... علی حال
 توجیہ:-

میں نے جو کچھ کی اٹھائی ہے مجھے
 وہ لوہے کی تختی کی گرائی ہے مجھے
 ہر وقت ہے ہمارے گھر کی خوشی
 دل میں تیری تصویر بنائی ہے مجھے
 اصلاح:-

حق ٹریولز اینڈ ٹورز

حج عمرہ زیارت

ہوائی جہاز کے ٹکٹوں کی خرید و فروخت
 اور دیگر خدمات کی فراہمی
 اور دیگر خدمات کی فراہمی

۲۰۱۹- ایم۔ بی۔ اسٹریٹ، کراچی
 دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)
 فون: ۳۲۶۶۰۰۰

ایس۔ ایم۔ حق

مقدمہ کے لئے کوئی اور طریقہ نہ ملے کے سلسلے میں جو
 ایک شخص سے ملے تھا۔ اس کام کے لئے ضرورت
 تھا کہ کوئی نیا پہلو مقدمہ کے سامنے آئے۔
 اس کے لئے ہم کو یہ خیال رہا کہ اس کی گواہی پہلے مقدمہ
 میں پیش کی جاسکتی تھی۔ میں نے تو جہانوں و ملکوں
 کو گھوم دیا کہ وہ مقدمہ ساری کوشاں کر کے
 اسے گواہی دیتے پھر آمادہ کریں۔

معاذ اللہ! اس مقدمہ کے کیا کوئی سر نو افلاک
 پیدا ہو گیا اور وہ مقدمہ ساری کوشاں ضرورت
 افلاک ایسا تھا کہ مقدمہ ساری چند دن قبل چلنے لگے
 جس کے شواہد میں تمام کے بعد اپنے دل کوئی حق۔
 یہ علم تھا کہ اس کا سابقہ دوست تیس برسوں سے
 میں نے مقدمہ جس کے دوران اس کی گواہی تھی پھر
 اس کے بعد پہلے کے درمیان مل جاتا۔

مقدمہ ساری کہیں کوئی سر نو افلاک کے
 سامنے لانے میں مدد دینے کے لئے رہ گئی اس
 سلسلے میں اس کی ڈاکٹر کی خدمات بہت کامیاب
 ہوئی۔ اس لئے بارہ برس کی عمر میں ڈاکٹر کی
 طبعیت کی تھی اور ساری عمر دن کے کام واقعات
 مشاہدات اور عجیبہات کو قلم بند کرتی رہی تھی۔
 اس کے پاس اس کے ساتھ ساتوں کی ڈاکٹر کا دفتر تھیں۔
 مہتمم نے حالات کے سلسلے میں بارہ مقدمہ
 کی گواہی دینے میں نہایت کامیاب رہے۔ مقدمہ ساری
 کے لئے اس کے قلم پر بھی کچھ اسے وہیں ایک طرف
 بہت محنت دینے لگی جو اس کی سال اسے صحت کو
 تباہ کرتی اور ترقی ملی آخر میں اور اس کا حقیقت
 جس کے بعد اس کی صحت دھاک دھاک اس وقت تک رہی۔
 یہاں تک کہ اس کے اپنے مکان کی اختراع تھی۔

مقدمہ ساری کے حالات کو بتایا کہ اس کی
 زندگی مہتمم کے ساتھ میں سے کے دفین سے چلی رہی
 تھی مقدمہ ساری روزانہ ایک دوسرے سے ملا کرتے
 تھے اس سلسلے میں اس کی فائز میں ایک ایک روز کی
 مکمل تخیل دراز تھی۔ یہاں جو بہت مختلف واقعات
 واقعہ تھیں کی جہاں کی کوئی اور مقدمہ اس کے پہلو میں

حیرت ہوا۔ ایک شخص مثلاً ایک شخص کے ساتھ
 مقدمہ ساری کے پہلو میں اس کے سفر پر گیا تھا
 تھا۔ اور یہاں اس کے مقدمہ ایک وقت میں کچھ
 یہیں کے لئے مقدمہ میں اس کی گواہی اور ساری
 جہاں میں ایک صورت کو صورت کے گواہی کے لئے
 مقدمہ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ
 رہا کہ حالات کے سامنے اپنے خود الزامی اقبالی بیان
 کی تردید کرے مگر وہ اب جہاں اس کی وقاحت
 کہنے کے لئے تیار نہ تھا کہ اس نے فائز میں کیوں
 دیا تھا جس کے نتیجے میں اس کی اپنی زندگی کا ایک
 بڑا حصہ جیل میں گزارا ہوا۔ اس کا ان واقعات
 کی خبروں کی نا اطمینانیاں تاویہ کام اس نے ان کیوں
 کی تفسیلات جاننے کے لئے کیا تھا تا کہ اس کا خود الزامی
 بیان زیادہ سے زیادہ ثقیل تھے۔

فارغ رہے کہ اس مقدمہ میں ساری کی
 کے فرائض میں نے اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ میں نے
 حالات کو ساری تفسیلات کا بیان یاد دلایا جو اس نے
 پہلے مقدمہ میں مہتمم کے حالات میں مطالعہ کرنے کے

مقدمہ ساری کے لئے کوئی اور طریقہ نہ ملے کے سلسلے میں جو
 ایک شخص سے ملے تھا۔ اس کام کے لئے ضرورت
 تھا کہ کوئی نیا پہلو مقدمہ کے سامنے آئے۔
 اس کے لئے ہم کو یہ خیال رہا کہ اس کی گواہی پہلے مقدمہ
 میں پیش کی جاسکتی تھی۔ میں نے تو جہانوں و ملکوں
 کو گھوم دیا کہ وہ مقدمہ ساری کوشاں کر کے
 اسے گواہی دیتے پھر آمادہ کریں۔

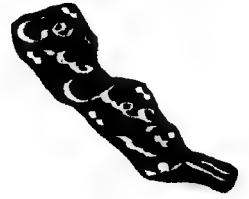
مقدمہ ساری کے حالات کو بتایا کہ اس کی
 زندگی مہتمم کے ساتھ میں سے کے دفین سے چلی رہی
 تھی مقدمہ ساری روزانہ ایک دوسرے سے ملا کرتے
 تھے اس سلسلے میں اس کی فائز میں ایک ایک روز کی
 مکمل تخیل دراز تھی۔ یہاں جو بہت مختلف واقعات
 واقعہ تھیں کی جہاں کی کوئی اور مقدمہ اس کے پہلو میں

راجہ گدھ بانو
 ۱۵۷۱ روپے

ڈو بتا انجھرتا آدمی رام
 ۴۵۱ روپے

منٹو نامہ

سادت حسن منٹو نے شعلی ایک ایسی علمی ادبی اور ادبی دستاویز جس سے ان کے ادب
 میں واقعی اضافہ ہوا ہے۔
 آج تک سادت حسن منٹو پر ایسی دستاویزیں نہیں ملتی تھیں جو ان کے حقیقی فنکارانہ جذبہ
 چندہ و حاد کا علمی ادبی کارنامہ اور ادب میں پیش کیا گیا ہے۔
 خدمات سادت حسن منٹو نے ادبی سائنس، بہترین ہند اور دلکش نگارش
 جیت۔ ایک صدی سے روپیہ
 منٹو کا پتہ۔ دفتر شاہ پندرہ، حلیت ۵، انصاری مارکیٹ، حلیا، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔



عَلَامہ اقبال

اور سوامی رام تیسرہ

ڈاکٹر ہیرالال چوہدرہ

کام لیا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد ۱۹۱۸ء میں ایک مشاعرہ بریل لاہل میں زیر صدارت اس وقت کے فائنٹ گورنر سر مائیکل اوڈوڈا کے مہمانوں میں علامہ نے فی البدیہہ فارسی کے چند اشعار پڑھے جن سے مترجم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال ہندوستان کے روحانیت کے بہت قائل تھے اور ہر معاملہ کو روحانی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہندوستان کی روحانیت پر بجا طور پر نازاں تھے۔ ۵۵ اشعار ”تقسیم ازل“ کے نام سے موسوم تھے اور علامہ کے کسی مجموعہ میں شامل نہیں کئے گئے۔ میں خود جو کہ مذکورہ بالا دونوں مشاعروں میں سامعین میں سے تھا اسے مشاعرہ دوم میں پڑھے گئے اشعار کو ازہر کر لیا تھا۔ وہ فی البدیہہ استواء تھے۔ ”تقسیم ازل“

دیکھتے تو اُسے نعل کر کے اپنے پاس محفوظ کر لیتے۔ اپنی دونوں حکومت پنجاب نے ایک انعامی مشاعرے کا اعلان کیا اور رائے بہادر کچھ بہادر سی متا پر اس مشاعرہ کی منتظر کمپنی کے سربراہ تھے۔ مشاعرہ ۱۹۱۶ء میں لاہور کے برکت علی محمدن ہال میں ہوا تھا اور ڈاکٹر اقبال اس کے بیج مقرر کئے گئے تھے۔ اس مشاعرہ میں پنجاب کے علاوہ دیگر صوبہ جات بھی شرار شریک ہوئے تھے اور آخر میں فیصلہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے اعلان کیا کہ اول انعام دہلی کے منشی مہاراج بہادر حق کو، دوسرا انعام عبدالحق اڈلہ آبادی کو اور تیسرا انعام کلکتہ کے منشی میاں کو دیا جاتا ہے۔ اس فیصلے سے ہی علامہ کی غیر فرودار بیت حیاں ہوتی ہے کہ انھوں نے تین میں سے دو انعام ہندو شعرا کو دے دیے اور پورے انصاف سے

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے زمانے میں پنجاب کا ہر شخص جنگ کی برون کے جاننے کا بہت مشتاق تھا یہاں تک کہ اس زمانے کی درس گاہوں میں اکثر اوقات بیچ کے اجتماع کے بعد اکثر اساتذہ طلباء سے بات کرتے تھے کہ تم حکومت برطانیہ کی فتح کئے گئے گاہ ایریڈی میں دل سے دعا کرو۔ اور اسی زمانے میں اردو اخبارات کے مطالعہ کا بھی شوق پیدا ہوا جس سے ان حضرات کے بارے میں اہمیت ماحصل ہوتی تھی۔ اخبارات کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ ان کے جرنل کے بھی مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ اور اکثر ان میں ادبی مضامین و منظومات بھی ہوتے تھے۔ اس وقت ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی شاعری کا پنجاب میں بہت چرچا تھا۔ ہم سکولوں کے طلباء جب بھی ڈاکٹر اقبال کی کوئی نظم لاہور کے کسی اخبار یا رسالے میں

بیج سی دانی کو صورت بندہ ہستی بافرائش
 کھڑے رہیں و دل گرم و شراب تاب داد
 ملک نہ بید و حیات را یہ انگشتان بید
 جو منی را چشم حیران و دل بستان داد
 دوس را سر مایہ بھیت بہت و بزد
 قبر او کوہ گراں را رزہ سیلاب داد
 تابہر بجز و فزائے حیرت از سانہ دہر
 صدر بچوڑیہ امریکہ را مصیبت داد
 میر کے در خود و قدرت از جانب او بید
 بہر ما چہ بنود و خویش را با مہر داد

یعنی قسام ازل نے فرانس کی
 جہمت میں عیش و عشرت انگلستان
 کے لئے ممالک کی حکومت اور حیات جہنمی
 کو جنگ مار جانے سے حیرانی و پریشانی،
 روس کو کئی ممالک کو اپنی حدود میں سے
 شامل کرنے اور بد بے بھائی اور امریکہ
 کے صدر و پس کو آزادی کی ستارہ پر
 مضارب سے راگ گمانے کا کام سپرد کیا۔
 جب تمام ممالک اپنی فطرت کے مطابق
 باد گاہ ایزدی سے انعامات لے گئے اور
 آج میں ہندوستان کے لئے جب اللہ تعالیٰ
 کے پاس کلمہ باقی نہ بجا تو اس نے اپنے
 آپ کو ہندوستان کے سپرد کر دیا۔ یعنی
 دہم ممالک کو مٹوس اشیا دے کر انہ نے
 مطمئن کیا تو ہندوستان کو روحانیت بخشی
 تاکہ یہاں دین و ایمان کو فروغ حاصل ہو
 اور انبیاء کے حصول کے لئے لوگ ہندوستان
 کی طرف دیکھیں۔

”بانگ درا“ ۱۹۲۴ء کے قریب
 شائع ہوئی تو اس نے بہت حد تک علامہ
 کے کلام کے گزشتہ ذخیرے کو مٹا کر دیا۔
 لیکن پھر بھی ایسی کئی منظومات تھیں جو
 رسائل و جرائد میں شائع ہوئی تھیں لیکن
 بانگ درا میں وہ جڑ نہ پا سکیں۔ یا کئی
 نظموں کے کچھ اشعار حذف کر دیے گئے۔

انہی رسائل میں ۱۹۰۷ء کے ”موسم“ کے
 کسی شمارے میں جب میں نے سوامی رام
 تیرتھ کی وفات پر علامہ کی چھ اشعار پر مشتمل
 نظم بڑھی تو دل میں خیال آیا کہ نہ یا منت
 کر دیں کہ یہ سوامی رام تیرتھ کون تھے جن
 سے متعلق ڈاکٹر اقبال نے کبیر ج سے نظم
 لکھ کر بیڑی اخلاص اور سال کی حق میر سے
 والد محترم ڈاکٹر دولت رام چوہدری اگرچہ
 ڈاکٹر تھے، ہندوستان اور امریکہ سے طبابت
 کی کئی ڈگریوں کے حامل تھے اور ہندوستانی
 فوج میں ڈاکٹری کے پیشے پر متعین تھے اور
 ریٹائر ہو کر اپنے وطن مالوت حلقہ آزاد ضلع
 گوجرانوالہ میں پرائیویٹ میڈیکل پریکٹس
 کرتے تھے۔ وہ اپنے اردو کے شاعر بھی تھے
 اور مندرجہ بالا دونوں مشاعروں میں میں نے
 انہی کے ساتھ شامل ہوا تھا۔ ان کی تعلیم
 بھی اکثر اخبارات و جرائد میں شائع ہوتی
 تھیں اور جتنی مضامین انگریزی میں امریکہ
 کے کئی رسائل میں شائع ہو چکے تھے۔ ان
 سے جب میں نے پوچھا کہ یہ سوامی رام تیرتھ
 کون تھے تو وہ اٹھے اور اندر سے جا کر ایک
 بڑائی نیلنگرام لے آئے جو ہمارے گھاؤں کے
 گوسائیں چند بھان کے نام تھی اور جس میں
 لکھا تھا کہ گوسائیں تیرتھ رام وفات پا گئے
 ہیں۔ یہ تار گوسائیں چند بھان والد محترم
 کے پاس لائے گئے کہ وہ پڑھ دیں کہ کیا لکھا
 ہے۔ کیونکہ ۱۹۰۶ء میں ہمارے گاؤں میں
 انگریزی خواندہ لوگ بہت کم تھے۔ لہذا
 وہ تار کی خبر سن کر والد محترم کے پاس ہی
 وہ تار چھوڑ گئے تھے۔ والد محترم نے فرمایا
 کہ گوسائیں تیرتھ رام گوجرانوالہ کے نزدیک
 ایک گاؤں مڑاویو کے رہنے والے تھے۔
 انھوں نے ایم۔ اے تک تعلیم حاصل کی
 تھی اور وہ لاہور کے مشن کالج میں ریاضی
 کے پروفیسر تھے اور بعد میں ساڈھو بن کر
 انہوں نے جاپان، امریکا، مصر و غیرہ کا

چکر لگایا تھا اور ہمارے گھاؤں کے گوسائیں
 ان کے پرستہ والدین میں سے تھے۔ ٹیپو
 تیرتھ رام نے گوجرانوالہ کے جس مشن اسکول
 سے ۱۸۸۸ء میں انٹرنش کا امتحان پاس
 کیا تھا والد محترم نے اسی اسکول سے
 ۱۸۹۷ء میں وی ایٹرنش کا امتحان پاس
 کیا تھا۔ تیرتھ رام پروفیسر ہوتے ہوئے
 روحانیت کی طرف بہت مائل تھے اور اردو
 میں ایک رسالہ ”الف“ بھی شائع کرتے
 تھے جس میں سنسکرت، فارسی، اردو،
 ہندی اور پنجابی کے ویدانت اور تصوف
 کے متعلق حوالہ جات سے روحانیت، انسانی
 ہم آہنگی، محبت اور حیرت فریق وادیت کی تبلیغ
 کی جاتی تھی۔ ان کے انتقال سے ہندوستان
 کو بہت نقصان ہوا۔ کیونکہ انھوں نے اپنی
 ۳۳ سالہ مختصر سی زندگی میں جاپان، امریکا
 مصر اور اپنے ملک کے کئی مقامات پر ہندوستانی
 تہذیب و کچھ اور روحانیت پر بکھر دیے تھے۔
 اسی اعتبار میں مسیگر ایک خالہ زاد
 بھائی لالہ بھننا تھ پور ہمارے گھاؤں حلقہ
 آباد کے ہی رہنے والے امریکہ میں انجمن رنگ
 کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے اور وہاں ۱۹۱۸ء
 سے ۱۹۲۰ء تک رہے۔ وہاں پر وہ لالہ لاجپت
 رائے، لالہ ہریال، شری سرجی رائے
 وغیرہ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کی
 بھی قربت سے فیضیاب ہوتے رہے اور ان
 کے خطوط میں اکثر ذکر ہوتا تھا کہ امریکہ کے
 لوگ سوامی رام تیرتھ کی تقاریر اور ان
 کے طرز زندگی کو بہت یاد کرتے ہیں۔
 واپسی پر وہ ۱۹۲۰ء میں جانا کبھی
 جیشد پور میں انجمن ہو گئے اور ہمارا اڈہ
 کی اس زمانے کی کونسل کے بھی ممبرانزد کے
 گئے۔ جب لالہ دھننا دھان کے گذرے تھے۔
 چنانچہ انھوں نے واپس لوٹ کر سوامی رام
 تیرتھ کے امریکہ میں قیام کے دوران کے کئی
 واقعات بتائے جو انھوں نے امریکہ میں

تھے۔ دل میں سوامی دام تیر تھکی کا کھری
 بڑھنے کا شوق پیدا ہوا تو چار پانچ آنے کی
 ادو میں سوامی عری خرید کر بڑی قوت دل کو
 بڑی تسلی ملی اور اندر نہ گئی کسی غیبی
 کو پائے کے معتم ادا ہے کی غیبی بھی۔
 میں نے انٹرمیڈیٹ سائنس کھانین
 کے ساتھ پاس کیا تھا۔ ادا میرا ارادہ مجھے
 انجینئر بننے کا تھا۔ لہذا میں جسد پودا ناکی
 میں بغور اپرینش (پریپاریشن) بھرتی
 ہو کر کام کیے لگا اور ہر ادم لارینجنا تھا
 کے گھر میں رہنے کے وجہ سے انٹرسوامی دام
 کی زندگی کے حالات سن کر محفوظ ہوتا رہا۔
 وہاں سے میں نے پش پورنگ پور سنی اور
 میں انجینئرنگ کے لئے ادا ادا سے لیا تھا کہ
 وہاں جا کر کورس مکمل کروں گا۔ لیکن
 محنت میں کچھ اور بھی تھا۔ جسد جسد پور
 میں مجھے نا ایفائنڈ ہو گیا اور کلکتہ سے ڈاکٹر
 مجھے دیکھنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ کیونکہ اس وقت جسد پور
 جنگل میں ایک معمولی گاؤں کی حیثیت رکھتا
 تھا۔ یہاں تک کورس کو کوئی باہر نہیں نکلی
 سکتا تھا کیونکہ انڈیا میں خیر کھو مارکتے تھے۔
 کلکتہ سے پہلی مرتبہ میں نا انجمن میں گیا تو اسٹیشن
 ماسٹر نے دات کے وقت چلو کو ایک کمرے میں
 بند کر دیا تھا اور جسد پور جانے سے روک دیا
 تھا کیونکہ انڈیا سے میں خیر کھو کرتے تھے۔
 نیز دات کو کوئی آنے جانے کا وسیلہ بھی نہ تھا
 سیکر وائرڈ کی وجہ سے میری بیماری کا جملہ ہوا
 تو انھوں نے قضا کا کہنا کہ تندرست ہونے کے
 بعد میں واپس گھر آ جاؤں اور میرا کہ ادا ارادہ
 ترک کر دوں۔ کیونکہ والد میرے حرم اپنے حلالہ
 میں بہت زیادہ عزت و احترام دیتے تھے۔
 کے مالک تھے اور ہزاروں روپے کا مالدار کی
 آمدنی تھی۔ انھوں نے مجھے مار مار کر
 ادا کے کوٹنگ کر دیا اور میں واپس
 حافظ آباد چلا گیا۔
 جسد پور میں حسین انصافی سے مجھے

سوامی دو یکا نند کے ایک گورو بھائی سوامی
 اچھا اتد کے کچھ بکرہ سٹے کے خوش نصیبی
 حاصل ہوئی۔ یہ سوامی ہی امریکہ میں رہ کر
 ویدانت کا پرچار کرتے رہے تھے۔ ان کے
 لیکچر سے میں کافی متاثر ہوا تھا اور واپس
 گاؤں پہنچنے پر میں انگریزیت اور ایشیائی
 پڑھا کرتا تھا۔ کیونکہ یہ اے میں داخل ہونے
 کے لئے اسی جہ سات ماہ کا وقفہ تھا۔ والدین
 نے جب دیکھا کہ میں سنسکرت کی دینی کتابوں
 میں متہک رہتا ہوں تو انھوں نے مشورہ دیا
 کہ اگر مذہب کے متعلق مجھے مطالعہ کا شوق ہے
 اور تعقوت کے متعلق مجھے مطالعہ کا شوق ہے
 تو میں دوتی، حاذق، جامی، نفا سی اور
 سعدی کے فارسی اشعار کا مطالعہ کر دوں۔
 اور انھوں نے ان کی کتابوں کے پاس
 متین مجھے مطالعہ کے لئے دیں اور میں ان میں
 پوری طرح سے غرق ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب
 بی۔ اے میں داخلے کا وقت آیا تو میں نے
 اپنے بی۔ اے کے لئے انگریزی کے علاوہ جن
 دو معنایں کو اپنا تھا میں نے دونوں ہی اپنے
 معنایں سے جو پہلے کسی امتحان کے لئے کبھی
 نہیں پڑھے تھے۔ ایک انکس (اختیار) سے
 یہ تو اس زمانے میں شروع ہی بی۔ اے سے
 ہوتا تھا اور دوسرے معنوں فارسی لے لیا۔
 چنانچہ جب کا پ میں پہلے ہی سہ ماہی امتحان
 میں فارسی میں میکہ تمام پیرامیٹروں سے
 زیادہ میرا آئے تو میرے کچھ ہم طالب علم پروفیسر
 صاحب سے شکوہ کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم
 شروع سے فارسی پڑھتے چلے آ رہے ہیں اور اس
 شخص نے پہلی مرتبہ بی۔ اے میں فارسی معنوں
 لیا تو یہ کیسے اول آ سکتا ہے میکہ پروفیسر
 نے میرا پرچہ ان کے حوالے کر دیا کہ جب داغ
 خود آئے دیکھو کہ یہ اس قابل ہے کہ نہیں۔
 دوسرے دن آ کر انہوں نے پرچہ واپس کرتے
 ہوئے مجھ سے اور پروفیسر سے معذرت چاہی
 کہ وہ غلطی پر تھے۔ یہ پرچہ واقعی ان کی

کا جائزہ پڑھتی ہوئی تھی۔ ادا یہ سب ہوا
 اسی لئے کہ اس دوران سوامی دام تیر تھ
 کی تعلیمات کے زرا اثر میں نے نہایت دل لگی
 سے اپنے مطالعات میں مصروف رہنا تھا اور
 پوری پوری مسرت تھی۔ یہاں تک کہ بی۔ اے
 میں دو سال تک میں انگریزی میں آنرز
 معنوں کی تیاری کرتا رہا اور اسلامی فارم
 میں بھی میں نے آنرز کے لئے انگریزی ہی لکھا
 لیکن میکہ پشپس نے میرے فارسی کے پروفیسر
 کے کہنے پر انگریزی کا کٹ کر آنرز کے لئے فارسی
 لکھ دیا۔ کیونکہ پروفیسر کا یہ کہنا تھا کہ اگر یہ
 طالب علم فارسی آنرز نہیں لے گا تو کسی اور
 کے کا سیاب ہوئے گی ان کی نہیں۔ لہذا
 اس مختصر عرصے میں میں نے فارسی آنرز کی
 تیاری کی اور خوب دل لگی سے کام لیا اور کامیاب
 ہو گیا۔ بی۔ اے میں کا سیاب ہونے کے بعد
 اپنے والد محترم کے اصرار کے تحت نہ جانے چوتھے
 بھی لا کالج میں وکالت کے مطالعہ کے لئے
 داخل ہو گیا۔ لیکن آنرز کا نتیجہ جو نہ گئی۔ اے
 کے نتیجہ کے ایک دو ماہ بعد ہی شائع ہونا تھا
 اور جب آنرز کا نتیجہ نکلا تو فارسی آنرز سے
 میں پنجاب بھر میں اول آیا اور ہمارے کالج
 سے کسی اور طالب علم کی کسی بھی معنوں میں
 سوائے میکہ آنرز نہیں آئی تھی، مجھے ساٹھ
 روپے ماہوار وظیفہ کا بھی اعلان ہو گیا۔
 میرا فو شروع سے ادا ادا ام۔ اے فارسی میں
 داخلہ لینے کا تھا لیکن گھر والوں کے اصرار کے
 تحت لا کالج میں داخلہ لے لیا تھا اب گھر والوں
 سے بڑے فیصلے، جبکہ ساتھ روپے ماہوار وظیفہ
 کا میں حقدار تھا، اور اس وقت تمام فیصلے
 ویزہ کو تامل کر کے بندہ میں روپے ماہوار
 سے زیادہ خرچ نہیں ہوتا تھا۔ تو میں نے محکم
 ارادہ کر لیا کہ میں ام۔ اے فارسی میں داخلہ
 لوں گا۔ چنانچہ اس مقصد کو لئے میں حلقہ
 اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے
 میکہ حرم کو سراہا اور اتفاق کی بات کر

یو یو سنی کے خادسی کے پروفیسر اعلیٰ محمد
 اقبال بھی وہیں تشریف لے آئے جب ان سے
 گزارش کی گئی کہ مجھے ایم۔ اے خادسی سے
 داخل کر لیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ اب نصف
 سات ماہ پی ایم۔ اے کے امتحان میں رہ گئے
 ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب میں نے وضاحت
 کی کہ میں دو سال میں ایم۔ اے کرنا چاہتا
 ہوں کیونکہ وظیفہ تو مجھے دوسالوں تک ملے گا تو
 انھوں نے منظور فرمایا اور دس سالوں کے
 فارماہی کے باوجود میں نے لار کا پچھو دیا۔
 اور نیکل کا پچھو دیا۔ اے خادسی میں اصرار
 لے لیا۔ اس وجہ سے گری کی تین ماہ کی تعطیلات
 میں میں لاہور کا پچھو سٹیٹ میں رہا اور گھر
 نہیں گیا۔ اور اس دوران گھروں کی تنگی بھی
 کچھ جلی ہو گئی اور آخر ایم۔ اے کے امتحان کے بعد
 ہی گھر گیا جہاں گھروں کے آخری خاموش رہ کر اپنی
 ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ بالآخر ایم۔ اے
 کا نتیجہ نکلا تو معلوم ہوا کہ میں ایم۔ اے میں صرف
 کامیاب ہی نہیں ہوا بلکہ ایم۔ اے خادسی کی
 تاریخ میں پہلی مرتبہ جس نے فرسٹ ڈویژن سے
 حاصل کی ہے اور یو یو سنی کے تمام ریکارڈوں
 کو مات کر دیا ہے۔ اور اپنے کی اطلاع دینے
 والی تاریخ کے ساتھ ایک ڈوسری تاریخ لایا
 ساتھ دھرم کا پچھو سے موصول ہوئی جہاں سے
 میں نے اے آنرز کیا تھا، کچھ کچھ کا پچھو میں
 خادسی کا پروفیسر شینات کر دیا گیا ہے اور
 جس کسی ڈوسری جگہ کو کشش نہیں کریں۔ جب
 ان حالات کی گھروں کو خبر ہوئی تو وہ بھی
 خوش ہوئے اور مجھ سے یہ کہا کہ واقعی تم نیک
 راستے پر تھے۔ اور اس تمام کامیابی کا خوب
 سوامی رام کی کتب کا مطالعہ تھا۔

شعر اس میں نہیں شائع کیا گیا کیونکہ پہلے تو
 ممکن نظر چھ اشعار پر مشتمل اس طرح تھی ہے
 ہم نکلے یا ہے اے قلم نے نگاہ تو
 پہلے کو ہر خانہ اب کو ہر نایاب تو
 آہ کھولا کس اداسے تو نے داز رنگ و بو
 میں ابھی تک ہوں اسیر ابتداء رنگ و بو
 مٹ کے خوفانہ نگاہ کا خود شمع مستربا
 یہ شرادہ مجھ کے آتش خانہ آؤ بنا
 نفی استی اک کر شمع دل آگہ کا
 ’لا‘ کے دریا میں نہاں ہوئی ہے اللہ کا
 توڑتا ہے تپ استی کو ابر اسیم عشق
 ہوش کی دازوب کو باستی التسمیم عشق
 کیا کون نیند میں اس شاپہر مستور کی
 داز کو کچھ بیٹے ہیں جو سزا مستور کی

’بانگ درا‘ میں آخری شعر شائع
 نہیں ہے تو میں نے علامہ کی خدمت میں
 حاضر ہو کر عرض کی کہ یہ آخری شعر کیوں
 حذف کر دیا گیا ہے تو فرماتے تھے کہ ”شکوہ“
 ”گالٹری“ جیسی منظومات کچھ بڑے لوگ
 مجھ پر کفر کا فتویٰ صادر کر رہے ہیں اور اگر میں
 ایک خبر طلب کروں ”شاہر مستور“ کہوں تو وہ
 مجھے کہاں تھپس گئے۔ اس نے اس حرافات
 کو تہ نظر رکھتے ہوئے میں نے اس شعر کو
 حذف کر دیا ہے۔ دیے سوامی رام کی حرکت
 عظمت مسٹر دل میں بدستور حسب سابق
 قائم ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سوامی رام نے
 اپنی مختصر زندگی میں اپنی حقیقت کو اپنی
 طرح سے بیان کیا تھا اور ان کی نگاہ میں
 کائنات کا ہر ذرہ خالق کا ہی آئینہ دار ہے
 اور اقبال اس حقیقت کو جاننے کے لئے ہر
 گوشاں میں۔ اسی نے قلم لکھنے
 سوامی رام کی وفات پر جو تعزیتی قلم لکھا
 اس میں اس کا اعتراف کیا کہ وہ اس حقیقت
 کو جاننے کے منتظر تھے جسے سوامی رام نے

پایا تھی تو علامہ فرماتے ہیں ہے
 آہ کھولا کس اداسے قلم نے داز رنگ و بو
 میں ابھی تک ہوں اسیر ابتداء رنگ و بو
 اور یہ واضح حقیقت ہے کہ دونوں کے
 مرنے کے وقت کے ارشادات ان دونوں کی
 قلبی حالت کو واضح کرتے ہیں۔ سوامی رام
 تیرھ دن مرنے سے چند منٹ پہلے جو مصمون
 لکھا اس میں انھوں نے اپنی حقیقت کو کچھ
 الفاظ میں واضح کیا کہ ”میں کون ہوں“۔
 کہتے ہیں:-

”اد موت ای میک لائن اس

ایک جہم کو ہمیشہ اور اجسام ہی
 مجھے کم نہیں۔ صرف چاند کی کرنیں
 چاندی کی تار میں ہیں کرچیں سے
 کات سکتا ہوں۔ پیاز سی ندی
 نالوں کے جھیں میں محبت کا
 پھول گا۔ بحر تار کے لباس میں
 ہزارا پھول گا۔ میں ہی باغ و فخرام
 نسیم ستانہ کام ہوں۔ میری یہ
 مروت سیلائی ہر وقت روانہ
 میں رہتی ہے۔ اس کو دہا ہے
 پیازوں سے آراہنہ چھلے پودوں
 کو تازہ کیا۔ ٹھون کو ہنسیا۔ بیٹیں
 کڈ لایا۔ درد اڑھ کو کھڑکڑایا۔
 سونوں کو چمکا یا کسی کا آئینہ
 پونچھا کسی کا ٹھونکھٹا اڑایا۔
 اس کو چھڑا، اس کو چھڑا چھو چھڑا
 دھ گیا۔ وہ گیا۔ نہ کچھ ساتھ رکھا،
 نہ کسی کے ہاتھ آیا۔ ادمت مسٹ

اور علامہ اقبال نے مرنے کے وقت اپنی
 خانہ سے یہ خواہش کی تھی کہ کوئی ان کے لئے
 بنیانی کے مشہور شاعر جیسے شاہ کی یہ کافی ان
 کو سنا دے۔ بھیا کی جانان میں کون ہے
 یعنی وہ اس آخری وقت میں بھی یہ جانتا تھا
 تھے کہ ”میں کون ہوں“ کیونکہ ہر ماہر داز
 کو کشش کے وہ اپنی خودی کو نہیں جاننے کے

اور اسی آکر دو کو مرنے وقت ساتھ لے کر
کاش کہ میں جان سکوں کہ میں کون ہوں اور
کیا ہوں۔ اسی نے تو وہ زندگی بھر اسرا خودی
کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے لیکن نہ کبھی
اور اسی پر مطمئن تھے کہ ان کے اندر اپنے آپ
کو جاننے کی خواہش تو زندہ ہے بھی تو انہوں
نے حسرت بھری آواز میں فرمایا تھا کہ

سرورِ فتنہ باز آید کہ نایب

نیچے از عباد آید کہ نایب

سر آمد و زگار این حقیرے

دگر دلائل و ادان آید کہ نایب

یعنی زندگی خستم ہو گئی اور زندگی بھر کی اپنے
آپ کو پہچاننے کی خواہش بھی مٹ گئی کیونکہ وہی
تو سرمایہ حیات ہے اگر انسان یہ جان لے کہ
میں کون ہوں اور مجھے شاہ کی کافی کی مراد
سے وہ اس حسرت کا اعادہ کرنا چاہتے تھے
کہ کاش کہ میں جان سکتا کہ میں کون ہوں۔
یعنی میری زندگی کا اس جسم میں مخلوق ہونے
کا مقصد کیا ہے اور کیا میں اس کو جاننے میں
کامیاب ہو جاؤں گی کہ نہیں۔ یہی سرمایہ حیات
ہے۔ سو اجماعی رام نے اس کو جان لیا اور علامہ
اس کو جاننے کے لئے عمر بھر کوشاں رہے۔ ۱۹۳۳ء
کی بات ہے کہ علامہ اس زمانے کے جناب
جسلیو اسبلی کی ممبری کے لئے لاہور سے انتخاب
لا رہے تھے تو میں کئی دفعہ سنوں کو ہمراہ لیکر ان
کے انتخاب کے جلسوں میں جایا کرتا تھا اور ہم
دہان ان کی حمایت میں غصے لگایا کرتے تھے۔
ایک مرتبہ دہلی و دادا سے کے نزدیک رات کے
وقت ایک جلسے میں جا کر میں نے اسٹیج سے تقریر
شروع کر دی کہ اسے سنا تو فرائض خوش نصیب
ہو تم کو کھڑے جیسی بزمِ زندہ ہستی نے تم کو کوئی
کونسل میں نمائندگی کرنے کے فرض کو تسخیر کیا
ہے۔ اب تم لوگوں کا یہ فرض ہے کہ کیا تو ان کے
تہنکاب کو دستبرد دے دے کہ اسے بھوکا کر دے
اور اگر وہ اپنی ضد قائم رہے تو علامہ کہتے
زیادہ دوت دو کہ اس کی ضمانت ضبط ہو جائے

اگر ہندوؤں میں کوئی ایسی شخصیت مقلد
کے میدان میں ہوتی تو ہم اسے دستبرد دے دیتے
کے لئے مجبور کر دیتے۔ تم کو اس بات پر فکر کرنا
چاہیے کہ علامہ جسے جید عالم، خاں، فلسفی نے
نہاری نمائندگی کے لئے کھینچ کر منظرِ فرمایا ہے
میں اسٹیج سے پہلے آرا تو علامہ نے
میری پیٹھ منوٹھی اور خود اسٹیج پر قشرین
لاسے اور فرمایا ہے

زاہر تنگ نظری مجھے کا فر جانا

اور کا فر یہ سمجھنا ہے شنائت میں

یہ نہ کہ ہے ولی بھوکا ولی نہ کہ ہے

سُن کے ان دونوں فقرہ کو لڑائی ہوئی

دیکھ اسے بزمِ خود کو کھانا کھانے نہ کہ

جس چٹائی کو بھی ہوا نہ انسان چٹائی

علامہ فرماتے تھے یہ لڑکا سو اجماعی رام
تیرہ کی تعلیمات کا مقتصد ہے اسی نے یہ سیکھ
حق محمدیوں رہا تھا کیونکہ سو اجماعی رام نبی فرما
انسان کے رہنا تھے اور ابھی محنت و ہم آہنگی
اور انسانی خدمت کے نہ تھے۔

اس کے بعد دو دران ایم۔ اے اکثر
اوقات علامہ کے قدموں میں بیٹھے کا شرف
حاصل ہوا۔ اُدب پر سے عرض کیا ہے کہ میری
ایم۔ اے میں فرسٹ کلاس پنجاب یونیورسٹی
کی پچاس سالہ تاریخ میں فارسی میں پہلی
مرتبہ آئی تھی۔ لیکن ابھی جب قیمے کا اعلان
نہیں ہوا تھا اور ڈی کی میٹنگ ہوئی اور
امیدواروں کے خارجے سامنے آئے تو دیکھا گیا
کہ فرسٹ کلاس اور پہلی مرتبہ ایک غیر مسلم کو
یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس زمانے
میں ایم۔ اے کے پچاس پچاس پچاس خفیہ دول
غیر درج کرتی تھی اور امیدوار کو یہ معلوم نہیں
ہوتا تھا کہ اس کا دل نمبر کیا ہے اور کسی کو
کے پاس سفارش کے لئے بھی نہیں جاسکتا تھا
اور نہ ہی ممکن کہ یہ علم عفا کردہ جو یہ دیکھ رہا
ہے وہ کس کا ہے کیونکہ اس پر تو سرِ اعلیٰ نقل
نمبر درج ہے۔ بعد میں پورڈ میں جب اسکی

دول نمبروں کے ساتھ رزلٹ سامنے آیا تو
دو ایک مسلمان پروفیسروں نے اعتراض کیا
کہ ایک غیر مسلم کو یہ اعزاز نہیں ملنا چاہیے۔
علامہ جو کہ پورڈ کے صدر تھے انہوں نے کہا
کہ میرا ایک ہی سوال ہے۔ ممکن آپ ہیں
پرچے آپ نے دیئے ہیں۔ مجھے یہ بتائیں کہ یہ
ممبر آپ نے انصاف سے دیئے ہیں یا نہیں۔
انہوں نے کہا کہ ہم کو مطلقاً یہ معلوم نہ تھا کہ
پرچہ کس کا ہے۔ ہم نے پچاسوں میں لکھے جوابات
کو نظر میں رکھتے ہوئے چنے نمبروں کے صدر
تھے دیئے ہیں۔ تو علامہ فرماتے تھے کہ اگر ایسی
صورت میں ایک بھی غیر مسلم و پیش کیا گیا تو وہ
صدور سے مستعفی ہو کر اس واقعہ کو اخبار
میں دیں گے۔ یہ وہی سال تھا جب علامہ
آل انڈیا مسلم لیگ کے کھٹا میں صدر ہوئے
تھے اور آپ نے وہ مقالہ پڑھا تھا جسے
پاکستان کی بنیاد کیا جاتا ہے۔ اور اسی
واقعہ سے ان کی غیر فرزدادیت بالکل واضح
ہے۔ اس واقعہ کے مجھے میں کہاں جبر ہونے
تھی۔ تو دو سال بطور ڈگری پچھوٹا غیر
ہونے کے جن نے اس دور کی ممبری کے لئے
ایک بیت ایم پروفیسر (جن کا نام لیتا
واجب نہیں) کو شکست دی اور ممبر ہو گیا۔
پہلی ہی میٹنگ میں شامل ہونے کے لئے گیا
تو علامہ فرماتے تھے کہ خود دار ملے کھالیا؟
میں حیران کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ لہذا میرے
دہان کہنے پر آپ نے سارا واقعہ بیان
فرمایا اور مجھے معلوم ہوا کہ یہی پروفیسر تھے
جو میری فرسٹ کلاس کو روک دینے کے کھالیاں
تھے۔ لیکن یہ علامہ کی انصاف پسندی تھی
غیر فرزدادیت تھی کہ میری فرسٹ کلاس
پر فرادار ہی۔

یہ حقیقت بھی سب پر واضح ہے کہ
سو اجماعی رام بیکر ۱۹۵۵ء میں ایم۔ اے
پاس کرنے کے بعد سیالکوٹ کے کسی شخص
اورادہ خلیفہ میں سیکرٹری مقرر ہو کر گئے

تھے جہاں سے اسی سال علامہ نے ایف۔ اے پاس کیا تھا اور وہ لاہور گورنمنٹ کالج میں بی۔ اے میں جا کر داخل ہوئے تھے۔ اسی دوران گریجویٹ اور دیگر تعلیمات میں جب علامہ اپنے وطن ساکوٹ تشریف لائے تو لوگوں نے غلطی کر تھن اسکول کے سیکنڈ ماسٹر تیرتھ رام اپنے بچوں سے جوہد اکثر دیاں کی ہندو شکر چالیس کے برابر اہتمام دیتے تھے، عوام کو بالکل مبہوت کر دیتے تھے۔ اور اردو، فارسی، پنجابی، ہندی، سنسکرت کے سوادجات سے ایسا جادو کرتے تھے جو لاہور ہوتا تھا۔ علامہ بھی گاہے گاہے ان بچروں سے مشفقین ہوتے تھے۔ کچھ میسوز بعد ماسٹر تیرتھ رام لاہور مشن کالج میں پروفیسر ہو گئے وہاں ان کا علامہ ان کے خیالات سے متعلق ہوئے تھے نیز ان کے چارویں کھانڈہ سالے "ایف" کو بھی پڑھ کر نکال دیا ہوتا تھا۔

۱۸۹۹ء میں تیرتھ رام نے پروفیسری سے استعفا دے دیا اور ساکوٹ میں کسوامی رام تیرتھ ہو گئے اور علامہ انہیں اسی سال ایم۔ اے پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہو گئے اور دونوں ایک ڈسٹرکٹ کورٹوں سے اکثر فیصلہ ہوتے رہے۔

حق اتفاق سے لاہور میں ۱۹۳۷ء میں اپنے ایک طالب علم سے مجھے معنوی ولا تاروم کی وہ جلد میسر آئی جو کسوامی رام تیرتھ نے اپنے مطالعہ کے لیے خرید کر جلد کرانی مکتی ہائے پر کسوامی رام نے اپنا نام "دام بادشاہ" بھی لکھا تھا اور ساتھ ہی دو سہ نام علامہ اقبال کا تھا جو انہوں نے شیخ محمد اقبال بھی لکھا تھا اور سن ۱۸۹۹ء درج تھا۔ یعنی کسوامی رام اور علامہ اقبال نے جی کر مثنوی ولا تاروم کا ۱۸۹۹ء میں مطالعہ کیا تھا۔ اس پر دونوں کے ہاتھوں کے جا بجا نوٹ بھی درج تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ دونوں روحانیت کے سفر میں

ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ جیسا کہ نئے کتاب علامہ کو دکھائی تو انہوں نے تیرتھ فرامی کر دوڑوں نے جی کر اسی جلد سے مثنوی کا مطالعہ کیا تھا۔ بد قسمتی سے تیرتھ ملک کے وقت باقی سامان کے ساتھ وہ کتاب ملان ہی میں لوٹ کا نشانہ بن گئی۔

اگست ۱۹۰۲ء سے دسمبر ۱۹۰۶ء تک کسوامی رام تیرتھ جاپانی، امریکی، مصر وغیرہ ممالک کے دورے پر تھے اور ہندوستان کی آزادی، روحانیت اور ثقافت کے متعلق وہاں بیگرو دیتے رہے۔ اسی دوران علامہ لاہور گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے اور مشہور انقلابی لالہ ہریال اسی کالج میں ایم۔ اے کے طالب علم تھے۔ علامہ نے دیکھا کہ لالہ ہریال بیگ میں کریکٹیں ایسوسی ایشن (C.A. J.C.B) ظاہر عوام کی مدد کی آڑ میں لوگوں کو عیسائی بناد رہی ہے جن میں ہندو، مسلمان، سکھ، شامیل تھے تو علامہ کی صدرات میں ایک بیگ میں انڈین ایسوسی ایشن ۱۹۰۳ء میں قائم کی گئی اور لوگوں کو عیسائیت سے بچانے کا کام کرنے لگی۔ اس میں جو چند بھگت، شیخ عبد القادر، ذوالفقار علی خاں قزلباش شامیل ہو گئے جو بعد میں سب مشمول علامہ "سر" ہو گئے۔ اور لالہ ہریال اس کے سیکریٹری مقرر ہوئے جو بعد میں ظفر انقلابی ہوئے۔ فردی مشفقہ میں اس کا پہلا سالہ جلسہ ہونے والا تھا تو اس میں ایک خاص مقالہ پیش کرنے کے لیے علامہ نے کسوامی رام کو امریکہ میں خط لکھا کہ وہ کوئی اپنا مقالہ لکھ کر لائبریری فرمائیں۔ اور کسوامی جی نے اپنا بیگ "ہندوستان کے مسائل" *problems of india*

ارسال کیا جو اس سالانہ جلسے میں پڑھے جانے کے لیے تھا۔ لالہ ہریال نے صدر انجمن علامہ سے بھی تقاضہ کیا کہ وہ بھی کوئی اپنا مقالہ لکھیں جو اس دن خطبہ صدارت کے قریب

پڑھا جائے۔ لہذا علامہ نے مین اسس دن اپنی ایک مختصر سی نظم لکھی اور اس جلسے میں پڑھی۔ یہ وہی نظم ہے جو "ہندوستان ہمارا" کے نام سے معروف ہے اور ہندوستان کا نعرہ آزادی اور قومی گیت تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق خود علامہ نے اور سر عبد القادر نے بعد کو بتایا تھا کہ وہ ہند کا قومی ترانہ کسوامی رام تیرتھ کے بیگ کو ہی ٹھونڈ خاطر رکھتے ہوئے امر میں وجود میں آیا تھا۔ اور جب کسوامی رام تیرتھ کی وفات ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو ہوئی تو علامہ انگلستان میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں سے کسوامی رام کے متعلق تقریبی نظم لکھ کر "مزن" لاہور کو بفرض اشاعت۔ اور سال کی حق جو مجبورل عام ہوئی ۱۹۰۶ء میں میں نے لاہور میں کسوامی رام تیرتھ اسٹوڈی سرکل جاری کیا تھا۔ اس پر اکثر علامہ نے تقریبی کلمات ارشاد فرمائے تھے۔ لیکن چونکہ اس میں ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال جن کی والدہ سے ان کے تعلقات کچھ کشیدہ تھے، وہ آیا کرتے تھے جن کو کسوامی رام تیرتھ کے بڑے لڑکے مکن موہن جن سے ان کی شناسائی تھی، وہ لایا کرتے تھے تو علامہ خود اسٹوڈی سرکل میں تشریف نہیں لائے، اور دوسرے ان کی اپنی محنت کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ لیکن وہ ہمیشہ اسٹوڈی سرکل کی تحریف کرتے رہے۔

دسمبر ۱۹۳۲ء میں میں اور کسوامی رام تیرتھ کے بڑے لڑکے مکن موہن علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ کیونکہ میری شادی ۱۱ دسمبر ۱۹۳۲ء کو گجرات کے ایک اعلیٰ کلمہ خاندان میں ہوئی تھی اور فرامی جی نے اس کا دعوت نامہ لکھ کر حاضر ہوئے تھے۔ علامہ نے کارڈ کو ٹھونڈ فرمایا اور اس پر پڑھا کہ خدای گجرات میں، ہونے والی ہے تو فرمایا کہیں دل سے ڈھا کر تا ہوں کہ یہ شادی کا سیلاب ہو۔

آخر چہ یہ مجازات میں ہے۔ ہر سیکر دیانت کرنے پر کہ مجازات میں کیا عیب ہے کیونکہ میرے ساتھی مدن کو یوں بھی تو مجازات میں ہی رہا ہے ہونے ہیں۔ اس میں کیا بُرائی ہے۔ انہوں نے صرف نیک دعا میں دیں اور اپنی بیماری کی وجہ سے معذرت چاہی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ چونکہ علامہ کی اپنی پہلی شادی مجازات میں ہوئی تھی اور اس بھوی سے ان کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ اور انھیں کے بطن سے آفتاب اقبال پیدا ہوئے تھے۔ اسی نے علامہ نے مدینہ شکر اپنی نیک دعاؤں سے ہی نوازا۔ اور خدا کے فضل سے ان کی دعا میں کامیاب اور با اثر ثابت ہوئیں اور میری بھوی کے لیے ساتھ ساتھ ۳۵ سال نہایت بجا رحمت ہر آنکھ اس اور فرادے ساتھ گزری اور کبھی ایک ہل کے لیے بھی کسی نفرت یا خفا میں برامتی سے دو جا رہے نہیں ہوتا پڑا۔ یہ سب علامہ کی نیک دعاؤں کا ہی اثر تھا۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ علامہ کو چوتھوں کا شوق و شغف پیدا ہوا اور صرف ہوائی رام تیرتہ کی قربت کی وجہ سے ہی محتاج بن گیا علامہ نے گریج سے بی۔ اے۔ ڈی (دھرماتھ) کی ڈگری کا حصول جو کہ Development of Melancholy in Paradox تھا۔ اسی اثر کے تحت منتخب کیا تھا اور وہ بنی فرخ انسان کی سیری پہنچی اور خدمت کے لئے کوشاں رہے۔ ”بابگ درا“ سے قبل علامہ کی فادہ سی کی دو مکتوبات اسرار خودی“ اور ”رموز بیخودی“ اور ”سیری کتاب پیام مشرق“ یہ تینوں مکتوبات اور خدمات کے مسائل پر مشتمل تھیں اور شائع ہو چکی تھیں۔ چونکہ تصوف کا اہم ترین مسلک و فتاویٰ ہے اور سوامی رام تیرتہ کے ارشادات میں بھی جابجا اسی مسئلے کے تحت جو توبہ و علامہ نے سوامی رام کے اور مکتوبات کام کیا یہ نگینے نیک بیجا یا اور وہ شرفیاں تھیں جن کے مندر

حاکم میں بھی چھپے ہوئے۔ ان میں جو پیغام دیا گیا ہے وہ دنیا و دیندستان کی دلچسپی پر مبنی ہے۔ ہندوستان سے علامہ کو بے حد لگاؤ تھا اور وہاں کی تاریخ و بیان، فلسفہ اور ثقافت کے وہ سر تاپا کر دیر تھے تھی تو رام، تانک، گایتری، ہمالہ، کوتم برہم اور سوامی رام تیرتہ وغیرہ کو اپنی تعلیم میں جگہ دینے کے بعد اس کے ہم غیر فلسفے کا غور بلند کرتے رہے۔ اب چونکہ اس کا بیج ان کے خیالات میں بونے والے سوامی رام تیرتہ تھے۔ پروردگار سے بھی دعا ہے کہ وہ ان دونوں بزرگوں کی تعلیمات کو فروغ بخندے اور بنی فرخ انسان کو باہمی محبت اور ہم آہنگی کی طرف مائل کرے ہوئے یہ ملنے پر مجبور کرے کہ ”آغلق حیاں اللہ“ اور ”و سو دھو کھنکھم“ سب ایک ہی ہیں۔

بنی آدم اھنلے یکدیکر اندھ کر از آفرینش زدیک جو ہر اندھ جو حضور برد آرد و ذکا دگر حضور بار خاندن تہ راہ تو کز محبت دیکر ان بے غی تشاہد کہ نامت نہند آدمی

اقبال میں بھی رام ہیں اور رام دنیا کے دو سے دو سے میں سمائے ہوئے ہیں کاش کہ ہم اس حقیقت کو دیکھیں ہوئے سیدھے رہتے یہ جلیے کا حزم کریں اور کامیاب ہوں۔ یہ خوش قسمتی ہے کہ انار کے اور کامیاب بہار فرسٹ نے جناب راہمند ملہو ترہ کی نیک اور پاک قیادت میں یہ سیمینار علامہ اقبال اور سوامی رام تیرتہ کے موضوع پر منعقد کر کے بروقت یہ واقعہ کر دیا ہے کہ انہی موجودہ حالات خواہ کتنے ہی خواب کیوں نہ ہوں۔ ان کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کے لئے ایسے افراد کی کمی نہیں جو بنی فرخ انسان میں گہرے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے قرآن کے ارشاد ”لا تفرق بین“ اور ”و گ وید کے“ کو کامیاب سمجھو

مجھ کو ”اور گرتہ صاحب کے“ نامک نام جو روح دی کلا تیرے مجھ سے سربت و اصحاب کے قائل ہیں اور ہر طرح سے محبت اور باہمی رواداری اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لئے کمر بستہ ہیں اور کسی قسم کی خفا کرنا خواہ وہ دین نیک، زبان، نسل یا کسی بھی بنا پر ہو نہیں چاہتے تاکہ انسان کو انسان اور اللہ تعالیٰ کی آفرینش کا بہتوں غور نہ کیجئے ہوئے اسے نیک دعاؤں سے اور اپنا بھائی اسکے۔ اور سب کو یکساں سمجھا جائے۔ آج جب ہم مذہب دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ خودی کو سامنے رکھتے ہوئے انسان کس طرح دین دنیا، ایمان اور انسانیت کے اصولوں کو فراموش کر کے خود غرضیوں کی پیاس بجھانے کے لئے اپنے بھائی باپ وغیرہ کو بھی قتل کرنے سے گریز نہیں کرتا تو اس وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ سوامی رام تیرتہ اور علامہ اقبال کی زندگیوں میں ان کی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کی کس قدر اہم ضرورت ہے کیونکہ علامہ اقبال نے سوامی رام کے سلسلے میں ہی تو کہا تھا۔

”نئی آہنی اک کر شہ ہے دل آگاہ کا لا کے دریا میں نہاں توئی ہے والا اللہ کا خوشی کی بات ہے کہ شام مہانہ نہت انبالنے اس اہم اور مکتوبات کو فتح کر دیکھتے ہوئے اس سیمینار کا اہتمام کیا ہے تاکہ گمراہ راہ دنیا کو معلوم ہو کہ آج کے اس لامصلحہ کیجئے جانے والے مرض کا علاج ان دونوں بزرگوں کی تعلیمات کو عمل میں لانے سے ممکن ہے۔ اور انسان کو اس طرف مائل ہونا چاہیے تاکہ دنیا میں امن، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، ہمہ گیر محبت، یکسانیت اور خدمتِ نوع بشر کا جذبہ قائم ہو سکے۔ فرسٹ کو مبارکباد عرض کرتے ہوئے آپ سب حاضرین کا بھی شکریہ ہے کہ آپ نے اس نیک کام کو سر انجام دینے میں مدد کی۔

آج کے زمانے میں ایسے اولادوں کی
اور بالغوں میں ایسے فعال اداروں کی افادیت
اور اہمیت بہت زیادہ ہے اور اس کی جتنی
جی سرپرستی کی جائے ٹھنسیکے بخدا اس

२०

اُسے اپنا نام پتا تھا اور وہ بچے اپنا نام چاہتی تھی۔ ہماری پہلی ملاقات مول میں ہوئی تھی۔ میں اپنی ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد ایک کپ کافی پینے کے لئے وہاں گیا تھا۔ اس وقت گھوڑا سڑج پر اپنے نئی کا منظر پر کھڑا ہی تھی وہ جو بیروت نہیں تھی۔ اُس کی آنکھیں سبز تھیں اور حوزہ سے دیکھنے پر پتہ چلتا تھا کہ دونوں آنکھوں کے درمیان کچھ نہیں تھے۔ اُس کے جبڑے کی تہیاں نمایاں طور پر اُٹھنی ہوئی تھیں لیکن گھوڑی طور پر وہ خاصی بڑکھش گئی تھی۔

میں نے جب پہلی بار اُس کی طرف دیکھا تو مسکے دل میں اُس کے لئے عجیب سی کشش پیدا ہوئی۔ اس کی وجہ اس کے جب کے ایک خاص تاثر تھا۔ جس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ گانا ختم کرنے کے بعد وہ مسکے قریب رکھے ہوئے اسٹول پر آکر بیٹھ گئی۔ جب ہی میرے دل میں اُس سے بات کرنے کے خواہش پیدا ہوئی۔

میں نے بھی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اس طرح تم زیادہ دور نہیں جاسکو گی۔“

اُس کی سبز آنکھوں میں اُلجھن اُبھرتی۔ بولی ”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھتی۔“

”تمہارے گمانے کا انداز پُرانا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”آج کل پاپ میوزک زیادہ پسند کی جا رہی ہے۔“

”میں گمانے کو اپنا کیرئیر نہیں بنانا چاہتی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے کمرنگانا اور جڑ کا پسند نہیں ہے۔ جڑی حامیانہ سی حرکت لگتی ہے۔“

”جہاں تک میرا تعلق ہے“ میں نے کہا۔ ”مجھے تمہارا انداز بہت پسند آیا۔“

اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ ”حوصلہ افزائی کا شکریہ۔“

اُس کے بالوں کی خوشبو مجھے پر جاؤں کر گئی۔ میں نے کہا۔ ”مجھے واقعی تمہارا انسان

پسند آیا ہے۔“

اس نے ایک بار میرا شکریہ ادا کیا اور کافی پینے کے بعد اٹھ گئی۔

وہ مسافرانہ قسم کی بات جیت تھی ہم دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کا تعارف حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن غور یا کے جانے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میری نبض کی رفتار قدرے تیز ہو گئی ہے۔ یہ اس بات کی یقینی علامت تھی کہ میں دوبارہ وہاں جاؤں گا۔

اکمل شام میں دوبارہ وہاں موجود تھا۔ لیکن غور یا کے چہرے پر پہچان کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔ وہ گانا ختم کرنے کے بعد فوراً حرکت ہو گئی۔ البتہ تیسری شام وہ کافی پینے کے لئے کواٹرز پر آکر بیٹھ گئی میرا خیال تھا کہ وہ مجھے مول بھیجی ہوگی۔ لیکن جب اُس نے شکریہ میری طرف دیکھا تو مجھے خاصی حیرت ہوئی اور خوشی بھی۔

”معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں میرا اشارہ واقعی پسند آیا ہے۔“ اُس نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ پرسوں تمہیں میری بات پر یقین نہیں آیا تھا؟“ میں نے کہا۔ ”شکریہ کو اتنی جلدی تعریف پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ اُس نے کہا۔ ”مکوٹا لوگ عادتاً تعریف کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے سروادہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے میں تعریف سے زیادہ کھٹا قر نہیں ہوتی۔ میرا مطلب ہے کہ غلط فہمی کا شکار نہیں ہوتی۔“

”خوب! انسان کو حقیقت پسند ہونا چاہیے۔ بہر حال تمہاری آواز نے مجھے واقعی متاثر کیا ہے۔ جب میں نے سوچا کہ اب تمہاری گوانا ضروری ہو گیا ہے۔ مجھے چمکوں کہتے ہیں!“

اُس نے فوراً میری طرف ہاتھ بڑھایا بولی ”بہت خوشی ہوئی کہ تم نے مجھے تعارف کے قابل سمجھا۔“ اُس کی گرفت میں مضمون طبعی اور گرمجوشی پائی جاتی تھی ”میں غور یا پر د

ہوں۔“

”ویسے میں جم کھلوانا زیادہ پسند کروں گا۔“ میں نے کہا۔

اُس نے تقریبی نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی ”اور میں صرف غور یا پر۔“ اور یوں ہم دوست بن گئے۔ جتنی کے بعد میں غور یا کو ساتھ لیتا اور ہم آخری شو دیکھنے چلے جاتے۔ یا کار میں لمبی ڈرائیو پر نکل جاتے۔ یا کسی اچھے سے مول میں کھانا کھاتے اور خوب باتیں کرتے۔ وہ نہایت زیادہ باتیں کرتی تھی اور نہ بہت کم۔

بالآخر مجھے یقین ہو گیا کہ غور یا میری زندگی کی بہترین ساتھی ثابت ہوگی۔ جسے اسے واقعی چاہنے لگا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ بھی میرے ساتھ چلے جائے۔ جیسے ہی جذبات رکھتی ہے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ ایک ذہنی عورت ہے۔ بعض اوقات وہ اچانک ہی بے چین ہو جاتی تھی جیسے کوئی بات ہی بخار اُس کے شعور میں اُبھرتی ہو۔

ایک شام میں نے اُسے اپنے بارے میں کھل کر سب کچھ بتا دیا۔ اپنی خدای کے بارے میں اور سوسائٹی کی خود کشی کے بارے میں بھی۔ اس کے علاوہ وہ تمام باتیں بھی بتا دیں جی کی وجہ سے وہ خود کشی پر مجبور ہو گئی تھی۔

غور یا نے اپنے ہونٹ صحنے سے اُداس کے چہرے کی رنگت عجیب سی ہو گئی۔

”اوہ! میرے خدا! بالآخر اُس نے کہا۔“

”مکتی! افسوس! کہانی ہے۔“

”میں سوسائٹی سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔“ میں نے کہا۔ ”میرا خیال تھا کہ میں کسی دوسری عورت سے اتنی محبت نہیں کر سکتوں گا۔ میرا خیال غلط نکلا۔ تمہاری محبت نے میرے دل میں ایک بار پھر زندہ رہنے کی اُمید پیدا کر دی ہے۔“

مجھے تمہاری ضرورت ہے غور یا! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

اس نے دوسری طرف کندہ کر لیا اور
 ہونٹ کاٹے گئی۔
 "بلیز جرم! مجھ سے یہ سوال نہیں کرو۔
 میں جہاد ہی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتی۔"
 "لیکن میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"
 اُس کی آنکھیں غناک ہو گئیں۔
 میں جانتی ہوں جرم! لیکن بلیز... کیا ہم اسی
 طرح دوسروں کی طرح ایک دوسرے کا ساتھ
 نہیں دے سکتے؟"
 "جہاد! مطلب ہے کہ جہاد سے دل میں
 مسکے لے اس سے زیادہ جاہت نہیں ہے۔"
 اُس نے پکیپاتی آواز میں کہا "تم جتنی
 طرح جانتے ہو کہ میں نہیں دل و جان چاہتی
 ہوں۔"
 "مگھو ربا! میں نے کہا۔ تم مجھ سے کچھ
 چہار ہی ہو۔"
 "جرم! میں تمک بھی ہوں۔ بلیز میرے
 ساتھ اچھی اچھی باتیں کرو۔"
 میں نے اُس کا ہاتھ تھام لیا اور نگوئی
 ہوئی نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔
 اُس کی آنکھیاں ہرث کی مانند تھندی تھیں۔
 "مگھو ربا! کیا بات ہے؟"
 وہ کھڑی ہو کر اُس کی طرف سے اُسے
 جو نہیں چھوڑ سکتا۔ اُس کا ہاتھ لاکر بولی "جرم! مجھے تم
 چھوڑ آؤ۔ میں... آدام کرنا چاہتی ہوں۔"
 میں نے اپنی بات پر زیادہ زور نہیں دیا
 کیونکہ وہ اچانک ہی پریشان نظر آنے لگی تھی۔
 اُس کی سانسوں کی آندو رفت سے ظاہر ہوتا تھا
 کہ اسے اپنے جوش پر قابو پانے میں بڑی دقت
 پیش آ رہی ہے۔ میں نے اس کو موزوں کو آئندہ
 کے علاوہ اٹھا رکھا اور اُسے گھر چھوڑ آیا۔
 لیکن اس کے بعد میں نے جب بھی اُس
 کو موزوں کو چھیرنے کی کوشش کی وہ پریشان
 ہو گئی۔ اُس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ
 میری خاطر جان کی بازی بھی کھ سکتی ہے،
 لیکن خادی نہیں کر سکتی۔

جب کسی چیز پر ہر وہ ذرا لگا انسان
 کے سامنے رکھ دیا جائے تو وہ اس کی حقیقت
 جاننے کے لیے چہین ہو جاتا ہے۔ میری بھی
 کچھ ایسی ہی حالت تھی۔ میں مگھو ربا کو تکلیف بھی
 نہیں پہنچانا چاہتا تھا اور حقیقت بھی جانتا
 چاہتا تھا۔
 ایک روز کیپٹن کہیں نے مجھے اور نام
 کے لے روک لیا کیونکہ رات کی ڈیوٹی والا آفیسر
 اچانک غیر حاضر ہو گیا تھا۔ میں لوگ گیا
 ویسے بھی اس روز مگھو ربا سے ملاقات کا پروگرام
 نہیں تھا۔ کیپٹن کہیں نیا آیا تھا اور بہت با اصول
 آدمی تھا۔ اس نے میں اُسے بلاوجہ ناراض
 نہیں کرنا چاہتا تھا۔
 کچھ دیر بعد مگھو ربا کا فون آگیا۔ اُس کی
 آواز میں گھبراہٹ پائی جاتی تھی۔ اُس نے بغیر
 تمہید کے کہا "جرم! جلدی سے یہاں آ جاؤ۔
 میرے اپارٹمنٹ میں۔ بہت ضروری کام ہے۔"
 "لیکن میں تو اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔"
 میں نے کہا۔ "بات کیا ہے؟"
 "بلیز جرم! میں نے فون پر کچھ نہیں بتا سکتی۔
 مجھے کچھ پکیپاتی رہی تھی۔ جلدی سے آ جاؤ، جلدی
 اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔
 اس کا اپارٹمنٹ زیادہ دُور نہیں تھا۔
 میں اپنی کام میں میں چار منٹ کے اندر وہاں
 پہنچ گیا۔
 مگھو ربا کا چہرہ چاک کی مانند سفید
 ہوا تھا اور اس کی حالت کسی جرم ہے جوش
 انسان کی سی تھی۔ میں نے اُسے تسلی دیتے
 ہوئے کہا "ڈارلنگ! کیا بات ہے؟"
 اُس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اُس
 کے ہونٹ پکیپا کر رہ گئے۔ وہ خوفزدہ نظروں
 سے خواب گاہ کے آدھ کھلے دروازے کی طرف
 دیکھ رہی تھی۔ "وہ... کسے میں؟" اُس نے
 بخشش کہا۔
 میں اُسے چھوڑ کر خواب گاہ میں داخل
 ہو گیا۔ ایک شخص جنگ کی پائینٹی کی طرف

اور اُسے کچھ فرسہ پڑا تھا۔ وہ ایک ڈیلا چلا
 شخص تھا۔ میں نے قریب جا کر اُس کا جائزہ
 لیا۔ اُس کے کتوش کیلئے، مگر ہنسیں بھالیں
 سال کے درمیان اور قد چھوٹا تھا۔ اُس نے
 سیل میں حریف ہوا سوٹ پہن رکھا تھا۔
 میں نے اس کی نیند دیکھی اور مگھو ربا کے پاس
 جا کر پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟
 "اورہ جرم! میرا اسے قتل کرنا کوئی
 ارادہ نہیں تھا۔ یہ... یہ میں ایک حادثہ ہے۔"
 "مجھے تمہاری بات پر کوئی شک نہیں
 ہے ڈارلنگ! میں نے اُس کا منہ چھو چھوایا۔"
 "اعلیٰٰن سے ساری بات بتاؤ۔"
 مگھو ربا کی پکیپا ہٹ بند ہو گئی۔ اُس
 نے گہرا سانس لیا اور صوفہ پر بیٹھ کر بولی "جرم!
 میں نشہ کرتی ہوں۔"
 یہ سن کر مجھے سخت دھچکا لگا۔ اُس کے
 بارے میں جو حتمی حقائق و تصورات
 میرے دل میں موجود تھے، وہ چھوڑ دیے گئے۔
 یہ بات بھی مجھ میں اتنی کڑی خادی سے کیوں
 خوفزدہ تھی۔
 "اورہ! میرے ماگ۔ نہیں!"
 "جرم! میں تمک بھی تھی۔ ذہنی سے
 بیزار ہو گئی تھی۔ کوئی ڈکھ بانٹے والا نہیں تھا۔
 میرا خیال تھا کہ نشہ سے تنہا لیاں اور آداسیاں
 کم ہو جائیں گی۔ میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ مجھے
 کو اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دوں گی۔ لیکن
 مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ میں کس اب خطرناک چیز
 کی آسیر ہو گئی۔ میں نہیں سب کچھ سمجھتا تھا
 چاہتی تھی۔ لیکن جب تم نے سوس کے بارے
 میں بتایا تو میری ہمت نہیں بڑی۔"
 وہ بول رہی تھی لیکن میری وجہ نشہ
 کہیں اور تھی۔ میرے منہ کا ذائقہ تلخ ہو گیا تھا۔
 "یہ شخص کون تھا؟"
 "یہ شخص مجھے میری دین سے پہلے ہی کرنا تھا۔
 اس سے پہلے اس نے مجھ پر بڑی نظر نہیں
 ڈالی تھی۔ لیکن آج نہ جانے اسے کیا ہو گیا

تھا۔ جب میں پورس سے بچے نکالنے کے لئے
 خواب گاہ میں پہنچی تو یہ سب کچھ وہاں پہنچ گیا۔
 اس نے نہایت بے ہودہ انداز میں کہا کہ اگر میں
 اٹھ کر محبت جنوں کو روں تو وہ مجھے کم رہن میں
 ہیروئی سلائی کر دیا کرے گا۔ میں نے اس
 کے منہ پر پتھر مار دیا لیکن وہ باز نہیں آیا۔
 میں نے اسے زور سے دھکا دیا۔ وہ اپنا توازن قائم
 نہ کر سکے۔ اس کا سر فوراً منکسٹبل سے ٹکرایا اور۔
 "۔۔۔" وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ "یقین کر دو جم!
 میں نے منہ پھلے اپنے دفاع میں اسے دھکا دیا تھا۔
 میں اس کی جان بچے گا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔"
 "ڈانگ! مجھے تمہارے بیان پر کوئی
 شک نہیں ہے۔ تم ہمیں ہیٹو اہل اپنے ذہن
 پر کوئی فوج نہیں ڈالو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"
 وہ صوفے پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں
 میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

میں دوبارہ خواب گاہ میں گیا اور خدا بار
 نظروں سے فرشتے پر پڑے ہوئے شخص کو ٹھونسنے
 لگا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو نئی نسلوں کو
 تباہ کر رہے تھے۔ جو مزید بڑھ رہے تھے۔ لڑکوں
 کو قتل کر رہے تھے۔ ایسے لوگوں کو زندہ رہنے کا
 کوئی حق نہیں تھا۔
 چند ساتھوں بعد جب میں واپس آیا
 تو غموں پر اسی طرح صوفے پر بیٹھی سسکیاں
 لے رہی تھی۔

"جگر نہیں کرو ڈانگ! میں نے اسے
 قتل کر دی۔ ہر شخص تمہاری بات پر یقین کرے گا
 کہ تم نے اپنے دفاع میں اسے دھکا دیا تھا۔ اب
 اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دو۔"
 "جو سکتا ہے وہ میری بات پر یقین نہ کرے۔"
 "انہیں یقین کرنا ہی پڑے گا۔ جیسی
 بات تو یہ کہ تمہاری اس شخص کو کوئی دشمنی
 نہیں تھی۔ دوم یہ کہ اس نے تمہارے گھر میں
 تم پر ہرمانہ حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں
 پولیس اسٹیشن فون کرتا ہوں اور جب پوچھتے
 گی کہ روڈ والی مکتی ہو جائے گی تو میں نہیں اپنے

ساتھ پولیس اسٹیشن لے جا کر تمہارا بیان ریکارڈ
 کروادوں گا۔ میں کیپٹن کین سے کہوں گا کہ وہ
 ذاتی طور پر تمہارا بیان لے۔"

میرے خون کرنے کے چند منٹ بعد
 ایک اسکواڈ کا رواج پر پہنچ گئی اور انہوں نے
 ضابطہ کی کارروائی شروع کر دی۔ کچھ دیر بعد
 میں غموں پر اسی طرح کہ میرا کوئی اور نہیں تھا
 کیپٹن کین کو سادی ضرورت حال سمجھا دی۔
 یہ بھی بتا دیا کہ میرے گھوڑا کے ساتھ کیا اتفاق
 ہوا۔ اس نے پوری قوت کے ساتھ میری بات
 سنی اور ایک آفیسر کو بلا کر اپنے ساتھ گھوڑا
 کا بیان ریکارڈ کر دیا۔ اس نے غموں پر اسی طرح
 اس یقین دہانی کے ساتھ غموں کی حالات
 میں مجھ کو دیا کہ کل تک اس کی گمانت ہو جائیگی۔
 یہ کارروائی مکمل ہونے کے بعد میں
 نے کیپٹن سے چھٹی لی اور اپنے اپارٹمنٹ میں
 پہنچ کر اسکا جگہ کی پوسٹ نکال لی کیونکہ میں
 بے خود ہو جانا چاہتا تھا۔ ابتدائی چند جام کی کر
 میٹکے جسم میں گرمی پیدا ہوئی اور پھر پورے
 طاری ہونے لگی۔

تب ہی اتلائی گھنٹی کی آواز سنائی
 دی۔ میں پوسٹ نکالنے پر توجہ دے رہا تھا
 پہنچ گیا۔ دروازے کے سامنے کیپٹن کین کھڑا تھا۔
 "گولمر! کیا تم نشے میں ہو؟" اس نے
 پوچھا۔

"نہیں... نہیں تو۔" میں نے کہا۔ "میں
 تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ اندر آ جاؤ۔"
 وہ بغور میرا گھر لیتا ہوا اندر پہنچ
 گیا۔ میں نے پوسٹ نکالنے میں رکھ دی اور توجہ
 نظر آنے کی کوشش کرنے لگا۔
 "تم نے ضرورت سے زیادہ شراب
 پی رکھی ہے۔ کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"
 میری کمر پڑی میں گھنٹی بجے گی۔ "میں
 تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ تم کوئی میرا
 مطلب سمجھ رہے ہو۔ لیکن فی الحال ہم آپس

میں موضوع کو نہیں چھوڑتے ہیں۔ وہ ادا کر
 کر بیٹھ گیا۔ "میں تمہاری بیوی کے بارے
 تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"
 مجھے اپنے حلق میں کچھ اٹکتا ہوا محسوس
 ہوا۔ "سو سنو! کیا ذکر آ گیا؟"
 "اس نے خود کشی کی تھی؟"

"یہ سب کچھ دیکھ کر مجھ کو پتہ چلا ہے۔"
 "میں دیکھ کر ڈکی بات نہیں کر رہا ہوں۔"
 تمہارے منہ سے کچھ چاہتا ہوں۔
 "کیپٹن! یہ تمہاری بات ہو چکی ہے۔"
 "گولمر! کیپٹن سے سختی نہ کرنا۔"

کا جواب دو۔
 میں صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ شراب
 سادارنشہ ہوا ہو گیا۔ ہاں۔ سو سنو
 خود کشی کی تھی۔
 "کس طرح؟"

"اس نے اپنی گلاں کاٹ ڈالی
 تھیں۔"
 "دیکھو؟"

مجھے حلق میں بیونے لگی۔ وہ نشہ کرنی
 تھی۔ "میں نے بولے سے کہا۔" مجھے اکثر رات
 کی ڈیوٹی کرنا پڑتی تھی جس کی وجہ سے وہ
 تمہاری اور بوریٹ محسوس کرتی تھی۔ اس
 نے غلط قسم کی محسوس میں جانا شروع کر دیا
 تھا۔ ابتدا میں اس نے محسوس فریج کے طور پر
 نشہ کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن روزہ نشہ وہ
 اس کی عادی ہو گئی۔ جب مجھے پتہ چلا تو
 بہت آگے بڑھ چکی تھی۔ میں نے اس کا علاج
 کرانے کی کوشش کی لیکن اسے یقین نہیں
 تھا کہ وہ صحت یاب ہو سکے گی۔ بالآخر اس
 نے مایوس ہو کر خود کشی کر لی۔

کیپٹن کین کچھ دیر مجھے غموں پر اسی طرح
 بولا۔ "پہلے تمہاری بیوی اور... اب تمہاری
 انگلیتہ۔"
 "دیکھو!"

"کیا اسی وجہ سے تم نے یہ حرکت کی

”ہاں۔ قتل کے الزام میں یقیناً کہیں
 سنجیدگی سے بولا۔ جب تم نے پہلی بار سیدنا کو
 کا معائنہ کیا تھا تو وہ زندہ تھا پھر کہتا ہے کہ

”میدیکل ایجنڈا سترے جو اسٹرائپس
بروٹھا دی ہے اُس کے ٹکڑیاں مفلون کی کٹی ہوئی
پڑا ایک چوٹ کا نشان نہیں، مگر چوڑوں کے
نشانات پاسٹے گئے ہیں۔ یہ نشانات مفلون کا کسر
اس بیان کی تائید نہیں کرتے کہ مفلون کا کسر
ڈرنک ٹیسٹ نہیں دے سکا تھا، اس کے علاوہ
مفلون کے سبز میں سیاہ پاشن لگی ہوئی پانی
گئی ہے جو یقیناً تیارے بوڑوں سے لگی ہے۔“
مجھے ڈرنک ٹیسٹس پر پورا تھا جیسے
اچانک کسی نے خواب سے اس کو بیدار کر دیا ہو۔
تاہم میں کسی قدم طعنیں بھی تھا کیونکہ مفلون کو
ایک بڑی شخصیت سے پرانی مٹی ادا ایک
موزی حکم ہو گیا تھا۔

FO



جب فلمی ستارے مداح بن گئے



● اداکار سنجے دت اور ان کے مہمان نور محمدی ہوٹل کے کھانے سے تحفہ اندوز ہو رہے ہیں

فلمی ستارے جو ہر دم مداحوں میں گھرے رہتے ہیں، جب خود کسی کے مداح بن جائیں تو یہ ہجرت کی بات ہے۔ لیکن اگر آپ نور محمدی ہوٹل کی نئی نہاری کا ایک بار ذائقہ لے لیں تو پھر آپ کو تعجب نہیں ہوگا۔ یہ ہے ہی اتنی عمدہ، لذیذ اور صحت مند کھانا کہ پہلے ہی نزلے میں خواص و عوام کا دل موہ لیتی ہے۔ اسی لئے نور محمدی ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں بڑی بڑی ہستیاں، مشہور فلمی ستارے شامل ہیں۔ یہاں کی نئی، نہاری، بھیجی، پائے، ماش کی دال اور دیگر کھانوں کے پیچھے ۶۰ سال کا تجربہ اور جناب عبدالحکیم مالک نور محمدی ہوٹل اور ان کے فرزند خالد حکیم کی ذاتی نگرانی شامل ہے، جس نے اسے ممتاز بنایا ہے، آپ یہاں تشریف لاکر شوق فرمائیں، اپنے احباب کے لئے گھرے جائیں یا پائی کے لئے جائیں۔ آپ اور آپ کے مہمان ذائقہ کو نہیں فراموش نہ کر سکیں گے۔

نور محمدی ہوٹل، وزیر بلڈنگ 183/181 ای۔آر۔ روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی ۴۰۰۰۳

فون ہوٹل: 8511008 فون دفتر: 8516115

سرخ و سیاہ حاشیے

جیون لال شو ما لندن

اور پھر بھولے ہوئے سانسوں کے گویاں
کتیا اور کتہیا دونوں ہی برہنہ سرخ و سیاہ حاشیے
کی بھول کر نکلتی تھیں۔ ع
ہم نے دونوں کو دم سرخ و سیاہ حاشیے (دماغ)
لہذا بھول کے بھول کا پورا پورا مہینہ
اور پھر پورے پچیسے تک اٹھائے رکھنے کی بجائے
کتیاؤں نے خود ہی کٹم کا سایہ بھر و بھرا اٹھانا
شروع کر دیا ہے۔
اب ترقی پسند (یا بیدار و بیدار) لوگوں
کے سینڈ بیچ میں اپ اسٹاک، ادوج، اگینے اور
بس پاس کے ساتھ ساتھ کٹم کا پیکٹ بھی آتا
لگا ہے۔

ترقی پسندوں میں ایک خادہ ڈھلاک
بھی ہوتا ہے اور اب تو زمانہ ہے جی چنانچہ
ستاروں پر بستیاں بنائے گا۔ اس خادہ ڈھلاک
ہلاک کی خادہ ڈھلاک ترین دو خیزاؤں نے کٹم کو
کاؤں کے چھکے بنا لیا ہے جو ظاہر آؤ گاؤں کے

ہوتا ہے اور استعمال کے فوراً بعد چھیک دیے
جانے کی مناسبت سے باسنی بھی گتا ہے۔
سرکار کٹم کے پرچار پر لاکھوں پونڈ کی
اشتہار بازی کرتی ہے۔ ماں کو بے موقعہ محل کا
ڈرنگا دیتا ہے اور سرکار کو اینڈ کی میس ای
پھیلنے پھیلانے کا مشورہ۔
ایک سرکار کی اشتہار میں مشورہ سے کی
شائستگی اور لادیت کا انداز نکلتا ہے۔
"Dressed for The Occasion"
تو موقعہ محل کی مناسبت سے لباس پہنا ہی
مفید رہے گا۔

"ماں" اور "سرکار" کے ساتھ ساتھ
"کتیا" خود بھی بھگور مند رہنے لگی ہے اور "کتہیا"
کی غیر ذمہ دار طبیعت پر بھروسہ کرنا تو ک کہنے
لگی ہے۔

تو اکہ دے گا "تو ہی Goney
میں لانا بھول گیا۔"

ہولے نفس کا طوفان بھگورندہ گانی میں
(اکبر الہ آبادی)
دیوار مغرب میں آبادی بڑھنے کا کوئی نغرا
نہیں ہے۔ کئی نکلوں میں تو آبادی کم ہوتی جا رہی
ہے (مثلاً آسٹریا، مجیئم، جرمنی) پھر کبھی خود
کا پرچار مغرب میں بھی ہوتا ہے، اور خوب
انہوں سے ہوتا ہے۔ مائیں نکلوندہ رستی
ہیں اور سرکار میں بھی۔ گواہی نکلوندہ کی اعلیٰ
ارہم معش مشاوری قسم کا ہے۔
ماں اپنی کتیا کو بڑی فکر مند ہو کر مشورہ
دیتی ہے "مینی احتیاط برتو" یعنی بھروسہ رتو۔
ع۔ جن جن باری کہے سلیم شراب۔

(دماغ بھولی)
(نزدیک کو بہاں کو کٹم Goney
پہننے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ادو میں اسے کٹم
بھاڑا جائے۔ کٹم مشرق مغرب

سرخیان سہلارہے ہوتے ہیں ادا اصل تو غریب
گناہ کا دعوت نامہ بنے رہتے ہیں لذت آفریں
تو غریب کے ساتھ ساتھ "اعتیاد" کی ترکیب

بھی پیش قدمی ہے۔ مع
فروغیہاں کی سیاہی بھی ہے پانی پانی
(دکن پنڈودی)

(ایسی فارورڈ ترین حسینائیں انتہائے
مخصوص کیوں اور ناپرجگہوں میں بیجا جاتی
ہیں۔ جہاں پر دھن اور دھن کے لئے محض ایک
ہی چیز وہ کارہوتی ہے۔ وہ یہ کہ بوا سوتا ہو)

بدل جائے گا عیار شرافت چشم دنیائیں
(اکبر آبادی)

انگلینڈ، مالدیو، سویڈن، ڈنمارک...
تو اپنے آپ کو خوب ترقی پسند خیال کرتے ہیں،
جیکے آئرلینڈ پر نگال، اسپین کو بھڑے ہوئے
کھجا جاتا ہے۔ ان ملکوں کے ٹوک نئے قسم کے
کمیونٹک ہیں جو اپنی تہذیب، معاشرتی اور
اخلاقی اقدار پر خوب نازاں ہیں۔

اب ان سب پر وہ دینی ملکوں کے نظریاتی
اور اخلاقی فاصلے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک
تو ایڈز کی زد پر روز پھیلنے لگی ہوئی بیماری، اور
دوسرے کے یورپی ملکوں کا وہ روز پروردہ مافوق
اور کسمپاسی اشتراک۔ ای۔ ای۔ سی کی پوری
پارلیمنٹ کے تحت ملکی اخلاقیات کم سے کم ہوتے
جا رہے ہیں۔

لہذا کمیونٹک اسپین میں بھی بلا ضرورت
عمل اور نامزد ایڈز کو روکنے کے بہانہ
پسینہ کی ایک کیم شروع ہو چکی ہے جس کے تحت
۱۵ لاکھ سڈم نین ایمرز میں قطعی مفت تقسیم
کئے گئے ہیں۔ ایک pop گروپ کی جذبات
حاصل کی گئی ہیں جو گناہگار سرکاری سرگرمی
پبلسٹی کرے گا (اس گروپ کا نام بھی یک
معتزل یا نامعتزل سا نظر آتا ہے۔

Semen up سیمین اپ
جی نہیں۔ آپ سیمین اپ یا ٹمس اپنے کمیونڈ

گروہ ہے ہیں۔ اب سیمین اپ تو ایک نام ہے۔
اس کا آرڈو کیا دل کیا ہو سکتا ہے؟ چلے آپ
قطرہ سیاب "نہیں بیٹے۔"

اسپین میں بے خوف اور بلا اعتیاد
"قطرہ سیاب" کا اسکینڈل کر تیس ہزار
سے زائد تین اربع پتیاں ہرگز کس حد
رہتی ہیں۔ مزید برآں ایڈز کی نامزد بیماری
کی تشخیص اور علاج پر سرکار کا

۲۰۰۰-۲۰۰۱ (اصغر علی)

پسینہ سالانہ عروج اٹھ جاتا ہے۔
یہ تو جو اس کا دینی نظریہ جیکے جرج کی
طرز فکر اسکے بالکل برعکس ہے کمیونٹک جرج
کے معتبر سربراہ سرکاری طور پر لیون سے بہت
ناخوش ہیں بلکہ خوب کہ وہ صحت ہیں۔ ان کا خیال
ہے کہ اخلاقی قدموں اور اندہ ہی تعلیم کو توڑ کر
کا نتیجہ ہے کہ ایسی خفرت کا صورت حال پیدا
ہو رہی ہے۔

سہ روزہ محفل نے کیا ناپرجا
خوشیوں کے نشوونما کے آلام کے لیے
(دکن پنڈودی)

"اولیں شگفتہ شہنائی تھی۔"
(ناشر کاظمی)

خادی کے بعد کی جو پہلی رات ہے اسے
شہائے رات کہتے ہیں تاہم مشرقی معاشرے میں۔
شہائے کی سوچے ہی خاوند کا اعلیٰ و
أرفع سند پر طماننا ہونے کا۔ جو خاوند کی
آرٹی آواز سے گئی۔ اس کا روت رکے کی مغربی
معاشرے میں ایسا کوئی بندوبست نہیں ہے۔
خادی کوئی جم جتنا شر کا بندھن نہیں ہے جو
آگنی کی گواہی لے کر، وہ اور وہ ایک دوسرے
کے آگے پیچے ہو کر کچیروں کی شکل میں نمودار
کرتے ہیں۔

خادی اور شہائے کے ایسے اہتمام کو
پاکیزگی خیال کی آج کیے یا پسند نہ آجھان کی
پیداوار، مغربی طرز فکر میں یہ دونوں یک

صورتوں میں موجود نہیں ہے۔ یہاں پر خادی
قدیر کا کھجا ہوا سچوگ (باغیچہ کار وگ)
نہیں ہے، بلکہ جی مشغولی سے خراب یا باہوا ایک
گناہگار Comm ہے اور ایسے ٹھانے پر
اٹھنے کے لئے براہ راست اور گروم محض ایک قسم
کھاتے ہیں۔ آئی ڈو (do)

خادی کے بعد کی رات اگر شہائے رات
ہے تو یہ بھی ہوگا کہ ایک چاند چھاپے کو ٹھٹھ
میں، اک چاند کے سر پر سہرا ہے۔ کیا چھپنا
اور کس کا چھپنا؟ دبا مغرب میں تو خادی
کے بعد کی جدات ہے اسے پہلی رات بھی یقین
سے نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہ پانچویں یا چھٹی
بھی ہو سکتی ہے۔

مغربی سوچ پر ڈاکٹر سنگھ فرائڈ کے
انتظامی خیالات کا بھر پور اور واضح اثر ہے
ڈاکٹر موصوف کے مطابق جنسی جزیہ ایک بہت
ہی طاقتور محرک ہے اور کہ انسان کے تمام تر
افکار و خیال لذت پسندی سے جنم لیتے ہیں
لہذا خادی کی دسم لذت اندوزی پر مبنی ہے۔
مرد اور عورت کا بلاپ جنسی خواہشات کی
آسودگی کے لئے ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی
سماجی قبولیت ہی کا نام خادی ہے جیکہ
"دونوں جانب ہماروں میں جو خوش فتنہ را"
(اکبر آبادی)

اور جب جو شخص خوش فتنہ را گواہ کرے کے
لے خادی کے مضامین میں ڈال دیا جائے تو
ایک خبریں ملاقات کا باقاعدہ اہتمام خوب
چلائے کیا جاتا ہے۔ اسی مخصوص ملاقات
کو "ہنی ٹون" کہتے ہیں۔ جب شہد کی سی
لذت میسر کرے اور چاندنی کی سی کیف آور
آسودگی۔

گو یہاں کا کمیونٹک جرج فرائڈ کے فلسفہ
کا قطعاً قائل نہیں ہے۔ جرج کے سربراہ
یقین کرتے ہیں کہ عورت مرد کے مابین ایک
تکملہ برتہ قدرت نے قائم کر رکھا ہے جس

کی سماجی صورت شادی ہے۔ ادا کہ بہنی مومن
محض جنسی آسودگی اور لذت گیری ہی نہیں
بلکہ نسل انسانی کی بقا کے لئے ایک ضروری
دریغ ہے۔

ابھی حال ہی میں چرچ کے چند مضمون
میں ایک اور قضیہ شروع ہو گیا ہے۔
انسانی اضافے اور قوت اثر کے لئے شادی
شہنائی تو کیا پسینڈ (Husband)
اور بہنی مومن کی بھی جہاں ضرورت نہیں رہی۔
تاہم تین (ماہ ۱۹۹۹ء) "نئی"
ہے کہ ایک برطانوی عورت دنیا کی پہلی
کنواری اور گوری ماں بننے لگی ہے۔ برٹش
برگینسی ایڈوانسڈ سروسز (British
Pregnancy Advisory
Service) بی۔ پی۔ ایس۔ کے
ذریعہ انجام یہ محترمہ جنسی حمل کے بغیر
مضبوط طریقے سے حمل کے مراحل طے کر کے
گوری کنواری ماں بننے کی توقع رکھتی ہے۔
مزید دو گوری کنواریاں بھی لائیں گے لگ بھگ
(ہیں)

۱۰ مضمیناں کب نکاح کرتی ہیں
بھرتی اندام پر بارے
اتنی دور تک تو قرآن نے بھی نہیں سوجھا ہوگا
حضرت سے ضرور قبر میں کوفت بدل لی ہوگی
چوری چھپے گا گھر تو قریب قریب ہر
معاشرے میں بہت سی کنواریاں کھاپی رہتی
ہے عمر ایسی چورہوں کو حیران اور حیر
تہیز پر قرار دیا جاتا ہے۔ مغرب معاشرے
میں صورت حال قطعی مختلف ہے۔ یہ چھوٹی
مونی چوریاں، اخلاق اور مذہب اور تہذیب
کے دائروں سے کب کی نکل چکی ہیں۔ مگر اب
جو بونے لگا ہے وہ تو قطعی کے خلاف ہے۔
اس حیرت انگیز حمل کو مین قوتانی بنانے
کی مانگ بھری ہے۔ مگر وہ رحمت و رحیمیا
بائے نے ایسا کرنے سے حاف انکار کر دیا
ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ محض ضروری ہدایات

جاری کی جائیں گی جیسے بن باب کے بچے کی
پرورش کو ضرور دھیان میں رکھا جائے
وجہ و وجہ۔

تو کیا وہ وقت نزدیک ہی ہے جبکہ
مرد کی صحبت کو نا پسند کرنے والی کوئی
کنواری لاکھ ایک عدد بچے کو بانہوں میں
لینے کے لئے بیقرار ہو اٹھے تو کیا "لک رہی
ہیں بہار کی سانس" تو میں کسی سپرم
بنک (Sperm Bank) سے دفاع
کرے اور بھگوان سے اپنا آڈر کر لے بھی چند
قسطے "سیاب" کے لادو۔ انجکشن لے لیا
اور ہو گئی درجن بھر (Virgin Birth)
آجائے گا دل بھلاوے کے لئے ایک عدد بھگوانا۔
تو کیا ویسٹ میں زندگی ایسے بھی گزارا کر لی
کرے

"ایسے کسی کے سہارے کی آواز دے بھی نہیں"
(ساجد خاں لکھی)
غیر وقت ہی تائے گا کہ کنواری کسی
کروٹ لیتی ہے۔ ابھی تک قمر سے رشتہ
قائم کرنے کا دستور باقی ہے۔

رشتہ بہشت میں قرار پایا قرار داد
زمین پر لکھی گئی۔ گوری کھوٹھ میں مٹی یا
مہین اور مٹی گاؤں میں مقصد نسل انسانی
کی بقا سمجھا گیا، کہ محض جنسی خواہشات کی
آسودگی۔ اس کیف اگلیں رات کے
ایک صورت تو قطعی مرد و عورت عالمگیر حیثیت
رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ بہنی مومن کے ذمہ اسے
(یعنی شاعر) حقیقت کی بھی تیز بین نگاہیں
ضرور دوڑتی ہیں اور کہ
"انکھوں میں روکا ہوا تھا آنکھیں تھیں روکا ہوا"
(عشق بیگم آبادی)

نہیں صاحب نہیں! ایسی شاعرانہ شہرہ کی
کا احساس عام آدمیوں میں کہاں۔
ایک حالیہ سروے (پیمائش) میں
میں جو میں ماہر نفسیات اس نتیجے پر پہنچے ہیں
کہ ۳۳ فیصدی گروہ بہنی مومن کے وقت بڑی

اضطراری کیفیت میں مبتلا رہتے ہیں انکھوں
میں بھیجی ہوئے یاد ہو، پھر خود انکھیں
بار بار دروازے کی طرف اٹھ جاتی ہیں اور
سیدھا بے بس و کنارہ کوڑ کر گروہ مہیاں
اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ تسلی کرنے کے لئے
کہ کوڑ کی کنڈی خشک سے لگی ہوئی ہے۔

جنسی نیکیوں، مہم پر مہینوں اور
"میں آزادوں میں شب و روز گزارنے
والے لوگ بھی خلوت کے خواہاں ہو سکتے
ہیں ۹۔ م

اس وقت کوئی غیر نہیں آپ ہیں باہم
(دیکھو دیکھو)
پھر میں نہ جائے کس غیر یا کیا حیر کا قدر ہے
جوتائے جا رہا ہے ۹۹

سروے کے مطابق بہنی مومن کے اضطراب
کی دوسری تھیں یہ ہے کہ وہ لہوں کی
ایک بہت بڑی تعداد جن جن تیز ہیں وہ بھی
بھلیوں سے اس قدر وہی انتشار میں سے
بتلا ہوئی کہ طبیعت میں مناسب ٹھہراؤ
لانے کے لئے "مٹھے" کا سہارا لینا پڑا۔
ایسے دو لہوں کی تعداد ۹۱ فیصدی نکلی۔
اتنے سادے دولے راجہ بہنی مومن کے کرتے میں
داخل ہونے تو یوں م

میں اتہائے عشق میں غم کے بی گیا
(پیمائش آبادی)

سروے کا ایک اور سنسنی خیز انکشاف
بھی ملاحظہ ہو۔ ۴ فیصدی بھگوان ایسے بھی نکلے
جو جن جن کو کسی بھی طور رام نہ کر سکے بگڑت
لانے کا بہانہ کر کے کمرے سے باہر نکلے اور لوٹ
کر نہیں آئے۔ اوکس شب کشش کو سہانا ہونا
تھا، کجنت سونا کھلے ۴

انتظار ہے پہلو سے وہ مہر نسا سائی
اک روز تو ایسا بھی آغاز ہو جاتا
(عالمیاب تشنگ)

انتقاد

عبد الرحیم خان خاناں
شیخ سلیم احمد
۱۸۳ صفحات ذیلی سائز

قیمت: ۸۰ روپے
بچے کا پتہ: دفتر شاہ بندہ، نئی دہلی۔

اس کتاب میں عبد الرحیم خان خاناں کی سوانح طری، حالات زندگی، اُن کی مہمات، سیرت و شخصیت، علم و ادب، ادب و ادبی تفسیلات، تعمیرات، شیخ احمد سرہندی سے اور شاہزادوں کے ساتھ تعلقات اور اُن کی ہندی شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شروع میں خانات ہے۔ آج سہر میں کتابیات ہے۔ درجہ کے دو ہوں کا نمائندہ انتخاب ہے۔ سب کچھ مصنف کا ہی ہے۔ ۱۶۔

مضمت بات اس زمانے سے شروع کرتے ہیں جب سلطان سپاہی ہندو آفت کے لے اور ہندو سپاہی مسلمان سپہ سالار کے لڑائے تھے۔ وحدت الوجود اور وحدانیت کے نظریات اس سماج کی متحرک قوت تھے۔ مذہبی و ادارہ کی تھی۔ شیخ صاحب پرکھتے ہیں کہ حضرت شیخ احمد سرہندی کے منظر عام پر آنے سے یہ بساط اُنک جاتی ہے اور دوسری بساط بچتی ہے جس پر مذہب کا رنگ غالب تھا۔ مجدد العتانی کی آمد کے ساتھ ہندوستان میں اسلام کے احیاء کا آغاز ہوتا ہے اور بنیاد پرستی اور مکرر مذہبیت کا دور شروع ہوتا ہے۔ مجدد عبد الرحیم کے ہم عصر تھے خانیان

کی ہندی شاعری کے معاملہ کو خاصا مستند بنا دیتے ہوئے مصنف اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مذہب جو کہ ہندی کلام بیشتر خانیان ہی کا ہے۔ اکبر کے دور کا ذکر ہے جہاں شیخ بندہ الہی اور عبد اللہ سلطان پوری نے بھی بکثرت میں شاعری لکھنا شروع کر دی تھی۔ عوام پر ان کا اتنا اثر تھا کہ ان سے بادشاہ تک خوف کھاتا تھا۔ آخر میں اکبر ایسے علماء سے بدظن ہو گئے اور انہیں موقع ملا کہ وسیع اور آزادانہ حکومت قائم کریں۔

بیرم خاں کی زندگی کے حالات اس کی شادی اور خانیان کی پیدائش کا ذکر ہے۔ بیوہ بقال سے جنگ کی بات ہے۔ خانیان کے مرتبے کا ذکر ہے۔ دربار میں ریشہ دوانیوں اور شاہزادوں سے خانیان کے تعلقات کا حال ہے۔ تمام خوریاں اور خاندان بنائی گئی ہیں۔ خانیان کی زندگی میں اتار چڑھاؤ کی بات بھی کھلی کر بیان کی گئی ہے۔

آخر میں سب سے اہم اور ضروری حصہ رحیم کی ہندی شاعری کا ہے جس میں اُن کی شاعری کی تمام اصناف کا بھرپور جائزہ دیا گیا ہے۔ ہندی زبان کے ادق و ادبی تبادلات بیان کی گئی ہے اور درجہ کے کلام کی قد و قیمت متعین کی گئی ہے۔ یہ بات بہت قیمتی ہے۔ غرض مصنف نے کوشش کی ہے کہ خانیان کی ایک مکمل دستاویز بنادی جائے اور مصنف کا سیاق میں۔ خانیان کے سبھی پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

مصنف نے مجدد العتانی کا ایک خط صفحہ ۱۴۰ پر درج کیا ہے۔ یہ خط اقبیس ہے

دور نہ اصل خط جو مکتوبات امام ربانی فارسی میں چھپا ہوا ہے طویل ہے۔ پورے خط کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مجدد العتانی کے اندر غیبی شعلوں سے نفرت اور حقارت کا دریا بہا نہیں مارا ہوا تھا۔

مصنف کو شاید علم ہو کہ دراپانی فرشتہ اور یہاں تک کہ خسرو بھی ہندوؤں کو کافر سمجھتا ہے اور بڑے الفاظ سے یاد کرتے رہے اور شیخ سعدی نے ہندوستان کا آٹھواں باب ہی نظریہ سے لکھا جو سر اسر بہان ہے۔

بیوہ کو بیوہ بقال لکھا گیا ہے جو صریحا غلط ہے۔ بقال کے معنی ہیں سبزی فروش یا کو تھوڑا۔ بیوہ جہاں تھا اور آج بھی اسے خجرات اور بد دست جہاں مانا جاتا ہے بیوہ کو بنیا بھی کہا گیا ہے جب کہ بنیا کوئی لفظ نہیں۔ اسی بنا پر بنیا مقال مستحسن ہے جو صریحا اور سر غلط ہے۔

مختصات کے تمامہ جنوری نامہ پر ۱۰۰۰ میں محمد شمس الدین خانیان کا سواد ساگر مرتب کرنے اور گیت کا سنسکرت اور ہندی میں ترجمہ کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ شاید مصنف اس پر بدوشنی ڈالیں۔ میرے پاس بیوہ کے ایک اسکا لری گیت کے تراجم پر انگریزی میں مضمین مکتب ہے۔ اس میں خانیان کے گیت کے ترجمے کا کوئی ذکر نہیں۔ میں نے گیت کے تراجم حاصل کرنے میں محنت کی ہے۔ دو صد کے قریب جمع بھی کئے ہیں لیکن ایسی گیتا نوٹس میں نہیں آئی جس کا ترجمہ خانیان سے منسوب ہو۔

دام لعل نا جموی

مَنْ کہ مکتوبِ الیہ

محبت محترم، تسلیم!
 ”دلی کے شاعرے“ کو دلچسپی سے پڑھنے والے حضرات دلی جمعی
 کے لئے پڑھا کریں، مگر ہم تو اسے تاراجی و دستاویز کا درجہ دیتے ہیں۔
 کئی شعرا سے اس سہ فوٹو لقاٹا ہوئی، اور کئی شعوروں کا نا پسید
 کلام اس سہ فوٹو پیدا ہو گیا۔
 پرواں چٹیں کٹندے - شاد با شیدہ -
 گھر میں بدنام کیئے۔

کالی داس گپتا صاحب
 بمبئی

خدا آپ کی عمر دوا دے۔
 آپ کا
 سرفراز بختری

آجروئے صحافت، سرور صاحب!
 عجیب، کامیابیوں اور کامیابیوں
 ”خوشتر عمر“ کو یہ وقت بنانے کے
 موجب تھے، پڑھ کر، آگیا۔ میں بھی خوشتر
 مرحوم خود نہیں کہتے تھے، بیرون شتر کے لے
 اور حضرات ہی لکھا کرتے تھے، ایک دلہن میں
 انھوں نے مجھے بھی کام لیا مگر ایک حضرت
 مجھ سے کم ہوں پر تیار ہو گئے تو میں نے کہنے سے
 صاف انکار کر دیا۔ اس کا حشر یہ ہوا کہ
 اچیس بیسویں صدی کو فروخت کرنا پڑا۔
 محترم زادِ علاقے نے جتنی اصلاح
 میں جو نکات بیان کئے ہیں وہ واقعی ان سے
 انحراف کی کوئی غلطی نظر نہیں آتی۔ البتہ
 علامہ صاحب نے اپنے ایک شعر کے بارے میں
 جو اصلاح فرمائی ہے:-
 مشعب زارے

اس سال ہم نے یہ بھی منعقد کیا ہے کہ انعام
 کے اعلان کے ساتھ کئی سے اراکین کے نام
 بھی شائع کر دیئے جائیں۔ کئی سے اراکین
 اپنے فن اور صنف کے مستند نام ہوتے ہیں اس
 معاملہ میں کسی قسم کے غریبی اختیار کا سوال
 ہی پیدا نہیں ہوتا۔
 جہاں تک مجھے یاد ہے اور غالباً آپ
 کو بھی۔ ہو گا کہ گزشتہ سال مرحوم ذاکر
 حقیر آستان کو شاعری پر انعام دیا گیا تھا۔
 ”اقبال شناسی“ کی مانگ پاکستان
 میں بھی ہے۔ آپ وہ کتاب شائع کر سکتے ہیں
 مجھے خوشی ہوگی کہ کتاب کا نیا ایڈیشن آپ کے
 بیان شائع ہو رہا ہے۔ کتاب کی چند جلدیں
 میرے ریکارڈ کے لئے بھیج دیئے گا۔ شرائط
 کچھ بھی نہیں ہیں۔ جی چاہے تو کتاب کی اصلاح
 کے بعد یک منت دم
 دس اور پندرہ فیصد کے اعتبار سے جو
 آپ آسانی سے دے سکیں وہ مجھے منظور ہو گا۔
 اُمید ہے کہ آپ خبریت سے ہوں گے۔
 میں آپ کی تحریریں سنوٹی سے پڑھتا ہوں۔

محبی! سلام و نیاذ!
 مزاج والا؟
 ایک عرصہ سے آپ کی طرف سے کوئی
 نامہ و پیام نہیں۔ ”شاہ بند“ بھی کبھی
 لکھنے میں نہیں آیا۔
 خدا کرے کہ آپ تندرست و توانا ہوں۔
 سنبھلے آپ کی کوئی نئی کتاب آئی ہے۔
 ”مباہرات“ پچھنے کی غالباً کوئی
 صورت پیدا نہیں ہو سکی؟
 اور حال احوال کیسے ہیں؟
 غفص
 حاکم

برادر محترم، تسلیم!
 آپ کے خطا موثر تھوڑے سیٹ کا جواب
 آج ایک ماہ بعد لکھ رہا ہوں۔ اس زمانے میں
 بمبئی سے اور پھر ہندوستان سے باہر چلا گیا
 تھا۔ کل شام کو کہ اچھی سے تین ہفتے بعد واپس
 آیا ہوں۔
 اوروں کی زندگی کے انعامات میں کسی
 قسم کی جانب داری نہیں برتی جاتی۔ ہمارا
 اصول یہ ہے جس پر میں سنی سے کاربند ہوں کہ
 جو کتابیں انعام کے لئے آتی ہیں وہ اصناف
 کے اعتبار سے مختلف کیٹیگریوں میں تقسیم کر دی
 جاتی ہیں۔ اور کئی سے اراکین کی دوائے کا اس
 حد تک احترام کیا جاتا ہے کہ اوروں کی کیٹیگری
 باعزت کو اس میں کوئی تبدیلی کرنے
 اجازت نہیں ہے۔ اوروں کی کیٹیگری اپنی رائے
 کا استعمال صرف اس وقت کرتی ہے جب
 وہ ان میں یا دوا دہیوں کو برابر معیار لیا جائے۔

ساہتکار سمان

پنجاب سرکار نے اردو کے مقبول شاعر جناب جگر جاندھری کا ۱۹۹۰ء کے شرو میں ساہتکار اردو کے نئے انتخاب میں ۲۱۰۰۰ روپے (اکیس ہزار) نقد، ایک طلائی تمغہ، ایک شان ادب، ایک پرمشعل ہے، صوبے کا سہ سے بڑا ادبی اعزاز ہے۔ ادوارہ جناب جگر جاندھری کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔

طبع کی داد دیتا ہوں۔

ابھی تک ماہ فروری اور ماہ مارچ کے پرے مضمونوں پورے ہیں۔ آپ کی صحت و اچھی ہوگی۔ پچھلے دنوں چٹاؤ کے سبب میں بہت مصروفیت رہی۔

میں دوستوں کی ایما پر اپنی پڑائی پارتی کانگریس میں شامل ہو گیا ہوں چٹاؤ سے تاج بہت جلد سامنے آجائیں گے، کاش اچھے ایما مار لوںک دیش کی باگ ڈور سنبھالیں۔
آپ کا اپنا دلوارم شباب

حق کی راہ میں لے رہا ہوں کہ چنانہ کی کھانے ہیں یہاں دھڑکے چلنے والے (صلحہ ۳)

ادوارہ الفت میں ذرا دیکھ کر چلتا ہمارے منہ کے نرک نہ گھرے دور کے چلنے والے میں نہایت اردو کا ادبی سا طالب علم ہوں چٹاؤ جو محترم ذرا صاحب سے معافی کے ساتھ یہ کہنا چاہوں گا کہ عشق کی راہ اب زرا سبھل کر چلنے کے لیے آپ نے مجھے دوڑ کے لیے دے دیے ہیں یہ غزل کا مغل غلط چھپ گیا ہے "خون میں غم کے پورے ہم کو گھر آجئے" (گھر نہیں)

مقطع بھی غلط چھپ گیا ع "شادمان چہرے میں بس نوحہ کر آجئے" (چندوں کو بھی نہیں) "میرے خواجہ تاش" (ساحر جیسا پوری) کم جملوں میں اتنا کہہ دیا ہے کہ جس کا کوئی جواب نہیں۔

دیکھ توکا (ماہیا) بہت پسند آیا "گھر آن کا یہ دوہا" "اگلی ہو کر ہوسیدھی" "میرے اپنے خیال میں" "اگلی ہو کر یا سیدھی" "ہونا چاہیے" "ہو" کی تکرار کتنی ہے۔ مجموعی طور پر آپ کی محنت اور کاوش کی صمیم قلب سے داد دیتا ہوں۔

نیا ز آگیں
دلپ بادوں

جناب سرور تونسوی صاحب

آداب و تسلیات!
۱۳ اپریل کا تحریہ خذہ حفظ ملا۔
ادوارہ کتاب "دق کے متاع عرب" بھی جس کے نے مشکور ہوں۔ بلاشبہ یہ کتاب اپنے جتنے مثال آپ ہے۔ آپ کی محنت شاد اور افتاد

اردو کے دانشوروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ بہ کوئے یار

ایسی کتاب اب تک اردو زبان میں اس موضوع پر شائع نہیں ہوئی جو اس قدر دلچسپ ہو کہ ایک کے بعد ایک ایسی سچائی اضافی رنگ میں قاری کے سامنے آتی جی جیسے جان کر وہ ششدر و حیران رہ جائے۔

اس شرط پر کہ یہ کتاب منگائیے کہ اسے پڑھنے کے بعد اگر آپ کے دل و دماغ کے کسی گوشے سے یہ بھی سی آواز بھی نہ آئی کہ کتاب پسند نہیں آئی تو کتاب بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ واپس کر کے کتاب کی اداعدہ قیمت واپس منگائیے۔

قیمت: ایک صد روپیہ۔ "خانہ بند" کے خریداروں سے ۸۵/- روپے۔
رجسٹرڈ وصول ڈاک: آٹھ روپیہ۔ ایک صد آٹھ روپے کا منی آرڈر بھجوائیے۔
وی بی نہیں کیا جاتا۔ "خانہ بند" کے خریدار ۹۲/- روپے کا منی آرڈر بھجوائیں۔

شان بہن پبلی کیشنز

فلٹ ۵، انعام بازار، کٹ ادراک، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

شاعت کا

جلد ۵۲ شماره ۶

چیف ایڈیٹر
سرور تونسوی

جوائنٹ ایڈیٹر
مطرب محمد رائی

اشاعت کا
۵۲ واں سال

اس شمارے کی اہم جھلکیاں

پروفیسر کاہنہ جب گروہ کے پیرے پہن کر اودھیا تیسری رات کے گھر سے نکلتی ہوئی تھی تو ان کو ٹولیش نہیں ہوئی، ایک گونہ اطمینان ہوا۔
”اب کیا کریں“ سید حامد۔

جس وقت کلوم پاک کے حالات ایک بدعت نے ٹھکرتے ہوئے گھٹت میں ایک لپٹ والی کر کے خبیث کر رہا جلتے۔۔۔

”راجہ جگنندھی۔ یادیں اور تاقیات؟ ڈاکٹر باغیچہ خواتین
”وہ جگنندھی اصلاح“ فاروقی۔ ”نئی اور ڈاکٹر باغیچہ خواتین
چونکہ۔ (تحقیق و تنقید)۔ ”خون کی نگری“ اعلیٰ ترین حال
”پروٹسٹوینت یا روشن آراء نہایت بدستور است جو یوں پرکھیا
ملی یہ جھین کاغذی۔ ”دفن کا مقصد“ شہید جاسر جوی (کہاں تھیں)
خیر آستان اسائن احمد، آئیوب جوہر، مقصد صدیقی، دیپک فر
بریم سوکشین درد کی نزل ہیں۔
خوبی کی یادیں، محمد علی تاج اور آغا احمدی کی راجہ جگنندھی
پر غلیں۔
”ریاض السقا“ ”من کوکتوب الیر“ منتقل کاظم بدستور۔

پرنس، پبلشر، پروڈیوسر، ویڈیو پیکس، سرور تونسوی
طیعت، خواجہ پریس، جامع مسجد دہلی، مقام اشاعت، دفتر ماہنامہ
”شانہ ہند“ فلیٹ ۵، انصاری مارکیٹ، ندیا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

ہندو پرست ہوں نہ مسلمان پرست ہوں
دامن پرست ہوں نہ گریباں پرست ہوں
بروزہ وطن سے ہے قیاض مجھ کو پسند
یعنی وطن پرست ہوں انسان پرست ہوں
قیاض گواہی داری

ممالک غیر میں :-
بندوبست سندھوی ڈاک ۱۰۰/- روپے
بندوبست بھارتی ڈاک ۳۰/- روپے
قیمت فی شمارہ :- پانچ روپے
قیمت سالانہ :- پچاس روپے
وائف ممبری :- پانچ سو روپے

غزل

ڈاکٹر حقیر آستانی مرحوم



آج تھا جو کل نہیں تھا وقت اسی کا نام ہے
جس کسی کو دیکھئے وہ شخص تشنہ کام ہے
ہن کسی مطلب تو کوئی یاد کم ہی آئے گا
یاد اُس کی آ رہی تھی اُس کوئی کام ہے؟
چلتے چلتے، چلتے چلتے، یہی تو زندگی!
جس کو سب کہتے ہیں منزل بس اسی کا نام ہے
کوئی بھی منزل نہیں سب راستے ہیں راستے
دوستِ ناموں کی طرح یہ فقط اک نام ہے
منزلیں ہیں اُن گنت کس کس کی باتیں کیجئے
منزلیں ہیں آگے بچے یہ تو کوئی دام ہے
جیتے جی تو چین مل پاتا نہیں انسان کو
منزلوں پر چین ہوگا یہ خیال خام ہے
کام تھا تو ہر گز شعلہ بد اماں تھے حقیر
آج کل بے کار ہیں آرام ہی آرام ہے

بیل چ گفت: کان چیشید؟ و سب اچہ کرد؟

جناب سرور قوسوی علیہ السلام، اس نے ادارہ مذکور کے محترم
سید حامد صاحب سابق دانش چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے
ذہری خیالات پیش خدمت ہیں۔
مطرب صحرانی

اب کیا کریں؟

گوسنبھلنے اور پریشانیوں سے نکلنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ یا تو شکایت پیش
بین جاؤ، یا بے حسی کا لبادہ اوڑھ لو۔۔۔!

خوب کو دیکھ کر کے کے اس نے مجھ و شاہین
قدم اٹھائی ہے ہیں۔ اس کے وزیر مالیات
خری من ہو رہی ہیں نے پورے اتحاد کے ساتھ
کہا ہے کہ سرکار و شعاریوں سے بچنے کے لئے جو
جو قدم اٹھا رہا ہے ہیں وہ ہندوستان کی

اور قوت کہ ہندوستان سے الگ ہوجانے کی
کوشش، زبردستی یا فساد کی کوشش
حد تک کی، اقتصادی بحالی اور بے ایمان۔
لیکن ہندوستان ان سیاستوں سے باخبر ہے
ادان کے ساتھ ان کے لئے سرگرم عمل ہے۔ انتخاب

ہندوستان کے سامنے اس وقت بہت
سے مسائل ہیں۔ ایک سے ایک زیادہ جن فرقوں
اور جموں کے درمیان باہمی عداوت، وبائی شخص
ہیں ہنسنا، تو نہ برکستی، تشدد، دہشت گردی،

مہینت کو جاندار، پتہ دم اللہ پیش رفت پیش
 بنا دیں گے۔ غلہ کہتے کہ ایسا ہی ہو۔ زندگی کی
 یہ علامت بھی ہے اور اگرناش بھی کہ مصیبت کو
 موقع، بد حال کو حمیز اور عسرت کو حشرت میں
 بدل دیا جائے۔ جنونی بندے کو بہن اس وصت کا
 ثبوت دے چکے ہیں۔ وہاں کے نابین سبکدوں
 سال بلکہ ہزاروں سال کے غلوں کا بدلہ لینے کے لئے
 جب آخر کھڑے ہوئے اور نوکریوں پر بہنوں کا
 جو اجارہ تھا اسے چکنا چور کر دیا اور نوکریوں کے
 دروازے ان کی موجودہ نسل پر بند کر دیے تو
 انھوں نے دکھ بھری آنکھیں کھینچا، نہ زنا دکی،
 نہ بھیا ر ڈالے۔ بلکہ کسلی اور صنعت و حرفت
 میں بڑے بیانیے پر لگ گئے۔ صنعت و حرفت کسی
 کی نہیں نہیں ہے۔ جو سرمایہ لگے گا اور پیشیاری
 کے ساتھ محنت کرے گا، وہ اس کے سبب کھلے گا۔
 اسی ہندوستان میں مسلمان بستے ہیں۔
 ایک بہت بڑی اقلیت کی شکل میں۔ ان کی حالت
 دنیا پر ہرگز زیادتی ہے۔ لیکن وہ یا تو خشکیت
 کہتے ہیں یا تار اور فریاد، یا دم سادہ کہتے ہیں
 بے چینی اور بے سندہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں تو سچے
 اور پریشانیوں سے بھرنے کے وہ ہی طریقے ہیں۔ یا
 تو خشکیت پیش کر جاتے یا بے حس کا بابہ لڑھک
 تو جس نام کی کوئی شے ان کے دفتر میں ہے ہی
 نہیں۔ ان کی حالت، شوہر و بھو اور آفتی کچا کا لڑھک
 بعض ان خطوں سے کیا جاسکتا ہے جو اندو اندازوں
 میں چھپے ہیں۔ ان باتوں کی طرف جو قوموں کے
 زندگی میں اہم ہوتی ہیں، ان کا دھیان سرے
 سے جاتا ہی نہیں۔ اگر ان مراسلوں میں کسی سے
 معقولوں پر بھروسہ ہوتا ہے تو وہ نفس معقولوں کا
 اور رک کر کے کہجائے معقولوں نگار کی زبان
 بکڑے تھیں، یا اس کی نیت پر سہ کر بیٹھتے ہیں۔
 تجربہ معقولوں خط ہوتا ہے۔ اور اگر وہ جواب
 دیتے تو ایک لاجسٹک بحث کا سبب بنتا رہتا ہو
 جاتا ہے۔ حزب معقولوں نگار جو کہہ کر پانچا تھا
 وہ نہیں کہہ پاتا اور ہم جس حال میں ہیں، اس طرح فکر
 پر لگے، وہیں رہ جاتے ہیں۔

اسکے ہندوستان میں مسلمان بے ہیں ایک بہت بڑی
 اقلیت کے شکل میں۔ اُن کے حالات دینے بدلے جبر تے
 جارہے ہیں لیکن وہ یا تو شکایت کرتے ہیں یا نالہ و فریاد، یا دم
 سادہ دیتے ہیں بے چینی اور بے سندہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

یہ بحث میں نہیں پڑیں گے کہ ایک یا کئی مسلم یونیورسٹی
 کے چانسلر کے شایان خاص صاحب کی کہ نہیں / اسی
 مسئلے کو عارف محمد خاں صاحب نے منتخب کیا کہ
 پہلے دو بار وہ اس سے جیت چکے تھے۔ دو بار
 تھے اور چھٹا بار اس کا امیدوار ہمارے ان دو بھند
 قاضیوں کو براہِ رحمت کر کے (روای میں داخل ہو گیا
 جناب لکھنؤ کے ڈوٹریا جی جیٹے سے حسنہ قادیان صاحب
 اور چھٹے صاحب نے اپنی باہمی ہمسرد آؤ زمان
 کے ذریعے دوسروں کے لئے راہِ صفا کر دی۔ ہند
 شہر ضلع سے تین مسلمان امیدوار کھڑے ہوئے اور
 کوئی جیتنے پر مدافعت نہ ہو کر اچھا لکھتے خاں۔
 حرفان انہ خاں۔ اور کسرو خاں صاحبان۔
 چنانچہ تینوں ہارے اور ماتے پر خاندان کا کلک
 اگ لگا لایا۔ تینوں محفلوں سے پہلے مسلمان چن
 کر آیا کرتے تھے۔

چنانچہ میں مسلمانوں کی بد حالی اور بے غری کی
 ایک وجہ اور یہی ہے (اور اس کی اہمیت چنانچہ کے
 مدعو سے کہیں آگے نہ بھاگتی ہے) انھوں نے بڑے
 اس سرکار کے کولہا کر دیا جو عبادت کے اکثریت کی
 طرف سے خیر نشینی سے۔ اس بات سے بھی ہم
 اس وقت گز رہے ہیں جسے کہ اس اہم پوئی نے مسلمانوں
 نے کس حد تک اپنے آپ کو محو کیا اور اس کو
 برادر کرنے میں ہندوؤں کا کتنا ہاتھ ہے کہ مسئلہ
 تفصیل چاہتا ہے۔ لیکن اس محرومی اور ناداری

راہم کا دوسرا ضمن ان حالات کی طرف ہے
 جو تازہ چٹاؤ سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ حالات۔
 ہندوستان میں مسلمانوں کے طوائف نہیں ہیں۔
 اس کی ایک موٹی سی فضا یہ ہے کہ آبادی کو چھتے
 ہوئے جتنے ہندوستان میں مسلمانوں کو، کیش جیت
 کر آتا تھا، ان کے آدھے بھی کامیاب نہ ہو پائے۔
 سرکاری نوکریوں میں ان کا تناسب اپنے حق
 کے چوتھائی سے بھی کم ہے۔ ملک کے استعمار میں
 شریک ہونے کی یہی ہدا ہیں :
 (۱) لوگ بھا اور وہ جان سبھاؤں میں،
 یعنی مرکز میں اور دیا سنی قانون ساز مجلسوں میں سے
 معقولوں اور طوائف شرکت اور۔
 (۲) ملانہ میں یا چندہ میں مناسب
 نمائندگی۔

دوسری راہ کو ہم نے بے خبری اور بے عملی
 کے ہاتھوں لکھ دیا۔ پہلی بے شکلی ہے دانش لاد
 خود خوں ہے بھر لاد ہے انگور چٹاؤں کے ملنے
 میں ہم کو ایٹھے۔ ہم نے اپنا بھی نہ ہو سکا کہ ایک
 جگہ سے ایک معقول امیدوار کھڑا کرتے۔ کئی کئی
 امیدوار کھڑے تھے اور شکست کھا کر راہم کی نظر
 اس وقت انتخاب کے تین معقولوں پر ہے۔ تینوں
 آؤ برودیش میں داغ ہیں۔ بہرائج کے علاقے
 سے ڈاکٹر طاہر، اتر میں قدوائی چانسلر علی گڑھ
 مسلم یونیورسٹی کھڑے ہوئے (ہم اس وقت اس

کو حاصل کرنے کے لئے جتنی مسلمانوں نے ضرور
کئے۔ فترہ داری میں جس کا جتنہ کہتا ہے، اس
کی تحقیق آگے میں کرنا تو یہ کریں گے۔ راقم دو ایک
مثالیں دے کر آگے بڑھ جائے گا۔ ہمیں شکایت
ہے اور بھلائی پر شکایت ہے کہ سادھوی و ستمرا
اور شریعتی انا بھارتی کی تقریروں کے کیڑوں پر
ہندوستان کے ایک سکرے ڈسٹرکٹ سیکرٹری
لگا دی جس کا ایندھن مسلمانوں کو بننا تھا، لیکن ان
سے پہلے جن کیسٹوں کو ہم نے ہاتھوں ہاتھ لیا
تو مشن دل سے سنا، وہ یہ کہ تم خشتاں انگلیستہ تھے۔
اشتمال انگیزی کا یہ آگ لگنے والا اور باغی
خیرا نہیں کی کہ ہمسرہ کرنے والا سبیلہ خاں پہلی بار
منظر عام پر انعام گروہ کے ایک ٹھکر کی تقریروں سے
شرع ہوا۔ ان کی زبان کی اہل تو بالآخر خوشامد
پر تپا سنگھ صاحب نے انہیں اپنا بالیاں لے کر
بجھادی۔ لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے والے وہ ہندو
خواہین نے جو فتنہ و فساد پھیلانے میں ان کی بہت
آگے بڑھ گئیں ہندوستان کی زمین کو مسلمانوں سے
کے لئے تنگ کر دیا۔ یہاں ایک شخص کی عداوت انہیں
برآئی تھی، وہاں یہ کام زبردستی تنظیم کے ساتھ
کیا گیا۔ فتنہ پھیلانے، جذبات کو بھڑکانے۔
بھگت سب، خرافات اور خوش ہمالی کے ساتھ
کرنے کا کام چلیے بھی کیا اور خطیہاؤں نے بھی
سوچے کہ نقصان کیس کا بننا۔ نقصان کا حساب نہ
معلوم کہ تنگ کیا تا بڑے گا۔

بھئی میں شری بال تھا کہ نے شیو سیدنا
فائم کی جو وہ سترنگی کے خلاف تھی، لیکن مخالفت
کی تان بالآخر مسلمانوں پر ٹوٹی۔ ہمارے جامع مسجد
کے امام صاحب نے اس کے جواب میں "آدم سینا"
بنانے کا اعلان کیا۔ آدم سینا اعلان سے آگے
نہیں بڑھی (ادب یہ اچھا ہی ہوا) لیکن اُن سے
کے اعلان سے ہندوستان بھر کے ہندوؤں کو مسلمانوں
کے اور ان کی طرف سے بدمذہب لگان کر دیا۔ اور
جنگ کے لئے آمادہ۔

اگرچہ ڈسٹرکٹ ہندوؤں کی بے بصری
اور غیر فترہ داری کا مذکر کیا جائے تو بات آگے

بڑھ جائے گی۔ کہنا یہ ہے کہ ہمیں اس بات پر کون
(شکس نہ خفا چاہیے کہ مسلمانوں نے کسی فتوے
کے تحت، بمقابلہ کو بھی بڑی تعداد میں دھوکے
دینے اور اس سے بھارتیہ جیتنا پاؤں کی کین آئی۔
اور کا ٹھکر میں کو ٹوٹر اکثریت نہیں بن پائی۔
کا ٹھکر میں ہوا کوئی دوسری پارٹی، مسلمانوں نے
اس کے حق میں خیر خلائی تو کبھی نہیں ہے۔ ایک عام
چناؤ سے دنیا کا خلافت نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کو
چاہیے کہ ہندو کے خلاف دل سے نفع نقصان کا جائزہ
لیں۔ پارٹیوں کے طرز عمل اعلان کے سربراہوں کی
نیت کو پرکھیں۔ یہ بھی سوچیں کہ ان کا فترہ داری
الحاق کی بنیادوں کے ساتھ جو تاجا چاہئے۔

سیاسی پارٹیوں کو دوست اور دشمن کے
خانے میں رکھ دینا، ایک کے لئے سرخو کا ناٹک
کو بیروں دکھانا جو شرمندہ اور صحت کے خلاف
ہے۔ راقم کی اپنی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو توئی پسند
سیکور اور پیش رفت آمادہ اور تعلیم دوست سیاسی
پارٹیوں کی طرف ایک نئے اصول کے طور پر اتحاد کا
ہاتھ بڑھانا چاہیے لیکن وہ یہ بھی کہنا چاہئے کہ انہیں
ہندو انتہا پسند پارٹی سے بھاگنا چاہئے۔ اس کی بات کرنی چاہئے۔
اور اپنی صحت حالات ادا اپنی طرز فکر ادا اپنے رُخ
سے آگاہ کرنا چاہئے۔ ٹیکے ہوئے اور فائی کرنے کے
انوار میں۔

یو پی کا جینہ جب میروے پکڑے ہیں کہ اور دھیا
جے سری رام کے قرب لگائی ہوئی گئی تو راجستھان کو
تشریف نہیں ہوئی۔ یک روز اعلیٰ میں ٹھکر ہاؤس
کے دکھانے والے دان ہیں۔ ان کی تالیفیں وہ اپنے
تبعفوں (دو ٹروں) کی تابین قلوب کے لئے کر رہا
ہے۔ کا ٹھکر میں کوئی نگہانی نہیں ہے کہ اس کے باہر
سادری پارٹیاں بڑھ گئی ہیں یا نہیں۔ جیسے ہم دشمن
سمجھتے ہیں اسے دشمنی میں پختہ کرنے کے لئے کیا
جو مشن شرمندہ کا قضا ہے نہیں ہے کہ اس کی خلافت
جہاں دھوکے کی جاہلی ادا اس کو اگر دوست بنانے
کی کوششیں ناکام ہوتی ہیں تو بھی اس کی دشمنی
کی دھار کو قریب جا کر گھس دیا جائے۔

بعض لوگ بہت بولی نظر کرتے ہیں کہ جتنا

میں مسلمانوں کی مخالفت فراموشی نے انہیں کہیں کا
نہ دکھا۔ کا ٹھکر میں کے عہد فترہ داری کے ہر ایک کارکنوں
کا ساتھ چھوڑ کر مسلمانوں نے اپنی مخالفت خراب
کری۔ وہ بھڑکے۔ بے ذہن ہو گئے۔ اس باغیہ پر
زیادہ تال کر کے ضرورت نہیں ہے اس لئے اپنے
تو ہوتے ہی رہتے ہیں پہلے ہیں ان کا نام نہاد
رہناؤں سے بھی باغی کرنا چاہیے خصوصاً جمادی
وراء کو گئی۔ اپنی ذاتی اعتراض اور ان کی خاطر دشمنوں
نے ہم سے ہر روز بد رفتاریوں کا سلسلہ اس میں
یا بری مسجد ایٹھ کیسٹیں کے جیتے سربراہ بھی
شامل ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی انائی فکشن اور
اپنی شخصیت کی توہین کے لئے پارٹیاں بناتے ہیں
اور حسبِ صحت ان کو دشمن بھی کر دیتے ہیں۔ اور
جن لوگوں نے فرقوں کو ایک فترہ کے خلاف بھلا
ہے، وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بہت ان کے ہاتھوں میں
کھلنے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ اس سے سمجھتے
دیتے ہیں۔ اتنی ہی فترہ داری کے ساتھ جیسے بچے
کھلوں سے سمجھتے ہیں۔ وہ اسے تو نہیں دیتے ہیں۔
اگرچہ اپنے رہناؤں سے احتساب نہیں کیا، تو
ہمیں سمجھنا اسی قسم کے رہنا چاہئے۔

تسلیم کے بعد کوئی اجتماعی کام نہیں چاہیے
اور ڈاب ہو سکتا ہے۔ اس وقت ہم لوگ ہر محلی
کام کو جس کا فائدہ جمادی ذات تک محدود نہیں ہے
یکار کا دوسرے اور بگاڑ کھتے ہیں۔ ہم کسی اجتماعی
کام کے لئے بیٹھنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ہمسایہ
اجتماعی کام کے لئے تیار ہونا چاہئے گا، اگرچہ جمادی
کام کی حدود ہے اور وقت سے ذکی تو کوئی کہے گا!
ہر اگر یہ کریں تو ہندو دنیا کے نتائج سے بھرمانے کی
ضرورت ہے نہ اپنے رہناؤں کی صحت رہیں نہ خیر
اور ملت فراموشی سے۔ جہاں اور اقتصاد اور کرنے
میں گف جائے، سیاست محدود ہو جائے پھر ہوش
ہو جائے گی۔ جو لوگ ہوش و غش اور بڑے کی
تیز سمجھتے ہیں دنیا ان کی فترہ داری ہے اور انہیں
سبز دان دکھانے کا نظر ادا کرنے کی جبرست نہیں
کرتی۔

آپ کی
اور آپ کے کاروبار میں
ترقی کا ضامن
ہو گا



نصف صدی سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک اہم اور منفرد
حیثیت کا حامل
ہو گا

آپ کا اپنا بینک

بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹو بینک لمیٹڈ

(شید ولف بینک)

جو سماج کے ہر طبقہ کا ساتھی اور مددگار ہے [۱۰] جہاں فارم ان کمپنیز سے متعلق سبھی سہولیات دستیاب ہیں [۱۰۰] جہاں جمع کی گئی رقم پر دوسرے کاروباری بینکوں

سے ایک فیصد زیادہ منافع ملتا ہے

ہمارے کھاتے دار ہی ہمارے سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

عازمین جو کھینے نر مبادیہ کے خصوصی انتظامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین معیاری خدمات کا نمونہ ہیں

دھلی آفس
۳۶۵۵ نیتاجی سہاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵

فلورنس گنج ڈیپارٹمنٹ
۳۶ نیتاجی سہاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۶۶۲۳۷، ۳۲۶۶۲۳۸، ۳۲۶۶۲۳۹
ٹیلیکس ۳۱۰۶۶۸۲۳ ZAININ

مہیڈ آفس
بین رنگون والا بلڈنگ
۷۸ محمد علی روڈ
بمبئی ۴۰۰۰۱۸ مہاراشٹر

راجپوت گاندھی

یادیں اور تاثرات

ڈاکٹر ہاشم قدوائی

کامیاب جتن نہ دیے جلنے کی حکایت اور انڈو کو
پانی اور دوسری دیا ستوں کی دوسری سرکاری
زبان جلنے کے معاملے پر انھوں نے کھنکھائی
دلا کر وہ ان تمام مسئلوں کو حل کر کے شمس افس کی
یہ جینی امداد بے اطمینانی کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ امد
اس سبیلے میں انھوں نے وزیر اعلیٰ کے پندرہ نکاتی
پروگرام کی پیش رفت کا خاص طور سے ذکر کیا، امد
راجہ اشٹور سے یہ بھی کہا کہ سب سے زیادہ ضرورت
اس کے دیکھنے کی ہے کہ جنسی سطح پر کہاں تک آہستہ
پروگرام پر عمل ہو رہا ہے۔ اسی طرح منادات کے
بارے میں بھی ان سے متعلقہ بارگشت ہوئی اور
انھوں نے ان منادات پر نہ صرف گہری تحقیق
کا اظہار کیا بلکہ انتظامی مشینری کے ناکامہ پن
بھی احتراز کیا۔ اور اس کا بھی کرار گہری فہم لے لے
لوگ رائے سنسنی میں ہیں اور ان پر ہر سستی
حکومتوں کو ٹوٹ کر سنو دل ہو تو وہ یاد تازہ
مظالم نہ ہوں جن کی تمام طور سے شکایت رہتی ہے۔

مشہور قومی رہنما رفیع احمد قدوائی صاحب (جن سے
راجہ اشٹور کا بڑا گہرا اور قریبی تعلق تھا) کی طرح
اسی نشاۃ ثانیہ سے روزانہ سینکڑوں لوگوں سے ملنے
مہرے۔ بھی ان کے جیسے پرستار نہیں دیکھے۔ لوگ
ہر قسم کے کام لے کر آتے تھے اور وہ ان کی مسرت
زبان سے مطمئن ہو کر جاتے تھے۔
جس وقت کلام پاک کے خلاف ایک بدعت
نے نکلتے پانی کو رت میں ایک رات وانکر کہ اسے نہ
کر لیا جائے اور مسلم کا گھر میں مہمان یا رہنما کے
ساتھ راجہ اشٹور کا جو گمانہ می صاحب سے بلا
تو انھوں نے ہم لوگوں کے احساسات کی پوری تائید
کی اور بتایا کہ وہ لاہور مرکزی حکومت کے سائینس
جنرل کو ملنے بھیج دے ہیں اور مغربی ممالک کے وزیر
اعلیٰ سے وہ اس بارے میں بات کر چکے ہیں۔ امد
خاندان کو سکریٹری این بی بی بی بی بی بی بی بی بی
اسی طرح ایک ملاقات میں مسلم سائنس دان
کر سکرادی ملنے متوں امد بلک سائنس دانوں

عظیم المرتبت رہنما راجہ گاندھی سے
جن کی پیش رہا جان فطرتی قوتوں کی سازش سے
ملک کے اتحاد و سالمیت و نہر ہی مدد داری اور سیکولرزم
اور جہد کی بقا کے حکم میں ہر تربت اور سفاکیت کا
نشانہ بنی ہے، راجہ اشٹور کا گہرا اور قریبی راجہ
تقریباً سات سال کا رہا۔ اس وقت میں ان سے
درجنوں ملاقاتیں رہیں۔ مختلف ملکی اور قومی مسئلوں
پر ان سے خط و کتابت رہی اور اس محبوب فرید پنجا
نے ہمیشہ بڑی قوت سے راجہ اشٹور کی باتوں کو سنا
اور انھوں نے اس کے پاس سے جواب دیا۔ ہر
ملاقات میں انھوں نے ہمیشہ شکرا جیسے استقبال
کیا کہ یہ معلوم تھا کہ ۲۱ مئی کی رات کو یہ شکرا تا تھا
چہرہ ہمیشہ جیسے کے لئے جہد ہو جائے گا اور بھی نہیں
نہ دیکھنے کوئے گا۔

راجہ جیو جس زمانے میں وزیر اعظم رہے
اور جس زمانے میں وہ اس عہدے پر نہیں رہے

چنانچہ قریب میں جب آئے مگر ادا کرنا تک میں مضاد ہوئے تو انھوں نے ان دونوں ریاستوں کو دیکھ کر اصل کو متعلق جوئے پر مجبور کیا، اس بنیاد پر کہ ریاست میں اس زمانہ کا قلم نگار نہ براہ عمل کی ذمہ داری ہے۔۔۔ اگر وہ غم نہ رہ جائے تو کانگریس ایکشن مینیجمنٹ میں مضادات کے ستر باب کھیلے جہاں اقدامات کا وعدہ کیا گیا ہے، انہیں وہ پہلی فرسٹ میں عمل جامہ پہنائے۔

ان کی وزارت فغلی کے فقدان ایک تازہ یا مضبوط بنانا یا کرشمہ پندرہویں کے اعلیٰ کردار کو، جسے مسز اندامہ نامی نے تسلیم کر لیا تھا، مطلق ختم کر دیا جائے اور گورنر کو جو نو سو سی کی سپریم گورننگ باڈی ہے، مضبوط بنادیا جائے۔ اس سادش میں مرکزی شکر تعلیمات کے بڑے افسر اور بعد کو ریٹ و ایجنس چائلڈ شائل ملے۔ لیکن جب راجپوت کو اس بارٹ میں راقم، اسٹوڈنٹے بنایا تو جوائنٹر سروس میں ۲۳ مئی کے بعد گورنر کی میٹنگ ہوئی اور اس میں انتخابات ہوئے جس میں اعلیٰ کردار کے محالوں کو زبردست شک اٹھائی ہوئی۔ راجپوت بڑے معاملہ جہز تھے۔ منٹوں میں وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے راجہ سچاں سچو بادامیا جو کہ انھوں نے پوزیشن بلڈوں کے محلوں اور اعتراضات کا جواب بڑے سکت انما میں دیا۔ صاحبزادی میں وہ اپنا جواب نہیں دے گئے تھے اور راجہ سچاں سچو جنوں بادامیا انھوں نے جبرست جواب سے اپنے منتر میں کو جواب کر دیا جس سے ہر جہز وہ جھٹے تھے، پوری تیاری کے ساتھ بولے تھے۔ اور تقریر سے وہاں جب دوسری پارٹیوں کے ممبر اعلیٰ فوسے تھے تو وہ ان کو ذرا سن سکن جواب دے گئے۔

جب سپریم کورٹ نے شاہ باؤکیس کے بارے میں فیصلہ دیا تو مسلمان بہت مضطرب ہوئے اور جوائنٹر ۷۸ میں جسما مشوں سیٹھی شروع ہو کر اور صاحب شاہ والا صاحب نے اس مشوں کا بنی پیش کیا کہ مسلمانوں کو صاحبزادہ ادا دی کے متعلقہ دفتر سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور راجپوت نے

کانگریس کے مسلم ممبران باؤکیس کو غور و خفا کیا۔ اور قلمی دادر صاحب نے سپریم سے اس کی رائے شاہ باؤکیس کے فیصلے، مسلم پرسن لا اور نہات والے بن کے بارے میں ہدایت کی۔ اور بعد میں کا تقریباً اس پر اجماع تھا کہ حکومت شریعت مطہرہ سے انھوں پر مبنی ایک بن باؤکیس میں لائے۔ ڈوسکر دن مسز جبرست اندھ کی قیادت میں ۲۲ مئی کانگریس ممبران باؤکیس اس بارے میں راجپوت سے بے ادرمان سے بھی مطالبہ دوہرایا۔ راجپوت نے ہم لوگوں سے ایک ڈرافٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ وزارت قانون اس کا پوری طرح سے مطالعہ کرے اور اس کے بعد قانون کا مسودہ بنائے مسلم پرسن لا بورڈ نے بھی اس قسم کا ڈرافٹ راجپوت کے سامنے پیش کیا۔ بورڈ کے ذمہ دار حضرات مان کی قیادت میں راجپوت سے بے ادرمان سے بڑی ہی مضبوط گفتگو کر دی۔ باؤکیس مئی ۲۸ میں باؤکیس سے مسلم مطلقہ خواتین بن پاس ہو کر راجپوت نے بڑی پارٹی اور استقامت سے اس بن کو پاس کر لیا اور زبردست مخالفت کے باوجود اپنے موقف پر اڑی رہے۔ کانگریس پارٹی میں پارٹی ان کی اس موصوف پر بڑی ہی جامع اور معقول تقریر ہوئی جس میں انھوں نے کہا کہ اسلام نے حدود کو انتہائی مضبوط پوزیشن عطا کی ہے انھوں نے اس مسئلہ پر راجپوت کو مسز کرنا کہ ایک مشرک یا یکساں بول کو ذائقہ کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے ملک کی قیمتی دوائیوں کا عظیم مختصر کچھ کرے بالکل مانی ہوگا۔ ہمارے ملک کا اشیاء پر غور یہ رہا ہے کہ یہ مختلف مذہبوں اور نسلوں کا گہوارہ رہا ہے اور یہ سب تہذیبیں اور مذاہب برابر پہنچے بچوتے رہے۔ راجپوت کا مذہبی نے کانگریس کی دے اسے پر حق کر سکا تھا اسے اس خاص مذہبی مسئلے کو کانگریس اور پارلیمنٹ سے منظرہ کرایا۔ لیکن اس کے باوجود یہ سب سیرت کی انتہا ہے کہ مسلمانوں کا سچا ایک ڈوسکر سیاسی شخصیت کو غمراہ کیا جائے۔ راقم اسٹوڈنٹے مرا سے مختلف کلن بن

ادھ سیاسی مسئلوں پر کانگریس پر اجماعی اہتمام میں شائع ہوتے رہے تھے ادرمان مراسلوں کے تراشے بڑی پابندی سے میں راجپوت کی خدمت میں اپنے مختصر خط کے بھیجا کرتا تھا۔ وہ بڑی پابندی سے اس کی رسید اور اوقات اس پر اپنی رائے کا اظہار کر کے راقم اسٹوڈنٹے کو بھیجتے تھے۔

کانگریس کے تنظیمی امور کے بارے میں سے راقم اسٹوڈنٹے ذرا فانی بھی گفتگو کی اور کچھ تجویزیں بھی ان کی خدمت میں بھیجیں۔ اس پر انھوں نے بڑی سنجیدگی سے غور کیا اور بعض تجویزوں سے اتفاق کیا۔

وزارت فغلی کے زمانے میں بھی ادر وزارت فغلی کے بعد بھی وہ رمضان الیاء میں دعوت افراد کا اہتمام کرتے تھے اور مسلمانوں کا استقبال اپنی دلکش اور محض شکرانہ سے کرتے تھے۔ ان کا بڑا ہی درد مند دل تھا۔ کسی کو وہ تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کانگریس پارٹی کے کارکنوں کی مصیبتوں اور دکھوں کو وہ خوب سمجھتے تھے ادرمان کی امکان مدد کرتے تھے۔ راقم اسٹوڈنٹے کو اس کا بخوبی علم ہے کہ انھوں نے کس طرح پریشان حال کانگریس کارکنوں کی مدد کی تھی کہ وہ کے ایک کانگریسی کارکن کی بیوی کو کینسر ہو گیا تھا۔ میں نے اس بارے میں راجپوت کو کھانا اور انھوں نے ایک محفل راقم کا ڈرافٹ علاج کی غرض سے مجھوا دیا۔

وہ رواداری، وضع داری، بیش بہا علم و تجربہ، شائستگی، شرافت، اپنے فانی اور دلیری کا مجسمہ تھے۔ انھوں نے اپنے عظیم المرتبت نانا پنڈت جواہر لال نہرو اور عظیم قائد اپنی ماں شریعتی اندامہ گاندھی کی روایتوں کو دہر دہر کرنا کو اپنا لیا تھا۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک اور قوم کی خدمت سے ملاؤ تھا۔ وہ رات دن اسی ادھر رہتے رہتے تھے کہ تک ترقی کر کے آگے بڑھے۔ اس کی فطرت اور یکیت دہر ہو۔ وہ محض اللہ متنی اعتبار سے معبود و موجد و مبدعیت اور سکون راہم شکم سے شکم رہا اور سیاسی طرز

بھی نہ کئے کہ ملک ان کی ہر براندہ قیادت سے محروم ہو گئی۔

مُراسلات صاف اور خوشفہم کہیں۔

کے نہ بروست مخالفت کے اور باکا حرا بنی طاقتوں کی سازش سے ان کی جان گئی۔ وہ اپنے حرم المثال اور تاج ساز کا دنا محوں سے زندہ جاوید بن گئے تو ملک کی بد قسمتی تھی کہ ابھی وہ چودے برس سال کے

سے ستمگ ہو۔ وہ ان تمام قوتوں، جرمگ کو ذات ت اور فتنہ دارانہ مضابطہ یا علاقائیت کے نام پامہ پامہ کرنا چاہتی تھیں، کے خلاف بڑی قوت ہے آخر وہ تک نیرو آزار ہے۔ وہ سامراجی طاقتوں

راجیو گاندھی کے قتل سے متاثر ہو کر

محمد علی مہرج
ایک نظم

یہ بھکتی جڑی مٹیوں
یہ چلتی شاہین
یہ بھکتی راتیں
کبھی سایہ تو کبھی دھوپ اُٹاتے ہوئے دی
یہ بیٹے ہوئے دریا
یہ چمن زار
یہ بریلے پہاڑ
کھیت، کلیان
یہ خدا ہے
یہ بازووں کا حسن
کس کو بھلائے
کچھ کس سے
بتائے کس کو
عصہ دہر میں
انساں کا مقدمہ ہے دجو

شیل گیتا دے

اکیس مئی ۱۹۴۸ء

کتنی درد انگیز وہ اکیس مئی کی رات تھی
آنسوؤں کی کوچہ و بازار میں برسات تھی
پیکر آفات تھی یا شدش ظلمات تھی
ہر خبر مسکوم، نہر آلود ہر اک بات تھی
اشک اُبلے پڑتے تھے ہر سوز شہنائی کے بعد
پاؤں بسے بھیگ جائیں آبلہ پانی کے بعد
لے رہا تھا موسم زنجیں ابھی انکڑائیاں
راؤتھیں بجز سیاست کی ابھی گہرائیاں
ونفا تیری جسدائی دے گئی تنہائیاں
نہر میں ڈوبی ہوئی یہ موت کی شہنائیاں
کان سننے ہیں مگر دل کو یقین آتا نہیں
دیر تک پانی میں بہز جیسے مڑ جاتا نہیں
کاٹھوس کے راہبر ادھند کے جاہ و جلال
فغانان نہرو کے روشن چہرے با کمال
یکتا بیاں کتنا ہے تیری جدائی کا ملال
دے رہا ہوں خود جواب ادھر رہا ہوں خود
مدتوں کو بے گئی ہر محفل میں تیری ہی صدا
تو جدا ہوئے بھی ہم سے پو نہیں سکتا جدا

اُردو اکادمی دہلی کی طرف سے اُردو دنیا کو دو خوبصورت تحفے

بچوں کا ماہنامہ اُمنگ

دلچسپ معلوماتی مضامین اور خبریں —
دل کو چھو لینے والی سبق آموز کہانیاں —
کارٹون — کامکس — لطیفے — اور بھی بہت کچھ۔

ایک سیدھے ذہنی سالانہ جو بچوں میں تعلیمی لگنے
بھی پیدا کرے گا اور اُن کی دلچسپی کا سامان بھی

قیمت فی شمارہ : ۲ روپے
فوری سالانہ : ۲۰ روپے

ایوانِ اُردو دہلی

مہراہ منتخب موضوعات پر اعلیٰ تحقیقی، تنقیدی
اور معلوماتی مضامین اور تخلیقی ادب کی تمام اہم
امکانات کی مکمل نمائندگی

ملک اور بیرون ملک کے نئے پُرانے
اہلِ قلم کے تعاون کے ساتھ

سائز: ۳۰ × ۲۰
صفحات: ۵۶
فی شمارہ: ۳ ۱/۲ روپے
فوری سالانہ: ۲۵ روپے

آج ہی نئی آرڈر، پوسٹل آرڈر یا ڈیمانڈ ڈرافٹ کے ذریعہ جو ”سکریٹری اُردو اکادمی
دہلی“ کے نام کا ہو، سالانہ قیمت بھیج کر ان برسوں کی سالانہ فری ماری قبول فرمائیں،
اور اپنی زبان کے سفر و خانہ میں جستہ دار بنیں۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:
اُردو اکادمی دہلی، گھٹا مسجد روڈ، دریا گنج، نئی دہلی۔

حُسنِ اصلاح

ڈاکٹر زارِ علامی

محبت دہنے ہے جس کا درج ہے براو
راست خلق ہے۔ اس کی تخلیق میں جذبات
کا درخشاں ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مجبور ہے کمینوں
میں اپنے جانے والے کا نام لیتا ہے تو عاشق
اُس پر ہمیشہ غم کرتا ہے۔ غم و محبت کے سبب
وہ بدنامی کی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔
اگر کوئی عاشق ایسا سمجھتا ہے تو محبوب کے
جذبات کی توہین کرتا ہے۔ وہ دین "تم نے"
کی بجائے "تو نے" زیادہ مناسب ہے۔
اس نے کہا اس میں کوسیمیت زیادہ کا درخشا
ہے۔ تم اور تو میں کوسیمیت کا فرق تو
میں حرفِ جلت "و" کے آگے کے نسبت ہوا۔
تم "میں" ت "اور" م "دونوں حروف
حروف صحت ہیں۔

شعر ارشد ہے
ذکرِ حیدرِ وفا مجوز کے تنہا لکھو

جس کا مٹواں عاشق تھا غمِ افسانہ بجا
اصلاحِ زار ہے
شع کے آغوش علی حال
دعوم تھی جس کی بیت وہ غمِ افسانہ بجا
توجیہ :-

"آغوش" کو ذکر ہی گھٹا جائیے -
"آغوش" کے بیش نظر بھی مناسب تھا کہ
دو کسرِ معرے میں نہ دعوم دکھا جائے۔
شعریات کا نفاذ بھی یہی تھا۔

شعر ارشد ہے
اپنے گیتوں میں مرزا نام یا ہے تم نے
وکی بھی آخر قلم بدنام کیا ہے تم نے
اصلاحِ زار ہے

اپنے گیتوں میں تو نے
نگہ ہے توں و بجے یاد کیا ہے تو نے
توجیہ :-

بلیر چند ارشد جلال آبادی ،
یہاں گم پیر میں ایک دستہ اور عہدے پر کام
کرتے ہیں۔ شعر بچپن سے کہتے ہیں اردو
زبان سے والہانہ لگاؤ ہے۔ ادیب فاضل
ہیں۔ صنائع و بدائع پر خاص نظر رکھتے
ہیں۔ دوشعری مجموعے زورِ طباعت کے ارشد
ہو کر منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ کئی نظمیں دوسری
زبان میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ عرفیہ نام ۱۵
پرس۔ وضع دار اور تخلیق انسان پرس سے
یہاں گم آرت ایسوسی ایشن ان کے اجاز میں
ارشد نمائند کا اہتمام کر چکی ہے جو نہایت کامیاب
تقریب تھی۔ ارشد بینا گم کے نہایت ہمدرد و عزیز
شاعر ہیں۔ میری ذات سے والہانہ محبت
رکھتے ہیں۔

شعر ارشد ہے
شع کی آغوش میں خاموش پروانہ بجا

”ان اشکوں کی کوئی وضاحت نہیں۔“

شعر ارشد :-
جگر بھر پھیر پوند نامرادی کے
میں اپنے دوز کا ایسا لباس یادو
اصلاح نزار :-
کلی میں ہیں پیوند نامرادی کے
میں اس زمانے کا ایسا لباس ہوں یادو

توجیہ :-
”کیاں کہاں“ ”وہاں وہاں“ ”جگر بھر“
اس قسم کے الفاظ کے بعد ”پر“ نہیں لانا چاہیے۔
”اس زمانے“ سے شعر بلند ہو گیا۔

شعر ارشد :-
یہ میری فونی تقدیر بد خوش نصیبی ہے
تیار ہے دل کے آگے آج میں ہوں یادو
اصلاح نزار :-

یہ میری فونی تقدیر کا کرشمہ ہے
کسی کے دل کے آگے اس پاس ہوں یادو

توجیہ :-
خوبی تقدیر اور خوش نصیبی ایک ہی
چیز ہے لہذا ایک حسن۔

علی ادنیٰ، نئی، حقیقی، تنقیدی
معاہدہ کا ایک
حدم، مثال مجبورہ
اور ابلاغت پندت دین پندت دوی
کی نئی کتاب

تحقیقی مباحث

قیمت : پچتر روپے ۔

علی حال

توجیہ :-
”پہم“ کی تکرار موجب کراہت۔

شعر ارشد :-
اپنا ناکے توب عبت نہ کیجئے
برباد ز نڈھانی کی جنت نہ کیجئے
اصلاح نزار :-

اپنا علی حال
برباد میری دیت کی جنت نہ کیجئے

توجیہ :-
شعر میں کی ضروریات تھیں ”زنگانی“
کی ”یائے“ سافط کرنا اچھا نہیں۔ شعرے
یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس کی زندگی کی بات
ہو رہی ہے اور کسے اپنا جا رہا ہے۔ اصلاح
سے شعر میں کسی قسم کا اچھا نہیں رہا۔

شعر ارشد :-
یا کسی برست کی خاک ہے بل کھائی ہوئی
یا باماری ہی فضاں ہے یہ گھا برسات کی
اصلاح نزار :-

یا کسی علی حال
یا باماری آہ پر تم ہے گھا برسات کی

توجیہ :-
”گھا“ کا وجود قائم کرنے کے لئے

”دھواں ضروری تھا۔“ اصلاح سے نروانہ
بھی نکل گئے۔ ”آہ پر تم“ سے ”برسات کی
گھا“ کے جواز کی صورت بھی نکلتی ہے۔

شعر ارشد :-
ان آنسوؤں کا میں لٹتے تلس ہوں یادو
بُٹھا جانے کے گی وہ پیاس ہو یادو
اصلاح نزار :-

کب ایک اشک کا لہر تلس ہوں یادو
مروجہ نہ گئے گی وہ پیاس ہوں یادو
توجیہ :-

جو کیا غم نے بہت خوب کیا ہے تم نے
اصلاح نزار :-

تو ذکر علی حال
اس قسم کی شینا خوب کی ہے تو نے

توجیہ :-
دوسرے مصرعے میں زمانوں کا فرق
بھی تھا اور تکرار بھی ۔

شعر ارشد :-
جسے کسی کی محبت کا کچھ بھی پاس نہیں
زمانہ سانہ وہ مطلبی حساس نہیں
اصلاح نزار :-

جسے علی حال
زمانہ سانہ وہ قابل پاس نہیں

توجیہ :-
دوسرے مصرعے میں زمانہ و خون کے
علاقہ ”حساس“ استعمال غلط ہے۔ صیح لفظ
”حساس“ صیح تشدد ہے۔ اصلاح سے قوافی
میں صنف تھیں زمانہ کے سبب مطلع کی
شان ہی کچھ اودھ جو گئی ہے۔

شعر ارشد :-
عروس دت کے کیموس ہم سنو ادیں گے
ابھی حیات کا ماحول ہم کو داس نہیں
اصلاح نزار :-

عروس علی حال
ابھی زمانے کا ماحول ہم کو داس نہیں

توجیہ :-
”وقت“ کی مناسبت سے ”زمانہ“
بھی مناسب تھا۔

شعر ارشد :-
دل میں جب یاد دہی آنی تو یہم آں
اشک آئے دہری آنکھ میں یہم آئے
اصلاح نزار :-
دل میں جب یاد دہی آنی تو آنی ہی گئی

گزشتہ سے پیوستہ

خوف کی نگہری

اختر جمال

نامہ نگار کے چاروں طرف سے پتھر مار گئے
گھراس کے کچر کو کوئی پتھر چھو نہ سکا۔
وہ اگلے چلی تو شکار اعلیٰ مقام کی ایک
دھوت ہے۔ وہاں جا کر اس نے ضابطہ برائیاں
جو تکیں نظر آئیں جو تکیں خوفناک ہیں ان کی سرکست
اور موٹی ہو گئی تھیں۔
نامہ نگار نے ان کو تصویر دکھائی اور بولی
”تم دھرتی بان کا خون پی رہے ہو۔“

ایک شخص نے گھڑوا اکر اکر کہا۔ ”یہ کون
عصمت ہے؟ کس گریڈ کی ہے؟ اسے یہ نہیں معلوم
کہ یہ براہ راست ہم سے مخاطب نہیں ہو سکتی۔ اگر
اسے کچھ کہنا ہے تو اپنی درخواست صریح ضابطے کے
تحت
روادہ کرے۔“

تب نامہ نگار کو معلوم ہوا کہ ان چوتھوں
سے براہ راست بات کرنا ضابطہ کے خلاف ہلڈی
ہے۔ یہ بہت اعلیٰ مراتب کے لوگ ہیں اس لئے کہ

اجازت لے کر کچھ لوگ ایک جگہ جمع ہوئے ہیں۔ اس
کی اجازت کے بغیر لوگ بچا نہیں ہو سکتے۔“
نامہ نگار نے دہاں جا کر تصاویر تائیں تو اُسے
تصاویر میں گیدڑ خرگوش تھے اور اسبیل پر
ایک اڈو بلاؤ کھڑا نظر آیا۔ مجمع میں بغیر بگیاں
اور بیل گھوڑے گدھے سب ہی شامل تھے۔
لوڑیاں اسبیل پر استقامت کدی تھیں۔ نامہ نگار
نے کہا ”لوگو! یہ تصویر دیکھو۔“

ان میں ایک شخص چوکر بولا ”یہ اجنبی
عورت ہمارے اسبیل پر آکر جانوروں کی تصویریں
دکھا رہی ہے۔ یہ کس کی اجازت لے کر آئی ہے۔“
نامہ نگار نے کہا ”سنو یہ تمہاری
تصویریں ہیں۔“ انھوں نے اُسے مارنے کے لئے
بالموں میں پتھر اٹھائے۔ وہ پتھر اٹھانے کے پاس
پہلے سے تھے۔ وہ کسی موقع پر جلسہ گاہ میں سے
ایک دھمکے مارنے کے لئے گئے تھے۔ درویش کے
فرش بردار اُنھیں پتھر نہ مل سکتے تھے۔

نامہ نگار بولی ”اسے لوگو! اب بھی وقت
ہے اپنے پتھر اٹھاؤ۔ خوف سے آزاد ہو جاؤ۔
سنو! غیر اندھے کنویں میں ڈال کر کیا تم اہل
قلم کہلاتے ہیں؟“

اس نے محض سے باہر آکر ایک شخص سے
پوچھا ”کیا تمہارے ہاں چڑیاں طوطے مینائیں
فائنائیں اور بلیئیں نہیں ہیں؟“

ایک آدمی بولا ”سب خوف کی نگہری
جھوڑ کر چلی گئیں۔ انھیں یہاں کی فضا میں
سائنس لینا داس نہیں آتا۔ چونہ جاسکیں وہ
قید ہیں۔“

”تمہاری محفلوں میں تو آج گرجا چاہے
لوڑیاں اور گائے بیل ہی نظر آ رہے ہیں۔ تم
نے تم کی خدمت کھودی ہے۔“

جب وہ اور آئے تھے تو اسے ایک سیاسی
جلسہ نظر آیا۔ ایک شخص نے بتایا کہ کالے دیو کی

تہا مگر ان کی کر سکتے ہے۔ سینہ دیو کے شیروں
کی بات کانے دوئے گمہ میں باخبر کارے
دو کا دانا سینہ دیو کے داغے کس طرح
جڑا ہوا تھا کارے دیو کی انگلیاں سینہ دیو
کی انگلیاں میں جلی تھیں اودھ اس کا کپڑا
جانشین بننے کے محنت کر رہا تھا سینہ دیو
کے شیروں نے کانے دو کو بھی بتا دیا کہ
سینہ دیو کو تم قتلہ کانے دیو کی مدد نہیں کرے گا
اب تمام مدد چھوڑ دے اوسے ہی ہوگی۔ اس
نے کہ آجین کی بھانسی اودھ توں کی عمری کے
تنبہ کی اندھے کو تھیں میں حیدر سینہ بھر کر
اودھ کانے سے احتجاج کر چکے ہیں اودھ اپنی
دھن کے جانوروں کو بھی چھوٹے دیکھ چاہتا
ہے اس نے اب بڑھنے کی جگہ اس کے چہر
سہا کا ناٹ کو بھرا کر کہ نہیں دیکھ سکتا۔

تکاپ ہے ہی ایک حرکت کفری تھی۔ اُس نے
عصر نے کھڑاں بیرون گنہم پیر کو قتل
اُنکس۔

واللہ اکبر! کہ جس طرح سچائی اور انوکھوں کو اپنے ہی خاص میں لپیٹتا
ہے، یہ سچائی انوکھوں کو اپنے ہی خاص میں لپیٹ کر دیتا ہے۔
کمالیہ اپنے حق سے جتنا کہ کھینچتا ہے، وہیں سرکش
کا کمر جھک جاتا ہے۔

اس نے کہ ان کا ہاتھ کالے دیو کے دھار سے کھنکھرتے
 جوتے ہے اور کالہ دیو اس نے اچھالے کا دشمن
 ہے کہ اچھالے میں بکس کا دیو ہے جنت بھولیا
 یہ دیکھ کر توکس میں اور تمام محافظ خود
 جوتے کہ ایک محافظ کا ہاتھ سنال مادہ کی طرح
 بیدار تھا۔ دیو کے اندر کا خون جو اس کا جگر
 کے اندر بسا محفوظ تھا جیسے کنوئیں میں باقی ہے
 اچانک اس کی آنکھوں کے واسے تھکے لگا اور
 اس پر کچک پاستا طاری ہو گئی۔
 کالے دیو نے کہا: "یہ کسی اور ہی نگری
 کی رحمت معلوم ہوتی ہے اور لوگوں کو نجات
 پر آگاہی ہے۔ مذہب کے شیکسٹون کو بلا یا
 جائے۔ وہ اس کی سزا تجو کر رہے تھے۔"
 سب نے دیو کی دل سے سر چٹکا کر تانید
 کی اور خود ہی مذہب کے شیکسٹون آئے۔ ان کا
 تعلق ہر مذہب اور فرقے سے تھا۔ اُنھوں نے
 جینا اور جنتیاں اپنے سینوں پر لگا رکھی تھیں اور
 ہر حق پر کھنکھاتا:
 "ہم ہی راسخی ہیں۔"
 ان کے اُنھوں میں رنگ پر مٹی نہیں
 اور مالیش نہیں اور ان کی آنکھیاں کھٹ
 کھٹ کی آواز پیدا کر رہی تھیں۔
 دیو نے کہا: "یہ خدا کی یادیں مٹ
 رہے دسے عابد زائد ہیں۔ ان کا مقصد کج ہوگا۔"
 نامہ نگار بولے "خدا کی یادیں مٹ
 رہے داسے کالے دیو کے حکم پر خدا بنائے کیسے
 دور سے آ رہے ہیں۔ ان کی آنکھیاں میں کالے
 دیو کی ہیں۔"
 اُس نے ان کی تصویر کھینچی اور لوگوں کو
 دکھائی۔ تصویر میں ایک خدا میں اُدھار ہے
 جتنے جن کے منہ سے آگ نکلی رہتی تھی۔ نامہ نگار
 نے کہا: "اسے لوگوں پر جہنم کی آگ ہے۔" وہ سب
 بولے یہ ایک ناقص العقل مخلوق ہے۔ خوف کی
 نگری والوں کو ان کی نصیحت پر کھڑا ہی ہے اور
 دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا حکم ناگہانہ ظاہر کی نہیں
 باطن کی تصویر کھینچتا ہے۔ یہ کسی خطرناک کردہ

کی سرحد معلوم ہوتی ہے۔ اس کا بکھرا ہوا
 خطرناک جیسا ہے کہ محافظ کا ہاتھ غالب
 ہو گیا۔ اس سے یہ بکھرو جھین لینا چاہیے۔"
 عورت نے ان کی طرف دیکھ کر کہا: "اگر
 تم نے سکتے ہو تو لے لو۔"
 ان میں سے کسی کی جنت نہ پڑی کہ اس
 کے قریب جائے اور اپنا ہاتھ کھولے۔
 نامہ نگار نے ان سے کہا: "اے لوگو!
 تمہارے پتر اپنے بوجھ کے سبب اندر سے
 کی انتہائی پستی میں ہیں۔ اب بھی وقت ہے۔
 تم کالے دیو کے ظلم کے سامنے بن کر صوفی والوں
 پر ظلم نہ کرو۔ تم اس کا نام لینے ہو اور دیو کی
 آنکھیاں بن گئے ہو۔"
 ایک شخص نے اپنے سینے پر مٹی مٹی تھی
 پر ہاتھ رکھ کر کہا: "دیو کا حکم ہمارا ایمان ہے،
 دیو اس کا ناب ہے۔"
 نامہ نگار نے کہا: "آہ! کالے دیو نے
 تمہارا ایمان جس قسم کر دیا ہے۔ خوف اور ایمان
 ایک سینے میں نہیں رہ سکتے۔ ایمان انہی کا ذکر
 ہے اور خوف جہالت اور کمزاری کا اندھیرا ہے۔"
 ایک اور خفیہ دان بولا: "کالے دیو کو خدا
 نے ہمارے دھڑک کا وسیلہ بنایا ہے۔ حاکم کی
 اطاعت فرض کی ہے۔"
 عورت نے کہا: "ظلم کرنے والے حاکم
 کی اطاعت فرض نہیں ہے۔ اس کے سامنے
 تو کھڑی کھڑا جہاد ہے۔"
 ایک اور شخص نے کہا: "یہ لوگوں کو نجات
 پر آگاہی ہے۔"
 عورت نے کہا: "افسوس! تم ہی وہ
 لوگ ہو جن کے خلاف وہ قربانیت کا پریاد
 کہے گی اور دین فریاد کہے گا۔ تم اس کا نام
 لے کر ظلم کی حمایت کرتے ہو۔"
 سب اُدھارے جھنگلار نے ہرے عورت
 کی جانب بڑھے۔ اُس نے کہا: "مجھے کوئی آگ
 نہیں جلا سکتی۔ میں نادیدنی نہیں توڑی ہوں۔"
 کالے دیو نے کہا: "اس کی بات حقیقتات

کر دے یہ کس کے خاک سے تعلق رکھتی ہے اور کھاتے
 داخل معاملات میں کس کے اخار نے پر حبت
 لے دی ہے۔ اس کا بکھرو ثابت کر لیں کہ اس
 کا تعلق خوف کی نگری سے ہرگز نہیں ہے۔"
 نامہ نگار نے کہا: "سنوئیں نامہ نگار
 نہیں ہوں، نامہ بردہوں۔ اندر میں کی بھانسن
 کو تم خوف کی نگری کا ذاتی معاملہ نہیں کہہ سکتے۔
 جب خوف کی نگری والوں کے ضمیر سناؤ گے تو میں
 میں تڑپ کر فریاد کی تو احوال عالم کا ضمیر ان کی
 مدد کو نہ آسکا۔ اس نے کہہ احوال متحدہ کہے
 بڑی سی عمارت میں قید تھا۔ اس کی خاموشی
 دیکھ کر ضمیر کا خات میں نہیں مٹی کی اور مجھے
 جیسا آئے کا حکم ملا۔ میں ضمیر کا خات کا ایک
 حبتہ ہوں۔ اس نے ضمیر اخوت کی نگری والوں
 سے ایک پرستہ ہے۔ ساری کا خات میں سے
 ایک پرستہ ہے۔ اس کی ساری مخلوق ایک
 کتبہ ہے۔ ایک وحدت ہے۔"
 ایک نر سی خفیہ والے نے کہا: "یہ
 ضمیر کا خات کی بات جھوٹ ہے۔"
 عورت نے کہا: "کیا تم اس حقیقت سے
 انکار کرتے ہو کہ خدا اسارے عالموں کا رب ہے؟
 اور نبی سارے عالموں کے لئے رحمت ہیں؟"
 ایک اور خفیہ والا شخص بولا: "خوف کی
 نگری میں رحم، رحمت، انصاف، محبت یہ
 سب لفظ لٹا ہوا ہیں۔ یہاں خوف اور رحمت
 سب سے بڑی ضد ہیں۔ اور دیو کے جلال کی
 قسم تو گمراہ ہے۔"
 عورت نے کہا: "کیا تم خود نہیں کرتے
 کہ خدا اپنی مہربانی اور رحمت کی کیفیت بیان
 کر کے ہر کام کرتا ہے۔"
 ایک اور شخص بولا: "یہ طور و نگار ادھی
 کا ذہن بھلا رہی ہے۔"
 عورت نے کہا: "سنو، خدا نے آخری
 نبی بھیج کر ایمان دین مکمل کر دیا اور اُس نے
 عقل و آگہی کا نور سب کے لئے عام کر دیا۔
 تمہیں سوچنے اور خود کرنے کی دعوت دی تم

آجھی کے ذریعہ اپنے رب تک پہنچ سکتے ہو اپنے آپ کو جان سکتے ہو۔ ایک شخص نے کہا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ہم دو کو جانے ہیں۔ ہمارے لئے یہی کافی ہے۔ خود سے کہا کہ عقل کا ڈوسو ہے اور غور کرنے کے لئے بلا ہے۔ زمین ایسا اپانی وقت اور تہا رہی اپنی ذات ہے کیا غم اب بھی مضیر کائنات سے انکار کرتے ہو؟

پھر نامہ نگار نے کالے دیو کی وہ تصویر جو اس نے لوگوں کو دکھائی تھی دو کے سامنے رکھ دی اور یوں "تم بھی اپنی تصویر دیکھو" دے دئے جیسے ہی اپنی تصویر دیکھی اس کا دل ہر باطنی سب کی نظر میں ایک ہو گیا اور لوگوں نے دیکھا کہ ایک خود کردہ مجرور دنیا چلا رہا اور اڑ رہے پھنکار رہے ہوئے آگے بڑھے۔ ان کے لمحے میں ملکی ہوئی تھیں سے غصے بھر رہے تھے۔

"اے لوگو! اب بھی وقت ہے" اپنے اپنے پتھر اٹھا لو۔ لوگوں نے اپنے دلباش اور باتیں بائیں ہاتھ کو ایک ساتھ اٹھایا "اے جھکا ہوا سر اڑھایا اور پتھر کی طرف بڑھے کہ اسے پتھر کو انجام تک پہنچائیں۔

اس لمحہ ان سب نے اپنی اپنی دھڑکنے کو دیکھا۔ ان کے گہرے زخم دکھ آدھ اور ادیت دیکھ کر وہ اپنی دھڑکنے سے شرماتے تھے۔ ان کے دھڑکنے آدھ ہو کر خوش تھیں۔ جیہ انھوں نے دھڑکنے ہاتھ اکٹھے دیو کی جانب بڑھنا تو اسی لمحہ وہ جس دیو کی قید آزاد ہو گئیں۔ وہ کالے دیو کی غلامی میں برسوں سے آسودہ رہا رہیں۔ اور ان کے آسودہ کچھ کر دیو آدمی رات کو کھینچے لگاتا تھا۔

اڑدھوں کے منہ سے نکلے والی آگ نے دیر اور اڑدھوں امدان سب لوگوں کو اپنی پلٹ میں لپیٹ لیا انھوں نے اپنے وجود کو کالے دیو کے جود کا جھٹکا پایا تھا۔

خون کی ٹگری والوں نے ان سب کو

اپنی ہی آگ میں جوتے بیچے اور مرنے دیکھا۔ ان کے سامنے کالے دیو کا عجیب سا انجم نظم کی تاریخ اور حکومت کا خاتمہ تھا۔ جب وہ سب سر اٹھا کر کھڑے ہوئے اور خوف کا خاتمہ کر کے خوف کی ٹگری میں جوتے پہنائے۔ اس لئے کہ کالے دیو کی حکومت نے اسے خوف کی ٹگری بنا رکھا تھا۔ اب ان کی ٹگری ان کی اپنی ٹگری تھی۔ اور وہ اپنی دھڑکنے کے آپ مالک تھے۔ ان کا ضمیر بقروں کے دھڑکنے آزاد ہو کر۔ زندگی اور روشنی نے جھٹکا رہا تھا۔ اس کے زخم مہک رہے تھے۔ ان زخموں کا مہر وقت کے پاس ہے اور وقت کالے دیو کا غلام نہیں

خدا کا حکم ہے۔ آج کا مومنین ماورائے سندھ آگے بڑھ رہا تھا اور وہ ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ جن کے دلوں میں خوف و منتہی، نفرت اور یوسس کا رنگ تھا۔ جنھوں نے اپنے دل کے آئینوں کو رنگ سے صاف کر لیا۔ انھوں نے آگ کو تسخیر کر لیا۔ انھوں نے سمر اٹھ۔ کہہ کر قدم آگے بڑھایا تو ساری آگ بجھ گئی۔

انھوں نے چاروں طرف نامہ نگار طاؤن کو تلاش کیا تو اسے کہیں نہیں پایا۔۔۔ انھیں ہمت نہ ہوئی کہ روشنی کی گیر نظر آ کر جو زمین سے آسمان تک جا رہی تھی۔

لسانِ انصاف حضرت اکبر الہ آبادی کا مکمل اور مستند کلام

کلیات اکبر

چھپ کر تیار ہے جملہ بہترین کتابت طباعت، خوبصورت گزشتہ قیمت: ایک سو پچاس روپے

شانِ ہندوستانی کی ایک نئی پیش کش

اردو اسٹیج ڈرامہ

اردو اسٹیج ڈرامہ کی مکمل تاریخ ایک صفحہ ہے



ٹکٹ پانے کی جلدی میں جلساڑی
کے چکر میں مت پھنسیے !



غیر قانونی فروخت اور خرید پر
۵۰۰ روپیہ جرمانا یا تین ماہ کی قید
یاد دہن بھی ہو سکتی ہیں !
نا جائز طریقے سے ٹکٹ خرید کر
اتنی بھاری قیمت نہ چکائیں !
ریلوے ریزرویشن دفتروں
یا مجوزہ ایجنٹ سے ہی ٹکٹ خریدیں !



ایئر ریلوے
آپ کی خدمت میں



© 1991

بدحواس ریت

روشن آواز نہایت

”سرسید۔ میں شادی کروں گا مگر بیوی
وقت نہیں ہوتی۔“ اس نے جواب دیا۔
”وقت تو تھرا کے ساری عمر ہوگی۔ سلاسر سید
ہوتا جا رہا ہے۔ گاہوں کے گرد ڈھیر پاؤں پڑنے لگیں ہیں۔
سیرضیال بے تم اب بڑھاپے۔۔۔ کرے سے
تو رہے۔“
”دھلی! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔“

”ہے۔۔۔“
”مجھوری ہے۔ مجھوری پڑ۔۔۔ سن، سن کر
میرے بچے ایک چلا۔۔۔ تم جانتے ہو میں اب یہ داشت
کرنے کے موڈ میں نہیں۔ تہدی خرافات کو دیکھتے ہوئے
میں لمبے مکان عمارتی کا پیر دیا تھا اور تھیں بعد سے
تین برس ہو رہے ہیں۔“

”وہ جا چکی تھی اور حیات کے کاؤں میں اب
بھی ان کی حرکت آؤ تو گھبراہٹ تھی اس حالت اسے
ٹھیک سے نیند نہیں آتی تھی مگر ان کو بھر دی دلتی۔
بچے کا کھلاؤں میں کھرتے ہوئے اس کے درمیان

وال پانی کے لئے بھی نکالی ہے۔“ اپنی حریفیں کم کر کے
بچ کر تھپے۔ اور ایک دلی بیٹ گارے کا مکان بنا کر
کھڑا کر دے اکون چالے موت تک آجائے اور اس کا
مکان اس کے بن بلے ہی پرایا ہو جائے کیا یہ بہتر نہیں
کہ وہ مکان ہی نہ بنائے۔ مگر وہ جو مکان بنانے
کی چاہ اس کے بھرتے نہ جانے کس کاڑ میں پھول
کراتے تلک کر رہی تھی، وہ اسے کیا کرے؟

”نہ شادی کہہ کر رہے جو حیات ہے۔“
اس کی دھلی نے اس کی جیسے اس کو کھڑے دیا۔ اس نے
نہ جھکایا۔ وہ یہ سوال کی دفعہ کبھی نہیں اور وہ
جھب بھگ دے چکا تھا۔

”وہ جانتا تھا کہ ان کا بھال کرنے کا قصد
کیا ہے۔“

”وہ ہی ہوا انکی خاتھی نے نہیں مضہ دلا دیا۔
اوپنی آواز سے بولیں۔ کہ تو چاہا ہے یہ تیار سے لئے
سید رہے گا۔ میں بھی کیا یہ داروں کا لیڈ کرتی ہوں
آفران کی بھانڑا کیوں ہیں۔ اور تم جو کھڑے۔“

گرم، گرم وہ صبح سے طاق، بھوری بھوری
ریت ہوا کے جھروں کے ساتھ ساتھ تڑپ رہی تھی۔ حیات
نے کرائے کے مکان کی کھڑکی بند کر دی کہ کہیں آؤتی
برحواس ریت اس کے کمرے میں نہ آگئے اور اس کی
دھلی اس سے ناراض ہو کر اسے گھر سے نہ نکال دے پھر
وہ جائے گا کہاں۔ یہ اس کا کوئی اپنا تھا نہ پرایا۔

جب کبھی وہ سرسید کے نام کی فقی مکان کے
باہر پڑتا ہوا اپنے کرائے کے مکان میں داخل ہوتا تو اسے
دھانے کیوں یاد آجاتا اسے بھی اپنا گھر بنانے کے لئے
ٹنگ و دو کرتی چاہیے۔ شاید وہ بھی اپنا گھر بنا سکے
بلکہ تو وہ خیال ایک لمحے کے لئے آتا تھا اور کمرے کی
چیت کے نیچے جاتے ہی نہ جانے اس انسان کی کتنی
تہوں میں اڑ کر کہاں چلا جاتا تھا۔ مگر بھر وہ سمجھ گھٹ
جس طرح وہ دھلی میں بیٹھ گیا۔ مگر وہ برسوں سے فیکر
اسکال کے ہاتھ میں ایسے ہوا تو گھر سے۔ پھر اسے کیا
فرصت کہ وہ اپنے مہین کے لئے اپنی خواہ براس کے

منا جانے کہاں تم ہوئی ہوئی آندہ بجی، غریبیں.....
 شام کو پھر وہی دوسری شفت میں کام۔ کام کے
 یاد جو ذکر آمدنی کا خوف، خوف میں اپنا ہمارا مناسقا
 ہر رات ہانگ پر پر کر ہمارے ادا کے کرتا تھا
 اور صبح سا خیال پر ہمارے ہوتے ہی اسے آرتی وصول میں
 اپنا مستقبل یعنی آرتی تاجہ اور محسوس ہوتا تھا۔ اور آگے
 اور آگے!

چند روز وہ پیسے جمع کرتا تو مکان بنانے کا
 مل گیا۔ ماہ کے آخر میں اپنے لے کوئی بے حد ضروری چیز
 خرید لیتا۔ اور جب سارے پیسے جمع ہو جاتے تو وہ شکر
 کرتا کہ اس کے چوکی پہلے نہ پہنچے۔ ورنہ وہ اپنی یہ سب
 ضروریات کیسے پھینک دیتا۔ اس وقت سسرت
 کا احساس ہوتا۔ اور پھر وہ اپنی کوئی مسانے کسی
 چھوٹے موٹے ہوٹل میں چلا جاتا۔ اپنی آواز میں بھتے
 ہوتے رہے یورپی وی برائی ہوئی تصویروں سے جی
 بہلانے لگتا اور چائے کے دوایک پیوں کے علاوہ
 پیکانے دو دلکباب کھا جاتا۔ اور جب وہ گھر جانے
 کا خیال کرتا تو اس کے پیروں سے زمین نکل جاتی اس
 کمرے کے مکان میں۔ جہاں وہ رہتا تھا۔ وہاں تو اس
 کو کوئی انتظار نہ کرے والا بھی نہیں اس وقت وہ جی
 ہی میں اپنے طے ہونے کا ایک چھوٹا سا عمل کر لیتا۔
 اور اس عمل میں اپنے پوی پوی کونے آہستہ وہ ہوٹل
 سے صلی کر بہت جری سے اپنے کمرے کے مکان کی طرف
 نکلتا پیسے واقعی وہ اپنے عمل کی جا بجا بڑے بڑے
 اور وہاں کوئی اس کی اپنی پوی خیریت چیزیات سے
 اس کا انتظار نہ کرتی تھی۔ اور اس کا وہ سالہ
 پھر ہمارے روزانہ کے کی پھسل پر کھڑا اور نہنگا۔ آؤ کے
 آنے کی طرف کو دیکھنے کے لئے غصہ بھرا گیا ہے۔
 لیکن وہ درجہ پائیں ہمیں۔ اس کے اپنے
 سارے عرصے ہوئی۔ وہ پھر سے سسرت کے گھر لے
 کے ساتھ کھڑا ہوتا۔ سامنے ان کے ہم کی جی ہوئی وہ
 وہ غیر تدریجی میں اپنے چھوٹے سے طے میں تھمتی چلی
 مسجد ہا ہوتا۔ اور پھر اسی کمرے کی چھت۔ اور اس کی
 پہلی ہوئی خواہش۔

ایک دن اس نے اپنا گھر منڈی کے چلا کو خود
 کی دھن کر دیا۔ اس پر سسرت جی ٹال چکا تو سسرت

کی ہوئی کو خواب اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کسی
 پوجے سے آزاد ہو گیا ہے اور یہ سارا جہاں اس کا
 ہے۔ حرف اس کا۔ اسے وہاں چھوٹا خیال بہت چھا
 لکھو وہ کوئی دن تک اس کی گھٹی گھٹی رہا۔
 گھر کے ایک دن اس کی جیڑھ جو دگی میں سسرت دینے
 اس کا سامان باہر نکال کر دیا اور مکان میں اس
 تالے کے بجائے اپنا تالا ڈال دیا۔ وہ لکھا کوئی دیکھ
 آندہ اور ایک دو روز اس کے ساتھ کھڑا رہا۔ پھر

اس نے اپنا سامان سا خیال پر لا دیا۔ جو نہیں آسکا
 وہ اس کو ڈیپ چھوڑا۔ اور چل پڑا۔ چلتا گیا۔ نہ
 جانے کہاں جاتا تھا اس نے۔ یہ یہ اسے خود جی معلوم نہ
 تھا۔ حالانکہ سارا جہاں اس کا تھا۔ مانگ اس کا
 تھا۔ سبھی لوگ اس کے کہنے لوگ تھے۔ مگر وہ چلا جا رہا
 تھا۔ بدحواس ریت کی طرح۔ جو ہوا کے ساتھ ساتھ
 اُڑتی رہتی ہے۔

ہندوستان کے عظیم رہنما مرحوم راجیو گاندھی کی نذر

ارمیں جنھوں نے بوجھس لیا ہے ہیرا
 چنے چنے میں نے خون کی دھناتی ہے
 حشر یکتا بنی رہے گی وہ بہادر و کچا پیر
 جو لب بھی تو سے خون سے گرنے لپے

جا بجا سُرخ ترے خون کی آئے گی نذر
 جب کبھی ہاتھ میں تیرے وطن آئے گی
 ایک جیسا نہ آئیں تو نکلیں جا رہے
 یاد نکلیں جوئے کانے کی چھٹی آئے گی

ذکر ہو گا کہیں کیوں کی نیاں پر ہیرا
 لاؤ گے کبھی چھٹی میں کھنڈے پیرے
 کہ نہیں سکتی فراخوش بہادر بن کر
 صدیوں کو نہیں کھنڈے میں بننے پیرے

اشتر آندہ دی

اے اجنہ کے بھائی اے پرستار وفا
 شمع افغانی محبت کی جلنے والے
 دوسرے جیسے تیرے موت دلفن کے طے
 امن کے محبت دلفن کو نکلنے والے

تو نے تیرے انھوں پر دکھا چاں کر
 بات جگڑی ہوئی جو حق وہ بتائی تو نے
 سر تر چنے کا کیا تو نے جاں میں آؤ چھا
 محنت بند زمانے میں بڑھائی تو نے

کس کو معلوم تھا آئیں گے ہم کی آنندھی
 تیری دھڑکی تیری خاک بکھر جائے گی
 قلم خدائی کا تری خون دلاؤ گا ہمیں
 زندگی دور کے سانچے میں آئے جائے گی

کہ دیا تو نے ہالے جسے جو کچھ جانی
 گناہ کا شے کے تو جہان کے نکال دئے
 تاج غریب خدائی میں رہائے آئے
 اور گناہ کے چپے ہوئے کھانا کروئے

مُسکراہٹ۔ جو لبوں پر مہجائی گئی

حسنین کاظمی

اس کا اندازہ سیان طعنوں کے تیر و نشتر سے
سجھا ہوا تھا۔ ایک لفظ کے لئے میں نے سوچا کہ کون سے لفظ

میں نے زندگی میں کوئی غلطی نہیں دیکھی ؟
لیکن میں کہہ بھی نہ کہہ سکتا تھا۔ وہاں میں
نے یہی بات کہی کہ وہاں جتنا دوسرے میں ہے کوئی نے
اپنی زندگی بڑے تازہ دم کے ساتھ گزارا ہے۔ اس سے یہ
بات بتانے سے کیا حاصل ہوتا کہ میری ساری زندگی
غم اور تنہائیوں کے بیچا لگ اندھیروں میں گزری ہے
اور میری زندگی کی اس طوفانی سیاحات میں کسی
دشمن کی ایک کرن بھی نہیں دکھائی دی ؟

نیکو خیالہ بڑھوئے ان تمام باتوں کی بکری اٹھوئی
اور لٹکا ہوئی میں دیکھ لیا تھا۔ اس کی نظریں آواز میرے
گالوں میں گونجی ۔

وہ کوئی بھی کسی وقت بھی اپنی جہاد
کو نہیں پہنچتا۔ یہ ایک کسی کا مُنہ کسی پہنچ نہیں پہنچتا
اور پھر خدا سے سکوت کے بعد ہوتی ۔
میں ہمیشہ بھی سوچتی تھی کہ تم کیسے ہی بیت سی

میں گزرتے تھے۔ میں بھی یاد دہائی کے لیے کہہ چکا تھا
میں باطل کو یاد دہائی دینا دہائی ہے یہ بڑے صرف
اسی کو دیکھ جا رہا تھا۔ جیسے کچھ کسی نے جاننا نہیں
اگر بڑھ کر آواز مجھے نہ چکا تو جی تو شاید میں
اسی طرح کھڑا رہتا اُسے دیکھتا رہتا اور نہ جانے
کہ تک بڑھ کر کی کیفیت میرے اوپر ہر طرفی جی بڑھ
نے کہا۔

”میں نے تو سوچا ہی نہ تھا کہ تم دے تو بیسیت
جہان ہو گئے ہو گے“

میں نے اپنے اس سلسلے پر کلاہ پاتے ہوئے جواب
دیا۔ لیکن میں اتنا خوبصورت بھی نہیں ہوں چالیس
سال کے لگ بھگ ہوں گا۔

وہ مسکادی اور میرے وطن کا شعلہ ہے اور
بہتر ہے دکھائی دے گی کہ اٹھوئی میں ایک انصاف و شرف
کی ضرورت چمک رہی تھی۔ بہت سے بولی۔

وہ تو پھر تہادی زندگی بہت دیر پہلے گزری
ہو چکی ۔

اس کی آنکھوں میں گہرے مسندوں کے

راز پر مشدہ تھے اور اس کے گیسو اس طرح ہار رہا تھا
جیسے ایک اندھیری رات ڈٹ ڈٹ کر بکھر گئی ہو اور نہایت
وقت ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سوچ بیکد میں نیچے پتنگ
رہے ہوں اور جب دیکھا کہ تو ایسا محسوس ہوتا جیسے
نہم سوئی نے کسی گیت کی تان پھیر ڈی ہے اس کے کچھ
کے خطوط اور اس کا سارا جسم اتنا خوبصورت اور حسین
تھا جیسے کسی بہر سنگت میں نے کوئی مجسمہ بنایا ہو نہایت
کی سڑول، خوبصورت اور دیدہ زیب۔

شہرہ اپنی تمام دہائیوں اور دشمنوں کے
ساتھ میری زندگی میں داخل ہو گئی تھی پہلی بار میں
نے اُسے دیکھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا سانس
کوئی پیرز پڑ رہی ہے مضطرب ہے۔ مضطرب کی حالت
کی کیفیت میرے جسم میں پھیلی اور گوں میں پھیل گئی۔
یہ لڑل لڑل تھا اور مجھے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ مجھے
لگا بھی خبر نہ تھی۔ چند لمحے ایسی طرح سکوت دکھاؤ

خس نصیب انسان ہر عیب کبھی بھی اچھا ہے مردوں
میتوں کی تائیں میرے کا قتل کب مردوں کو قتل
میں تو دل ہی دل ہیں مجھے تم پر اعلیٰ تہاڑی زندگی
دھنک آتا۔ لیکن اب

تقی، ہماری طرف سے انتقام۔ پھر غے علیہ کی جگہ اپنے
 شیطان کا بڑھ کر رکھ کر دے دیا۔ اتنے سے وقت میں
 بھی کافی تھا۔ مزہ سے بچے کچھ اس طرح دیکھا کہ اس کی
 جانب نگاہیں میرے دل کی گڑبگڑ میں ترقی کی تھیں
 اس نے ہنستے سے کہا۔ میرا غفلت کرنا۔

تھا کہ وہ بے ادب اور کراتا چاہتی تھی اور علیہ اس وقت اس کے ہوتوں پر وہ صحت بخشے کے پھولوں پر ایک شہادت اُتیر سکا کہ اس نے بھی لڑپہ کی ہر پہچان لگے جہاں تو یہ دنیا تھا۔ اس نے قہر باری پر ہر پہچان لگے کہ وہ کائنات تھا۔ جس کی یادیں، میں نے لڑپہ کی صدی ملت آنکھوں میں لکھ دی تھی۔ اس نے زیادہ صحت لگے چھان بین تھا۔ انہی کی زندگی تو یہ تھی بڑا —۔ چھ اعزاز کی کر لینا چاہیے تھا کہ وہ پہلی لکھنے میں اسے دل دے بیٹھا ہوں اس بات کے بعد صدیوں وقت سوچنے میں گزارا۔ میں نے خود سے کہا۔ کیا بات کیوں نہیں سمجھتا کیوں نہیں کہتا کہ کائنات ہر اود پھر جس سے لے کر اس وقت تک صرف اسی کے بارے میں سوچتا رہا اور اس کے بعد بھی صرف اسی کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔

نہا نہ دے کر سہرے پر ایک ٹکڑہ ڈالے۔ بڑے حق سے پہنچے
یا۔ شریعہ وسیعہ پھولوں سے سجھا ہوا گلہ دان میں نہ رکھا
مقا۔

میں نے سوچا۔ یہ بیگیا یہ پہلو ہے اچھے گلیں گے
پہلے نے کرہ میں روشنی کا جائزہ لیا میں نے دیکھوں
پہلووں کو اٹھایا رکھا تھا روشنی زیادہ ٹھیکہ دووں
کھول دیا۔ ڈانڈ جیسا سا ہو گیا پھر میں نے ایک
زیران کی طرف جہاں میری مرتبہ ایک وندہ گاہ میں
پہنچا کھولنے سے ملے کے انتظار میں ہو خود کو کئی بار دیکھنے
دیا دیکھا اور پھر بچے اور بڑی آگئی۔

دراثر یہ کیا بچیں ہے ؟
پھر میں نے خود کو صوفے پر گر دیا۔ میری آنکھوں
نے سامنے شہر کے حسین چہرے اور خوبصورت جسم
نہا نہ دے آئیں میری مٹی۔ میں سوچ رہا تھا۔ بد شہر میری

مرد اور خاتونوں میں زندگی میں محنت اور محنت میں پیدا
کر سکتی ہے وہ وہی ہے جس کے غلط ہیں، میں نے
زندگی کے اتنے سال گزر دیے۔ زندگی کے آغاز سے
آج تک مجھے اسی کا انتظار تھا۔ میرے نظریات ایسی
تجربہ فراز مٹی کو صرف ایک طاقت اور شیلیوں
پر فطرت کے بعد میں اس کا طریقہ ہر جگہ تھا۔

میں نے بڑی بے تابی سے ٹھہری کو دیکھا۔ اس کے
آنے میں صرف باغ حث باقی تھے میں کڑا اچھکنا بیچاری
کو ہر عالم کو ایک جگہ کڑا ہوتا دھواں ہو گیا تھا
میں کرے میں چلنے لگا۔ مجھے یاد آیا۔ دھواں میں چہرے
سے شیلیوں پر باتیں کر رہا تھا ادب میں نے اُسے
بتایا تھا کہ گزشتہ بات میں نے چھک جانا کر
گزشتہ مٹی اور صرف اس کے متعلق سوچتا رہا تھا تو
اُس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔۔۔۔۔

لیکن کیا لازم تھا کہ وہ کوئی جواب بھی دیتی۔
مدد دے کی گفتگو کی۔ میرا دل دھڑکنے لگا ڈپ کر
آگے بڑھا، لیکن بڑے سکون کے ساتھ مدد دے کھلا۔
شہر کی خوبصورت اور حسین تصویر میری آنکھوں کے
سامنے تھی۔ لیکن وہ تمنا نہ تھی ایک خوبصورت
روش روشن بلند قد جوان بھی اس کے پہلو میں تھا
قبل اس کے کہ میں کہہ سکوں۔ شہر نے کہا۔

دھیرے دھیرے چلنے لگے۔ آواز ہی دھیر دھیر رہے
آئے ہیں۔ میرا سر جھکا لگا۔ آنکھوں کے سامنے جیسے کسی
نے ایک سیاہ چادر پھیلا دی ہو۔ مجھے ایسا محسوس
ہو رہا تھا کہ میرے ہونٹ آپس میں چسک کر مٹنے لگے
میری شکایت کے پھول میرے بیوں پر ہی مڑ رہا کہ
سکے۔

غزلیں

تازہ تازہ لڑکیاں آئے گی ہیں رات میں
خوبصورت لڑکیاں آئے گی ہیں رات میں
اب تک تو محرم تیار اذہن میں محض تھا
یا داب وہ لڑکیاں آئے گی ہیں رات میں
رنگ ساری کا فریسنہ سیکنے کے واسطے
فل پہلی تیلیاں آئے گی ہیں رات میں
گھر کے ڈور میں پردے روشن کئے ہوئے
اس نے تو آنکھیاں آئے گی ہیں رات میں
خفتہ رنگوں کی چادر جو بھی صحت فرشتہ پر
دیکھنے کو تیلیاں آئے گی ہیں رات میں
دن تو پناہ نکٹ پکا ہے دمچپ ہیں لڑکیاں
ہاں محرم سردیاں آئے گی ہیں رات میں
جبکہ اس کو تو کرسی اچھی سی ساتھ ہی گئی
خوبصورت لڑکیاں آئے گی ہیں رات میں

ساجد احمد

ہم صبر تھا کو گشتہ جانتے رہے
اک وہ ہے اس ادا کو کہاں مانتے رہے
میں درد سے تڑپا کیا اور دیکھے انہیں
نہوں کو کمرے بھول ہی گزرتے رہے
آیا ہے ایسا ٹوڑوہ نہرگی میں کہ
اک دوسرے کو ہم کہنے پہچانتے رہے
اپنی ہی نگاہ میں نہیں گئی، سحران پر
کیا کیلے ہم اس کی مٹی جھانٹے رہے
پہرے کے پھلے تھے تھیں ہر جگہ
بھولوں کو کہنے باس عمر آتے رہے
میت بوجھ کر گزرتی رہے کس طرح
کہوں کوئی مٹی زندگی نہ دے سکا نہ ہے
چاہا تھا بھی خود سے نہایت کدوں گھر
جو تیرہ ہوا اپنی کہاں مانتے رہے

ایوب جوہر

توہ کہ غلوں کا جلد نہ کر کے
ہم بے زبان لفظوں کو بجا نہ کر کے
اک ہم کہنے نہیںوں کو اپنا بنا لیا
ادب ایک وہ گراہوں کو اپنا نہ کر کے
روشن کیا تھا طبع منت کو ایک بار
پھول کے بعد کوئی مٹنا نہ کر کے
جو اس کے عشق میں پسینہ دھوئے تک
وہ انتہائے عشق میں بچہ نہ کر کے
اس کا من رنگ لائے ہاں دیو آگئی ہری
سجواں عقل کو دھواں کو دھواں نہ کر کے
خدمت گناہ خلق کو دھواں نہ کر کے
جوانے والہنہ کی سیوا نہ کر کے
مختار ہر ایک فاسد اپنی جگہ رہا
ہم قریبوں میں ادا ادا نہ کر کے

مقتدر صدیقی

ترقی اردو بیورو

بیرالال چو پڑھ

(اس وقت دہلی آنے پر کراؤم میسر
جہ میں اس امر کا اعلان ہوا ہے کہ تقسیم ہند
کے بعد اگر اردو کی ناگفتہ بہ حالت کو اس کی
جذبہ جمعی دسلی ہند میں سنوارنے کا کسی
ادارے نے غور کا کام کیا ہے تو وہ ادارہ
ترقی اردو بیورو ہے جو حکومت ہند کے
حکم و نیکم کی طرف سے اجراء کر رہا ہے۔ یوں تو
آج تک کبھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کسی خاص
مقصد کی تکمیل کا کام حکومت کے کسی ادارے
کے سپرد کر دیا جائے تو وہ خانداندار ہر
حصولی تدبیر کا سبب بنتا ہے۔ اکثر و
بیشتر اس میں اپنے ہیٹ پائے کیے ہوئے ہوتے
اور سیاست کے وہ ڈاڑھے دیکھے نصیب ہوتے
ہیں کہ اکثر مطلب طافی نسیاں جو جانتا ہے۔
نیک ترقی اردو بیورو ایک ایسا ادارہ ہے۔
جس نے اردو کو اس کی کس میری کی حالت

میں ہاتھ میں لیا اور اسے نرختہ خلقت کے
درجہ تک پہنچایا۔ اس نے زمانہ ماضی کی وہ
تمام کتاب جن پر ادب اردو کا زیادہ تر انصار
تھا اور جو تقسیم ملک کے وقت یا وقتِ آزادی
نئی تھیں یا پاکستان کو منتقل کر دی گئی تھیں
انہیں اہل سہرؤ نہایت مناسب جگہوں پر
پھر سے دستیاب کروانے کا بندوبست کیا۔
کون نہیں جانتا کہ فرنگ آئینہ جیسی اہم
کتابوں کا نہ ہونا اردو ادب کی ترقی اور
رہنمائی میں کتنا بڑا روڑہ تھا لیکن اس
ادارے نے اسے لاگت کی محنت پر لوگوں کو
دیا۔ اسی طرح اردو ادب کا ماضی کا خزانہ
جیتا کر کے اس ادارے نے ادب کو نئی زندگی
بخشی اور اس کی مزید ترقی کے اسباب پیدا
کئے۔

اب دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ ہر سب
ہذا کیسے۔ حکومت ہند نے نہایت داناں سے

ایک ایسی شخصیت کو اس کا سربراہ مقرر
کیا جسے اردو ادب کو فروغ دینے کا سودا سوار
تھا اور جو اپنے اس عشقِ حق کی کامیاب کرنے
کے لئے ہر مناسب وسائل کا استعمال جائز
کبھی تھی۔ میری مراد اس بیورو کی ڈائریکٹر
ڈاکٹر خدیجہ بیگم ہے جنہوں نے ہندو
یونیورسٹی سے لسانیت کی ڈگری لی تھی
اور جو بیگور یونیورسٹی دہلی میں اردو
پر حافی تھیں۔ انہوں نے اس ادارے کی
بانگ ڈوڑ ہاتھ میں لے کر اسے ایسا مرکز
کیا کہ تمام اردو برست طبعی ہوتے کہ اب
اردو کا مستقبل تاریک نہیں بلکہ روشن ہے۔
حکومت ہند سے مناسب امداد لے کر یونیورسٹی
کی اردو اکادمیوں کو کام کرنے پر متوجہ
طاعت، سہت و حیدر کیا ہے کی کو خوشنور
سے ہندوستان کے کونے کونے میں اردو
کے فروغ کے وسائل مہیا ہونے لگے۔ طلباء

خلاف دے جانے لگے اور ناشی کی کو مالی
مادہ ڈاکٹر خضرہ بیگم خود بھی اسکی درجے
لی ادیب ہیں لیکن انھوں نے ذاتی مفاد کو
یہ عزت رکھتے ہوئے 'اردو ادب کی اشاعت
نکام کو سب سے آگے رکھ کر ایسا کام کیا کہ

اردو ادب ہمیشہ نمونہ کا نمونہ احسان
رہے گا۔
اس ادارے نے کئی بیش قیمت طبعیات
شائع کی ہیں اور انھیں مناسب قیمت پر
فروخت کرنے کا اہتمام کیا ہے جو کام بہت

بھی قابل تحسین ہے۔
اُس مرتبہ دورہ دہلی میں اس ادارے
کی سرگرمیوں کو دیکھ کر یہ یقین ہو گیا کہ اب
ہندوستان میں اردو کا مستقبل نہایت
اشید افزا، روشنی اور شاندار ہے۔

غزلیں ریکتر



لوگ سب ہیں یہاں تو بھٹانے
لاش کس کی ہے کون پہچانے

کھیتوں میں چن ہیٹا کبے پکارے
چنے بھارے، چنے بھارے، چنے بھارے

ہر اور جیت کا کہاں سودا
کیں کھیلے بہت سے اجماعے

وقت نہیں رونے دھونے کا، میلہ دیکھو
چھوٹ میں بھگڑاؤں لاکھوں سا بکھارے

کیا سمجھ کے بکڑنے بیٹھے ہیں
طو حاشیت کے آڈے انسانے

کھٹک کھٹک کر پائل جھٹکے تھی تی چٹکے
کانی والا آتے جاتے کرے اشارے

اپنا کہنا ہے ریت پر مشہ بن
بات تو بے جب کہ وہ مانے

کھنک سب کر کھیلے جائے آگن آگن
چڑھلا دی کہیں نہ بیٹھے کہیں نہ ہارے

نیرے دستے پر میں دیا تنہا
اُس کو آئے ہیں لوگ بھٹانے

بات پہنچ پائے تو کیسے دستہ لاکھیں
دور دھارے سے بری جھٹک دیں بھٹاکے

ہم کو خود بھی پسند نہیں چلتا
دور دیکھا ہے کوئی کیا جانے

رنگ پر تھے چہرے والے، ہوا سو ہوا
مٹیاؤں کے آہن اڑتے دھارے دھارے

اب غزل گھومتی ہے جھروں پر
شہر بھڑکے ہیں بند مٹھانے

دنک محل سے آنکھیں دیکھیں جیل جیل
جوگی اکھ جگاتا پھرنا من کو مارے

ہم ہیں فکار، دستکار نہیں
ہم کو تا پور نہ لے کے پیارے

کس کا دیکھا وہ پانکھا سدا بہاری
بھول گئے ہم رنگ بدستے سبھی نظر سے

بیڑوں پر میں تھے ان پر جنگی ہیں
کھا گئی بھڑنگ میں دیوانے

گھر پر کوئی نہیں میر لاد نہ جانے
بھول گیا ہر دلی دھوکا کس کے سہارے

وقت کا فیصلہ

شبیبہ عباس جاویدی

کہ سڑک پر ایک بیس آگہ لگی۔ اُس میں سے گاؤں کے دو تین مسافروں کے علاوہ سردار علی دو افروش بھی تھا۔ یہ دو افروش رہتا تو لاہور میں تھا لیکن لاہور سے باہر دھندلا جانے والی مسافریوں میں دو الی کی شبیاش فروخت کرتا تھا۔ وہ اس دو الی کا نام "امرت دھادا" جاتا۔ سردار اپنی صحت کا سبب اسی دو کو بتایا کرتا تھا۔ سردار سس کے مسافروں کو اپنے دانت دکھاتا اور کہتا کہ وہ اُس کی ستر سال کی عمر میں بھی پورے کے پورے اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم ہیں۔ وہ بیس کے مسافروں کو اپنے دانتوں کو شہادت کی انگلی اور ایک انگوٹھے سے بکڑ کر دکھاتا اور اس طرح اپنے متوح کاہکوں کو جیتھیں دلائے کی کو مستحق کرتا کہ اس کے دانت بالکل نہیں بچے اور یہ سب اُس کے امرت دھادا کا کٹر شہر تھا کہ وہ اُس کے چند قطرے اپنے

کرنا چاہتا تو نواز نے تین چار ستروں کی بندوبست بھی کر رکھا تھا۔ نواز اس گاؤں کا باشندہ نہیں تھا بلکہ دس سال قبل کہیں اور سے آکر اُس نے یہاں یہ ہوٹل کھولا تھا۔ ادب اس کا ہوٹل اچھا خاصا چل نکلتا تھا۔ نواز کی عمر یوں تو ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی لیکن دیکھنے میں وہ اپنی عمر سے کم نظر آتا تھا۔ سلطان خاں بھی کم و بیش اُس ہی کا ہم عمر تھا۔ صبح کا اُجالا تو چار ستر چلے گیا تھا لیکن شہرجا ابھی نہیں نکلا تھا۔ نواز ایک دیوار کی اوٹ میں بیٹھ کر گرم پانی سے غسل کر رہا تھا اور سلطان اُس سے استغفار میں تھا کہ وہ غسل سے خارج ہو اور کب نیل کے پورے پر جا سکے تاکہ وہ جا سکے گی دو بیاسیاں اور دو تین کچے کھا کر وہاں سے اپنے گھر روانہ ہو۔ دونوں ہی ایک دُور شہر کے روزمرہ کے معمولات سے واقف تھے۔ نواز اور سلطان ناشتہ کر رہے تھے۔

محمد پور گاؤں کا جو کہ اور سلطان خاں دات کی ڈیوٹی ختم کر کے صبح سویرے نواز کے ہوٹل میں ایک چار پائی پر بیٹھا تھا۔ کونائے کی سردی تھی۔ سلطان خاں نے سردی سے بچنے کے لئے اور کوٹ کے اوپر کس بھی ڈاٹا ہوا تھا اور اس کی صرف آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں وہ نہ پورا جسم اُس نے کس سے پینا ہوا تھا سلطان خاں کی سیٹی، ٹاچ اور ڈنڈا ہنگ پر ایک طرف پڑے ہوئے تھے۔ اس گاؤں کی آبادی سے زیادہ نہیں تھی۔ یہی کوئی ڈھائی تین سو گھر ہوں گے۔ لیکن ایک بڑی شاہراہ پورا رخ ہونے کے سبب اس کی اہمیت تھی۔ نواز کا ہوٹل بھی سڑک کے کنارے تھا۔ جس میں جائے منی کھانا جاتا تھا اور اگر دات کو کوئی لوگ ڈر ایجور یا مسافر ہوٹل میں قیام

نوں چلی بیٹھا تھا۔ دلاؤ عارض چہن
نجانا نہ تھا، پیت کا درد کا درد
نہ سوزہ ملی کا عورت کا عارض مرض کی دعا
نا۔

سردار علی کا اہل زبان بالکل
دکھا تھا۔ وہ اپنی بھاری ہنرمیں آواز میں
نا۔

”میرا کام سردار علی ہے۔ میں یہ امرت
ہمارا بیچا ہوں۔ میری یاد گارے جانا۔
داتا کی عمری کا تھ ہے۔ نئی کے صدف
باجب کبھی ٹوٹے تو کبھی کے بھائی سردار علی
بکشتی اور دینا۔ اس کی قیمت تین روپے
۔ وہ زمانہ اب نہیں رہا جب دور ہے کی
بیس آتی تھی اور سارا گاؤں اسے دیکھنے
تھا۔“

ادھ ساتھ ہی وہ اس امرت دھارا کی
موسمیت بٹانا شروع کرتا۔

سردار علی مضبوط کچے کا مالک تھا۔
ن کا رنگ کا لہو اور وہ دھوپ کا چھوڑ
لگتا تھا۔ اس کے بالیں کا سر پر ایک بڑا
ساٹھیا ہوتا جس میں چھوٹی اور بڑی دو
سائز کی بہت سی شیشیاں ہوتیں۔ وہ بہت
جرب زبان اور خوش مزاج تھا۔ اس سے
آکر نواز کے پوئل کی طرف آتے ہوئے
سردار علی بہر وارث شاہ بڑی موج میں
گاد ہوتا۔

”ایک کوئی نہ ملیا میں ڈھنڈھ ٹھکی
جہڑا گیاں تو موڑ لیا وندا اسی“

سردار علی نے نواز سے بڑے خوش اور
بے تکلفانہ گفتگو کیا اور سلطان خان سے
دسی سلام دعا کی۔ سردار علی نے نواز سے
گودیر ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ ایک چائے
لی۔ اپنے پیچے کی شیشیوں کو جاکر دکھا اور
فکری میں آنے کے بعد اس میں سوار
ہو گیا۔ سردار کے جانے کے بعد نواز نے
سلطان سے پوچھا۔

”سلطان! تم سردار کو جانتے ہو؟“
”ہاں، یہ بسوں میں اپنا بنایا ہوا امرت
دھارا فروخت کرتا ہے۔“ سلطان نے جواب دیا۔
”ہاں! لیکن اس کے علاوہ کچھ اور۔“
”نہیں اس کے علاوہ کچھ اور تو میں نہیں
جانتا۔“ سلطان نے جواب دیا۔
”سردار کی بھی بڑی عجیب کہانی ہے۔“
نواز نے کہا۔

سلطان کے اصرار پر نواز نے کہت
شروع کیا:

”سردار علی اور میں ایک ہی گاؤں
کے رہے۔ دسے ہیں۔ ہمارے گاؤں کا نام
راہیاں والی ہے اور یہ دسے چھلے کے کنارے
واقع ہے۔ سردار علی ایک سیکھ گھرانے سے تعلق
رکھتا ہے۔ اس کا پہلا نام ہر نام سنگھ تھا۔
نوعری میں ہر نام سنگھ کو گاؤں کی ایک لڑکی
شہناز سے محبت ہو گئی۔ وہ بھی اسے بڑی
طرح چاہتے تھے۔ دونوں کی جوڑی بھی خوب
تھی۔ اگر مذہب کا معاملہ نہ ہوتا تو انہ
دونوں کی جوڑی ہر طرح خوش ہو گئی۔ انہ
دونوں میں سے کوئی بھی اپنا مذہب بدلنے کو
تیار تھا اور یہ دونوں ہر قیمت پر ایک ہو نا
چاہتے تھے۔ رنگ روپ، نقد کاٹھ، جنت
فتوت، ہر طرح یہ دونوں ایک دوسرے سے
بہت ملتے تھے۔ لیکن ان کی صوفی آپس میں
اس قدر مشابہ نہیں کہ نادانف شخص انہیں
بڑی آسانی سے بھائی بہن قیاس کر سکتا تھا۔
جبکہ ان کا ایک ڈھنگ سے ظاہر ہے کہ کوئی
تعلق نہ تھا۔“

نواز کی بات ابھی جاری تھی کہ سڑک
پر ایک تاجر آکر ڈکا اور کچاں سے نواز کو
تائے میں اپنے اور سواروں کے لئے چائے
لانے کے لئے کہا۔ جب تک تاجر وہاں نہیں پڑا۔
اس وقت تک نواز خاموش رہا اور بعد میں
اس نے پھر کہنا شروع کیا:
”ہر نام سنگھ کے والد دھرم سنگھ کو

غزل

دے گا جواب کوں کسی کی صداؤں کا
اپنی ہی بازگشت ہے عالم غفلوں کا
اپنا ہی کس کو کچھ کچھ اپنا ہوں میں
بچاؤ نہ آئیں گے بے وفاؤں کا
بھرتے ہیں اپنے سر پہ بچھڑے ہوئے
کی خوب بکھڑا ہے سرم آستانوں کا
بندہ خدا کے ہونے سمیڑوں یہ دیکھ کر
تہ روز پر ہجوم کھڑا ہے خداؤں کا
مصلوب نہ کہ گجے کہ بے ہیں وہ
کتے خفیم تر ہے دہو ناؤں کا
انسان ہی ہوتا ہے انسان غفلوں
آئیں گے بکھڑا ہے مطلب اداؤں کا
خفیم تر ہے اپنے ہی فانی کو آج پھر
نیں لے گا ہونا جائزہ اپنی خطاؤں کا
تجسس ہوں غفلوں کو تیش پتاؤں کا
احسانہ ظاہروں میں تیش پتاؤں کا
اپنے ہی درد میں جو رہے نکلاے درد
دیکھ لو کیا وہ حوصلہ درد آخاؤں کا
پریم سنگھیں درد

جب اس کا پتہ چلا تو اس نے بیٹے کو اس بارے
میں بہت دھمکیاں دیں اور اسی طرح میں
تقسیم ہند کی تحریک زور پکڑ گئی۔ اور سکھوں
کے اکثریتی علاقوں سے آنے والے اس غریب
کی بازگشت دھمکے علاقوں میں بھی سنائی
دینے لگی۔ راج کوٹ کا خاندان آتی رہے نہ
کو۔ اسے کئی بار حالات میں ہر نام سنگھ
اور شہناز کی کچھ کچھ کہنے والی باتیں
بھی سنیں ہو گئیں۔ ان دنوں دھرم سنگھ نے
بھی اپنے بیٹے کی خدادی ایک سیکھ فوج اسے
لائی تھی۔ سردار علی اور کچھ حرمہ بعد یہ خاندان
بھارت منتقل ہو گیا۔ شہناز کا کہ خدادی

والے روز ہر نام سنگھ اور شہناز کی ملاقات ہوئی اور ان دونوں نے قسم کھائی کہ وہ ساکھیا جڑ ایک دوسرے کو یاد رکھیں گے۔ شہناز نے چہرہ خادی نہیں کی۔
اس دوران مارن کا شور مچاتی ہوئی ایک جنرل فساد بس کے سر پر سے گزرنے کے سبب نواز پھر کلاہیر کے سٹا خاصوش ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے چہرہ خادی شروع کیا۔

۴۰ ہندوستان میں ہر نام سنگھ نے لکھنا میں رہائش اختیار کی اور وہاں اس کے بہن ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ وہ ہر نام کی اکھوٹی اولاد تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اس لڑکی نے ماں باپ کے منہ کرنے کے باوجود

وہاں ایک مسلمان نوجوان سے شادی کر لی۔ اس عجیب واقعہ کے بعد ہر نام سنگھ ورنجیدہ رہنے لگا اور بقول اس کے اسے اب شہناز کچھ زیادہ ہی یاد آئے گی۔ ہر نام کی بیوی بھی اس مورد خمال سے پریشان اور رنجیدہ رہنے لگی۔ ہر نام کی اکھوٹی بیٹی مسلمان ہو گئی تھی۔ میاں بیوی کشمکش میں مبتلا تھے۔

ہر نام کی بیوی کو پتہ تھا کہ اس کا شوہر اب تک شہناز کی یاد کو دل سے نہیں مٹا سکا ہے اور شہناز بھی اب تک اس کے نام پر بیٹھی تھی۔ پھر ایک دن جس بڑا کہ ہر نام کی بیوی نے شوہر کو نہ بھگتے اجازت دی بلکہ وہ منہ پر ہوئی کہ ہر نام ابھی محبوب اور اس

کی چھپی کی سہیلی شہناز سے شادی کرے۔ دونوں میاں بیوی پاکستان کساند ہر نام سنگھ مسلمان ہو گیا اور اس کا نام سردار علی رکھا گیا۔ اور پھر اس کی شادی شہناز سے کر دی گئی۔ سردار علی تو پاکستان ہی میں رہ گیا لیکن اس کی بیگم بیوی دایس بھارت اپنی بیٹی اور داماد کے پاس ہی گئی۔
نواز نے سردار کی کہا فی ختم کی

سلطان خان نے آخوی ٹھکانہ ابھرا۔ اپنی بیٹی، چار بچ اور ڈیڑا اٹھایا اور اور کوٹ کو ایک مرتبہ اور مضبوطی کے کسا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔



کیا
آپ کی کوئی تصنیف

ناول — افسانوی یا شعری مجموعہ

اشاعت کے لئے تیار ہے، اور آپ اسے چھپوانا چاہتے ہیں ؟

تو

اس سلسلے میں آپ ہماری خدمات حاصل کیجئے۔

ہمارے پرمود کشنز حسن کتابت، طباعت اور نمٹ آپ کے لحاظ سے اعلیٰ معیار پیش کرتے ہیں۔

شان ہند پبلی کیشنز، فلیٹ ۸۔ انصاری مارکیٹ دیرانچ نئی دہلی ۲۔



جب فلمی ستارے مداح بن گئے



● ایک ہفت روزہ اور ان کے جہان نور محمدی ہوٹل کے کھانے سے ٹھٹھ اندر دیکھا ہے

فلمی ستارے جو ہر دم مداحوں میں گھرے رہتے ہیں، جب خود کسی کے مداح بن جائیں تو یہ حیرت کی بات ہے۔ لیکن اگر آپ نور محمدی ہوٹل کی نئی نہاری کا ایک بار ڈائننگ میں تو پھر آپ کو تعجب نہیں ہوگا۔ یہ ہے ہی اتنی عمدہ، لذیذ اور صحت مند کھانا کہ پہلے ہی ننگلے میں خواص و عوام کا دل ہوا لیتی ہے۔ اسی لئے نور محمدی ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں بڑی بڑی ہستیاں، مشہور فلمی ستارے شامل ہیں۔ یہاں کی نئی، نہاری، بجیو، پائے، ماس کی دال اور دیگر کھانوں کے پیچھے ۶۰ سال کا تجربہ اور جناب ہر ذائقہ نگار کے دل کو فتح کرنے کی ذاتی لگن شامل ہے جس نے اسے ممتاز بنایا ہے، آپ یہاں شریف لاکر شوق فرمائیں، اپنے احباب کے لئے گھرے جائیں یا پائلے کے لئے جائیں۔ آپ اور آپ کے جہان ڈائننگ کو کبھی فراموش نہ کریں گے۔

نور محمدی ہوٹل، وزیر بلڈنگ ۱۸۱/۱۸۳ ای۔ آر۔ روڈ، بھٹنڈی بازار، ممبئی ۴۰۰۰۰۲

فون: ۸۵۱۱۰۰۸، ۸۵۱۱۰۱۵، ۸۵۱۱۰۱۶

جہان نور محمدی، ممبئی ۴۰۰۰۰۲

باب انتقاد

اداروں میں، خبروں میں یا دیگر معانی میں جو کس طرح انگریزی الفاظ کو اور ان کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہو جائے کہ عوام انگریزی کے ان الفاظ سے ابھی دم واقف ہیں اسی لئے اب ان کا ترجمہ دینے بجائے انہیں اصل صورت میں لے دوں گا اور ان کے سلسلے پیش کیا جا رہا ہے۔

کتاب سائنات اردو میں ایک تصنیف ہے جس سے ہر اردو خوان استفادہ کر سکتا ہے۔ محققین اس کتاب کی تصنیف کے شہادت کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے بالکل نئے نمونے کو ادب اردو میں اجاگر کیا ہے کتاب اولاد شاہ ہند سے دستیاب ہے۔ ڈاکٹر عظیم اللہ چوہدری

سید ابوالکلام آزاد مدنی تقریریں

الہلال

ممکنہ قائلین

ہم سے طلب فرمائیں

جوت دن کسی کتاب الشیخ ہے مگر
دلاد ونگار کا ذخیرہ جو کلام
خدا جھوٹ نہ ملے

پڑھنے کا جھوٹ ہونے کی برکتوں سے
پوری طرح واقفیت پائیے گا۔

جنت: ۳۰ مردیہ

نے اکبر آبادی کے انگریزی الفاظ کا استعمال پر ایک مہمدہ باب وقف کیا ہے جس سے یہ چلنا ہے کہ اس زمانے میں انگریزوں کی وفادار کسی ثابت کرنے کے لئے یہ بھی ایک فن تھا کہ صاحب لوگوں کی مشتعل زبان کو اپنی زبان میں زیادہ سے زیادہ داخل کیا جائے۔ چنانچہ اس سے وہ علامہ اقبال بھی نہ بچ سکے اور کوئی بھی ایسا شاعر نہ تھا جس نے انگریزی الفاظ کے استعمال کو اپنے لئے سراپا اختیار نہ کیا ہو۔

کتاب ہذا میں ایک ہیبت ہی اہم باب ہے انگریزی الفاظ کے اردو میں منتقل ہونے پر ان کے اہم صحیح کا۔ کہ کس طرح سے ان انگریزی الفاظ کی جگہ کو مختلف صورتوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اردو یہ باب اردو سائنس میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اسے پڑھ کر موجودہ اردو کے تازہ ترقی کی خبروں کے نظارے آنکھوں کے سامنے آجھڑ ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ مصنف نے غور شدہ ہیں بیچیس سالوں میں اردو کی نشرو اشاعت کے لئے جو سرکاری اور غیر سرکاری اداروں نے کام کیا ہے اس کا مفصل تذکرہ کیا ہے کہ کہاں کہاں سے اردو کو لکھ لکھی تھی اور اسے پھر بحال کیا گیا ہے اور اردو کو اکادمیوں اور دیگر اداروں کے توسط سے اس کے ماضی کی اہمیت سے سرفراز کیا گیا ہے۔ نیز اکثر اخبارات کے اقتصادیات اور اشتہارات کے عکس دیئے گئے ہیں کہ کس طرح سے ان میں انگریزی الفاظ اللہ ان کی جگہ کے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ انہما شال و سلی جوئی بشرقی اور مغربی ہندوستان کے ہیں جو اردو میں شائع ہوتے ہیں اور اپنے

شعور زبان —
ڈاکٹر عظیم اللہ

زمانی سال: ۱۹۰۰ صفحات
قیمت جلد بزرگ پویش: ۶۵۰ روپے
فائینس: ڈاکٹر عظیم اللہ
ڈی سی سی ۵ مونی باغ ۲
نئی دہلی ۱۱۰۰۲۱ —

اردو ادب اور اس کی تاریخ پر تو آج تک بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اردو سائنس پر شاید و نادر ہی کوئی کتاب موجود ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے اردو سائنس کے ان خوشوں کو اجاگر کیا ہے جو ہر آج تک کسی نے نہیں لکھا۔ یہ تو سب مردِ باخ ہے کہ آجیوی صدی کے شروع سے ہی حبیب سے انگریز ہندوستان پر کن حکومت کرنے کے مدارج طے کر رہے تھے تو اکثر و بیشتر انگریزی الفاظ اردو میں دھڑلے سرایت ہی کر گئے تھے جو عام لوگوں میں بھی منتقل ہونے لگے اور بیوی صدی کے شروع میں تو یہ ایک فیشن ہو گیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے اردو اور ہندوستانی زبانوں میں زیادہ سے زیادہ انگریزی الفاظ کا استعمال کیا جائے اور سرکاری افسروں کے چہرے ان کی کارکردگی و خبر میں جو انگریزی الفاظ استعمال ہوتے تھے انہیں ہر پڑا اسی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

یہ معاملہ درجہ انتہا کو پہنچا اکبر آبادی کے کام میں۔ اسی لئے اس کتاب میں فاضل مصنف

من کہ سب الیہ

فراڈارت کمزری سرمد صاحب
تلیات !

آپ کے مؤرخ مگر میں مئی سلاطین میں زہر
موانی "من کہ سب الیہ" حضرت ولید بادل
کا ایک مکتوب شائع ہوا ہے جو اُن کی شاہی ہند
ادب دوستی پر دالی ہے۔

میں تھاؤ نہیں۔ سخن جمی کا دھوی باطن بھی
نہیں کرتا۔ اس نے سخن جمی کے شاعر کا مکتبہ اصلاح
کرنے کی صلاحیت اذہن میں ضروری ہے۔ ادب اذہن
سے مجھے اتنی دلچسپی ضروری ہے کہ میں اساتذہ کے کام
سے محظوظ ہونے کے سوا حق نامہ انکاں باختر سے
نہیں جانتے دیتا

بادل صاحب نے حضرت زادہ حمادی کے اپنے
یہ اصلاح شکرہ شعر ہے

راہِ الفت میں دورا دیکھ کے چلنا اے غدار

خند کب کب نہ گرسے دود کے چلنے والے

کے مصرعہ اول کی تصحیح یوں فرمائی ہے :

۲۔ عشق کی یاد ہے اب نہ از سہل کھیلنے

"راہِ الفت" کو بادل صاحب نے "عشق

کی ماہ" میں بدل دیا ہے۔ اس اصلاح کا اثر کد غایر

یہ احساس دہا ہے کہ زبانِ شعر کو حق اوسع روزمرہ

کی بول چال کے قریب ہونا چاہیے۔ اصلاح بادل چال

میں باقیمصرعہ حسن ہے۔ اس میں اصلاح میں بادل

صاحب کی تفسیر، ادبی اور فنی معاملہ کا کشادہ دیکھ

عشق ایک شاعر پر ہے۔ سلام عشق میں

سنبھل کر چلنا جوئے خیر کا نام ہے۔ سلام الفت میں

سنبھل کر چلنا ضرور ممکن ہے۔

پھر مضمون اصحاحات کی عمدت کو بھی

فراڈارت کرئے۔ "عشق کی یاد ہے" میں ہلے ٹھڈ

حالیات ! تلیات !

آپ کی کتاب "دل کے شاعر" پر میں ہر دو حق رکوں۔ میں جس دن آئی اس میں
سے حلقہ احباب میں مسس سرکویت کر رہی ہے کوئی بات، کوئی افکار ہیں، کوئی انفرادیت ہے تو
ضرور اس کتاب میں۔ قبولیت عام کسی کے جتنے ہیں نہیں آتی !
خدا کرے آپ صحت یاب ہو چکے ہوں۔ آپ کی دلداری کر کے لئے دھانگو ہوں۔
بہت دنوں سے آپ کا تفصیل خط پڑھنے کی لذت اور سعادت سے محروم ہوں۔ اب اس بار
مفصل خط لکھنے کا۔

طالب دعا، خواجہ زینش
مشتاقی اعلیٰ

کی نگرانی میں ہے۔ قاتل قرشت اور کاجن کی
قربت میں ناگوار گوش ہے۔

زاد صاحب کے مصرع میں مضمون نہیں

کی فوجی حق جو بادل صاحب کی اصلاح میں خود انگریز

ہو کر رہ گئی۔ شعر کے مصداق کے استواری الفاظ چلے

اور "والے" قوانی نہ ہیں، ایک عجیب نئی کیفیت

ضرور پیدا کر دیتے ہیں۔ اصلاح بادل شجرہ جمین ہے

یا اصلاح برائے اصلاح۔

آدا ادا اظہار دے کے سہل سہل خواہ

احقر

نوہال کرخص ام۔ اسے

دینا نہ پرستیں

مزمی سرمد صاحب، سلام و رحمت

"ماہ شمس" پر چل گیا تھا۔ محترم ڈاکٹر چوہدرہ

صاحب کا معلوماتی، مبنی اور تاریخی مضمون خوب سے

خوب تر ہے۔ وہ صاحب ہم عقیق اور ادب میں یاد

پڑتا ہے کہ حضرت تخلص بھی کہتے ہیں جب تاریخ

ہے تو تاریخ فرماتے ہیں تو مکتبہ کے مسلمان ضرور مجبور

پندار کو سرور اظہار ہے۔ کیسے ہاں سے ہندو ہیں
کچھ کہ زبانِ اسلامی ہے، قل ہے جس کے ہاتھ اور
زبان سے کس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے وہ مسلمان ہو گا
اس کوئی پرستے مسلمان ہوئے اترتے ہیں، پس
انھیں پرکھ لیئے۔ ان سے کچھ اس قسم کے
یا دگاری مضمون ضرور لکھ کریں۔ میں ان کو ہمیشہ
انسانیت کے علمبردار کے نام سے پکارتا ہوں۔ ان
کی مذمت گویا اور دم آج میں قیمت ہے۔ انہر متانی
اُن کی عزت و ادھر کرے۔ آمین !

خیر طلب

کرمی الاصحافی

مزمی سرمد تو کسی صاحب۔

تلیات !

اُمید ہے حراجِ خیر ہو گا۔ آپ کا ارسال
کردہ کتابیں اب ملتی ہیں۔ لکڑی اور چمکی۔ یہاں
قریبات اور عالمی مباحثوں میں مصروف رہا۔
اس نے حجاب وقت پر دوسے سکھ مضمون لکھ
کریں۔ بات یہ ہے کہ یہاں جتنے بھی مباحثہ ہوئے

ہیں، ان میں سے تو بے قصد ہیں، ایسا کرتا ہوں۔
اس نے معصومیت رہتی ہے۔ وہ دینی کے شعوبے
خلع کے چیز ہے۔ جی کہ کل اسے بھر دیا ہوں۔
انکارا دے تھیں، معصومیت کہہ کر چھوڑاؤں گا، اور پھر
آپ کو بارہ سال کوں گا۔ رام علی صاحب پاکستان
کہتے ہوئے تھے عمر طوالت نہ ہو سکی۔ اس کا اخوس
ہے۔ مکان میں ہم نے عالمی مشاعرہ کرنا تھا، جناب
علی سرور جعفری، مکہ منیر اور ریکانہ فربہ طوالت
ہوئی تھی۔ آپ کا ذکر بھی رہا۔ خاص طور پر نکاح منیر
سے۔ میں بارہ بار آپ کو بکھرا ہوا ہوں کہ پاکستان کا چکر
لگائیں، ضروری ہے۔ زندگی کا تو بھر سہیں۔ ایک
بار آ ہی جائیں۔ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔
ہر طرح کا آرام ہے گا۔ اس بارے میں ضرور سوچیں
اور فیصلہ کریں۔ سترہ اکتوبر میں یہاں موسم خاصا خوشگوار
ہوتا ہے۔ بس آ ہی جائیں۔

کافی دنوں سے رسالہ نہیں ملا، مجھے بھی صاحب
کا کیا حال ہے۔ انہیں میرا آداب کہیں لالہ انہیں
ساتھ لانا نہ بھولے گا۔
مسیحہ لائق کوئی خدمت ہو تو مسرور
فرمائیں۔

خیر اندیش
ظاہر قزوینی

برادرم، شہدات!

خواب ہند کا تادمہ خوارہ (دسمبر ۱۹۹۱ء)
ابھی ملا۔ ٹیکو گڑا دیوں۔ یہ دیکھ کر بیت خوشی
ہوئی کہ آپ نے خلد بخش لاہوری کے وفات
میں لکھا۔ آپ نے بالکل حق لکھا۔ بیتہار صاحب
جس محنت، یافتہ اور پیدار حشری سے سترہ بیانی
لاہوری کا نظم و ضبط چلا رہے ہیں، وہ قابلِ دلالت
و ضرور احمد صاحب خلد معلوم کیوں سرور خلد
سے بیتہار صاحب کے خلاف لکھ رہے ہیں۔ وہ
مسیحہ بھی دوست ہیں اور میں نے ان کو منع
بھی کیا تھا کہ اس طرح کی باتیں انہیں نہ کہیں۔
دیتیں۔

اس خوارہ سے یہ بھی معلوم ہو کہ شاعر

کے ہائے میں آپ کی کتاب خلیع ہو گئی خوشی ہوئی۔
ایک بار آپ نے فرشتی کی مٹی کو میں اس کا
دیا چکر دوں۔ یاد چکر و مصروفیت میں سے
جواب میں لکھا تھا کہ آپ کا چکر واجبِ امتحان
ہے، بکھروں گا۔ پھر آپ کا کوئی خط نہ آیا۔ میں
نے غمان کیا کہ آپ نے ارادہ بدل دیا ہوگا۔ یہ

اس نے بکھرا دیا ہوں کہ شاید آپ کو وہ خط نہ ملے ہو
اس نے ملے میں دینی میں تھا۔ لہذا آپ کو بھلا
ہو کہ میں نے جواب نہ دیا۔

نیا نمند
نفس الرحمن فاروقی

مشہور محقق جناب انور سدید کا قصہ دلی کے مشاعرے

مشاعروں کی فنی زندگی کا اردو ادب نگاری کا اولین نقش مرزا فرحت اللہ
جیسے بنایا۔ اس کو فنی روپ دتا تو یہ کہتی ہے دیا۔ آزادی کے بعد ۱۹۴۷ء
کو جب دہلی میں ہجرت کے جتن چھوڑ دیے پر لال قلعہ میں پہلا مشاعرہ ہوا تو اس کی زوردار
سرکردہ قزوینی نے بھی ادبی انجمن میں ہونے کو ان سے ہر سال اس قسم کی رپورٹ
لکھنے کا مطالبہ کیا جاتے تھے۔

زیر نظر کتاب "دلی کے مشاعرے" ۱۹۵۷ء سے لے کر ۱۹۸۲ء تک کے اہم مشاعروں
کی زوردار ہے۔ سرکردہ قزوینی نے ان مشاعروں میں محض ایک شعر ہی بعض شخص کا فریضہ
ادا نہیں کیا، بلکہ وہ ان مشاعروں میں کتنے دسی اور سخن شناسی کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔
ادب پر غزل پر اپنا بے لاگ تبصرہ کر کے غزل کی تیسویں قند بھی کر دیتے ہیں۔ اس ضمن میں
ان کی ایک لکھی یہ ہے کہ وہ صدائے رات سے گزرتے نہیں کرتے اور کسی کو سناٹا نہ دے
کی روشنی میں شہر افروز ہونے کا موقع بھی نہیں دیتے۔ اس کتاب میں سرکردہ قزوینی
ایک ناظر کی صورت میں سامنے آتے ہیں جو مشاعرے کے خطرہ کی سبب حوالتیں دیکھ رہے
انہیں فوج دلی پر محض کر رہا ہے اور اب انہیں کئی صورت دے کر اس زور کی یادوں
کو تادمہ کر رہا ہے۔

مشاعرہ اردو تہذیب کا ایک اہم اور روشن ادارہ تھا، لیکن مرزا یام کے
ساتھ شاعر قزوینی رساں بن گیا اور مشاعرے کا تہذیبی مزار مرزا بہ زوال ہو گیا۔ یہ کتاب
مشاعرے کے عروج و زور سے شروع ہوتی ہے اور اس کے زوال کا تادمہ زورنگ کی تاریخ
بالواسطہ سامنے آتی ہے۔

اسے کتب خانہ ہند نے خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔

انور سدید

"آواران" خاص خبر دہلی جولائی ۱۹۹۱ء

شاعری

جلد ۵۲ شمارہ -

چیف ایڈیٹر
سرور تونسوی

جوائنٹ ایڈیٹر
مطہر محمد رانی

اشاعت کا
۵۲ واں سال

اس شمارے کی اہم جھلکیاں

پندرہویں صدی کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی دوسری مہاسی
پاروں سے بہتر بجا آگئی ہے۔ وہ سب کچھ دینی ہے جو بہت
کے فکرمندوں میں چھپا ہوا ہے۔

نہ جے بی سے ارجا
عورت خوشبو، نغمہ، رقص اور روشنی کا مجموعہ ہے۔ محنت
سب سے اچھا آسمانی تحفہ ہے۔۔۔

ڈاکٹر ابراہیم سندھو نے نیکو کی خواہش
"ہسانی" کہانی - عابدہ زوجیں - "جینے رہے تھے تباہ" کہانی،
فرید آفاق - "گوئی عزت" کہانی، "انور احمد" - "دو باغیچے"
کہانی، "روشن آرا نرگس" - "نکات" ایک ناول ہے، "مراحمہ"
حاکم، "حاجت علی سندھوی"۔

حیرت آفاق، "دیکھ کر کالی داس چٹا ہوتا" دہرا نند جلی
"آج کی لڑکی"، "خوشامیاسی پوری"، "مستکرمہ بنی"، "ساقی احمد"
کی کہانی - "سیراویں" - "نظم" - "مخاطب زیدی" - "ایوانی"
شریف سیاحی - "باب انکشاف" - "میں کو کھنڈ الہیہ"
مشتاق کام پرستور

پندرہویں صدی کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی دوسری مہاسی
طاعت، خواہش پر اس کا معنی دینی - مقام اخلاقی، دین و دنیا کا
"شالہ پندرہ" فلیٹ ۵، انصاری مارکیٹ، دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

ہندو پرست ہوں نہ مسلمان پرست ہوں
دامن پرست ہوں نہ گریباں پرست ہوں
ہر ذرہ وطن سے ہے قیاس مجھ کو پسید
یعنی دامن پرست ہوں انسان پرست ہوں
قیاس گراں گیری

ممالک غیر میں۔

پندرہویں صدی کا

پندرہویں صدی کا

قیمت فی شمارہ
تین روپے
ایک سالانہ
ایک روپے

غزل

ذاکر حقیر آستانی مرحوم

کم رنگا ہی چہرہ ہی پروان ہے
پڑ گئی جو کھوں میں اپنی جان ہے
کیا کہیں کیسے نوازِ برش کر گئی
زندگی تو ہے سرو سامان ہے
جو بھٹکتا پیرِ دہا ہے چار سُو
آپ ہی کا عہد ہے بُتیاں ہے
برسرِ پیکار اپنی ذات سے
آخرش انسان تو انسان ہے
آسکا شاید سمجھ میں آپ کی
کیا یہاں مشکل ہے کیا آسان ہے
لاکھ اس میں پھول پتے ہیں مگر
یہ جگہ سُنباں ہے ویران ہے
آج بھی زندہ ہو تم کیسے حقیر
بس نرالی ہی خدا کی شان ہے



جناب مشہور و نسوی جنیل ہیں اس کے ادارہ مذکور کے۔ محترم سید
حامد صاحب سابق دانش چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ذریعہ
خیالات پیش خدمت ہیں۔

مغرب صحرائی

بی بی جے پی سے ارتباط

ہندو ہندوستان کی ترجمان دراصل بھاجپا ہے۔ ہم اس کے قریب جائینگے اس سے بات کریں گے
تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہندو، مسلمان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔۔۔

قوم کو شہر موزوں کامیں کی ایک بڑی بڑی ضرورت
ہی کہ قریب جانے سے بہت سی کامیابیوں حاصل
ہو جائیں گی اور کوئی کامیابی نہیں آئے گی کہ
یہ قریب بہت اب میں اس کے لئے ہے
موجوں سے کہہ کر کہ وہ جانے کہ ہندوستان

انہما ہندو ہندو سیاسی پارٹیوں کو دشمن کہہ کر
دشمن نظر انداز کرنے کے لئے ان سے گفتگو کا
دروازہ کھولا جائے گا۔ اسے یہ امید نہیں ہے کہ
پھر سے گفتگو کے بعد انہما ہندو نہیں سمجھیں گے کہ
بھاجپا کرتی ہے، ہمارے لئے اپنے دشمنوں کو

راہم اسٹیلور نے اپنا جھکاؤ پسماندہ
فتوں، درجہ چہرہ اور انہما ہندو اور ہندو
ہندو کے ساتھ ان کی طرف سے ہندوستان
ایک بار سے زیادہ یہ سمجھا دیا ہے کہ ہندو

اور اس وقت سے پہلے جہاں تک کہ وہ سب کے
 گروہوں سے جو حیات سے ڈر کر شروع میں لپٹا
 ہوا ہے۔ وہ دوسری بار میں اس سے پہلے
 لوگ ہیں جو مجھ جیسا فی حق ادا و وفا نہ رکھتے
 ہیں بلکہ سب کو نرم کی پوشاک پہنی پتے ہیں اور
 کفن کر ساتے نہیں آتے۔ ہندو ہندوستان کی
 ترجمان و اصل بھاجا ہے۔ ہم اس کے تشریب
 حامل ہیں، اس سے بات کر کے تو ہمیں معلوم
 ہو گا کہ ہندو مسلمان کے واسطے میں کیا سوچتے
 ہیں اور کیا طرز عمل رکھتے ہیں۔ لیکن یہ کہ جو حضور
 انی ملحق قس اور مسلمانوں سے اچھے وہ زیادہ
 دل خوش کن نہ ہو۔ لیکن ہم خوش آمد باقی کی
 تلاش میں نہیں نکلتے۔ ہم حقیقت کو گھما چاہتے
 ہیں، حقیقت کی جہ تک پہنچنا چاہتے ہیں حقیقت
 کو چھپانے بغیر کوئی لاکھڑا عمل مرتب ہی نہیں کیا
 جاسکتا۔ تاہم اب بھی اپنے نہ کوہ بالا بھجاؤ پر
 قائم ہے۔

خداوند یوحنا کہتے ہیں کہ "ابھی" کی
 معنویت کیا ہے۔ یہ لفظ کچھ دنوں میں بھارتیہ جنتا
 پارٹی کے نقشہ کے وہ ذات دکھا دی ہے جو
 ہونٹوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہے۔ ہندو بائبل سے
 لفظ وہ اسے نقشہ کی بات نہیں کہ بائبلوں کے
 اس نقشہ آئینہ افراط و تفریط اور طبعی فکر کی جو پہلے
 ایک ہی مسئلے یا چند حالات کے بیچے میں جینا کٹھن
 کشن کے خلاف ظاہر ہوا۔ اس کے بعد احساس کا
 اظہار اس حد کی شکل میں جویا جالیوں سے شری
 مادھو راؤ سندھیا کے مکان پر اپنے غم و غصہ اللہ
 اپنی برحق ہونی طاقت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا
 تھا۔ حرم و حفس اس بات پر کہ شری سندھیا نے
 انتخاب پسندوں کو دلشدد و دہری یا خدا و دلی کہ
 دیا تھا۔ تیسری بار طاقت کے عماد و گتہ چینی کو
 برداشت نہ کرنے کے حالات کا یہ نقشہ و اظہار
 ابھی حال میں لوگ سمجھیں سید شباب الزین کے
 خلاف ہوا۔ یہ ثابت میں بھاجا کے کہ وہ ہندو
 نے جنتا پارٹی کے نہ کوہ بھرت کے بغاوت پر ضرور سے

مسلمانوں کے ساتھ ساتھ جنتا پارٹی نے اور دوسری انتخاب پسند ہندو
 تنظیموں کے ساتھ ساتھ دیگر ان کے قتل اور تفاوت کو انہام و تفہیم کے
 ذریعہ کم کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ قربانے سے نفرت گھٹتی
 ہے۔ ہم ان سے باتیں کر رہے ہیں کہ وہ آہستہ آہستہ گئے کہ ہمارے تیلے
 ان سے منع ہوئے اور اصل کیا ہیں۔

کر پائے گی۔ ایک استحقاق تو اسے دو ٹوں نے
 لکھ ہی دیا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ اس کی
 لاج رکھ بھی سکتی ہے یا نہیں۔ استحقاق اصل
 طرز عمل سے ثابت ہو گا۔ اس کو صبر فرما سوت
 حالات کے واضح صحت کے اس کی وجہ سے اور زیادہ
 راہ کو سہولت دینا چاہیے کہ مسلمانوں کو بھارتیہ جنتا
 پارٹی اور دوسری انتخاب پسند ہندو تنظیموں کے ساتھ
 بیٹھ کر ان کی حیثیت اور تفاوت کو انہام و تفہیم
 کے ذریعہ کم کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔
 قریب آئے سے نفرت گھٹتی ہے۔ ہم ان سے باتیں
 کریں گے تو یہ آہستہ آہستہ گئے کہ ہمارے نہیں
 ان کے منصوبے دد اصل کیا ہیں۔ بیٹے جنتے اور
 باجم کشن کو کرنے کا یہی ایک فائدہ کیا کہ یہ ہمیں
 مخالفت مستعدوں کے خلاف تیاری کرنے کا موقع
 بھی چھوٹے گا۔ ان کی کتاب تنظیم کے اہداف
 ہم اپنی مخالفت کے لئے اڑا بھی سکتے ہیں۔

(جنگری مشن ہے کہ غمرو کی افکار
 بروقت مل جائے ہے ہادی دفاعی طاقت دو گنی
 ہو جاتی ہے۔ ہم سے کوئی بھی نہ بڑھا ہے گا
 کہ وہ اچانک ہر گز کھنکھاتے ہیں جائے۔ غرض
 جس نے اُن سے دیکھا، ان لوگوں سے باسجیت
 خیر ہوگی، جنہیں ہم اپنا ہونا چاہتے ہیں۔ خیر
 خواہوں سے بات کر کے ہم کیا کریں گے۔ ان کا

الفاظ پر مشتمل ہو کر اسے سبق سکھانے کی غالی۔
 اور چاروں طرف سے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ تو
 جنتا پارٹی اور قریب ہندو پارٹیوں کے ممبر آئے آگے
 در نہ سید شباب الزین کی جان کے لئے پڑ گئے
 تھے۔ یہ بات بالکل الگ ہے کہ بھاجا کی حالیہ
 غیر معمولی توانائی کا سرچشما ایک حد تک خود
 معزز ممبر کی سابق پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔
 ان تینوں واضح حقائق ثابت ہوتا ہے کہ
 بھاجا کا طرز فکر اور طریقہ عمل اور اتحاد و راج
 جمہوریت میں شرکت کے بالکل دھجوریت کے
 سامنے میں نہیں ڈھل پایا ہے۔ یہ پارٹی کسی وقت
 جمہوریت کو خیر باد کہہ کر اُمریت کو نکلے گی سکتی ہے
 اگر ہم نے اسے (۱) اپنی دو مشن بردار سچ ہونے
 کا سوچ دیا (۲) اس کی طاقت میں اضافے کے
 امکانات پیدا کر دیے تو یہ ہمارے ملک کے
 جمہوری نظام کے لئے خطرہ بن سکتی ہے جمہوریت
 کی بنیاد و ادارہ کی، فرانچولی اور دوسروں کے
 ساتھ خیر خواہی اور کرداروں کی دستگیری پر رکھی
 جاتی ہے۔ انتخاب پسندی ہے اعتدالی، کٹرین
 تنگ نظری جمہوریت، کھداس میں نہیں آتے نقشہ
 خواہ وہ جیسا ہو یا زبانی یا لفظی، جمہوری نظام
 کے لئے خیر قاف تا بہت ہو گا ہے۔
 بھاجا جب تک نقشہ کو تلافی نہیں دیتی
 جمہوریت میں بیٹے کا استحقاق پیدا نہیں

غالب بن محمد - ۱۰۸۲ - ۱۱۹۹

حکومت کی ہے۔

انفرادی طاقت اور بھرتی ہمیں زیادہ
قدر تک نہیں لے جاسکتی۔ اجتماعی طاقت عظیم
ہوتی ہے۔ تنظیم کو حیاتی و زندہ شالہ بنانا اور
دھنوں کے کاروبار۔ تنظیم انفرادی انا اور بے راہ
لہری کو گوارا نہیں کرتی۔ اسے غارتگی ایک آنکھ
نہیں سمجھتی۔ جماعت فرد کو اپنا ذمہ بنانے وقت
اس سے بچاؤ بخار مانگتی ہے اور اس کے غور سے
بہت کچھ دے ڈالتی ہے۔ ایسا درستہ اس قدر کہ

افراد آپس میں مل جاتیں، جی کہ ایک نامیاتی
ہو جائیں۔ سرحد نہ بنیں، قدم طاکر نہیں لہو
اس احساس کو اپنے دل میں بیوست کر لیں کہ
جماعت سے کن کہ فرد کا فائدہ بلکہ اس کا وجود
حادثی اللہ ہے معنی ہو جاتا ہے۔

ظہار وہ ہاتھ کا رہے جو فدا
محبت اور دوستی اور بیگمیت کے بڑے بلکہ
بجہ کشتی کی فوٹ آئے تو ایک چل نہ چکی گئے دنیا

میں صنفی سے لڑو کوئی جو ہم نہیں ہے بھگتی
مردن کے ساتھ جو ہاتھ بڑھا یا جاتا ہے صحت
نکا ہاتھ نہیں ہوتا، اگر گری کا ہاتھ ہو تا ہے ہم
اپنے قاریوں کو ایسے اللہ کرنے کی ترغیب نہیں دے
سکتے ہیں۔ ہم تو انہیں بستر توانائی، سرفرازی
اور تنظیم کی تحفیں کدے ہیں کہ ان کے خیر ہمارے
اہل وطن دوستی کے لئے بڑھائے ہوئے ہمارے
ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں بھرتی کے ساتھ لینے کے لئے
چتا نہیں ہوں گے۔

غزلیں

دیکھتے



چڑھتے سورج کو کھانڈ کر بن گئے کیسے
رات بھر جاگ کے ہرچہ انہیں گئے کیسے
سننے والا جو کہیں نہ بھی گیا تو کیا ہے
فکر تو یہ ہے کہ ہم دل کی کہیں گئے کیسے
ساتھ پایا تو ہمیں اور ہوائی ہے طعن
عکس کے بارے میں نہ تو کوئی نہیں گئے کیسے
ماہجن میں تری سا نگہ بھی ہو گیاں
بات بے بات پہ بن گئے ہمیں گئے کیسے
ہم کے ہر کچھ چل جائیں گے کھٹکے بادل
اس کا اچھاں پہنڈا یہ کہیں گئے کیسے
دلہا ریت پلے جاتی ہے اُن کا پانی
دھارے اس راہ گئے آگے کو ہر صبح گئے کیسے
درد کا سوتا کہیں ساتھ نہ لے کر ڈوبے
یہ رُکے آتش تو تے جیت نہیں گئے کیسے

جب تری آخری تھری ہوگی
ساتھ کوئی نہ بچ کر ہی ہوگی
بات کرنے سے وہ بھٹکتے ہیں
آنکھ چوری سے ہی لای ہوگی
جب بھی موسمِ ہمدرد سے لڑو گا
ہاتھ میں بھول کی اجڑی ہوگی
بھٹی کو بن جوں جی بھٹی ہے
وقت پا کے ہی وہ بڑی ہوگی
دیکھ کے جس کو یاہ آئے گا
وہ فٹاں کہیں بڑی ہوگی
جب وہ توڑے گا بات کی دیکھا
در پہ آئے سحر کمری ہوگی
دل جلا جل کے راکھ بنو گا
بارخون کی گلی جڑی ہوگی
میل کیسے ہو پیا و اولی کا
داستانِ ہر شے اُڑی ہوگی
دودلوں کے مین کی گلاں ہیں
شب کے ہاتھوں میں چھتری ہوگی
تم سے پہلے ہی کوئی پہنچا ہے
ایک جھنڈی دیاں لڑی ہوگی
بات چلتی رہے روایت کی
ہر غزل اس کی ہی لای ہوگی

دیوانی

وقت کے پہلوں کو بھر جانے دے
یا کام کے دیے کو گزندہ جانے دے
کب تک غم میں رہیں و کش و پیکر
اسے شعر کی لذت بھلے مگر جانے دے

کالی داس گیتا خستہ
غزل

قلم اٹھاؤں مسلسل رواں دواں بکھ دوں
کوئی پڑھے نہ پڑھے میں کہانیاں بکھ دوں
جہاں تک آئیں تصور میں وادیاں بکھ دوں
پھر اُن پہ تمام تمہارا یہاں دہاں بکھ دوں
جہاں بٹے مجھے روئی اُسے بکھوں دھرتی
جہاں پہنچ نہ سکوں اُس کو آسماں بکھ دوں
نکل چلوں کہیں حسی و جنوں کے جنگل میں
ہرن کی آنکھ میں کاجل کی دُوریاں بکھ دوں
کہانی ختم ہوئی لیکن اِس کا کیا کیجئے
جو لفظ یا داب آئے اُسے کہاں بکھ دوں
جو ذہن میں ہیں حروف اُن کو کام میں لاؤں
جو دکھ پڑے ہی نہ ہوں اُن کی داستاں بکھ دوں
کہہ دیا سپتہ بکھوں آپ کو جو صبا جاگئے
سراہوں آپ کے گئی اپنی خامیاں بکھ دوں
غزل تو کہہ دوں خستہ یہ بھی تو اجازت ہو
جسے تو ہندوی کہتا تھا وہ نہاں بکھ دوں

آپ کی
اور آپ کے کاروبار میں
ترقی کا ضامن
ہو جائے گا



صرف حدی سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک اہم اور ضروری
چیت کا ضامن
ہو جائے گا

آپ کا اپنا بینک

بمبئی مرکنٹائل کو آپریٹو بینک لمیٹڈ

(ٹریڈ ولڈ بینک)

جو سماج کے ہر طبقہ کا ساقی اور مددگار ہے [۱۹۵۱] جہاں فلرین اکسیج سے متعلق سبھی
سہولیات دستیاب ہیں [۱۹۵۱] جہاں جمع کی گئی رقم پر دو سو فیصد کاروباری بینکوں

پہ ایک فیصد زیادہ منافع ملتا ہے

ہمارے کھاتے دار ہی ہمارے سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

عازمین جو کینے نر رہاں لہ کے خصوصی استقامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین معیاری خدمات کا نمونہ ہیں

دھلی آفس
۳۶۵۵ نیتابی سہاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵

فلورین آفس جنج ڈیوار ٹھنٹ
۳۶۵۵ نیتابی سہاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵
ٹیلیکس ۳۱-۷۵۸۲۳ ZAININ

میل آفس
زین رنگون والا بلڈنگ
۷۸ ٹورنٹیل روڈ
بمبئی ۴۰۰۰۱۲ مہاراشٹر

ڈاکٹر انجناشدھیہ

جذبوں کی شاعری

اختر شاہجہاں پوری

پسند نہیں کرتیں۔ وہ کینیا جیٹن کو بیان کرنے کے لئے انتہائی محنت اور سلیس پہلوؤں کا اظہار اختیار کرتی ہیں۔ شاید اسی لئے وہ پردہ میں شاعر کی بہت تلاش ہیں۔ انہوں نے پردہ میں شاعر کے اس شعر کی بہت تعریف کی اور مجھ سے بھی داد چاہی ہے۔

نیں اُس کی دسترس میں اُس عمر کے
کچھ سمجھ رہی رہنما سے باہر ہے

ڈاکٹر انجنا کی خاموشی کا مظاہرہ کرنے سے یہ بات بالکل صاف نظر آتی ہے کہ انہوں نے اپنے محبوب سے دواہم محبت کی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا اشتہار کیا ہے۔ اس کی یاد کو بڑھانے کی جالی ہے۔ لیکن اپنے محبوب کے سامنے ناکام محبت کی طرح دوسرے سوال دروازے کے جسم و کیم کی طرح گار نہیں ہوئی ہیں۔ خود ادبی اور ادبی کا چکر پھرتا خیال رکھا ہے۔ انہوں نے زندگی کے سارے لمحے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ ایک

لیا جاسکتا ہے۔

حال ہی میں ادب میں اور خاص طور سے شاعری میں جو شاعرات نے اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کی ہے ان میں ڈاکٹر انجنا شاہجہاں کا نام سرفہرست ہے۔ ڈاکٹر انجنا کا مجموعہ کلام ”موج سحر“ حالی میں شائع ہو کر منظر عام پر آیا ہے۔ ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر انجنا نے میری کتاب ”موج سحر“ میں آئی انڈیا شاعر میں ہونے والی شاعری میں انہوں نے بڑے استاد سے اپنا کلام لکھا اور شاعری ادب سے داد و تحسین دیکھ لی۔ ڈاکٹر انجنا اپنے مخاطب پر یہ تاثر ڈالتے ہیں کہ لیا جاسکتا ہے۔ آئی ہیں کہ وہ کوئی ہے جس میں محسوس ہوتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ زبردستی نہیں بلکہ زندگی کے سارے لمحے میں باج اور عود مند زندگی ہے۔

ڈاکٹر انجنا ادب میں شاعری کو ہرگز

”مفکرین کی نظر میں صورت انسان اور فطرتوں کے درمیان ایک نہایت لطیف مخلوق ہے۔ صورت خوشیاں، فضا، رقص اور روشنی کا مجموعہ ہے۔ صورت سب سے اچھا اور آخری آسمانی خلق ہے۔ علامہ اقبال نے بھی مفکرین کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ہے کہ م۔

”دجھڑی ہی ہے پر ہم کا تائیں رنگ“ لیکن اس سب کے باوجود ادبی سفر میں صورت کو مدد کے لحاظ سے میں خاموشی و جدوجہد کیا جاتی ہے۔ حالانکہ صورتوں نے ادب میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ میرا بائی۔ ایریکا ڈرونس۔ لاجنگ چاڈ۔ سروجنی ٹائیڈو۔ امرتا پریم۔ قزاقا سمین جیدر۔ دوجہہ بیتم۔ جمیدہ ریانی۔ گنگوڑا پیدر۔ زمرہ نگاہ۔ پردہ میں شاعر اور دوجہہ بیتم جلدی کا نام بڑے استاد سے

اچھی صاف اور جھلک رہی تھی۔ ہاتھوں پر تار یا
گھٹے شکر کرنا تو ان کی لذت میں سے بھی
تھی۔ بکھرے گھٹے سے حیرے حاصل کر کے
کامیابی کی حسرت رواں چلا جاتی تھی۔

محبت میں اگر سلیقہ ہو تو جہ جاناں، خیم
درداں کے پیکر میں ڈھل جاتا ہے اور یہ سلیقہ
محبت اور جنات کے کام میں کار فرما ہے۔ وہ گھٹے
خیالات و جذبات پر فوج کشاں نہیں جوگیں،
نہ ہی اپنے آسروں کو راہیگاں جاسکتی ہیں
بکہ اپنے وہاں طائرانہ دل میں ان آسروں کو اپنے
اشعار کے ذریعہ جھوٹوں کا پرہیز چلا کرتی ہیں۔
رفیقہ شبنم نے متعدد جذباتی شعریں تصدیق
کے سہارے بیچنے سے عین لوگوں کی طرف اشارہ
کیا ہے اور ڈاکٹر انیسے تصور بدل کر بات کہنے
کی کوشش کی ہے۔

کوئی غلطی نہ کہیں دیکھ داسی پر گرا
مانگے ہی یہ سہولتیں دھانی پر فوگ
”رفیقہ شبنم“
میں اپنے ہاتھ سے اپنا صلیب گولوں کی
برسات غیب کی دیکھا نہیں بھلی میں
”ڈاکٹر انیس“

اسی طرح پمدیوں کا کرتے لاکھوں کے دکھ
شکر کا جس کو سمورنی سے متعدد جہزنی محسوس
احاطہ کیا ہے وہ قابلِ ترحم ہے۔ ڈاکٹر انجلنے
اپنے انداز سے اس کو نونا کو پیش کیا۔
”لاکھوں کا دکھ جیسے اور دکھ اس سے عجیب
ہیں دی ہیں انکا جہزنی ہے ساتھ ساتھ“
”پمدیوں کا کر“

”دھڑکے کچا ہاں ہے“ رنگ ہے کو خوشیاں ہیں
لوگوں کی حسرت کا کیا پستہ شکا تا ہے۔
”ڈاکٹر انیس“

ڈاکٹر انجل نے متعدد جہزنی اشعار اس بات
کی گواہی دی ہیں کہ ان کی زندگی میں بہار کی آہ محسوس
ایک چھلہ محسوس اور انہیں اپنے گہرے جہزنی

انہیں میں تھیں وہ زندگی میں سیکھیں مٹنے سے انتظار
کی اذیت سے ہمیشہ دھڑکے کا اندر وہ خیالوں میں
چپا چپیل کی جگہ سمائے جیسی تھیں اور یہ خیال بھی
انہیں اکثرہ پریشان کرتا رہا کہ ان کا محبوب انہیں
بیٹوں تو نہیں کیا۔ محبت میں اگر سیکھ زیادہ۔۔۔۔
اذیت ناک بات کوئی ہے تو یہی کہ محبوب کی بیخفا
اور اپنے عاشق صادق کو فراموش کر دینا دنیا کے
غم کو جہز جاناں محسوس کرنا دشت کیا جاسکتا ہے لیکن
محبوب کی کادائی اور بے وفائی انتہائی تکلیف دہ
ہوتی ہے۔

”بس ایک خواب تھا ایک بھار کا موسم
چلک چکے ہیں اب کے بہار گزری ہے“

ہر ایک بات پر دل پر نقش ہے اس کی
چلنے جانے تک کت کت اب چھوڑ گب

میں دل کی بات زبان تک نہ لاسک لیکن
کھا ہے کیا ہرے چہرے پر جانتا تھا وہ
میں اپنی آنکھوں میں دیکھیں چپا چپیل میں
پندرہ آئے ہر اجم سہرہ نہیں آیا

ہر ایک فکر بری راہیگاں گئی سہرہ
میں وہ دھڑکتے ہیں جس پر غم نہیں آیا

چنوں چپا چپیل کے کھیلے رہے
میں خیالوں میں بھی جاتی رہی

”ہر جہزنی کنہیں ہر اکوہ“ درد ہام
گھر کی ہر جہزنی یاد دلاتی ہے چلے

تو چلے جوں کیا ہے کہیں ایسا تو نہیں
اک بہ بات تو دل و دلت سنا ہے چلے

ہم نے تیری رفاقت کے
نکٹے یاد کے خزانوں میں

اور جس کے گزری تو سہا جیہ کام گئی کہیں
وہ جہزنی نہ لگے ہیں سلام کرتی ہیں

”آؤ گئی میں تیرے دلی خیالوں میں
تو خیال تو جیسا حرام کر دے گا“

اس کی صورت ہر جہزنی جاکر دیکھ
چنوں کے غم کی تپنی کو جہزنی کر دے گا

ڈاکٹر انجل نے جہاں بہت دھڑکے کی بات
کہیں ہے وہاں بھی وہ کامیاب ہیں۔ انہیں اس بات
کا محسوس دکھ ہے کہ جہزنی کے آنے کے آخیاں کو جہزنی کے
لے سارے محسوسات کو کیوں جلا دیا۔ دنیا کے دکھ
کو چھلے گا بھی انہیں شعور ہے۔ دماغ نے جو لوگوں
کے ساتھ نا انصافی کی ہے اسے وہ اپنا ہی دکھ کہتی
ہیں اور اس پر دل کے آئینہ بھاتی ہیں۔ لیکن ان
کے عزم و دھڑکے میں احساس شکست کا غائب بھی
نظر نہیں آتا۔ یہی اچھی درد اصل ان کے طرز احساس
کو ان کی ذات سے محسوس کرتی ہے۔ ہمارے ہند
کے شعرا کا یہ المیہ رہا ہے کہ ان کا ایک خزانہ ان اردو
حام ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے انہیں آؤب اس
خانہ کے گہرے محسوسات کے منتظر رہتے ہیں۔ لیکن جب
مجھوٹے سائے آتا ہے تو بڑی ماؤسی ہوتی ہے یہ
دیکھ کر کہ وہی شعرا کام کا ہے۔ بانی شعرا کے ہم پے
نہیں۔ لیکن ڈاکٹر انجل کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ آپ
کے ہاں ان کی شعرا ایسے ہیں گے جو زبان و دماغ ہر
کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

”قدم بٹھاتا تو منزل پہ جا کے دم لوں گی
میں وہ نہیں ہوں کہ ہر جا پر قدم کرتی ہوں“

”بھلی کو دشمن حق مرے آخیاں کے ساتھ
تھیں یہ کیا کہ سدا اگرتاں جلا دیا“

”اویں دبا سنتوں پہ آہٹیں
دائیں دھڑکے مکا تو میں“

سب کا اپنا اپنا ڈکھ
سب کے دکھ کو سمجھا کر

اب ان کی جنبش لب لباب ہے زندگی کا مدار
ہمارے حمد کے کپڑے لوگ تو خدا جیسے

خود اپنی کا دشمنوں سے بنائی ہے زندگی
اس زندگی میں کس نے کیے آسرا دیا

یہ غلط کہا کسی نے کہ ترا بیتا نہیں ہے
تجھے دھونڈنے کی حد تک کوئی دھونڈتا نہیں ہے

ہر ایک کام پر مہربانی کے مجاز کر کے
تجھے تو نے نقش و نگار دیں گے

ہم نے ایک شمع جلائی ہے تیری یادوں کی
ابداً نہیں مٹے گا وہ جہان میں گئے تو برے

بچیں وہ دہائی سے متاعوں میں ایسے
خزینہ نیرت سے نئے کو ملیں جن کی لطیفیات
ایک دو حکم سے نکلا رہ جاتی ہیں۔ شاید اس وجہ
سے کہ ان کی فہم عوام کے آگے آگے ہوتی ہے۔

ڈاکٹر انجنا سندھیر جیوں کی خاموشی ہیں۔ ان کی
Creative awareness کی تخلیق سمیرت
Creative sensibility کی تخلیق حسیت
کے سبب ان کی فزینس ماعری مزاج، مومنوت،
دباؤ، اسلوب اور آہنگ کے اعتبار سے انفرادی
حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی ایگری ہی ان کی غزل
کی پہچان ہے لیکن جذبہ کی شدت کی وجہ سے
کہیں کہیں بکرو فٹ کا حق مان نظر آتا ہے۔ لیکن
اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ جیسے جیسے ان
کا نمٹا لہ اور نشا بدہ پختہ ہوگا ان کی خاموشی
اور طاقوت ہوگی۔

غزلیں

یہ یاد کرو تو نہیں ذہانت چلے گئے
ہم ہیں کہ ان کی حسیہ منانے چلے گئے
دن رات، صبح شام کا کھانا ہم کو خون
تیرے قدم پر سر کو ٹکاتے چلے گئے
انوس ہے کہ کھانا تو کس طرح
تیرے قرب نہ ہو گئے آتے چلے گئے
تیرا گڑھ مٹی سے ہمارا ہی جو ہو گیا
ہم راستے میں اکھیں چھاپ چلے گئے
ہم آسمان میں بیتا رہا اپنا آسمان
اُس آسمان کو ہم بھی ٹھکانے چلے گئے
ہم ہیں کہ کٹر عریں ہے ان کی جلاں خوار
ہم ہیں کہ کٹر عریں ہی ستے چلے گئے
چھانڈو کو نہ کیا کسی نے کڑی سزا
اک تم پر، محبت اُس پر لگا چلے گئے
دلوں آندہ ہو گئی

تھا تو سر پرست مگر نام ہی خلد
جلا کو بلا ہے دوستو انجام ہی خلد
ہی کو جند و نعلون نہ نشتر ہی بی
ساق سے کیا لانا مجھ پر ہی خلد
محبت بڑوں کی عینک بہتر ہے سوچ لو
یہ جاؤ صفت میں نہ تیرا نام ہی خلد
ہر دم پر ہے کہ ان کی کچھ تو شایا
لایا تھا نامہ ہر دم پر ہی خلد
شکوہ حبثی نہ اگر منزلی خزا
پہلے اٹھائے آپہلے اقدام ہی خلد
ہوتی کہ یاد پایا کہاں ہے جوتی میں
ہر اک نفاذ میں حق میری ہی خلد
تھا واپس ہی نہلی دھوکہ میں فکر
اس واسطے ہو اور ایسا کام ہی خلد
قرآن و لیلی

پہرہ جو اس کا دیکھا تھا کہ اپنی بچا ہوا
انسو کی کابیری وہی سبب نہ تھا
ویر سہ باد کوئی ہے، ٹھکانا کرے
آنکھوں میں نہیں اٹکے کہ یہ کھانڈا
گڑھے جو تیرے شہرے تو تھے جدم
دھوکا قدم قدم تو ہی آگاہ کا تھا
بے خوف ہو کہ اب میں چھ شریں تھا
برقی جب احتیاط نہیں حد نہ تھا
ادراک دانا ہی یہ ہے عرف عرف میں
سے تھکے تھے ہیں سبب کہا تھا
دلہ و فانیں روکشی پھیلی ہے جوتی تک
میں جو خاص و عام مر اٹھیں پانچوا
سے پردہ ہو کے ساتے گئے کاغذ تھا
اختریں اتنی بات پر محشر پانچوا
آخر شاہجہان پانچویں

آنتوں کی سوزش اور ہیضہ

گر میوں میں ان کے جیلے سے پیئے۔

احتیاط برتئے۔

- کم گہرے بیڈ پیسوں اور کنوؤں سے اور پانی کی ناخظور ٹوائلوں سے پانی نہ پیئے۔
- کئے ہوئے پھل نہ لیں اور کھلی رکھی کھانے پینے والی چیزیں نہ خریدیں جن پر مکھیاں اور گرد و غبار ہو۔
- عام طور پر بازار میں ملنے والی گھٹیا برف کا استعمال نہ کیجئے۔
- کھانا پکانے اور پینے کے لیے صرف صاف ستھرا اور نگر پائیکا کا پانی استعمال کیجئے۔
- اگر شبہ ہو تو پانی بال کر پیئے یا اس میں کلورین کی گولیاں ڈالیئے۔
- کھانا کھانے سے پہلے ہاتھوں کو اچھی طرح دھوئے۔
- پینے کے پانی اور کھانے کی چیزوں کو صاف اور ڈھکن دار برتنوں میں رکھیئے۔

دست اور الٹیاں ہونے پر۔

- فوراً O.R.S. کا محلول دیجئے۔ ہر باغ منٹ بعد نمک، مینین کا محلول دیجئے۔
- اگر حالت بہتر نہ ہو تو نزدیک کے اسپتال یا ڈسپنسری میں دکھائیئے۔
- نمک چینی کا محلول تیار کرنے کے لیے 'بال کر ٹھنڈے کیے گئے ایک گلاس پانی میں دو ٹمچے چینی اور چکی بھر نمک ڈالیئے۔

O.R.S. کے پیکنٹ اور کلورین کی گولیاں تمام سرکاری اسپتالوں، ڈسپنسری اور ذچہ پچہ کے صحتی مرکزوں میں مفت ملتی ہیں۔

جاری کردہ

ڈائریکٹر اطلاعات اور رابطہ عامہ - دہلی انفک امیہ - دہلی



خیال متاکر ان کام نہیں ہوئے گا۔ بارشیں نہ کھنے کے کوئی کار نظر نہیں آئے تھے۔ حالانکہ وہ خاصا نکل آیا تھا۔ خدا بخش یوسس ہر کرداروں سے جلد نکل آیا کہیں کوئی اور کام دھندلا کر نکال کرے۔

وہ ہر مرکز پر آیا تو اسے احساس ہوا کہ پانی کے بڑھاپے کا تیز ہے وقتے وقتے سے ایک دھچکتے اس زور سے پڑتے تھے کہ دیواروں اور سڑکوں پر برکت پانی سے ایک شور مچا رہا تھا۔ لوگ درختوں کے اور دکاؤں کے تھروں پر پناہ لیتے تھے پھر بارش کی تیزی میں کی آبی ٹپک روتا ہی میں فسر ہی نہیں آتا تھا۔ خدا بخش پانی سے شہزادہ تھا۔ اس نے سوچے کہ نہیں کھانا تھا بدیش خالی خالی سامعوسس ہوتا تھا۔ ایک قدم اٹھانے کو ہی نہیں چاہتا تھا۔

اک گھنٹے کے اندر سے گرم روئیں ادا ہوا یوں کی اشتباہ اکثر خوشبو اٹھ رہی تھی۔ اُس کی جھوک اور چمک اٹھ کر اس کی چاہا کہ اس کی جیب میں چلتے ہیے میں ان سے ان تیز خوشبوؤں کو فیر کر ہیٹ بھرے۔ فیرا توئی طور پر اس نے جیب ٹٹولی۔ اک مڑا تو ایسا ہوا ایسا لڑٹ اور چند تھکے۔ جو شاید اس کو ہیٹ بھرے کو بھی تا کافی تھے۔ اُس نے ان ہیوں کو کٹی ہار گئی۔ لیکن بلبا گنگھے سے بھی ان میں کسی اٹھانے کا امکان نہیں تھا۔ کچھ سرچ کر اس نے چند تھکے ہاتھ میں لے اور توروالے سے اک روٹی لیر لی۔ اک دکان کے تیرے پر چڑھ کر اس نے روٹی روٹی ہی حلق سے پیچھے اٹار لی۔ اور ہاتھ جھانچا اس اڑے کی طرف چربا۔ جہاں ٹوٹا مردہ دیشہ لوگ روزگار کی آس میں بیٹھا کرتے تھے۔

بارش اب بھی مسلسل ہورہی تھی۔ خدا بخش کے ہاؤس کچڑ سے اُٹ گئے تھے۔ ہوا پتی ڈبیچے ہوئے پرزوں میں سردی کا احساس ہوتا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ وہ فٹ پتہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ دھڑکنے کیس اس کا کوئی سامتی نظر نہیں آتا تھا۔ وہ ایک دکان کے سامان کے کھڑے ۱۱ اور مرد کھڑے پانی میں پیچھے اڑا کر گزرا ہوا اور گزرتے پڑے سامنے وہ دکان کھینچا کہ شاید کسی کو اس کی ضرورت ہو۔ لیکن سب اپنے آپ میں مگس پرستہ پانی سے پچھلے اپنے اپنے تھکاؤں پر بیٹھنے کی فکر میں تھے۔

وہ نہ جانے کتنی دیر وہاں کھڑا ہوا کہ چمک ایک لمبی جھلکی ہو کر پیسہ کی نالی میں پھنس گیا۔ اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے صاف تھوڑے صاحب نے شیشہ اڑا کر دھڑا دھڑا دیکھا دیکھا وہ دھڑا کھول کر باہر دیکھنے لگا۔ خدا بخش جلدی سے دکان کے تھوڑے سے اڑا اور ان کے کچھ کہنے سے پچھلے ہی اُس نے زور سے گڑی کا پیسہ گڑھے سے نکلوا دیا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اچھا اچھا صاحب نے شیشہ پھر چرچا کیا تھا زور مچوئے کھٹ سے وہ دھڑا بند کیا اور گڑھی پر پیچھے اڑا تو آگے نکل گئی۔

خدا بخش نے صرخت سے آسمان کی طرف دیکھا تو بارش کی پھیلاہ سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ آسمان کا نیلا رنگ گہرے ہادلوں سے نکل کر کوئی پھیلاہ کہیں سے سیاہی مائل ہو رہا تھا۔ خدا بخش کے دل میں خوف گھور ہو لیوں کی طرف اشارہ کرنے لگا وہ اسی خیال میں بیٹھا تھا کہ آگے نکل گیا کہ اُسے کوئی کوئی کام ملی جائے گا۔ سیٹھ کے باہر لیوں کے اڑنے پر اس کی تندہ کے پاس کسی سستے سے چائے خانے کے قہرے بوب وہ بہت دیر تک کھڑا رہا۔ لیکن کسی نے اس کی طرف نظر پھر کر بھی نہیں دیکھا۔

زردیک کے کسی چوٹل سے میڈیو پر خوشی نشر ہونے کا داناؤ تھا۔ خدا بخش کو احساس ہوا کہ کھانوں گزرتا گیا ہے۔ سورد کا دوش پر ہر کوئی دکھائی نہیں پتا تھا۔ بھیجا ہوا دن کسی اٹاس کشام کی طرح کھلایا ہوا تھا بدش اب بھی تھی نہیں تھی۔ ہا ساری دو آوی کھڑے نہیں میں باقی کر رہے تھے۔ خدا بخش ان کی طرف متوجہ ہو نہیں سکتا لیکن ان کی آواز اس کے کانوں میں آ رہی تھی۔

اک شخص دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ سنا ہے اس بعد برسات خوب لگے گی۔ میں نے تو چھتہ چھتہ دھاتی تھی = دوسرا بولا۔ پورا حق ہے تو یہ سن کی کیا ہی ختم کر دی ہے۔ پتہ کھٹا بنایا ہے اس بد تو۔ دزدکی خودی کوں اٹھاتے =

خدا بخش کانپ گیا۔ اُسکے پتی کوئی ہوتی چیت پڑاؤ۔ جس پر کل کی ڈکھائی تھی اب بھی نشان نہیں رہا تھا۔ ہزاروں ہاتھوں اور دوسروں نے پکڑا دیو تیرے اور چوٹل کے چہرے اس کی آنکھوں میں پھرنے لگے۔ جوستا

پانی کبھی پھیلاہ ہی جاتا تھا اور کبھی تیز ہوجاتا تو میں گرد و پیش کے مناسفہ جھوکے لپٹے تھے۔ اس کے قدم تیزی سے اٹھنے لگے اس نے ہائی گئی۔ آگ میں ان کا سامنہ لپٹ اس کا دوسرہ ہاتھ لپٹا گیا۔ گھبراہٹ میں گھبرا کر اس کا ہاتھ لپٹا گیا۔ اس نے پچھلے ہاتھ میں پچھلے اڑاؤ پھر تے تھے۔ اسے دیکھتے ہی جھانک کر گھر میں گھس گئے۔ وہ پھر دیر کھٹا اپنے پچھلے ہاتھ کی طرف نظر مندی سے دیکھتے رہا۔ پھر اس نے برستے پکان کی طرف دیکھا۔ جو بادلوں سے سراسر ڈھکنا تھا تھا۔ خوشی کی تک شدید پھرنے آئے اس قدر خوف نہ کیا کہ وہ گھبرا دوسرے ہاتھ اٹھ کر جلدی سے اپنے گھر میں گھس گیا یوں پیسے ہتھ کی تلاش میں ہو۔

نعینہ نے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ فائرسش رہی۔ سو اس کی آنکھوں نے کتنے ہی سوال پوچھے تھے۔ وہ کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ پھر کچھ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور اس خوشبو کو کھنکھرتا ہوا تھا جو گھر کو گھرتا تھا۔ اسے صبر نہ پھرنا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر سے بڑے وقت کے بے چارہ پیسے پر کر گھس گئی اس نے اپنی جیب میں پڑے سکول اور پیسے کیلے ڈنک کو جیک سے نکال کر جیب کی سیل اور سیل کے بندے باندھ دیا۔ نعینہ کے چہرے پر وہ فانی آگئی۔ اُس نے جلدی سے گھر کھول لی۔ اور اس کا سارا لہر چڑھ گیا۔ خدا بخش نے صفحہ ۷۷ پر لپے میں کہا۔ آواز کوئی کام نہیں ملا۔ یہ تو کل کے پیسے ہیں۔ جیب میں رکھ لے تھے۔ سگریٹ پانی کے تھے۔ رعینہ شکر ہو کر اس کا منہ گنگھے گی۔ بارش کی آواز اب بھی آ رہی تھی۔ آسمان کا رنگ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے رعینہ سے آنکھیں پڑا لیں اور ایک گھنٹہ کی سی بنا کر صبر کیا چارپائی میں لیٹ رہا۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھیا اور دل ہی دل میں بارش کی ٹپک جانے کی دُعا مانگنے لگا۔ نہ جانے کب اس کا آنکھ لگتی رعینہ نے اُسے جگایا۔ تو رات چھادی تھی۔ اُس نے کان ٹٹکر سنا۔ برستے پانی کی آواز اس کے کچھ گھر کو چا رہوں طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ اس نے آنکھیں جھپک کر دیکھا۔ پیسے کے جیب کا دھڑکنے کی رعینہ نے خیال پکڑا ہی تھی۔ پچھلے اس کے گرد و پیش۔ سمجھ کی نظروں سے دے سے اڑتی ہوئی دنیوں کی طرف دیکھ رہے تھے

لی تھی کہ ہندو عقیدوں پر لکھ دے۔ وہ بظاہر سوتا
 گیا۔ لیکن اس کی قلم میں پوری طرہ سے
 جہاد تھیں۔ اُسے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ شیال کمر
 پر دینے جھلائی ہوئی ہے اس کی کئی بے بسیاں سے
 قہقہے کو حال دنگ رہی ہے۔ لڑکے تک دوسرے سے
 بیجا چھیڑ کر رہے ہیں۔ دینے دلی زبان میں ان سے
 ٹھٹھس ہو جانے کے لئے کہہ رہی تھی۔ اس کا خیال
 تھا کہ وہ سو رہا ہے۔ وہ اس طرہ سے آواز پھا لیا تھا۔
 دینے بچوں کو شاکر کس کچل پانے کے قریب
 لی اور اس کا بازو ہلایا۔ خدا بخش نے انھیں کھول کر
 دیکھ کر اس میں اس کا سناؤ لہجہ دیکھا۔ اک دلیہ رخصتا
 سا آواز کھٹا تھا۔ خدا بخش نے اس کا چہرہ دیکھا جس
 پر عشق اور نفرت تھی۔ اس کی آنکھیں شیند سے
 سرسری تھیں۔ خدا بخش کو معلوم تھا کہ اس نے
 کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ اپنے کھانے کو بیویوں سے
 چنے رہی تھی وہ اس کے لٹلے آئی تھی۔ محبت کے
 اک جلا دینے والے احساس سے اس کی آنکھیں نرم سی
 ہو گئیں۔

اسی کو کچھ کے لئے رکھ دے پکھلیں گے۔
 خدا بخش نے بولے اس کا ہاتھ چمکڑ کر سناں سے کہا
 وہ چپ ہو گیا۔ اس کے ہونٹ اس طرہ سے تھے جیسے
 پکھلی کچھ کچھ ڈنگ تھی ہو۔ خدا بخش اس سے پوچھنا
 چاہتا تھا۔ کو لکھ دن کے لٹلے کھانے کو کہہ رہی ہے
 لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ وہ اس تنگی
 سے ہی عادت کو سچ کے لکھ میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا
 وہ چپ چاپ اٹھی اس کے پاؤں لاکھڑا رہے تھے
 وہی اس نے کہیں سمجھا لی کہ وہ دی اور بچوں کے
 درمیان کشموری سی جگہ پر سٹاک کر لی تھی۔

بارش کے گاؤں مسلسل آ رہی تھی۔ اس کے لئے
 اک دلیہ کی بھٹی تھی۔ جس میں وہ دھنست چلا رہا
 تھا۔ وہ جگہ کے تقصد سے ہی چھپ سی پھینک کر سس
 کر رہا تھا۔ اگر ان میں بارش کی طرہ برقی رہی تو۔
 اس خیال نے ہی اسے مضطرب کر رہا تھا۔ چست کئی
 جگہ پر چمک رہی تھی کوئی کاجیلہ وہ کھولنا تھا
 باہر سے آتی ہوئی کھد سے کوئی کہہ دینے پر نہ ہوتی
 چوڑی جیکڑی تھی۔ لیکن انہیں کہیں ادا نہ کرنے کی

جگہ بھی نہیں تھی کہ کوئی نہ تھے جوئے بہت دیر
 ہوئی تھی۔ دینے خایہ شیند میں کھڑے بندہ کی تھی۔ بچے
 ایک دوسرے سے اچھے جوئے سہہ رہے تھے۔

خدا بخش کی آنکھیں شیند نام کو نہیں تھی اسے
 محسوس ہوتا تھا۔ جیسے برقی بارش کے ہر قطرے
 کے ساتھ پریشانیوں اور تنگدلیوں کے ہر برس رہے
 ہیں۔ اچانک باہر برقی ہوئی بارش میں شدت آگئی
 وہ پریشان ہو کر ہمارا ہی ہے اُسے جھٹکا رات کو ہمارا
 خاموشی میں اک شور سا پک گیا ہے محسوس ہوا جیسے
 ابھی چست اس پر اس کے محسوس ہوئے پرائیوٹ کی
 جواں سے لپٹے بغیر سو رہے تھے اس خیال نے اس
 کے اندر ہر اک پیل کی حمایت۔ وہ گیلوگ باہر نکل آیا
 اور تیز برقی بارش میں ہاتھ بندھنے اس نے سن رکھا
 تھا کہ تیز بارش میں دعا جلد قبولیت کی منی پر پہنچ
 جاتی ہے۔

لیکن وہ کیا لکھے کیا کہے اسے کچھ سوچنا نہیں
 تھا۔ وہ زیر و زبر دل کے ساتھ جوں کھڑا سوچا۔ ہاتھ
 کو وہ اک قمار سلطان سے کیا لکھے، جو شہرگ سے بھی
 قریب ہے۔ وہ اس کے سب کے پھول، افادہ بیوی
 اس کی مجبوری اور بے کسی کو دیکھتا ہے۔ وہ اس کی
 خستہ حالی سے واقف ہے اس کے خالی پیٹ اور اندر زلیوں
 میں گھر سے بولے دل کا حال جانتا ہے۔ وہ تو سب کچھ
 جانتا ہے۔ سب کچھ دیکھتا ہے۔ وہ پھر دعا کے کیا بتاے
 اُسے کیا دکھائے، اس سے کیا آگے کس طرہ لکھے؟

وہ جوں پریشان رہتے ہوئے سیاہ آسمان
 کے تھکے ہاتھ پھیلائے کھٹا تھا۔ اس کی پیل، تیلیوں

بارش کی پانی سے سرسبز تھیں۔ اس کے پیکھلے ہونے والے
 سے چست پانی اس کے رخسار صفا پر جھپٹتے ہوئے انہیں
 میں لہر ہاتھ اس کے ہونٹ لڑدے تھے۔ اس کی
 زبان اس طرہ اٹھتی ہوئی تھی۔ جیسے بندہ بیباک
 گلی ہو۔ اس کے ہر قطرے دل میں کئی ہی باتیں کھول
 رہی تھیں۔ لیکن جو تھلہ لڑدے ایک انقلابی نہیں آتا تھا
 پانی۔ دھول دھار برس رہا تھا اور گہرے بادلوں
 اور سیاہ اندھیرے میں کسی ایک ستارے کا روشن
 چہرہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

بادل ایک بار نہ دے کر رہے۔ پیل آسمان
 پر شہر سے برساتی چوٹی ٹھٹھکی گئی۔ وہ اپنی جنگ
 ساکت کھٹا تھا۔ خالی اندھیرن جیسے نہ کوئی طلب کچھ
 نہ سوال، نہ کوئی انتہا نہ مطالبہ۔ آپہیں دور سے آواز
 ڈھکی آواز میں آئے لگیں۔ یکے بعد دیگرے۔ مختلف گہر دار
 سے آواز کی آواز بندہ ہوئے گئے۔ خدا بخش کا دل پائیز
 سے سرگیا۔ دل میں کوئی اندیشہ یا دوسرہ نہیں تھا
 کہ رخسار دلی پر آنسو پوری شدت سے بہہ رہے تھے
 بارش کا شہر چہرہ اس کا رخسار ہاتھ۔ وہ گھٹوں کے
 بل ٹھیک گیا اور پانی آگن میں کھٹے سے پاؤں کو رکھ
 دینے کے اسے ہوشیار کیا۔ وہ اسے صحن میں
 اس طرہ پڑے دیکھ کر بڑی طرہ خوف زدہ ہو گئی
 تھی۔ وہ گجلیٹ میں بار بار اس کا شانہ جھونڈ رہی
 تھی۔ خدا بخش نے سر جھٹک کر انھیں کھلیں۔ دینے
 کی جان میں جان آئی۔ مثلاً آسمان اس کے سر پر چمک
 رہا تھا۔

دیہیوں میں رکھے چراغ

مشہور افسانہ نگار رام لعل کی ایک اونی کتاب
 خاک نگاری، تنقید نگاری اور افسانہ نگاری کا حسین امتزاج
 مجلہ خوبصورت گرد و پیش - قیمت: ایک سو روپے

جلتے رہے تنہا تنہا

ظہیر آفاق

وہ سوچتی رہی — دیکھتی رہی —
اس کے بالکل دو مہینوں کے بعد
مدد اس کے استاد ہوش اڑا د گیٹ کے
لان میں اوپ جلوٹا اور طلعت مزہ کا
جسٹ غزل کا ہر دو گرام تھا۔ سیا اپنی مارت
کے ہمراہ اس لان میں آئی اور جو غزل کے
درمیان کی کرسیوں پر بیٹھ گئی۔ کھلے
موسیقی کا اجرا ہو چکا تھا۔ ناگ پر غزل
زیر ہی جو اناؤنسٹ تھے، بڑے دلربا انداز
میں اوپ جلوٹا کا حقارت کر رہے تھے۔
اس کے بعد اوپ جلوٹا نے اپنی غزل کا وہ
مشہور مطلع پیش کیا کہ

یہی وہاں کا صلابہ تو کوئی بات نہیں
یہ درد تم نے دیا ہے تو کوئی بات نہیں
اس شعر پر ادباً بزم کا انتقام
جنوم اٹھا ادا کیا ہر ایک دھماکی کی گیت
خارہی ہو گئی۔ اچانک سانس والی کرسیوں

پر سیا مدھور اے تھی تھی۔ وہاں مدھور اے
میتا کشتی مندر میں کبابی شیکم کے جلسہ کی
تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کافی ہجوم تھا۔ مندر
کے اندر آنے جانے کی قطاروں میں لوگ
ایک پر ایک سوار ہونے کی کوشش کر رہے
تھے۔ ایک بزرگ پنڈت جی کے ساتھ باقوں
میں معزوف، آنکھوں پر کوئی اسپونڈ چشمہ
لگائے اس میز میں جو کھڑا ہوا تھا۔ جو کو
آواز دینے کے خیال سے سیا کے لب کھلے اور
پھر نہ جانے کیوں بند ہو گئے۔ جو نے سیا کو
خاطر دیکھا بھی تھا

کچھ اس طرح کے انداز سے جو اس پنڈت
جی کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور سیا میز کے
پچھے رہ گئی۔ جو کے قہقہے میں ناکام رہی۔
سیا کے دل پر پھر سے ایک نبردست سا ڈھکا
لگا۔ سیا وہیں رک گئی۔ بیت وریک سر جی
رہی۔ اُس کی نگاہیں جو کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

اچانک سیا کی نظر بنگلور کے
مشہور استاد ہوش "نیلگر پرنسٹ" کی
تیسری منزل کے باکوئی پر پڑی۔ شام کا
وقت تھا۔ باکوئی میں کھڑا ایک خوبصورت
نوجوان آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے بنگلور کی
سرد ہواؤں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ سیا
اس نوجوان کے چہرے کو اچھی طرح پہچان
گئی۔ یہ وہی سچو تھا۔ سیانے نیچے سرک
ہی سے اس نوجوان کو دوش کیا اور پھر اُس
نے ہاتھ بھی ملایا۔ یہی نوجوان... سیا کو
دیکھ کر بھی انجلاؤں کی طرح وہاں سے سرک
گیا۔ سیا کے دل کو ایک نبردست دھکا سا
لگا۔ وہ پراگندہ جذبات کے انجانے موڑ
پر جھٹک گئی اور سیا کے قدم وہاں سے آگے
بڑھ گئے۔
اس کے ایک مہینے کے بعد ایک کیشن فرد

کے لڑائی میں ایک خوبصورت جوان عقیدہ
سوٹ میں بیٹھیں، پیچھے سیاہی کا جاب
خود کر دیکھا۔ سہا جو تک بڑی۔
”سجوا“ وہ پکارنا جانتی تھی مگر
سامعین کی ٹھٹھ اندوڑی کا لانا کہتے ہوئے
چپ ہو گئی۔ سچے کے بانو میں اس کی خوشامی
کے خادسی ہر فیروز شریف فرما لے۔
انہوں نے پھر سہا کو ایک دو بار دھڑک دیکھا۔
اب سہا کو مجبوراً خاموش ہی رہنا پڑا۔
پروگرام ختم ہوا۔ سجوا اس پر دھبہ کرنا
دن سے باہر نکلی گیا سہا اس کا تعاقب نہ
کر پائی اور بے خیالی میں دل ڈوبنے والی
کیٹیجیوں کو سینے میں دبا لے اپنی ماں کے ساتھ
گھر آ گئی۔

اس رات وہ بہت دیر تک سوچتی
رہی۔ سجوا ایسا کیوں کیا؟ اور وہ اس
بات پر بھی سوچتی رہی کہ دوران پروگرام
سجوا غزل کے ایک ایک لفظ پر تڑپ اٹھنا تھا
اور دل کھول کر داد دے رہا تھا۔ ویسے سہا
کو معلوم تھا کہ سب تو ہیں غزل کی انہماک
جہانیاں اور ٹکری پہلوؤں کو اچھی طرح
جذبہ کرنے کی اچھی خاصی صلاحیتیں تھیں۔
غزل کے مزاج کو سمجھ سکتے تھے کہ فن سے
جو اچھی طرح واقف تھا۔ یہ سوچتے سوچتے
سہا اپنے آپ بغیر آگ کے جھیل رہی تھی۔
تہا تنہا۔

اب سہا کو یہ بات گھر میں نہیں آ رہی
تھی کہ سب تو کیوں اس طرح سہا کو دیکھ کر بھی
انجان ہو جاتا تھا۔ وہ سوچتی رہی۔ اس
کے احساسات تڑپ اٹھتے تھے۔ اور اسی
کشمکش میں وہ اسی طرح اپنے آپ جلتی رہی۔
تہا تنہا۔

کچھ دنوں بعد سہا کو اردو میں تاپ
کیا ہوا، ایک خط بد مزہ ڈاک بکسوں میں ہوا۔
سہا! تمہیں تمہا کا کیا بد مزہ سلام!

مجھے یاد ہے کہ اکثر شاعروں میں ہم مختلف
مراکز پر ملے تھے۔ کافی بار میں اپنی سخا میں
گزارتے تھے۔ مرحورائے ”سہل“ وہ بطور
میں ہم اپنی جا بہوں کے جشن بہاراں مناتے
تھے۔ اور ایک قاب عین بات یہ بھی یاد ہے
کہ ہم دونوں کے مزا سب انگ ہونے کے باوجود
بھی ہم دونوں کا تون ایک ہی تھا۔ ہم دونوں
کی حسیہ قندہ، ہم دونوں کی اخلاق نگاہی
اور تعلقات میں ایک انوکھی انفرادیت تھی
ہم دونوں کی جدت طراز باں اور دندہ دلی
زمانے کے بے ایک خیال بن کر رہ گئی۔
مجھے یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ سنوٹی
ماں کی پوجا کے دوران سنوٹیوں تک جس
پر سیر سے رہتی تھیں، میں ایک شلمان ہوتے
ہوئے بھی اس دیوی جی کا احترام کرتے ہوئے
پوری عقیدہ متفردی کے ساتھ نکلنے خود پر
سنوٹیوں تک تمہاری پوجا کی تقریروں میں
اسی پر سیر کے ساتھ خال رہنا تھا۔ اسے کہ
نہا اور میرا امان ایک، فلسفہ ایک عقیدہ
ایک، اور ہم دونوں کا مزاج دل ایک۔

نصویر کے دوستک مزاج پر جب نہا
جا بندا کے مقدمہ کے سبب میں تم حیدر آباد چلی
گئیں۔ بہت دنوں تک تمہارا کوئی خط نہیں
آیا۔ حیدر آباد میں تم کہاں رہتی تھیں
میں نہا سے پتے سے نا آشنا تھا، خلوکات
کا کوئی سہل نہیں رہا۔ اسی کشکش میں ایک
طویل مدت گزر گئی۔ اتنے دن صرف تمہاری
چاہتوں کے سہارے جی رہا تھا۔ اور جب
یہ سہارے ہی ٹوٹ گئے تو میں کھینچے کا
سوال ہی کہاں پیدا ہوتا تھا!

صرف تمہاری ہی یادوں کے خصلوں
میں جلتا رہا۔ بہت دنوں تک تمہارا انتظار
رہا۔ آخر مجبوراً میں نہا کی یادوں سے نجات
پانے کے لیے مسیکر ایک دوست کے ساتھ
سمود پر چلا گیا۔ جاں جا کر بھی تمہاری یادوں
سے باز نہ آ سکا۔ پھر حیدر آباد میں لوٹ

غزل

میری سنوں میں دے فن کی جھلک باقی رہے
فن اگر گھر بھاگی جائے تو ہمک باقی رہے
میرا میرے بے کافی ہے گرد گرد میں
چھت نہیں تو کچھ سیر سیر تک باقی رہے
ایک دن پیش حانی سرچوں ہو جائے گا
دیکھا ہوں یہ شمس کب تک باقی رہے
جسفر اس نے نہی میں اک سفر اس میں ہو
ذہن پر جس کا تاخیر دیر تک باقی رہے
کاش حیرت گاہ بن جائے ہر گوشہ جوں
پاؤ گاہ ایسی بھی اک دیر تک باقی رہے
آج تک نہ ہو دے جوش کے میرے درمیان
رہتی دنیا تک یہ دور دشمن ترک باقی رہے
دور جتنے ہیں سب سے سہل رہے
جس کے شے پر بھی ٹھوڑی سی تسک باقی رہے
کیا نیو انرا ابیری کے اندھیرے بڑھ گئے
اپنی آنکھوں میں ابیری کی جھلک باقی رہے
محترمہ کو کھانا مقرر آج ہر کد رنگ کو
نہا اگر یہ چاہتے ہو کہ دھنک باقی رہے

مفتخر صدیقی

آیا مجھے معلوم ہے نہ نرنے لے مختلف مفاہات
ہر دیکھا تھا، پکارا تھا اور مجھ سے بات بھی کرنا
چاہی۔ مگر میں نہیں دیکھ نہیں پایا۔ تم سے
لے کے خواب دیکھنے دیکھنے میری آنکھیں
پک تھیں میرے خواب نہ جی ہو گئے۔ اسی
دوران صفت کی ذمہ داری کو کبھی چکی
پاکس کا شکار ہو گیا۔ سادے بدن میں جیتے
ہوئے بیلے آئی ہمت۔ میری آنکھوں کی
نیلیاں جل گئیں اور میری بصیرت مٹ چکی
ہوئی۔ اس صفت کو دے جانے کے لیے مجھے
آنکھوں پر ایک سیاہ چشمہ بٹھانے لگا نا پڑا

اس کے بعد تہار سے ترک تعلقات
کے ذرا اثر میں دل کا مریض ہو گیا۔ دوبارہ دل
کا دودھ بڑا۔ موت نے بھی ایسی حالت میں
چلے جیول نہیں کیا۔ اور تیسری بار جب دودھ
بڑا تو دل کا آپریشن ہوا۔ ڈاکٹر نے سخت منع
کر دیا کہ چلے شادی نہیں کرنی چاہیے۔ شادی
سیکڑے ملت نقصان دہ ہے۔ ایسی صورت
میں پھر تم سے بچوں کا پھر سے چاہوں گا سبیل
شرع کروں گا کیا تہار ہی خوشگوار زندگی
ایک لمحے کو قبول کرے گی جو مرد ہوتے ہوئے
بھی اپنے آپ کو مرد کہنے سے خرمندہ ہے ؟
کیا تہار اوقار 'تہار شادنا درد و خیرگی

اس چیز کو برداشت کر سکے گی ؟ نہیں سہا !
چلے ایسے ہی تہائیوں میں اپنے آپ
چلے ہوئے مر جانے دو۔
بس یہی اک وجہ تھی کہ میں تم سے
مختلف مقامات پر تہار کی موجودگی محسوس
کرتے ہوئے بھی تم سے مل نہیں پایا۔
کہتے ہیں کہ جب کسی کی چاہت پائیدار
ہوتی ہے تو یہ چاہت زندگی میں اذھوری
رہ جاتی ہے اور ایسے چاہنے والے پھر سے
دوبارہ جنم لیتے ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو
سنو ! ویسے مذہب اسلام میں ڈکے سے جنم
کا عقیدہ نہیں ہے۔ پھر میں اپنی موت

کے بعد عالم جاودانی میں جب مجھے دیکھا جائے
کا موقع ہے کا تو میرے پروردگار سے استاذ
لے کہ تہار کی خاطر بھی دعاؤں کی بجائے
مانگوں گا کہ یا الہی مجھے کم از کم ایک عزیز مسلم
کے دُوب میں ایک اذہم دے دے تاکہ میں
میری سہما سے دوبارہ مل پاؤں اور اس
کا شریک حیات بننے کے قابل رہوں۔ بس
اس سے بڑھ کر آئے مجھے کوئی نہیں چاہتا۔ !
تہار ادبی
سبب

غزل

چہ حرامی اس لئے گالی کے گارات دن
اپنے لعل کی وجہ سے وہ چلے گارات دن
مخلدوں میں بیٹے کہ صرف کہ گارات دن
خبر کے باعث وہ شربت کی گارات دن
بیلے کر کے روزانہ کے ساتھ دیکھو تم ذرا
ہاں میں ہاں کرتے رہو عزت کی گارات دن
جب ستارہ شام کا چمکے تہار کی آنکھ میں
تو افق کا وہ ستارہ بھی چلے گارات دن
بچوں کو کم کا کھلے گا جب تہار سے بات پڑے
وہ بھی مخلصی بخت کا ساحل ہے گارات دن
اُس کی آنکھوں میں ہی اس کو دیکھنے ب لے لے
پھر تہار اہم دہاں تک چلے گارات دن

ساجل احمد

میرا وطن

یہ ہے میرا وطن یہ ہے میرا وطن
اس کی غلط بہ فرماں میں مردان

کھیت کھلیاں میں مست مزدور ہیں
ہرد کی جھاڑ میں لگ مسرور ہیں
گھڑیاں محبت سے معمور ہیں
شہر کی گھاڑوں میں لب و لہجہ زور ہیں
شکراتی ہے گود بچ کی ہر کرب کون
یہ ہے میرا وطن یہ ہے میرا وطن

دیش کا دشمنی کے خواہش کی تعبیر ہے
اور جواہر کی آنکھوں کی تصویر ہے
دست آزاد کی تنویر ہے
انداز کی باتوں کی تصویر ہے

جس کو کہتے ہیں سب ایکٹا ہے چمن
یہ ہے میرا وطن یہ ہے میرا وطن

اس کے کھلب میں نیگو کی آن ہے
اس کے چمن میں ناک کی بچاں ہے
سوئے (عجیب و عجیب) کیا شان ہے

ان بزرگوں کا سرور میں تھان ہے
سارے مذہب جہاں ایک کو جلیں میں
یہ ہے میرا وطن یہ ہے میرا وطن
پانچ شہر ہے رنگ محنت یہاں
اور ہمارے تابع محبت یہاں
اس کی ندیاں ہیں بحر سخاوت یہاں
یہ سنی ہے نکات ہے دولت یہاں
یوں ہستی ہے اہم کی اس پر بھرت
یہ ہے میرا وطن یہ ہے میرا وطن
یوں تو سب شامی کے بجاری ہیں یاں
حق میں دشمنی کے لکھن میں پروکاں
ایک لکھن میں حب و عشق
سرحدوں میں ہیں ایسے ہمارے جوان
جس پر نادان ہے عرفان ملک و چمن
یہ ہے میرا وطن یہ ہے میرا وطن

عرفان زیدی بریلوی

گونگی غراہٹ

انوار احمد

پچھلے کئی مہینوں سے ایک گونگ فیر اس مائے کا پتہ ہی گیا ہے، جو میرے آکا حاجی خواجہ کے محل تک جاتا ہے۔ اگر میں اس کی طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ جاؤں تو وہ بے لفظ صدا کی کندہیں بھر رہی ہوتی رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں ٹوٹ آتا ہوں اور اس کی بمبھیلی پر چند ٹکے رکھ دیتا ہوں جنہیں وہ بلا تالی تالی میں پیسنگ دیتا ہے۔ شاید وہ چٹا ہے کہ کچھ بچے ہیں حاجی خواجہ کی جے میں سے چٹا ہوں اور ادا اس کی آواز سے ڈرتا ہوں، کچھ بچے زفر سے نکلے والے فطال کی کپا سنی ادا کرتے ہیں یہ میں آسمان پر تھم کر تاج ہوں اور ڈرتا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں اس کا طے جو میرے دل میں بڑھ جاتی ہے اور میں پرہیز کرتے لحاظ سے ادا گونگا ہٹ کے اجتماع اور اشتعال کا لگن گزرتا ہے۔

وہ رات کئی سال پہلے کی تھی، حاجی خواجہ جرم جرم کر رہے تھے اور میں بھی کشت

پر بیٹھا وہی بھریں خالی ہونے والی بوتلوں اور پائیل فٹر توں کا صلب کر رہا تھا کہ اچانک مجھے ستر عجیب اوس واسطے پر جاتی ہوئی ٹکوس ہوئی ہیں، ایک ایک کر کے ہر درخت کی پھیلتا گیا، پھر وہ بچے بڑے درخت کے نیچے ایک چوترہ دکھائی دیا، میں کی باؤں نے سرگوشی کی کہ یہاں لالہ مراد بخش اب بھی بیٹھا کہانی سن رہا ہے۔ اس کی ہر کہانی ایک جیسی ہوتی تھی، گو کسی کا وہاں سے اٹھنے کو یہی نہیں چاہتا تھا ہر کہانی کے پیر کو فیکر کی دعا کی ہر وقت سونے چاندنی سے بھرے سات کھوٹیں تھتھتے تھے۔ سو جب وہ شراب، حوریت اور جوئے کے پکوں میں بڑھ جاتا تو وہ کوڑی کوڑی کھانا جود جاتا، یہاں پہنچ کر لالہ مراد بخش اپنی پیگ کے شعلے اور موچکوں کو تاد دیتا اور کہتا کہ دو جہاںوں کے خزانے بھی اس کا ساتھ نہیں دیتے جو شرب، حوریت اور جوئے کا لذت کے لیے جگہ بجا کرتے۔ اچانک میں نے ٹکوس کیا کہ حاجی خواجہ نے اپنا فیر موٹر کو بھی منسلک کر دیا ہے، نہ چاہتے تھے کہ میں پہلے علی علی یا

دھماکہ پہلے ہوا تھا، پھر لالہ مراد بخش غول بھڑوڑ لگیں ہو گیا اور شاید دم توڑتے ہوئے لالہ مراد بخش نے کہا ہو گا تو اس سا ڈاڈا بادشاہ ۹۹ صلی میرے لائوں میں تو اس کے ایسے فطال کی پھیلتے تھے جن کے حوروں کی سانس ان کوڑی تھی۔ سو کمال حاجی خواجہ لالہ مراد بخش نے وہاں سے کوڑی کو بیک کر کے اتنی تیزی سے پھلائی کہ بستی داخلہ نے اشر کے خطاب کو یوں پھلنے دیکھ کر کھدکا شکر ادا کیا ہو گا۔

حاجی خواجہ کے محل میں بھی خزانوں سے بھرے ہوئے سات کھوٹیں ہیں۔ کسی میں کھالیں بڑی ہیں تو کسی میں مذہب دار، کسی میں سنگی مشدہ، مویشیں بڑی ہیں، تو کسی میں روتل پرست۔ وہ دروازوں بھی ہے اور ہر کچھ بھی خبر کی کئی لہانوں اور صحافیوں کے اسس نے دیکھے مقرر کر رکھے ہیں، میں نے ان میں قیام کے دوران جب اس نے چار حزیب دور پھیراؤں کو صلی سو پونڈ کی بہتر کی خاطر ہڈی لگ بگ ٹھیکہ میں بکوا دیکھا تو وہ اسے سنبھالی اتنی ہی پرکھائی اور وہ پونڈ کی منہ

ہر ایک لڑکیوں کو اپنے بھائی کے گھر میں لاکر ان کا
کر دیا۔ ایک مرتبہ ہر س کے شراب خانے کے باہر
اس نے ایک عریض میز پر کھڑی کھڑی نظروں سے
بوٹوں کو دیکھا تو اس نے اس کے مالک کو
کہہ دیا کہ اس بے وقافتگی کی ایک شاہ کی قربانی کا بل
اور اگر اسے کسی طرح دھم کے بغیرے غافل میں وہ
امداد کے منتظرین کو بھاری دقیں کرنے کے طور پر
دے کر قبول کیا تھا۔ مگر وہ بھروسہ ہے کہ کسی کیس میں
لڑکیوں کی دستگیری بھی حاجی خواجہ نے کی ہے۔

دراصل حاجی خواجہ نے کسی بھی جیل صورت
حدت کی ضروری اور بے بسی نہیں دیکھی جاتی اس کا
بل کر دھتا ہے جب وہ حدت کو اس میرے گھوڑوں پر بند
دیکھتا ہے۔ اس کو وہاں سے لے کر کے اپنے گھر پر
پہنچے کہ قطعاً پرہیزگار نہیں کرتا۔

اسلام کی خاطر یہ نہیں ہے اسے حق کی
اسٹر لیز کی چوٹی جی جی جی ہر کہہ کہ دیکھنے کی
محق ہو جی ہے، حاجی خواجہ نے انکادات اسے اپنے
خل میں منتقل کرنے کی بیانیہ کی۔ چنانچہ امداد
کے اسٹر لیز کے گھر گیا وہ دونوں گھروں داخل
ہوئے مگر حق اندر جانے کا واسطہ ہی نہ نہایت سکا
کہ بچے خوف متا کوئی نا حق دیکھتا ہے پھر اس کا سنا
نہیں کہ اس کی گھر اسٹر لیز میں نہایت کچھ ہے صاحب
غلاب ہنے سے اپنے قوی مدد سے میں صاحب بڑھا جاتے
تھے۔ حاجی اعظم، ذوالحاف اقل اجڑاے مری... میں
نے اپنے دونوں ہاتھ غلوں میں دبا لے کوں مشقوں
کے سال مل کر سکے پڑا سٹر لیز کی پٹری جہاں سے
باغیوں پر برقی قتی۔ حاجی راکی کو طارک باہر نکلا تو
اس کے تعاقب میں اسٹر لیز بھی ننگے پاؤں مدد دے
گیا۔ آئے انہیں نے انکھوں پر ہاتھوں کا بھجیا تاکہ
بچے دیکھا اور ششک گئے بچے عکس پر انکھوں میں
حدت کہہ رہے ہیں۔ ہاں میں لاف کہہ مگر اسی بچے
قلند نے زور سے ایک ڈنڈا اسٹری کے سر پر سلا
اور ان کے منہ سے نکلنے والے فدا کر گئے ہوئے۔

کوئی شہر میں موجود تھا کہ ایک بڑا قاتی رات قتی
کھا رہے تھے تو اس کے بچے شہر میں جاتا تھا اور
ساقی سے تیرا ملا کر بچے سے کھا کھا کھا کھا کھا

دونوں لڑکیوں کی حیثیت سے سارے ملک بھر میں
سرحد پار پہنچے ہیں اور حاجی خواجہ نے اپنے اور گھٹ
کے سارے ہاتھوں کو اپنے سٹک کی ایک جیب میں بھر دیا
اس میں تقریر کو لٹل رہا تھا جو اسے قوی حیثیت اور
جھگڑا کا سلسلہ کے موضوع پر ہونے والے خاکسے
میں جہاں خصوصی کی حیثیت سے کہ تھی کہ جہاں جہاں
اسلئے دس گیا وہ برس کا ایک ہفتا پر پہنچے ہوئے
کچھوں میں اس شخص سے وہ دس میں ننگے پاؤں چلتا
ہوا گیا۔ حاجی خواجہ نے نہایت قز کے ساقی پر چند
ننگے اس پنے کے ہاتھ پر دیکھے کے لئے بھلا اشارہ کیا
مگر اس سے پہلے وہ حرکت کی تھ وہ ہم پر ڈالتا ہوا
کسی نہ جی کی میں گم ہو گیا۔

حاجی خواجہ بے پناہ پیتا اور کھاتا ہے، بچوں
شراب کی پیشیاں وہ توں میں ختم ہو جاتی ہیں، ہر رات
جی بھر کے پینے کے بعد وہ بیٹ بھر کے کھاتا ہے۔ ایسے
حالی میں وہ بچے اور قادر بخش کو باطل فیلا دیتا ہے
حالا کہ حاجی خواجہ کی ہر رات الٹی کرنا اس کی بعض
مردہ یا نیم مردہ وگوں کو دیکھا کہ قادر بخش کے ذمے ہے
حاجی خواجہ کو کھاتا دیکھ کر اسٹریک کہہ کر قادر بخش
مسئل کو شش کرنا ہوتا ہے کہ وہ ہر کھانا نظر آئے
مگر جب میں قادر بخش کی طرف دیکھتا ہے پھر حاجی خواجہ
کے دستروں کے پنے کچے ننگے دیکھ کر کٹ پڑتا ہوں
و قادر بخش نا قابل فہم زبان میں بڑا ناشرہ دے
کہہ دیتا ہے اور اگر میں اس کی طرف دیکھوں تو اس کی
آنکھیں مڑا کر جی نکوس ہو جاتی ہیں۔

حاجی خواجہ کی سب سے گھڑی کے گھڑے میں ان
دوست اور درباری ہیں، حاجی خواجہ کی چاروں
بیویاں گھر کے انچون ملازم کو حقدت کھلائے بیٹ
سے دیکھتی ہیں اور نادانوں کو ان کے چہرہ دار کپڑوں کی
میلی جھول میں مسٹر اندر بچے کوٹ مشق رہتی ہیں
حاجی خواجہ کی بیٹی سے اپنے خوبصورت بیٹری کی معافی
پریشانیوں پر داشت نہیں ہو رہی حاجی خواجہ کا
دلیہ اس شہر کی طوائفوں کو کمالیت نہیں کر سکتا
حاجی خواجہ کے گودام کے ایک کوٹ میں بیٹھتا ہے، کبھی
انکھوں کے ساتھ بڑی رہتی ہے۔ گودام میں کام کرنے
والے مزدور اس کھا کھا کھا کھا کھا کھا کھا کھا کھا کھا

کراپے کھاتے ہیں شہر کی کچھ بیٹیاں کھاتے ہیں کھاتے ہیں
کمزوریت حافی سے حاجی خواجہ کا اقتدار کھاتا ہے وہ بے پناہ
حاجی خواجہ کے بڑے بیٹے کا۔ اسی اقتدار نے نہایت
مالی کی گوریوں جو کچھ والا وہ اس نے حاجی خواجہ کے
عمل میں کوٹا دیا۔ نہایت مالی کی بیٹی میں جیوان ہو کر
مردان خانے کے لئے۔ قصص ہو گئیں اور بیٹیاں خانے
کے لئے چنا پڑ کر جیوان خانے کے سرانے بیٹھے والا
نہیں۔ جی جی کھاتا اس کو نہیں چاہوں تو نہایت
مالی میری بہت کو نظروں میں منتقل کے کچھ کچھ کو عقل
کو تاہم لڑکیاں ہی نہیں ہوتی کچھ اس بڑا بہت
اور نہایت سے وحشت ہوتی ہے نہایت مالی
کیا کہنا چاہتی ہے۔ ہ لاہر ادخل اسٹری لیز
نے کیا کہا تھا ہر پشمان لڑکے اور قادر بخش کی آنکھیں
کیا کہتی ہیں اور بے گناہ پھر کیا کہنا چاہتا ہے وہ میرے
راستے میں کھڑا ہے یہاں اب کچھ کچھ کو نظروں میں
اس نے بھی بدلتا چاہتا ہوں کراپے ایک حاجی خواجہ
کو بھر دار کے کھانے عام قتلے سکوں۔

سید ابوالکلام آزاد کی تقریر
الہلال
مکتبہ خاندانی
ہم سے طلب فرمائی

حلی، لائی، واقعی، حقیقی، متغیر
معاہدہ کا ایک
جدید المانی مجوزہ
ابوالکلام احمد خاندانی
کی کتاب
حقیقی مباحث
قیمت: پچتر روپے۔

دوپاؤں

روشن آراؤ نہایت

ایک دن پرانے سے منہ چاڑھتی ہے۔ سہلایہ لہجہ صریح
کو محبت دے دیتا ہے۔ اسی کی جانب کیلئے بڑھا
جائے۔ اس خیال نے اس میں نئی سکنت اور دنیا اعتقاد
پیدا کر دیا۔ اس نے بنا جی دیکھے ہی پتا قدم اضافی
دیکھ کے بھائی صاحب بڑے کے۔ دوسرے ہی
لے ایک سائیکل سوار نے جیسے اسے طعنہ دیا۔ اور
اسے دیکھ کر کوئی ناگ سے جڑنا اور صراحت کر دیکھے
ہی ایک راستہ سمجھ کر گئے لے اٹھا ہوا ڈاکٹر گیا
تھا۔ ہر کی خدمت تھی۔ جس نے اس سے اس کی
سکت کو چھین لیا۔ اور اس کے احتیاط کو ماضی پاش
کر دیا۔ وہ اپنے آپ کو یہ عجیب سمجھنے لگا۔ وہ سمجھا
ہائے زندگی کی دھڑکیاں وہ کی ایک توجہ سے جڑے
ہوئے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو اس کی جڑ سے نہایت
ولانے کے لئے بڑے شکر کر دیکھا ہے۔ ایک سے سب
پیدل نہیں۔ وہ بڑھاپا کاروں میں سدا ہے۔ اگر
دیکھتے تو دنیا میں اور سوانہ سر کرتے ہیں۔ انہیں
سوانی دھوکے بنے چلے جاتے۔ جیسے وہ سوانی پر گئی

نظر لگے گئے۔ اور تب شباب اور پھر بڑھتی ہو
پہلے لے کر واقعی موت ہے مگر دوسروں کے سے
زندگی۔ ہر زمین کیسے قتل کو کسوں کے سپرد کر کے
شہول جاتی ہے کی اس کا بھی کچھ حصہ ہے۔ اور جب
انسان سو کہہ سکا کہ کسی قابل نہیں رہتا تو یہ اپنے
چہرے میں چہرہ اس کی ہر ماڑ بن جاتی ہے یہ کہہ
سکتے ہیں کہ وہ اس کے کٹھے ہوئے قدم بدک لے
پڑھ لائے ہی اس نے اپنا سیدھا پاؤں اٹھایا تاکہ
اٹھے بڑھے۔ مگر۔۔۔۔۔ یہ کیا وہاں سامنے پھر
سے لال بنی تھی۔ اور وہی سوکس کر رہ گیا۔
یہ کیا چہرہ جب وہ کدہ کھاتا ہے تو لال بنی جاتی ہے
اس بد اس کی انگلیوں کی کھڑکی کی تھی چہرے کی اس
نے اوتار کے ہونٹوں کو کچھ دانتوں میں دبا لیا۔ زندگی
اسے کیا دے رہی ہے اور لوگ کہتے ہیں تو قی کرلی
چاہئے۔ آگے بڑھتا چاہئے۔ اسی میں اپنے وجود سے
اندھے سے وجود تک کے لئے رہے۔ وہ پھر۔۔۔۔۔
موت کو کون بچا کر لے کر لے لے ہوا مگر موت خود

فلسفہ بنی تھی اور پھر لگتی۔ شہید آگے
لے لال بنی کے بعد پھر لال بن کر وہ لگتی ہے۔ اس نے
اور دیکھا تھا۔ سہول بنی تھی اس نے راستہ کاس کرنے
لے سے قدم اٹھایا ہی تھا کہ لال بنی پھر بن گئی۔ اور
ایک خطہ ہی کہ اس کی ماہ میں راکٹ بن گئی۔ اب
عجب بھی اس نے دیکھا تو لال بنی ہی جل رہی تھی
اور وہ سر جھکا کر سوچتا ہوا۔ ہے ہی انسان تھا کہ
ایک ان کے قدم میں کر لے کر آگے بڑھتے چلے گئے۔
ایک میرے پاؤں میں کر لے کر آگے بڑھتے چلے گئے۔
مگر وہ زمین تھا۔ زمین تو اس کے بلند ہے۔ وہ کج کی
ہوا کے بڑھتا ہوا قدم اپنے میں کی پڑت کر کے اس
کو چلنے سے باز نہیں دے سکتی۔ وہ تو وہ ہے کہ جس کے
پہلے لگتی کی تھی کج قسم کا راکٹ کہہ دیتا ہے کہ کج
جس کا راکٹ لے آتی ہے۔ اور چند دن میں وہ ہی
کو کج لگتی ہے۔ وہ کج کے کج شکل اختیار کرنے
لگتی ہے اور نہایت پھر پھر جلدی پہل کا پچھن

[illegible]

جلد ۵ میں کے ساتھ بھی گنہگار نہ رہے۔ تو سب سے پہلے
اس میں موت کے لئے اپنی لاش پیدا کر لیں۔ ہوتی تھی۔
اس نے تو اپنی ایک بے یاری تھی۔ جو گنہگار نہ رہے۔
اس وقت وہ پتھر دیوانی حرکت کے لئے موت سے
ہم کلد ہو رہے تھے۔ آدھہ مقابلہ اس ایک خیال نے
اس کے دھڑکنے دل میں سے ہر خوف، ہر پائل، کھینک
دیا۔ وہ سرگرمی سے کر کے آج بھٹ چلائی اس کے
قدوں میں بجلی کا کوند تھی وہ جیسے آندہ ہو گیا ہر خوف
سے۔ ہر اس جذبہ سے جو اس کے اندر بڑھنے کے لئے
پکڑا رہے تھے۔ آدھہ خواہ مخواہ ان کے کہہ جاتے دیا
ہندوستان۔ اب اس کے دیکھیں اس سرگرمی کے کوند بھی
کھینکوں میں لپکا رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ
پراسس لپکا رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ
اس میں رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ
رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ
بھی ہر حال میں ایک جہاں اس کے دل میں آ رہا تھا۔ نہ
جائے کہاں سے۔ ہر گرجا کی ایک پتھر رہ رہ رہ رہ
ظلمہ ساس کے ساتھ آ گیا۔ اداس کی گاہیں اداس
گرجا۔ تہہ اس کے سوچا ہی رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ
کی دھڑکنے سے۔ کہ یہ بھی انسان کی پتھر نہ کہ رہ رہ رہ رہ

[illegible]

حضرت جہشت طبع آبادی کی سوانح عمری



جب فلمی ستارے مداح بن گئے



● اداکار سنجے دت اور ان کے ہمراہ نور محمدی ہوٹل کے کھانے سے ٹھٹھ اندوز ہو رہے ہیں

فلمی ستارے جو ہر دم مداحوں میں گھرے رہتے ہیں جب خود کسی کے مداح بن جائیں تو یہ حیرت کی بات ہے۔ لیکن اگر آپ نور محمدی ہوٹل کی نئی نہاری کا ایک بار ڈائنہ لے لیں تو پھر آپ کو تعجب نہیں ہوگا۔ یہ ہے ہی اتنی عمدہ، لذیذ اور صحت مند کچیلے ہی لڑلے میں خواص و عوام کا دل موہ دیتی ہے۔ اسی لئے نور محمدی ہوٹل کے مستقل کھانوں میں بڑی بڑی ہستیاں، مشہور فلمی ستارے شامل ہیں۔ یہاں کی نئی، نہاری، بھجیو، پائے، ماش کی دال اور دیگر کھانوں کے پیچھے ۶۰ سال کا تجربہ اور جناب عبدالکیم ملک نور محمدی ہوٹل اور ان کے فرزند خالد حکیم کی ذاتی نگرانی شامل ہے جس لئے اسے ممتاز بنایا ہے۔ آپ یہاں تشریف لا کر شوق فرمائیں، انہما حباب کے لئے گھرے جائیں یا پانی کے لئے جائیں۔ آپ اور آپ کے ہمراہ ڈائنہ کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

نور محمدی ہوٹل، وزیر بلائنگ ۱۸۳/۱۸۱ ای۔ آر۔ روڈ، بھنڈی بازار، بمبئی ۴۰۰۰۳

فون ہوٹل: ۵۵۱۱۰۰۸ فون دفتر: ۵۵۱۶۱۱۵

ملاقات ایک نقاد سے

وجاہت علی سندیلوی

دُعا ہے۔

میر اپنی جہالت کے مارے کوئی ایسا
فیضان تو رکھتے نہیں جس سے مجزہ شریک بیٹھے
ابوالمیوں قسم کے معنی اودھنقاد کا جمل اودھنی
قد ناب کیے۔ لیکن اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ
وہ ہیں کوئی پیچھے جوئے جفاوری قسم کے اودھنقاد
اور اس کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ ہم نے جتنے
بھی نقادوں کے نام سن رکھے ہیں وہ ان میں
سے ہر ایک سے تو تباہ صرف بڑھ کر ہیں۔
بقول اپنے اُن کے بڑے اُڑا گئے ہیں۔
رستم بیگ جب کسی سے ملنا ہوتا
تو اس ناہیاد پر اپنا لفظ اُٹارنے کے
دیربرسل کے علاوہ ناک کی سیدھ پر سیدھ
ہمارے غریب خانے پر تشریف آکر اُڑا دیا
خلوص و محبت اپنے مستحب کا بدلہ ہم کو
کر اپنے جیسے بھوئے بھونڈے کا خیر و شر کو
وہوئی سے نہوڑنے کے لیے کہہ کے کان اٹھ کر

قادی کی حیرت میں اسناد بولنے کا بھی لہجہ
بڑھ جاتا ہے۔۔۔۔۔

”لغت! لغت! استغفر اللہ!“
رستم بیگ کہتے ہیں۔ ”یہ کوئی ادنیٰ شعر ہے
یا کسی کی بیخ بنی کا ایکشن میں بیٹھو۔ سمجھ جا
میں نہیں آتا کہ کہنے والا کیا کہہ رہا ہے اور کیا
کہنا چاہتا ہے۔ دراصل یہ محنت نقاد جانتا
ہی نہیں کہ وہ کیا کہے۔ الفاظ کے تو ماننا پتا کہ
وہ قادی کو محو کا المیہ اس کے ناچا جاتا ہے۔
تاکہ اُس پر وہ اپنی علمیت اور جہد ادنیٰ کا رعب
آسانی سے چاٹ سکے۔“

رستم بیگ کسی خود کار مشین کی طرح
چاٹوئے تو پھر چٹے ہی چٹے گئے۔ کسی ایک
نقد کی کیا، وہ نقادوں کی بڑی رقم اودھن
کی تیرہ اُدھن کے لگاؤ اور اُن کی شہرہ اور عظمت
کی علامت پر کسی مل دُور کی طرف تپ رہے۔
اور ہر گونے اور زاویے سے اُسے قیاس

رستم بیگ آج اپنے پورے
قادم میں تھے۔ کسی خاصیت کے مارے نقاد
نے ایک خاص کے کلام پر شعر کرتے ہوئے
کہیں بگڑ دیا تھا۔ ”نازل صاحب پرانی زبانوں
میں نے اُدھنانات کو بڑی خوبصورتی اور
چابکدستی سے سمجھ دیتے ہیں۔ اُن کا کلام
ماہی کے خوابوں کو عصری نقادوں کے
روحانی میں نئی جیسر بناتا ہے اور وہ اُذ ب
کی بڑائی و خوشوں میں تانہ دم جیت کے نئے
گل بوئے بھلاتا ہے۔ نازل صاحب کو بُرائی
علامتوں کو نئی علامتوں میں مدغم کرنے کا
خاص ملکہ حاصل ہے۔ وہ برائے انداز کی
شاعروں پر ہی اپنے نئے اُدھان کی خمیں نہایت
اور اگرچہ اس مجلس سے ترسیل اُدھان ابلار کا
ایک مجرہ مسکراتہ ہو اُدھان کی طرح سیدھا
ہو جاتا ہے لیکن اس سے شہری خوبیت اُدھ

شرم بہاؤ کی گدی ہے۔ ہم سعادتمند ہی سے
 نہ بدستور آواز کاں ہلاتے رہنا ہوا۔ کئی کئی
 کھیلے جاتے تو ہم کو یہ غرض خیر نہیں ملتا ہے
 ”مجھے ادیب و خاترو نہیں کیا؟ اُس کے علاوہ
 ملا جلیں چاہئیں، ایک بڑا نفاذ و حسنہ
 بناؤں گا۔“

اپنی خطابت کے موفان میں بہتے ہوئے
 رستم بیگ یہ جتنہ سمجھانے لگے کہ آج کل کے نقاد
 ادب کا کو ایسی مطلق، مبہم اور دوہری زبانی
 کہتے ہیں کہ یہی جگہ میں نہیں آتا کہ وہ کسی کی
 تعریف کر رہے ہیں یا تنقید۔ وہ جیسے
 ”باقی سب شعر اور بات ادب و خیر
 نہیں کہے تم اس کو دے رہے۔ شاعر و شمس
 ایک میں یوں اور ہاں ہاں ایک تم میں —
 لیکن حیاں خدا لگتی ہے مجھے ہو کو تم میں کی؟“
 ”اس کو کہتے ہیں صاف، کمری دو کون
 تنقید۔ کڑی کمان کے پیر کے مانند۔“

اسٹیک کے شیروں کو آتی نہیں زبانی
 جودل میں آیا ہے کسی کی پسلی کے بغیر اور تمام
 مصلحت اندیشیوں کو بالائے طاق دیکھ کر نڈھال
 سے کہہ دیا۔ ”خوبہ کہ تم ہی ہو۔“
 ”یا پتا کرنا چاہا یا دوسرے ہزار چاہا!“

رستم بیگ ایک لمحے کے لئے دے تو شرما
 جی نے اپنی کلمے سخن کی فونی سکڑا کر انکے منہ پر
 رکھ دی۔ یہ جیٹن تھا اس بات کا کہ ہم بھی
 ٹھوہری زبان رکھتے ہیں اور کچھ کہنا چاہتے ہیں۔
 وہ جیسے بولے سے پہلے اپنی فونی اتار دیج
 خاترا اس سے اہامات کے لئے ان کے سر تک
 پہنچنے کی آسانی ہو جاتی ہو۔

شرما جی نے بڑے ہوش سے کہا۔ ”ابھی
 جو خاترا تھا خود سر، بر خود خطہ انداز پر تو
 ہو کر اپنے علاوہ اسے کہنے کے لئے بھی کوئی
 دوسرا خاترا نظر نہ آئے، اُسے تو میں ایک
 ذہنی مرہٹیں کہوں گا۔ اُسے آپ ایک کھرا
 صاف، اور دو لاک تنقید کرنے والا نقاد

مجھے حضور کر سکتے ہیں۔“

رستم بیگ اس ستر متوجہ جملے کو غور سے
 نہیں اور غیر معمولی سیر دلی سے بولے۔ ”بر خود
 آپ اپنی فونی سر پر رکھ لیں۔ آپ سیر انجم
 کیجئے نہیں۔ میں شام کے دو بجے کی نہ تعریف
 کرنا ہوں نہ تالیف۔ آپ اس کو اگر کسی
 نفسانی استیلا میں داخل کرانے کے
 کو پیش کریں تو میں آپ کا ہاتھ نہیں
 پکڑوں گا۔ میری گزارش کا مطلب صحت و
 ہے کہ اُس نے اگر کوئی بے بنیاد بات بھی کہی تو
 اس انداز سے کہی کہ آپ کو فونے کر وہ کہہ گیا
 رہا ہے۔ آجکل بیشتر نقاد تو کچھ ایسی زبان سے
 میں گفتگو کرتے ہیں جیسے جان بوجھ کر یہ کو پیش
 کر رہے ہوں کہ ج

بیگ رہا ہوں جنوں میں کیسا کچھ
 کچھ نہ کیجئے خدا کرے کوئی
 شرما جی نے اپنی فونی اپنے سر کو داپس
 نہیں کی اور کہنے لگے۔

”تو اس کا مطلب نہیں یہ کہوں کہ آپ
 کی نظر میں سب سے بڑا نقاد وہی ہے جس
 کی بات آپ کی کہہ میں آجائے، خواہ وہ
 یا نہ ہو یا نہ ہو۔“
 رستم بیگ نے کسی کی تیکہ سے ٹیک لگا کر
 آنکھیں بند کر لیں اور اپنے چہرے پر کچھ اس قسم
 کا ناتواں قائم کر لیا ج

یارب دودہ کیجئے میں نہ تمہیں گے مری بات
 دے اور دل ان کو جو نہ دے کچھ کو زبان اور
 چند ٹھوہری صد آنکھیں کھول کر دے۔ یہ
 بڑا کا نقاد آپ کس جیٹل سے اور کیوں پکڑ لائے؟
 اور پھر اسے سب سے بڑا کیوں بنا دیا؟ میں
 نے بڑا نہیں کھرا کہا تھا۔ اور اب بھی کہتا ہوں
 کہ کھرا نقاد وہی ہے جو صحت اور دو لاک بات
 کرے اور ایسی زبان میں کرے کہ ہم بہہ نہ سکیں
 کہ ہم کچھ جڑیاہ میں کھڑے کھڑے کچھ ناقابل فہم
 آواز میں سن رہے ہیں۔“

شرما جی نے طنز سے کہہ دیا۔ ”دیکھ

مطلق ہے آپ کی؟ بات آپ نہ تمہیں اور
 گوشتی کی جائے، پھر اسے نقاد کی۔ شیکسپیر
 اور غالب کی اگر آپ بہت سی باتیں نہیں
 کہہ پائے تو آپ کی رائے میں انہیں بھی
 بسا ادا دے باہر کر دیا جانا چاہیے۔“
 رستم بیگ نے خفا ہوئے کے بجائے
 شرما جی کو کچھ اس انداز سے دیکھا جیسے انہ
 کے ہم نام رستم بیگوان اپنے در مقابل کسی
 چندی بیگوان کو اس نیت سے دیکھا ہوگا کہ
 میں اس بیوقوف کو اکھاڑے کی کس بہت
 اکھاڑ کر پھینکوں جو اس کے کم سے کم چوٹ آئے
 اور پھر طنز سے کہہ دیں گے۔

”میں نقادوں کی بات کر رہا ہوں
 لہذا آپ خطہ بحث کے لئے تخلیق کا دوں کو
 درمیان میں لے آئے۔ غالب اور شیکسپیر
 یا ان کے ہی جیسے مرتبے کے تخلیق کا دوں کو
 یقیناً یہ زیب دیتا ہے کہ وہ انسانی فکر کی
 عمومی جولان گاہ سے آئے نیک جالیں۔ ان
 کا تو س خیال اگر سرحد اور اک کو پار کر جانا
 ہے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن ایک نقاد کو
 یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی تخلیق کی تشکر اور تحسین
 کرتے کرتے اپنی تنقید میں مبہم مطلق اور مبہم
 ہو جائے اور سر اسرا دل خوں لے گئے اور ۲
 ”خبر ما حقا ہے اپنے عالم تعزیر کا“ کی تفسیر
 بن جائے۔“

شرما جی رستم بیگ کی اس خٹلہ بیانی
 سے کچھ ذہیلہ برنگے تھے۔ لیکن انھوں نے اپنی
 فونی اپنے سر کو داپس نہیں کی اور بولے۔
 ”بہر کیف تنقید بھی تو ایک طرح کی
 تخلیق ہوتی ہے۔“

رستم بیگ اس جملے پر کسی فکر ہی نہ
 کی طرح جیسے ”ہی جی ہاں بہر کیف! صد حیف
 تنقید بھی ایک قسم کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن
 کس قسم کی؟ حفظ مراتب دلی نہ بڑی!۔
 قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے ہوتے ہیں۔
 لیکن اگر وہ قاضی کا حق بھی زیادہ سیانے بنے

انماذکی تنقید ہے ؟ کہنے لگے یہ ماحول مافی
تنقید کہلاتی ہے۔ میں نے ہمدرد یافت کیا کہ
کس جہل سے بڑھ کر لائے ہو ؟ آجیو یہ جوتی
کیا ہے ؟ بڑی شان استغفار سے بولے۔
” یہ ابراہی تنقید سے کچھ مختلف
ہوتی ہے۔“

رستم بیگ اودھ شہ ماجی بنے ہوئے
چلے گئے تو میں نے اپنے سر پر ایک ٹھکاس
پائی انا بیلا اودھ آرام کو سی پر آنکھیں بند
کر کے بے سدھ ہو گیا۔
خانبا بے ہوش ہو گیا تھا۔

رستم بیگ بے حال ہو کر سانس لینے
اور پانی پینے کے لئے اڑکے تو شہ ماجی نے لقمہ
دیا۔
” اچھا ماجی اب یہ بارہ بند کر د اودھ
چلو نازل صاحب کے دیوان ” باز پھر اطفال
کے جشن اجماء میں۔“
رستم بیگ قہقہہ لگاتے ہوئے کھڑے
ہو گئے اودھ کہنے لگے ” اودھ ماجو آج کل تنقید
میں کی جاتی ہے کس انماذ کی ؟
اسے غلط خود معاطرہ سے صفا کر د
مرحوب صاحب کے مقالے پر جن سے
صنفک صاحب کی تنقید پڑھ کر پوچھا کہ یہ کس

کی کوشش کرتے ہیں یعنی قاضی کے حمارے
میں کھینے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر ان کی
واقعی جگہ جو ہے دامن میں جوتی ہے۔ مطلب
یہ ہے کہ تنقید کچھ بھی ہو وہ تنقید کے بغیر ہو
ہی میں نہیں آسکتی۔ اسے تنقید کے بیچھے
چھٹا چا پیٹے نہ کر آگے۔ اب اگر تنقید قادی
کو تنقید سے بے نیاز کر کے اسے ٹھوٹا ٹھوس
بنائے کی غرض سے اپنی فتنہ سامانیوں اودھ
کو شہ سازوں سے مرحوب اور سکڑ کر نہ گتی
ہے تو میں اسے حماقت اودھ برص حماقت بولوں گا
رستم بیگ نے غرض میں آکر میری ہمتی
زور سے ٹھوٹا مارا کہ اس پر کھن ہوئی سب
بیاباں کھنک آئیں۔ شہ ماجی نے منہ سے اٹھا
کر اپنی فونی سر پر رکھ لی لیکن رستم بیگ کی
ٹنگٹو کی سیلابی کیفیت میں کوئی فرق نہ آیا۔
” جن ہاں ! آج کل تنقید کی جاتی ہے
اپنی ہمدردی کا حذر ضرور اپنے سے لے۔
پچھارہ الف کتاب لکھتا ہے۔ ڈاکٹر اب اس
پر ایک تبصرہ لکھتے ہیں اودھ اس میں جنرٹکی
نقادوں شکا پڑھ کر تبصرہ پچھارہ اور سو سو یا میں
اور مسٹر مالو کے ارشادات کو بکلاؤ میں
بوتیوں کی طرح پیش کیا جاتا ہے۔ اس پر
پرو فیسر راجا جوش میں آکر ایک تبصرہ پر
تبصرہ لکھ مانتے ہیں اودھ وہ بلاؤ کی بوتیوں
کو کچا خوش جان کرنے کے بعد کوئی تحذیر نہ دیا
اودھ کے الہامات کو نہ کسی کوشش کی شکل
میں سامنے لا کر دکھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد
ایک علامہ کا مسجد خوں کو لئے لکھتا ہے اودھ
تبصرہ اور تبصرہ پر تبصرہ وہ فوں پر
” اب پھر تمام کے تبصرہ بری باری آئی“
چینے، چنگھاڑے اودھ ہارنے سہلا اور ہوتے
ہیں اودھ اپنے سامنے بڑے دانی سر پر جو ایک
توں کا کیل ڈونڈو کی طرح دھڑکتے اودھ زمین
کے برابر کرتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ رب
بتائے اس شاہ کا دی اور طاقت گری میں سے
پچھارہ تبصرہ کی تنقید کہاں لگی ؟“

لسان القصر حضرت اکبر الہ آبادی کا مکمل اور مستند کلام

کلیات اکبر

چھپ کر تیار ہے مجلد، بہترین کتابت طاعت، خوبصورت گروپوش
قیمت: ایک سو پچاس روپے

شانِ ہند پہلی کیشوری ایک نئی پیش کش

اردو اسٹیج ڈرامہ

اردو اکھیتا سے انار کی تک
اردو اسٹیج ڈرامہ کی مکمل تاریخ ایک صفحہ ہے

سُرخ و سیاہ حاشیے

جیون لال شرما

فاصلے ایسے بھی ہونگے یہ کسی سوچا نہ تھا
(قدم ہاتھی)

جو مٹھو کہاں گیا سوچ گیا، جو نہیں
جہاں کا وہ دھر گیا گیا، برطانوی کی کورٹ آف
اپیل نے اس قانونی اصول کو مسترد کر دیا ہے
(مماراج سنگھ) کہ شوہر کو بیوی سے دنیا
کا کرکٹ (اور نہیں دیا جاسکتا، جو کچھ بڑھستی
ٹپا شریٹ کے خدا لاٹھو نہ نانا بلکہ کالم جوگا
عدالت جا رہے ہر نئے مقصد کے ساتھ اس دکان
کا انحصار کیا ہے کہ اس جھیلے سے ایک دل چکیا
ناز بیا اودہ فرسودہ قانونی اصول کو ختم کیا جا رہا
ہے۔

جس وقت عدالت فیصلہ سن رہی تھی
وہیں آئیٹس رپ (Women against Rape)
(Rape دار) کی سرگرم خواتین
باہر مظاہر و گتہ ہی تھیں۔ اُنھوں نے بیٹرز

اُٹھار کھینچ کر۔

”رقتہ اندواج میں بھی رہا ہوں ہم سے“
”بیوی بننے کا مطلب یہ نہیں کہ سادی

زندگی کے لئے ہاں کر دی۔“
ہم سے جب وعدہ کیا تھا تو بیتکیس تھے
وہ بھلا کت اب انکار ہوئے ہیں کہ نہیں

دُعاؤں میں مری سبکدوش کسی ہرجائی کو
(حقین خفائی)

”ہنسینڈ“ (ہندو دھرم) کے عقلی
معنی ہیں گھر کا مالک، جس کی بیوی اُس کی
ہاں میں ہاں ملائے۔ ”موجودہ دور میں سے
حود قوں کی دہائی یہ ہے کہ وہ فرد کی جائیداد
نہیں ہیں۔ گائے بھری نہیں ہیں کہ کھوئے
سے باندھ کر رکھا۔ بعض کو تو بڑا (معدن)
میں بند کر رکھتا ہے مظاہر نہیں ہے۔ ایک

ہر فرد ایسی آئی سنی کر برا کے بدمن کو ہم سے
غلامی کی علامت سمجھا گیا۔ پہلا بہت سی روش
دماغ، بیہوشی سے برا کو اتار پھینکا۔ بلکہ کئی بار
توپیک مظاہرہ کرتے ہوئے آگ میں ڈال
دیا۔ گویا خدائی کے قصور تک کو جلا کر دکھایا۔
خدائی میں رہا اور بن خدائی کا
بچہ حکومت کی جنگ آزادی کی تازہ جرین
کا میا بیاں ہیں۔ یہ ترقیاں (انہیں سو، سوا
سوسالی میں ہوئی ہیں۔ سوشلزم سے پہلے
شادی شدہ انگریز و افغانی سب سے بڑا کرتا
تھا یعنی گھر کا مالک۔ جس کی بیوی اُس کی
ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ آگیا کادی ہوئی تھی۔
اُن دونوں مسلمان کا بھی کوئی چسپن
نہیں تھا۔ انگریز بیوی کے لئے سلطان صاحب
کرنا بہت ہی مشکل ہو آگیا تھا۔ قریب قریب
ناگنیکیں۔

خدا کے مظاہر اور ہرجائی ہیں سے

خیرت اس میں کہنے کا ہر قسم ایک ہی طریقہ تھا کہ بیوی اپنے آپ کو میلے میں گم کر لے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کی گھوڑی ادھ بیوی دو فٹوں میں گھونکے، اس نے گشہ کی تلاش کا استہوار شاخ نکالا:۔۔۔
 "گھوڑی کی تلاش کرنے والے کو پانچ سوچی (پانچ نوڑ اور پانچ خٹنگ) کا انعام دیا جائے گا۔ اگر بیوی بھی دھوڑ نہ دی گئی تو مزید پانچ خٹنگ پیش کیے جائیں گے۔
 یہ جیسے آپ گئے تھے آنا ہے آپ کہتے تھے باوقا۔ (مومن)
 ساجی کا اصرار کہ ہم تو گیت سنیں گے۔ (پہلوین شاگر)

بیوی چلا چلا کر گھر میں تھی۔ تین ملین لینا چاہتی تھوں۔
 خاوند کہہ رہا تھا "پہلے بستر پر چلو" وہاں بات کریں گے۔
 پڑوسی کہتے ہیں کہ بیچ و بانی کی آواز میں آ رہی تھیں۔
 وہیں استغاثہ نے الزام دھر کر خاوند نے چاقو نکال لیا تھا۔
 خاوند بچارہ شاید گھر ہی نہ پایا ہو کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اس نے کیا غلط کیا ہے؟
 خیر۔ آج دن منگلوار، تاریخ ۲۴ مارچ ۱۹۹۱ء لندن کی سینٹرل کیمینس کوڑٹ نے ایک خاوند کو اپنی بیوی کی "راقتبا" کے بغیر اس کا رپ کرنے کے مجرم میں پانچ سال کے

لے لڑخان ہیں ڈال دیا ہے سہ
 ابھی بن کے جو گڑا ہے ابھی
 تھا کسی وقت میں اپنا لوگو
 (پہلوین شاگر)
 خاوندوں کی ایک انجمن نے کہا ہے کہ
 "موت" بنانے سے پہلے بیوی کا حلیہ بیان
 تصدیق کروالینا چاہیے:
 "میں شہادت..... زودہر.....
 اپنے ممکن پوشش و حواس کے ساتھ یہ بیان
 حلقی تحریر و تصدیق کر داری ہوں کہ میں بھی
 آج شب اپنی غلطی..... اپنی رضا.....
 بلا کسی دباؤ..... یاد رکھی اور لا رہی.....



کیا
 آپ کی کوئی تصنیف

ناول۔ افسانوی یا شاعری مجموعہ

اشاعت کے لئے تیار ہے، بعد آپ اسے چھپوانا چاہتے ہیں؟

اس سلسلے میں آپ ہماری خدمات حاصل کیجئے۔
 ہمارے پرموڈکشنز جسٹ کتابت، طباعت اور گٹ آپ کے لحاظ سے اعلیٰ معیار
 پیش کرتے ہیں۔

شان ہند پبلی کیشنز، فلیٹ ۸، انصاری مارکیٹ، میانگنجی، دہلی ۲۔

باب انتقاد

رہنے کے پر غم و غم جہ کے کہ ہیں۔

اس مجموعہ کو انفرادی صورت میں مطالعہ کی گئی
دو بعد فریل نظیں اس، اور جنگ، ہیں جو اس سے
سرگوش صاحب کے شعر میں کے ساتھ ان کی
زور گوئی اور کا دوا کا لای کا انداز لگا یا جا سکتا ہے
ان میں ہر نظم پانچ پانچ سطروں پر ختم ہے اور ہر خط
میں اشعار پر مشتمل ہے اس اعتبار سے یہ دونوں نظیں
وہابی صاحب پر محیط ہیں۔ نظری الفاظ و ترکیب
کی کثرت سے زبان قدرے ادنیٰ ہو گئی ہے لہذا سہل
پسندی کے اس دور میں مجموعہ خواص کی چیز ہو کر
رہ گیا ہے۔

مذکورہ بالا نظموں کے علاوہ مختلف اچھے
موضوعات پر سرگوش صاحب کی مزید چند

آنجل اور پریم نظیں کا مجموعہ

شاعر سہوش یزدانی

صفحات ۹۹ قیمت ۲۲ روپیہ

میں نے لکھا ہے۔ بہت سے نکلنے والے نثر و نثر
دار کیٹ دیا تھا مگر فی دلی۔ ۱۱-۱۱
چلے وہاں سے زیادہ فریل اپنے تخلیق
سفر کا اصل ذریعہ مجموعہ سرگوش یزدانی کا دوا
شعری مجموعہ ہے۔ جو خاصہ شاعرانہ انداز کی
موضوعات نظموں پر مشتمل ہے اس جدت پسندی
کی مجموعہ شاعر پر متاثر نہ ہوئے سے ہر شاعر و شاعر
صاحب نے اس کی تعریف، اقدار اور اخلاقی سیرات
پر مبنی ایسے شاعر کا ادب پارے تخلیق کے ہیں جو ان
کی انفرادی مشاعرہ کا قدرت ہیں اور ان کی خاصیت
سے لے کر شعری مجموعہ سرگوش یزدانی کا انداز ہے
سرگوش صاحب کی خاصہ ہی میں ترقی پسند ادب
کے اس لیے کی بازگشت شاعرانہ رہتی ہے جس کی
کسی گروہ سے مستند ہے اور ان کی گویا کوئی نئی ہی
ہے اور جو مستند کے بعد جدیدیت کے خمد و خفا
میں آکر ہو کر رہ گیا۔

اُسے دلی نظر عام پر آئے دالے فریسات
کے جو عریں کی بجز بھلاؤں میں آنجل اور پریم۔ کی
ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ مگر یہ کہ وہ خاصہ سرگوش
نظیں کا مجموعہ ہے۔

آنجل اور پریم۔ میں یہاں ہی دوسرے
اطلا، علم، خاصہ اور علم و علم کا ہر ہر مقصد
کی حامل اخلاقی نظیں شامل ہیں وہیں جیل سرگوش
کے کلمہ ہے، اور وہ ان کی گویا کوئی نئی ہی
پر نظیں لکھ کر دے ہیں جو خاصہ کی گویا کوئی نئی ہی

نظیں میں آنجل اور پریم کی دیدہ زیبی کے اعلانے
کا موجب ہیں ڈاکٹر منشا الزمان خاں منشا کے پیش
لفظ کے علاوہ سرگوش صاحب کی خاصہ کی پر
خلاق خیال جیسے باہر حق صاحب عریض، مسند
قوشی جیسے مسند و کابل، شاعر کی نیازی جیسے باہر
اور صاحب آرائے ادب اخلاق اثر جیسے مشہور معنی
کے بیش بہا تاثرات شامل ہیں۔ جدت پسندی
دیکھ اس دور میں صحت مسند اور لازوال کم و بیش
رعایات کی ہدایت کے لئے اپنی نوعیت کا مشہور
مجموعہ ہر صاحب ذوق کی لائبریری کی ضرورت
ہونا چاہیے۔

صاحب الای

اردو کے دانشوروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ

بہ کوئے یار۔

ایسی کتاب اب تک اردو زبان میں اس موضوع پر شائع نہیں ہوئی جو اس قدر
دلچسپ ہو کہ ایک کے بعد ایک ایسی سچائی انسانی رنگ میں قاری کے سامنے آتی چلی جائے
جیسے جان کر وہ مستند و حیران رہ جائے۔

کتاب پسند نہیں آئے تو کتاب جزیرہ و جزیرہ دستاویز کے کتاب کی ادا شدہ
قیمت واپس مانگا جائے۔

قیمت: ایک صد روپیہ "شاب ہند" کے خریداروں سے ۸۵ روپے

شان ہند پبلی کیشنز

فریٹ ۵ انفرادی مارکیٹ "دہلی" ۱۱-۱۱

من کہ مکتوب الیہ

ملازم مسعود سجاد صاحب، آداب دنیا!

اس ریاست (محمود آباد کی کشمیر کی حالت برابر ابتر چل رہی ہے۔ مرکزی سرکار کی کج روی کے سبب اور ریاست کے خود مختار و چابکدوس رہتاؤں کے باعث جو ان غیرت افزا قوتوں کی بیخ کنی کا مددگار میں سرگرم عمل ہے۔ یہ جتہ و جہاد اب عوامی تحریک کا دوپ اختیار کر چکی ہے۔ اور نام نہاد لیڈروں سے قطعاً حقیقی، "عوامی نمائندوں" سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک افسانہ "وقت کا اسیر" حاضر خدمت ہے۔

نیا زنجیر
حسن ساجو، سری نگر۔

موزم و مکتوب سجاد صاحب،

سنئے!

خودی کے خمار میں ابھی نظم "جزیرہ" شائع ہوئی۔ خوشی ہوئی۔ جس کے سطر تیرے پ کاغذوں پر لکھے گئے ہیں۔ میں پکڑ لوں گے بے یقینی کیا میں ادب آپ کے بارے میں خودی کے شاہ بند کے خمار سے نہیں بے۔ آج کے حالات اور حالات سے متاثر ہو کر چند اشعار کہے ہیں جو آپ کی خدمت میں آدھ سال گزر رہا ہوں۔ شاید آپ بھی ان حالات سے متعلق ہوں گے۔

بارے کے خمار میں اختر شاہماں پوری صاحب کی نظروں کے پورا اشعار نے بے حد متاثر کیا ہے۔ یعنی

اطلاص دوفا ہو کہ ہندوؤں سے غصہ ہے
اس ذوق کی تہذیب میں میوں کی طرح ہے
اس دور میں اولاد سے اسیہ کلمات
سیکھیں ڈوٹی ہوئی غفلتوں کی طرح ہے
مزید آپ کی محنت کے لئے دعا گو ہوں۔
کاروائی سے سرفراز کریں گے

خبر طلب
آپ کا بھائی، یوگیندر بہن ششہ

جواب گرامی قدس مسعود صاحب،

آداب دنیا!
"شاہ بند" امداد کا ایک ایسا مکتوب ہے جس کے ذریعے آپ نے مجھ کو ادب کی قابل لحاظ خدمات انجام دی ہیں جو مجھے جتنی دلور لاشی قلمبھی۔ خدا آپ کو توفیق عطا فرمائے تاکہ امداد ادب کا ایک بڑا کام لکھ کر میں سرگرم رہا

میں رہیں۔

ہر وہ کی مرسلہ اشاعتیں باقاعدہ پختہ رہتی ہیں۔ میں بس لائن کا سر شاہد آجکے ہی رہتا ہوں۔ فقار اب حقیقی تجربے کی اشاعت فریب اٹھیں ہے۔ جلد ہی حاضر خدمت کر سکیں گا۔ ایک نئی بات یہ کہ خدا اب حقیقی قریب و سطلاح سبائی کا تبصروا سال خدمت کر رہا ہوں۔ اسے اندلہ ادب نوادی اپنے عمل کی فریبی اشاعت میں طباعت پذیر فرما کر مستون فرما لے۔ دوسری کتابوں میں یہ ہے کہ آپ اپنی گرانقدر تانہ تعریف "وقت کے متاع" کی ایک جلد کے ساتھ کس مکتوب ادب کا اجتماع تانہ رو لے بھی بھیج دیں۔ جسے قارئین کے زیر تریب خمار میں نمایاں عہد پر میں بھی دے دوں گا۔ امید ہے قریب دریں گے۔

خدا کے آپ ہر طرح اچھے ہوں۔

نیا زنجیر
فتین احمد حقیقی

ایڈیٹر "قارئین" مانجھاؤں

گرامی افریت کمری و محنتیں کا بڑا باب
سردار صاحب، آداب و شہادت!
آپ کے دو گرامی نامے باصوفیہ فائز ہوئے
شکر یہ۔

"وقت کے متاع" کی منجوریت آپ کی سالہا سال کی ادبی شخصیت کا نگاہ کا جملہ ہے جو آپ شعری ادبی نشستوں میں یہ نفس نفس حاضر رہ کر کہ نظری کی محنت میں شاہ بند کے صفحات پر فرمائے گئے ہیں۔ تعریف منجھتی صفات سے ہوتا ہے اور خاموشی کا بڑا حصہ حال خاص اس کا کشتی اس میں محفوظ کر لیا گیا ہے بایں محنت وہ ایک تانہ شعری و ادبی حضور حاضر ہے جو فرد کی مشنوں کو ان کے ظہور کے حسی ادبی مروجہ دار تقاریر سے روکتا ہے کہ بڑا سبب ہوگی، لہذا یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ نے وہ اصحاب قریب و سطلاح کے حسی ادبی جو کہیں سے نہیں ملے۔ حضور حضور کے اشعار ان کے محبوب اشعار کا انتخاب، انہماق سے لکھا

کتابخانه قادیان، کتب خانہ جامعہ اسلامیہ قادیان
مکتبہ ادب کی قریبی عیادت کا احسن موقع
مکتبہ ادب
(بانتھالی)

مشہور محقق جناب انور سدید کا فہوان
دلی کے مشاعرے

کتاب: سید مستوفی
تألیف: سید مستوفی
موضوع: تاریخ ایران

مشاعر و نثر کی منتسب زبردست نگاہوں کا ذخیرہ جس میں ہرگز ختم نہ ہونے والا ہے۔ اس کو محض نوب و تار سے کہتے ہیں۔ اگر کسی کے ہاں ہرگز ختم نہ ہونے والا ہے۔ اس کو محض نوب و تار سے کہتے ہیں۔ اگر کسی کے ہاں ہرگز ختم نہ ہونے والا ہے۔ اس کو محض نوب و تار سے کہتے ہیں۔

[illegible]

اسے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود پیدا ہوا ہے اور اسے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود پیدا ہوا ہے

شائع

جلد ۵۲ شمارہ ۱

اس شمارے کی اہم جھلکیاں

اللہ نے اسلام محمد کے امام کا انتخاب وراثت کی بنا پر نہیں بلکہ کسی کو
نمای امام کہہ جانے پر بات میں روکنے سے...

نمای امامت 'مبنی پر محنت' میں
نمای امامت تاریخ و شریعت کے آئینے میں۔

عاجی انور علی

پوشاک، کپانی، انبال مجید
پہچان قدم کی جھکی، جھڈت اقد
حقیر آستانی، مختار براہیم کوثر، وجاہت مسی
سند لہوی، دلاز لاہوری کی خیریں۔

ویک قرعے ما پچا۔

باب انتقاد، خدی کہ محبوب الہیہ،
مستحق کام پر مستور

سردرد تو نسوی

جواشٹ ایڈیٹر
مطبت صحرائی

اشاعت کا
۵۲ واں سال

پرنٹر، پبلشر، مدیر انٹر: وقایہ کاشش سردرد تو نسوی
طباعت، نوایہ پریس، جامع مسجد دلی۔ مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ
"شعبہ ہند" فلیٹ ۵، انصاری مارکیٹ، قادیانج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

ہندو پرست ہوں نہ مسلمان پرست ہوں
دامن پرست ہوں نہ گریباں پرست ہوں
ہر فرد و وطن سے ہے قیام جمہ کو پسند
یعنی وطن پرست ہوں انسان پرست ہوں
قیام گویاری

عاجی انور علی
قیمت فی شمارہ - ۱۰/- روپے
قیمت سالانہ - ۱۰۰/- روپے
مطبت صحرائی

غزل

ڈاکٹر حقیر استانی مرحوم

وہ جو ہے عرصے سے مانی بہ کرم
کیا بھروسہ یہ بھی ہو اس کا سرم
آج وہ پھر سے کرم کرتے لگا
آج چہرے ہو چلی ہے آنکھ نم
زخم تازہ ہوں کہ کہنہ زخم ہوں
رستے بہتے ہیں زیادہ ہو کہ کم
کیسے شکوے کیا شکایت، کیا گلے
کیسے ملے، کیسی آہیں، کیسے غم
دیکھتے ہیں کیا اثر دکھلائے گا
ہنی ہی لیں گے آج جا کے جام جم
آپ تو یوں ہی پریشاں ہو گئے
آپ تو نہیں گے وہاں سے تازہ دم
کس نظر کی بات کرتے ہو حقیر
اس نظر میں ایکسیندریہ دم



جناب سرور آئینوی عین ہیں اس کے ادارہ دیکھ کر کہے۔ مستم
 سید صاحب سابق وائس چانسلر عظمیٰ یونیورسٹی علی گڑھ کے
 قریبی حالات پیش خدمت ہیں۔
 ————— مطلب صحرائی

شاہی امامت

احساس تناسب کے آئینے میں

حضرت امام جامع مسجد کو سیاسی قیادت سونپنے میں کلیدی کردار اہم وقتی نندانی بیچو گناہ صاحب ادا کیا،
 جنھوں نے حضرت امام جامع مسجد کو سیاسی مزاج میں بگڑتہ کر دیا۔ ————— و شونا تو پرتاب بیگم ہیں۔

حاکم ہوتا ہے۔ وہ ہے تناسب کے احساس اور
 اہم کردار حضرت امام جامع مسجد کے خیال اور فکر کے
 یک جہتی کی۔ ہم ان کے لئے کہہ سکتے ہیں
 ہیں۔ ان کے کہتے ہیں کہ ان کے خیال
 ہیں۔ تھوڑی دیر میں یہی ہو جائے گی کہ ان کے

دعویٰ کی چاروں طرف سے ہیں اور جب تک
 رہتے ہیں کہ ان کے خیال اور فکر کے
 صحیح فیصلہ کرنا، بھلا بڑے کو جتنا کہیں کے نہیں
 کی بات نہیں۔ لیکن وہاں تک کہ ان کے خیال
 اور وقت بھی کہنے اور فیصلہ کرنے کی راہ میں

ان کے خیال اور فکر کے
 بات عام طور پر کہیں کہیں کے
 کی جگہ پر ان کے خیال اور فکر کے
 اس لئے کہ ان کے خیال اور فکر کے

ادیا۔ ایسا اُنھوں نے کچھ تو سیاسی دانہ بیج ادا کیا۔ اور خوش حشری کی کے ملت کیدان کے ملے شرت امام جامع مسجد کی موجودگی اور ان کے ایسی کجمانات اور فساداتی عزائم نے ایک بڑی دولت فراہم کر دی۔ اُنھوں نے کجا کہ امام صاحب ہوتا ایسا جالے قوامتہ المسلمین اُن کے دلی کے تناحقان بن جائیں گے۔ پھر اُن لوگوں کے کوئی نہیں ملے گا جو تاریخی معنوں کے تحت حالات اصحیح قریہ کر کے کسی فیصلہ پر پہنچے ہیں۔ حضرت ام جامع مسجد کو سیاسی قیادت سمجھنے میں یہ کیسی رد اور ہم وقتی نندن بیوٹا صاحب نے ادا کیا۔ جنوں نے حضرت امام جامع مسجد کو سیاسی مزاج بن چکے تھے۔ دشتو اتنا خبر پڑا پانچ شکر صاحب بن۔ آخر الذکر کرنے و امام محترم سے سیاسی فتویٰ حاصل کرنا کہ کشمان جتنا دل کو دوت دیں۔ اقم اسطوڈرا بنی اس رائے کا کئی بار اعلیٰ بار چکا ہے کہ کشمان کا دودر کس مفاد در رج برست ذاتوں اور قبیوں 'پہانہ ہوتوں' ترقی ہند سیاسی پارٹیوں کے قریب آنے میں ہے' لیکن ہکتھا ہے کہ ان دونوں بڑوں نے امام صاحب مزم کو سیاست میں راسخ کر کے مسلمانان ہند کو ایک عرصہ تک زبردست نقصان پہنچانے کا اہتمام کر دیا ہے۔ اور امام صاحب کے سیاسی قنداد کی شکل اگر بھی رہی تو مسلمان ہوش و خوش دود و دگر سے دود ہوئے چلے جائیں گے اور بعضوں کے مجرکہ کی طرح اپنے جائیں گے اور کالے بن جائیں گے۔ اندر علی صاحب کے معنوں پر ایک طویل فراموش ہر اگست کو خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے شائع کیا ہے جو در اقم اسطوڈرا کی نظروں میں مزم ہیں اور اسے اُنھوں سے کہ وہ اُن سے اختلاف رائے کی حبادت کر دیا ہے۔ اس امر اسد میں بات دراصل اپنے محود سے بہت قریب ہے اور قطع بحث و تاویج ہو گیا ہے۔ معنوں نگار نے جو کچھ اصل کیا ہے اس کی سبب بات کی تردید پر اسلئے نگار کی قریب سے نہیں ہوئی۔ حراسلہ نگار نے امام صاحب کے عتاد قفا کو اہ کے ساتھ انصاف کے کے ہم سب

احسان کیا ہے؟ یہ اُن کا حق قرار دینا انھوں نے ادا کر دیا لیکن خود معنوں نگار نے بھی موجودہ امام صاحب کے آباد اور اہداسے کوئی خاصاں مشوب نہیں کی ہیں۔ معنوں نگار کی قریب کا قریب حضرت یہ بتا کر ائمہ جامع مسجد کے طویل قند میں جلد میں کوٹا موجودہ امام صاحب کے کہنے سے ساست کو خلد نہیں بنایا۔ محمدی خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب کا راسلہ "ہنرش نیز نجو" کی وضع کا ہے؟ اور ہنرش بھی آباد اور اہداس کے بیان کے گئے ہیں۔ خواجہ صاحب کا یہ عقیدت مسلمان کی خصوصیت میں خود با نہ عرض کرے گا کہ مسئلہ بیان کسی ایک شخص کے کردار کے حسن و قبح کا نہیں ہے بلکہ ایک بہت کے دودر کس اور در پر مفاد کہ ہے۔ کیا سیکور بجموہریت کے اس دودر میں یہ مناسب ہوگا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی رہنمائی اور ترقی اور تقدیر کو جامع مسجد دہلی کے امام محترم... کے حوالے کر دیا جائے اور ام جامع مسجد سے فتویٰ حاصل کر کے سیاست کی لپاٹ پر اپنی سید علی جاوید چلتے ہیں۔

لفظہ "ہا ہی" کے معنوں میں جو قریب خواجہ صاحب نے فرمائی ہے وہ قابلین کی فکر کو زیادہ دود تک نہیں لے جاتی۔ یہ یاد کرنا سبب لینے کے بعد بھی دشتو اور جو کجا کشمانی کا سلسلہ نسب یہاں سادات سے جتا ہے۔ در اقم اسطوڈرا کو اس کی طالب علمی کے دور میں سرحد اور پنجاب کے کلباہ تہا صاحب پر کر پکا ہے۔ اس کا نفس تو صرف اس طرز نقاط سے سوتا تھا لیکن یہ تحریک بھی نہیں ہوئی کہ وہ خود کو کشمانی طالب علم یا پاکی کشمانی کلاڑی کیے یا کہلوائے۔ خواجہ صاحب کے استدلال میں ایک بار پھر طویل ہوئی ہے۔ شاید ان وقت میں سے کجا احترام کرنا ایک بات ہے اور جامع مسجد کے امام کو کشمانی امام کہنا بالکل دوسری بات ہے۔ ایک طرف دشتو نے ایک دوسری طرف مذہب کا اصولی جو کچھ ہے مسجد کے امام کی حریت نسبت خلد سے جو صحت نہیں محض ہے۔ امام کے ملے فتویٰ خط ہے اور کشمانی امام دہلی کے ملے ستر

بالعموم تحریک فتویٰ ہے۔ خلد وقت نے لا کچھ ہا کہ حضرت امام ابوحنیفہ کا قاضی القضاۃ کا منصب فتویٰ فرمائیں۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ مسلمانوں نے اپنے بادشاہوں کے ملے دلی میں زم کو خلد رکھنے ہیں۔ یہ ایک قبیہ امر ہے لیکن اس سے بادشاہی کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔ علامہ اقبال نے ایک جگہ لکھا ہے

دل ہا سے یاد محمد رفتہ سے خالی نہیں اپنے شاہوں کو یہ آست بولتے دانی نہیں اس خیر کو بڑھ کر سب سے زیادہ ہم ایک ایسے بزرگ ہوئے جو فتویٰ حیثیت رکھتے تھے، جو دن لات شاہ مشرقی کا کمر بٹے رہتے تھے، جس کے بے شمار اخبار ان کے دودر زبان اور ریشہ پر تھے۔ آپ ان بزرگ سے واقف نہیں ہیں یا تھے رئیس الاحمد مولانا محمد علی جوہر۔ اقبال کی زبان سے "اپنے شاہوں" میں کہ انھیں صفت دیکھا چہا اور اُنھوں نے شکایت "ذکر اور احتجاج بھری زبان میں اس کا اظہار کیا۔ ہمارا شاہ مکتووی در کے ملے محمد سے بہت گیا تھا۔ مولانا محمد نے لکھا کہ اسلام اُنھوں نے اقبال سے سکھا تھا۔ اقبال نے کشمانی کو تسلیم کر کے بظاہر اسلام کے ایک بہنہ افی اصول سے انحراف کیا تو انھیں صحت دیکھ چکا۔ در اقم لکھتا ہے کہ اور علی صاحب کو اس معنوں کے ملے جو تحقیق کے بعد ایک دلی پیر خاںز میں لکھا گیا ہے "داد علی چاہیے" (سوائے اُن مقامات کے جہاں جیسے میں ستمی اور طنز آگیا ہے) اور پیرایہ بیان یا حق تحقیق کے ملے نہیں، جگہ اس بات کے ملے کہ اُنھوں نے حرات کے ساتھ ایک ایسے موضوع کو چھڑا ہے جس کا کوئی اعلیٰ ہندوستانی مسلمانوں کے امکانات اور اُن کے مشفقین سے ہے۔ یہاں سوال ایک فرد کی تنگ نامی یا افتدرا کا نہیں ایک بہت کی فلاح اور اصلاح اور اجتماعی صابت رائے کا ہے۔ کشمانی ہم سب سادہ ہندوستانی کشمانی کے ملے کہیں کہ ہر حرات میں کسی فرد کے خلد پر انخواہ وہ کشمانی بڑا کیوں نہ ہو جماعت اور بہت کے مفاد کا ہلا کر کہیں گے کہ یہی طریقہ جماعت اور

ملت کی فلاح اور پیشرفت کا ہے۔ ہر پر لازم ہے کہ جہاں کوئی مملکت یا قوم ہو تو اس کی ترقی و ترقی کے لیے ہر چیز کو بروئے کار لانا چاہیے۔

دراخت کا مسئلہ اتنا سہل نہیں جتنا پہلے سمجھا میں دکھائی دیتا ہے۔ میں وہاں کا یا یہاں دیتے ہیں۔ صاحبزادان یا شاہجہاں کے جاہ و جلال کو بچھڑا دے، شاہجہاں جس کی نازک اور حساسیت کو دیکھ کر ہلکا ہونے لگے، جس کے ہوشیار ہواں کا کاج محل ایک عجیب سا کھس ہے، ایک شیر خدا، اسی کی نسل میں آجے جن کو محمد شاہ اور اس قحاش کے خدو سحر کو زندہ جین کو کشادہ صیقل و حرکات بادشاہ پیدا ہوئے ہیں کا درجہ و درجہ سلطنت پر کبھی نہ بیٹے و اولاد بن گیا ہے۔ یہ کہنے سے مراد ہرگز تشبیہ موجود محرم امام صاحب جامع مسجد کی تفصیل نہیں ہے۔ ہم ان کا احستہ نام کر سکتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے خوف زدہ اور گریبان امان پر سیاست کا جذبہ نہ چٹنے پائے۔

راقم خواجہ صاحب سے براہ اختلاف ہرگز نہ کرتا، اگر کسی اس بات کا یقین نہ ہو تاکہ اس معصوم سے یہ بنیادی باتیں اٹھائی گئی ہیں کہ وہ سارے مسلمانوں کے محمد بنکر کی شہنشاہی ہیں اور ان پر محمد کے بغیر وہ ہر گز اہم گراہی کی ذلالت میں دھنسنے جا رہی ہے۔

غریب یا مذہبی منصب کا ضرور مسلمان استعمال امام صاحب جامع مسجد کھمروہ نہیں ہے۔ مولانا حفیظ اللہ اعظمی صاحب ایوان میں کہنے سے پہلے بہت آتش افشانی فرما چکے ہیں مولانا سید تقی حسین کو چھوڑی ہے ابھی چند جہتے ہوئے ایسی باتیں کہیں جو آگ لگا دے والی ہیں اور خود انتہا پسندوں کے گچ میں ایک تو جواں کو اُٹھیں ان کے ہاتھ سے مالک جیسی کردار کا برا۔ جنوب میں بھی ایک بزرگ ہیں جن کی زبان آگ کے دیباہ پر سانی ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ انھوں نے اپنی خطاؤں کا کفارہ خیر اور اسے کھول کر رکھا ہے۔ امام صاحب محترم اپنے غیر معمولی سیاسی

دستور کے خلاف ایک حکمت میں ان کے خلاف انداز خطیبوں کی جو جوش خطابت اور حرکات میں وہ سب کچھ کر جاتے ہیں اور انھیں نہیں بچا دیتے۔ اور جس سے مسلمانوں اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے زبردست نقصان پہنچتا ہے۔ وہ نائنٹھ میں سیاست میں غریب اور مدعیان غریب کی مداخلت کا یہ مداخلت مسلمانان ہند کے لیے فضیلتاں اور ہی ہے۔ ہمیں یہ بت کر لینا چاہیے کہ ہم ادب غریب کو سیاست پر اثر انداز نہ ہونے دیں گے۔ اگر غریب کی اکثر اعزازی کا سبب ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ غریب اکثریت کے غریب کا ہو گا۔ ہم ایسی بازی کیوں نہ شروع کریں جس میں ہمارے جیتنے کا سبب سے کوئی امکان ہی نہ ہو۔

اقوامی صاحب نے دو باتیں ثابت کر دی ہیں۔ جامع مسجد کی امامت خود دینی نہیں ہو سکتی، امامت کا رشتہ سیاسی قیادت سے جو نہ نا ضرور سامان اور تباہ کن ہے۔ آپ ان کی تحقیق و ترقی کو بھولے بھی جائیے تو بھی یہ دو باتیں فراموش نہیں ہو سکتیں۔ اگر سارے ہندوستان کو اسلام کے ماننے والے چوتھے تہ ہی غریب کی روایت میں سیاسی فیصلے کے جا سکتے تھے، یہاں تو ہر چہ مشکل آٹھ میں ایک ہیں۔ ہم سب سے جن کے یہ فیصلے کیا حکم کا بدستارن کو ایک سیکورٹری جہت طلبا جاسے گا۔ اگر یہاں غریب کا عمل دخل چھوڑا تو چاروں خشک چارہ منصب اقتدار پر چھٹک کر آئیں گے اور امام صاحب محترم اس نجوم میں دکھائی بھی نہ دیں گے۔ حقیقت وہ کام کرے ہی کیوں جو ہند میں پیشانی کا باعث ہو گا۔ گنگو کا پانی ہمیں تک پہنچانے سے پہلے یہ کہا جے محل نہ ہو گا کہ سیاسی باتوں کے لیے مسجد اور جگہ کے خلیے کا استعمال نامناسب اور بے خطر ہے۔ اگر کسی خلیے میں سیاسی جلسے اور استعمال کی تاریخ زیادہ تیز ہو گئی تو اسی طرح جامع مسجد کے بے حتمی اور اس میں ادب اختیار کی وہ اندازی کا خلو لاحق ہو جائے گا۔ قادیان واقف ہیں کہ گنگو غریب نے سیکڑوں مسلمانوں کو حلیات اور جاکٹیں دیں جس کے بارے میں فریجین آج تک محفوظ ہیں۔

اسی اور گنگو نے کئی مسلمانوں کو مسجد کیا۔ اور گنگو نے اچھا نہیں کیا۔ لیکن میں جو بات کہنا چاہا رہا ہوں وہ یہ ہے کہ حکومت کو کوئی بھی ہو کسی وضع کی ہو، شاہی ہو یا جمہوری، اپنے مسلمان امتحان اور سازش کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اور گنگو نے اپنے مسلمانوں کو تو اچھا حکومت کے خلاف سازشیں کی جاتی تھیں اور توڑوں کو بھانڈا ہر گز باجھاتا تھا۔ اس میں ہمارے بے سبق ہے جمہوری حکومت اپنی حفاظت پر اسی طرح کرے اور گنگوں اور جی ہے جیسے شاہی حکومت۔ ہر اس دن سے ڈرتے ہیں کہ باوجود وی بی بی جامع مسجد دہلی اور دوسری مسجدوں میں داخل ہونے لگے اور اس کی دست برد سے نہ امام ہیں نہ مقتدی۔

انفرنس احساس خاصا سب ہیں یہ جانتا ہے کہ (۱) شاہی امامت کا جواز نہ شریعت میں ہے نہ تاریخ میں (۲) سیکورٹری جمہوری ہندوستان میں جہاں مسلمان خدیدا قیادت میں ہیں ان کے کوئی سیاست پر اثر انداز ہونا ملک کے مفرت اور خود مسلمانوں کے لیے حد ضرر ہو گا۔ (۳) جامع مسجد یا دوسری مسجدوں کو سیاسی اور اشتعال انگیز تقریروں کے لیے استعمال کرنا ان مساجد کی توہین کے مترادف ہے اور ان کے بے حتمی کا موجب ہو سکتا ہے (۴) جامع مسجد امام صاحب جامع مسجد نے ذاتی طور پر کبھی سیاسی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا اور ان بھی یہ ان کا میدان نہیں ہے۔ انہوں نے جامع مسجد کے سب سے بڑا اشتعال انگیز تقریریں کی ہیں، انہوں نے مسلمانوں کو توڑنا اور اعتدال اور تقسیم تقریریں لگائیں کبھی نہیں کی۔ انہوں نے بعض باتیں ایسی کہیں اور کہیں جو جامع مسجد دہلی کے امام کے شاہان شاہی تھیں جو وہ ہیں، نہ مسلمانوں کو سیاسی رہنمائی جو وہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لال قلعہ سے وہ براہظم ہند کی تقریر کو اپنی تقریر سے کاٹنے کی کوشش میں دہلی و قادیان کی بھی۔ حضرت امام جامع مسجد نے آدم سنانہ کے کا اعلان کیا۔ ہندو کے مسلمان جنگ کی تیاریاں

رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی سیناؤں کو مضبوط
 کیا اور نئے جنگی قائل کر کے اور بہت سا
 رکی فضا مسلمانوں کے لئے مختار ہو گئی۔ بہتر یہ کہ
 دی آدم سینا کا خندقہ زمین پر نقش نہ ہو سکی۔
 (۵) یہ جنگ بھی بنیادی طور پر صحیح نہیں ہے
 تاویع حضرت کرتا میں بھی ہوئی بات کو نہیں
 بتے ہیں۔ تاریخ معاصر کتابوں 'دو ایوں انوائی
 ارتوں' گنہ دوں' کتبوں اور قرانی سب سے
 مذکور جاتی ہے، لیکن جگہ بالآخر کتابوں میں جاتی
 ہے۔ تحقیق ترقیق، جہاں بھی کے بعد تاریخ کو
 لکھ رہی ہیں 'مقدمہ' کی کہتے ہیں،
 بدقتہہ کہانی 'افسانہ' روایت کو بچھڑا کر ہے (۶)
 محمد ہے۔ تاریخ کو محمد جنس نے دربارت شد
 داد اور تحقیق کے نئے طریقوں کی روشنی میں کئے
 ذہر کئے دیتے ہیں اور یہ عمل برابر جاری رہتا ہے۔

(۶) 'شاہی امامت' اس ترکیب سے
 باہم تضاد ہے۔ 'شاہی طیب' اور 'شاہی جہری'
 اور شاہی حکم یا جو کئی کی ترکیب و کلمہ میں آتی
 ہیں کہ ان کی خدمات شاہ کے لئے مامور تھیں، اور
 انھیں بادشاہ کی طرف سے حکم کیا گیا تھا۔ شاہی
 امام کا مفہوم اس پنج پر سمجھاؤ سوار ہے۔ ایسا امام
 تو کوئی کبھی نہیں ہوا جس کی خدمات امامت یا شہ
 وقت کے لئے وقف ہوں۔ علاوہ بریں یہ اصطلاح
 فرسودہ اور عید از وقت اس لئے نظر آتی ہے کہ
 شاہوں کا ذکر کبھی کا ختم ہوا 'یہ جہو کا نام ہے
 جہو کے لئے جس میں ہم شاہی کے لئے لکھا
 ہیں۔ امامت کو 'موقوفی' پر مبنی ہوتی ہے،
 بادشاہت کے ساتھ جوڑ دے ہیں اور وراثت کو
 اس کی وجہ تسمیہ بنا دے ہیں۔ ایک بکور جہو ریت
 میں تمام قیادت ایک ایسے بزرگ اپنے ہاتھوں

میں لے رہے ہیں جو ایک مذہبی منصب پر مامور ہیں
 ان صاحب کوشل افغان کی سیاسی رجحانی جنرل
 سیاسی لیڈر عطا کر رہے ہیں۔ سیاسی لیڈر کے لئے
 باختری، ہوش و گوش، خود و فکر، سید کی اور علم
 ضروری ہے۔ ہماری لیڈری کے مذہبی ایک ایسے
 صاحب جو جلد منتقل ہو جاتے ہیں اور منتقل کر دیتے
 ہیں۔ تاخیر کا اگر یہ حال ہو تو سفینہ کا کما حشر
 ہو گا؟ احساس تشائب کے آئینہ میں دیکھئے تو
 یہ ساری تصویر اندھ سی دکھائی دے گی۔ اس
 میں حضور ہمارے لائق احترام امام صاحب جامع
 مسجد کا نہیں ہے، حضور مسلم عوام اور ہندوستانی
 لیڈروں کا ہے جو امام صاحب محترم سے سیاسی
 رہنمائی منسوب کر رہے ہیں۔



کیا
 آپ کسی کوئی تصنیف

ناول — افسانوی یا شعری مجموعہ

اشاعت کے لئے تیار ہے، اور آپ اسے شہودانا چاہتے ہیں؟

تو
 اس سلسلے میں آپ ہماری خدمات حاصل کیجئے۔

ہمارے پردہ کشنر حسن کتابت، طباعت اور گٹ آپ کے لحاظ سے اعلیٰ معیار
 پیش کرتے ہیں۔

شان ہند پبلی کیشنز، فلیٹ ۸، انصاری مارکیٹ دیانچ نئی دہلی ۲۔

آپ کی
اور آپ کے کاروبار میں
ترقی کا سامن
ہو



نصف صدی سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک ایسا اور مفرد
پیشہ کا حامل
ہو

آپ کا اپنا بینک

بمبئی مرکنٹائل کو آپریٹو بینک لمیٹڈ

(شیڈولڈ بینک)

جو سماج کے ہر طبقہ کا ماحول اور مددگار ہے جہاں فارین ایکسچج سے متعلق سبھی
سہولیات دستیاب ہیں جہاں جمع کی گئی رقم پر دوسرے کاروباری بینکوں

سے ایک فیصد زیادہ منافع ملتا ہے

ہمارے کھاتے دار ہی ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

عازمین جو کینے خر مبادیہ کے خصوصی انتظامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین معیاری خدمات کا نمونہ ہیں

دھولی آفس
۳۶۵۵ نیتاجی سہاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵

فارین الائنمنٹ جی ڈی آر ٹھنڈ
۳۶ نیتاجی سہاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵
۳۲۷۱۳۹۵
ٹیلیکس ۳۱-۷۷۸۸۳۳ ZAININ

ہیڈ آفس
زین رنگون والا بلڈنگ
۷۸ محمد علی روڈ
بمبئی ۴۰۰۰۱۸ مہاراشٹر

شاہی امامت

تاریخ اور شریعت کے آئینے میں

حاجی افدعلی ایم۔ اے ایل۔ این۔ بی

آزادی سے پہلے ایشیاء و آفریقہ میں سکون
 ہو کر رہتے تھے۔ ان اسکولوں کے شعروں کی تنویر قلیل
 ہو کر رہی تھی، لیکن یہ بڑی تنہا ہی، لکھن، محنت اور
 بے عزتی سے اپنے شاگردوں کو پڑھاتے تھے۔ یہ پچھلے
 ہندوستانی زبانوں پر مبنی رکھتے تھے، ان کا موعی
 طالعہ بڑا وسیع ہوتا تھا، لیکن کالج اور یونیورسٹیوں
 کے فارغ التحصیل، اگرچہ جوہٹ پوسٹ گریجویٹ ڈگریوں
 کے لئے ہونے سے پہلے سہ سترچر کا ذکر ماسٹر ہی کہلاتے تھے
 آج ہم ایک ایسے ہی پچھلے کا ذکر کرتے ہیں اس
 عنوان کے لئے ہم ان کا نام "ماسٹر پرائیوٹ" رکھے
 دیتے ہیں۔ سادہ لباس میں نشیمن شخصیت کے حامل
 ماسٹر پرائیوٹ صاحب عکس معلوم تھے۔ کلاس میں
 وقت کی پابندی، اچھے حالات و اطوار اور ادب و مجلس
 کی پابندی جو ہم دیکھ رہے تھے ان کے لئے پابندی، ان کو
 بہت پسند تھی۔ اس زمانہ میں گھڑیوں کی شمشیر پڑھانے
 کے متعلق کوئی سبب بھی نہیں مل سکتا تھا۔ ماسٹر پرائیوٹ

دین صاحب بڑی شفقت اور بے عزتی کے ساتھ ہر پند
 طلبہ کو گھر پڑھاتے، ان سے اپنا مقررہ تازہ کرتے، پتلم
 گرم کرتے خود چارپائی پر اتنی پائی مار کر بیٹھ جاتے اور
 پھر گفتگو، اپنے مخصوص سوال و جواب کے خزانہ میں
 علمی معلومات کے گہر نکالتے، ان کے پڑھانے کے انداز
 کی عظمت کا احساس ہمیں اس وقت ہوا جب ہم نے
 اپنے دوست گریجویٹوں کے لئے کرائے میں مکانات
 افلاطون اور سقراط دار مسلو کی تدریسی تقاریر پر مدین
 ایک دن بارش ہو رہی تھی، موسم سہا تا تھا
 ماسٹر صاحب عصر کے کش لے رہے تھے، ام کوکبہ وفا
 ہستی کی کتاب میں "اگر اکبر عظمیٰ دکن کی فتح و یاد کر رہے
 تھے، یہ سوچتے ہوئے کہ ماسٹر صاحب کی جواب دیں گے
 میں نے سوال کیا "ماسٹر جی، شاہی کے کیا معنی ہیں؟
 اس کے مختلف عمل استعمال کیا ہیں؟"
 ماسٹر صاحب نے فرمایا "فظہ شاہی کے مختلف
 معنیوں میں استعمال ہوتا ہے۔ وقت کے سیاق و سباق میں
 "شاہی" سے مطلب "دور و نزدیک" ہوتا ہے۔ جو کچھ

نسبت صفائی سے اس کے معنی "بادشاہ سے متعلق" ہوتے
 ہیں۔ مثلاً شاہی محل، شاہی اصطلح، شاہی چراگاہ۔ اور
 فرد کی نسبت سے بطور محنت بھی اس کا استعمال ہوتا ہے
 مثلاً بادشاہ کا درزی، "شاہی درزی"، بادشاہ کا طعام
 گرد شاہی پیشہ ور، اور بادشاہ کا محفل دست شاہی
 پاؤں کا روبر، ہر اسم بھی ہے جس کے معنی "اقتدار، اعلا
 کے ہوتے ہیں، مہمانیت، جبرائیلی کے تعلق سے
 اس کے معنی مملکت *املاط* *املاط* کے ہوتے ہیں
 فرہنگ مصنف میں اس کے معنی "بادشاہی، اسرار و کلا
 و بدو کلیت، "حکومت" اور "شاہانہ" لکھے ہیں
 پھر لغتوں میں "دیکھ کر فرمایا۔ انگریزوں کی
 حکومت کے قیام کے بعد بھی پھر لوگوں میں شاہیوں
 کی ذہنی غلامی رہی، اس لئے اچھے اور بدیوں نے حمل
 شاہزادوں اور بیگمات کے در و بھرے قصوں کو
 ایک حقیقت کا مروت بنا یا اس ذہنیت کے زیر اثر
 جاتے مسجدوں کے علاقہ میں شاہی کباب گھر، اور
 شاہی حمام کے پورے پھیلنے اور جماعت کی کلاں

پاکستانی مصلحت تک لگے جاتے رہے۔ اور دوسرا مصلحتی میں دشمنی اور چورہ غلامی لپیٹا۔ دشمنی اور چورہ وغیرہ ڈرانے کے لئے جن کا مقصد تاسوئوں سے غلامی یا غلامی لگایا اور یہ سب ہمارے وقت الشوریہ بھی رہا وہ برصغیر کی علامت ہے جو بدتر بنی ذہنی غلامی کا مشہور علامت بن کر رہ گیا ہے۔ لیکن انھوں نے اپنے نام کے ساتھ کبھی سید نہیں لکھا۔ کہا کرتے تھے کہ میں صاحبزادہ ہوں۔ جتنی مہیاں۔ سرور کا نشانہ ہے نسبت کا اظہار اس وقت تک کیسے کر سکتا ہوں جب تک اس کے لئے خود کو اہل تابیت نہ کر لوں۔

ایام حرم۔ مشہور کا لون تھا۔ اس مشہور صاحب وقتہ شہادت اور حضرت امام حسین کی مہیات مبارک کے متعلق بتا رہے تھے۔ باتوں باتوں میں لفظ "امام" پر بات چل گئی۔ اس مشہور صاحب نے فرمایا۔

امام کے معنی ہیں آگے چلنے والا۔ ہادی، مہدی، سرور۔ اس کے معنی مجتہد کے بھی ہیں اور یہ فقہی بحث اور معنی شریعت کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے ابھار ظہور امام کا معنی ہے یہ لفظ بادشاہ، سلطان وقت اور ملک کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے وفتح گوشت پر ہر جگہ کی گائیں اگر اکبر اعظم کا مشہور خطبہ لکھا کہ وقت میرا ہے جس میں اس نے خود کو "امام عادل" کے لقب سے مشہور کیا، مگر یہ بھی اکبر اعظم کا عادل گندہ کیا گیا۔ جس وقت کے طوائف اسلام نے ہماری کا لپیٹ دیا تھا۔ امام شیخ کا وہ دائرہ بھی کہلاتا ہے جو صاحب دلائل ہے اور اور سرے پر ہوتا ہے۔

کچھ دیر تک کہ اس مشہور صاحب نے فرمایا۔ "نئی فقہ میں" امام "خازن جامعہ" پڑھانے والے کو بھی کہتے ہیں۔ اسی مشہور حضرت "پیش نماز کہتے ہیں۔"

پھر اس مشہور صاحب نے علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا

قوم کیا چیز ہے قومیں کی ہمت کیا ہے

اس کو بچا دیکھ گیا جان دوڑنے کا نام

چنگیز، تیمور کے پچھلے مصرع میں علامہ موصوف نے اسامی قوم کے رہبر قائد اور رہنما کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور دوسرے مصرع میں باجماعت کا معنی استعمال کرتے دالے کے معنوں میں۔

مسئلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اس مشہور خازن

نے فرمایا کہ مشہور فقہ میں امام معصوم عن الخطا ہوتا ہے اس سے قطعی ممکن نہیں۔ وہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے وہ خاص مشن کے لئے مہیوت ہوتا ہے اور مشہور خازن کے مطابق اس کو پورا کرتا ہے اسی لئے مشہور مجتہد بھی اپنے نام کے ساتھ "امام" کا لفظ استعمال نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا۔ مشہور صاحب نے یہاں خاص خاص بات کی ایک رسم بتائی ہے۔ جب کلمہ شخص کسی ہم یا سطر پر روانہ ہوتا ہے یا شادی منگنی کے موقع پر سیدنا امام علی رضاعلیہ السلام سے منسوب نام خاص ایک دہرہ، اس کے باندہ پر باندہ دیا جاتا ہے عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام علی رضاعلیہ السلام نے اس کو اپنی حفاظت و ضمانت میں لے لیا۔

پھر کسی لفظ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے اس مشہور خازن نے فرمایا۔ "امام اور امیر اسلاف پر لٹیکل شخص کی اصطلاح ہے فیض السالین کے یہ اصطلاح دور اول خلافت راشدہ (مسئلہ) سے منسلک اور ترکی خلافت عثمانیہ کے خاتم تک بڑا استعمال کی جاتی رہی اور فیض نے یہاں کے تمام مسلمان کا نام پڑتا تھا اس کے بعد کی بھی مسلمان بادشاہ یا سلطان کے لئے "امام" کی اصطلاح کا استعمال نہیں کیا گیا اس معنی میں "امامت" اگر بڑی لفظ ہے *Severance* سے ملکت۔ لیکن یہ جو دنیا دی (گروہ *Severance*) اور یہی "گروہ *Severance*" جس نے مسلمانوں کو دو ذوق طوع سے سربراہ تک و قوم جو۔ اس منہوم میں منہوم مسلمان کے آئینی، سیاسی اور معاشرتی پس منظر میں "امام" اصطلاح "امامت" ہے لعل اور علامہ انجمن ہے ہندوستان ایک انجمنیسیکو رچرچ ہے جہاں مسلمان کو عقیدہ اور مذہبی شعائر پر مل کر گناہ کی ہے اور اس کی آئینی ضمانت دی گئی ہے لیکن کئی آئینی اور قانون کسی بھی شخصیت کو مذکورہ منہوم میں "امام" تسلیم نہیں کرتا۔

اس مشہور خازن صاحب نے مسئلہ کلام جاری کیا

"خازن باجماعت کے لئے "امام" معنی امام محمد ہوتا ہے شریعت اسلامی کے مطابق خازن باجماعت کی مہامت کرنے والے شخص کے لئے کچھ دینی خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ جو مشہور اہل علم میں بحث اور مباحثہ

اشرف علی تھانوی کی تصنیف بہشت زبور میں ہے۔ خصوصیات اس طرح لکھی ہیں۔

مقتدیوں کو چاہیے کہ تمام حاکمین میں جو امامت کے لائق ہو، جس میں اچھے اوصاف زیادہ ہوں اس کو امام بنادیں۔ سب سے زیادہ استحسان امامت اس شخص کو ہے جو قاز کے مسائل خوب جانتا ہو بشرطیکہ ظاہر اس میں فن و فہم کی بات نہ ہو اور جس قدر قرآن مجید ہے اچھا جو۔ اور قرآن مجید اور اچھا پڑھتا ہو۔ پھر وہ شخص جو قرآن مجید خوش آواز سے پڑھتا ہو یعنی کسرتن کے قلم کے مطابق پھر وہ شخص سب سے زیادہ پڑھتا ہو۔ پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ عقلی ہو پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ خوبصورت ہو پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ شریف ہو پھر وہ شخص جس کی آواز سب میں مدہ ہو۔۔۔ اور وہ شخص جس میں دو یا دو سے زیادہ وصف پائے جائیں زیادہ مستحق ہے بہت اس کے سب میں ایک ہی وصف پایا جاتا ہو۔۔۔ بے وضاحتی قوم امامت کرنا کرنا قریشی ہے۔۔۔"

اس مشہور صاحب نے کہا۔ "دیر میں وہ خصوصیات جن کا امام کی شخصیت میں ہونا ضروری ہے اور قوم کی رضامندی نہ ہونے کے اپنے شخص کا امام ہونا حرام ہے۔"

پھر اس مشہور صاحب نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ مسجد کی امامت کسی فاضل میں شائبہ شائستگی منتقل نہیں ہوتی یہ ضروری نہیں کہ کسی امام کا کلا کا بھی امام بنایا جائے مسجد کی امامت کے منصب کو منہوم و مہمت اس مسئلہ آئین یا کسی دھام کے ششکرا چاہیے ہے بالکل ہی ممانعت نہیں ہے۔"

ہم میں سے ایک شاگرد ویر مسلم سون و دسوی تھے پیر پڑھ کر دعا کو قلم کے طالب علم تھے، انہی میں بھی خوب کرتے تھے ان کی صحبتوں کا ہم نے بھی شاگردی سے کہیں زیادہ ملنے والی انداز کا یہ کہہ کر کہتے تھے۔ سرتان فاسد پھر کے خط و خال میں بظاہر پتہ چلا کہ کبھی پڑھا۔ اس مشہور شاگرد کی جاسا مسجد کے شاگرد امام اس خاندان میں امامت شاہجہاں کے زمانہ سے پہلے آئی ہے۔۔۔ ۱۹۔۔۔

ماشرعہ لڑا دین نے بڑی شہرت اور محبت سے
س کو بیٹے کا اشارہ کیا۔ پھر پھر گریا ہوتے ماحکم
اور شاہیت یا شہزادیت یا حکومت۔۔۔ دو قول الگ
الگ ہیں اور ایک دوسرے کے متضاد۔ اسلام کے
بنیادی اصولوں میں "شاہیت" نام کی کوئی چیز نہیں
اسلام قریبی سیاسی اور معاشرتی جوہریت و مسالمت
کا مذہب ہے۔ اور شاہی امام "جیسا کوئی منصب کسی
بھی مسلک میں نہیں ہے۔

خلافت راشدہ و مسند تاسلم و امامانی
تاریخ میں محض ایک بہترین باب ہے۔ نئی اسیرہ کے اسلام
کے شقائق اصولوں میں خلافت اور حکومت کا میل
کیا اسلام تاسلم و امامی کی حکومت رشیدہ و شاہیت
اسہین کی امامی خلافت رشیدہ و شاہیت امامی کی
خالصی خلافت رشیدہ و شاہیت امامی کی خلافت
تاسلم و امامانی مسالمت و تاسلم و امامانی
مسالمت و امامانی تاسلم و امامانی خلافت
تاریخ و مسند تاسلم و امامانی کی شاہیت
معرض یہ کہ مسلمانوں نے کد ارض کے ایک بہت بڑے
حصہ پر اور ایک بڑے زیادہ ملک حکومت کی، لیکن
کسی بھی جگہ شاہی امام، کا وجود نہیں ملتا۔

اور ہندوستان میں، گو بن قائم کی اور شاہیت
کے بعد سندھ میں لگ بھگ بین سورس عرب حکومتیں
قائم ہیں۔ یہ خالص عرب محض تھے لیکن تاریخ
میں بتاتی ہے کہ ان کی مساجد میں شرعی امام ہوتے
تھے وہ شاہی امام نہیں۔

دہلی کے غلام سلطانوں کے دوبارہ دہلی
مسلم ترک اور فاسلم امرا کے ساتھ شیخ الاسلام
کی سربراہی میں طوائف طبعہ کی سیاسی سرگرمیاں
عصری لڑچکر میں ہیں۔ چلی امیر بزم کے وہ شاہ
شاہتہ امین صوفی بزرگ سید ملاحیظ نظام الدین
اولیاء اور دہلی کے قاضی کی سرگرمیاں اور سلطان
سے ان کی تکمیل کے حقائق و حقائق سے تاریخی
تذکرہ میں ملتے ہیں۔ قرآن تک تعلق مسلمان و شاہ
تاسلم و امامانی دہلی و ہندوستان سلطانوں کی حکومت
شاہی امامان و علوم اور دہلی سلطانوں کے بادشاہ
شاہی امامان کے دوبارہ دہلی میں خلافت اسلامی

کے کارنامے اور سرگرمیاں مٹی میں لیکن اس پورے
دور میں وہ خفاہی اسلام کا منصب یا منصب نہیں ملتا
مسلطنت و مسالمت میں قائم ہونے پر اور
بنیادوں کو محض کا حوالہ دینا۔ بنیادوں کے آخری
اور اگر کے کوئی حوالہ دینا، ہم شیخ الاسلام شیخ عبدالحی
کی موجودہ اور ان کے ہمگیر اثرات پاتے ہیں ان کے
بعد شیخ مبارک اور ان کے صاحبزادگان ابو الفضل
و شیخ کے سیاسی اثرات و دورہ کی پہلی اس دورے
دور میں ملتی ہے۔ لیکن امامہ واقف اور دہلی کی یاد
و مشقوں اور ابو الفضل کے اگر تاسلم و امامانی میں
ایک دوسری عمر کی تعریف میں "شاہی امام" نام کی
جس تائید ہے۔ جہاں گریٹ پچھلے حضرت مجدد الملک
کو زندان کو تالیف میں قید کی پھر ان کا فرید ہر گیارہ
حضرت مجدد کے خطرات اور خطوط ترکس جہاں گری
یا دوسرے تادیبی واقفوں میں خفاہی، سیاسی معاشرتی
حالات کی عکاسی ملتی ہے لیکن "شاہی امام" جہاں
بھی مفقود ہے۔ ۱۱۱"

یہاں ماشرعہ صاحب تھوڑی دیر کے لئے لڑے،
مٹے کے دو گدیش لے کر پھر فرلے لگے، شاہ جہاں کے
دور میں دہلی کی جگہ سجد کی غیر رشیدہ و شاہیت
کی تعصبات عبدالحی امامی اور شیخ اولیاء نے
بادشاہ ناموں میں لکھی ہیں امام جہاں سجد مولوی سید
عبدالمظہر شاہ صاحب مرحوم کے حلقے ان عصری
مفقودوں میں ہندوستان میں لکھی ہیں کہ "مولوی صاحب
کے تقویٰ و بہادری و رگی اور قرات قرآن کی عمدگی
سے متاثر ہو کر شاہ شاہ جہاں نے حضرت مولوی
کے مشورے سے ان کو چار سجد میں امامت کا منصب
پر فخر کیا۔ یہاں اس بہتدانی تقریر کے ساتھ
امامت کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔

اور گنگہ زیب عالمگیر صاحب میل و دانش
بادشاہ تھا۔ اپنی ذہنیت میں وہ تعصب کی کوئی دنیا
پرست مسلم کو نہیں تھا۔ اس نے دینی قلم کے نظام سے
انکساری و جب بھی عربی خاکسار میں پڑھا یا جاتا ہے وہ
خدا کی عالم گیری کو ذات اسلام لہ، اکتہ بن براہ
راست اپنی عزائی میں کوئی خفاہی عالم گیری میں ایک بات
در مساجد کی امامت سے حلقہ ہے۔ لیکن شاہی امام

کے موضوعات پر یہ لکھی خاموش ہے۔
اور گنگہ زیب کی حقائق مستند کے بعد
جگہ دہلی تاریخ مسند حکومت کے زوال کی کہانی ہے۔
اس دور میں دہلی، تو قابل ملاحظہ ہے، پٹنن اور سرگرم
پڑھنے کی سیاسی سرگرمیاں اور رشیدہ و امامانی
دور میں پائی جاتی ہیں لیکن دہلی کی جگہ سجد کے امام
کی کوئی سرگرمی اس دور میں بھی نہیں ملتی۔ لیکن یہ مسند
کا موضوع تائید و اولوں کے لئے رشیدہ کا موضوع رہا ہے
اچھڑی کی رشیدہ ایسے نہ مشرکہ سرگرمی اور محمد کی شخصیات
اس موضوع پر عرضہ و غرض، ان کا لڑنے کے لئے رشیدہ و امامانی
میں خفاہی اور ان کے لڑنے و مشرکہ و رشیدہ و امامانی
اتحادی و خفاہی کو کشتن کا ڈالا ہے لیکن ان کو رشیدہ و امامانی
بادیک ترقی میں ملتی ہیں، "شاہی امامت" نہیں مل سکتی
ماشرعہ صاحب نے انھیں سجد کر لیں شاہید
شکس بھی ذکر رہے تھے اور کچھ صحابہ بھی رہے تھے
پھر در بعد فرمایا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرگرمیاں مشرکہ و امامانی
مرفی تجارت کے میدان میں متعدد تعصبات لیکن مرکزی
حکومت کی کر دہ کے ساتھ ساتھ انگریزوں نے
سیاسی میدان میں پھیلانے شروع کر دیے۔ پہلی
کی جنگ (۱۷۵۷ء جون ۲۳) اور اس کے بعد جنگ
بہار اور سید میں دہلی کے حقوق و شاہشاہ اس میں
بعد حکمرانی سیاست اور قریبی سیاسی اثر و نفوذ
میں ترقی سے اضافہ ہوا۔ دہلی میدان میں بادشاہ کی
قد و کثرت کی براہ راست مسند میں یہ شاہیت کی شریف
میں حدت سے سرگرم ہو گئی۔

دہلی میں بادشاہی و انگریز بادشاہی کے چکر
ش کے بادشاہی ہے۔ اور پھر اور بادشاہی جنگ صاحب
چاندنی چمک اور جگہ سجد کے ساتھ حیدر علی لڑچکر کی
تغیر اور حیدر علی لڑچکر کے ساتھ یہ مذہب اسلام میں
راست در یک جگہ کے تھے۔ "مولوی ایسٹ و امامانی
راہ حکومت میں لکھتے ہیں کہ در مسند میں جو نہیں
مسلمان مجاہدین نے ان پادروں کو قتل کر دیا، مسعود
مرحوم نے مسند چاندنی ہند میں لکھا ہے کہ حیدر علی
پادروں کی سرگرمیوں سے مسلمانوں میں چاندنی و امامانی
اور سرگرمی کے خلاف قوم خضر کے جذبات چاندنی

بڑھ رہے تھے۔ ان عیسائی پادریوں نے اس وقت کے
 حلقہ سائفرنگ کے تھے۔ لیکن شاہی امامہ کا سرگرمی
 ہمیں اس جہت میں نہیں ملتی۔

گرد و باجائے بظلم و دیگر جرم غفلت و غلطی جہاد و جہاد
 اہلک کے ساتھ جاسمجھ کئیلام کر دینے کا فیصلہ کیا
 گیا۔ دہلی اور فوجات کے مسلمان امراء اور مسلمانوں
 میں نیلام میں بولی دینے کی نالی مکت نہیں تھی۔ قابل قدر
 بات یہ ہے کہ دہلی میں ہندو و سادھو جہادوں نے مسجد
 کی نیلامی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ یہی نہ صرف قریب و پار دی
 کے رہیں اپنی کلش مرحوم ایک ایک جہاد و فیہ و فیہ
 والکے ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی دی اور اس میں
 ابھی جتنی کشمکش میری ہے ایک کر دیا جائے لاکھ و پہنچے ہیں
 خریدیں۔ لیکن، انکو یہ حکام نے اس میں غائب و جہاد
 اہلک کے کی اجازت نہیں دی۔

جامعہ مسجد کے اعلیٰ و انعام کے لئے دینی کے شعبہ دین
۱۰ فضیل ایک مستقل کیشی بنادی گئی تھی۔ ائمہ دینی کا ضعف
مستطابہ کھتا ہے کہ مسلم میں کیشی کے ارکان حسب ذیل
تھے۔

جانے ان کے لئے نور پر قوی رئیس اور چند مصلحتوں
نے زبردست حصہ لیا۔ اس دوران ہندوستان پر دست
عربیوں نے غیر قوی سنگھوں کے جنگ دل جو سینا
بنائیں۔ شاہی امام بھائی موخ سے کبھی چوکے والے تھے
بابری مسجد امام مہر بھوی تعاضد کے بادل امام صاحب
کے لئے مرمک بھلا لائے۔ آدم سینا، محافظ دستاور
اسی قسم کی تخلیص بنا کر انھوں نے گورنر جلا بدو پیسہ کا
چندہ قوم سے بطور رخراب لاسات۔ وصول کیا۔۔۔

اسٹر صاحب نے زور دے کر کہا۔ بہر حال
امام صاحب صرف وہی کام کرے گا جس میں اس کا ذاتی
نفع ہو۔ جا سجدہ کی ان کی ذاتی جائزین کی ہے
حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ اسماعیل علیہ کے
مرتبہ خطبات جمعہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے رسول
دود و صلوٰۃ و سلام کے بجائے سیاسی مصلحتات
کی لئے و اشاعت جا سجدہ کے تاحی میرے ہر جہہ کا
محول بن گیا ہے۔

راجہ دھول سنگھ نے ۹۹-۱۹۹۸ء میں امام صاحب
کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے سیاسی قوی زبردست
انسانہ کیا۔ وزیر اعظم بن کر دروازوں کی روایت کے
مطابق اللہ رائے کے لئے پچاس لاکھ روپیہ کا تدار
شاہی امام صاحب کی خدمت میں پیش کیا یہ کہ ایک
یہ تو جا سجدہ کی مرمت کے لئے دینے گئے ہیں۔ لیکن
کسی کو مسجد میں کوئی کام ہوتا تو نظر نہیں آیا۔

اسٹر صاحب نے دین کے چہرے پر کرب و بے چینی
کے آثار بڑھ دیے تھے لیکن کچھ جا رہے تھے۔
امام صاحب نے ۱۹۸۸ء میں دو کیا جو کوئی نہیں
کر سکتا۔ مسجد کو سبھا پرورش کر کے مصلیٰ کو باضولت
پر یہ انوکھا اجتماع کرنے ہوئے وہ قبول گئے کہ۔

اور خیر کردہ اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا انسان
کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی مسجد میں اس کے نام کی یاد
گور و کے اور ان کی مولا کی مرمت سے ان لوگوں کو قریبیت
ہو کر بھی ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیے تھے بلکہ مسجد
میں اللہ کے خوف کے ساتھ باوجود ہو کر جاتا جاسے عشا
ان دنوں کو دنیا میں رہنا ہی گئی اور آخرت میں سزا
عظیم ملے گی۔

ترجمہ البقرہ کو ۵۰۔ آیت ۱۱۴

اسٹر صاحب نے آیت امداد کا ترجمہ کیا کہ یہ خدا
پھر کہنے لگے۔ شاہی امام کے حلقوں کے خوف سے
اس خدا میں کوئی مسلمان مسجد میں جانے کی برأت نہیں
کر سکتا تھا۔ شہادت میں ہی اسے کسی کا ظلم پر احتجاج
کے لئے اپنی مقیم مسجد میں لاکر آنے کے بجائے انھوں نے
خاندان کو مساجد پیش اور اس میں عبادت خدا بند
کر کے شاید اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کیا۔۔۔

اسٹر صاحب نے گفتگو جاری رکھی اور کہنے لگے
"مسجد قرآن کی آمدنی کا قیاس ہے۔ مسجد میں داخلہ
پر مختلف طریقہ کی قیس مقرر کر رکھی ہے۔ وہ تعداد نہیں
سود ہے پر ان حرم کا کیمہ و فائدہ جانے کا میں سینا
پر چڑھ کر قیس، اس امر کی قیس... اور کپڑے کی
حالت میں مرتبہ غل ہے۔ مسجد کے سامنے کا بیس
میدان جو بھی اس عظیم شان قدرت کا (درجہ کرامت)
بلازہ تھا جو مرکز صیانت و لیکن کے بڑے چھپے سے
زیادہ خدا تعالیٰ نظر پیش کرتا تھا۔ اس بابہ شاہی امام
کی ذاتی جیب بھر کے لئے سینا بنانا ہی گیا ہے۔ مسجد کی
یہ عظیم عمارت جس کے متعلق مشہور عالمی ماہرین قدرت
لنگھنے لکھا ہے کہ۔ لطافت، نزاکت خوبی و خوش منافی
اس کی دیان سے باہر ہے۔ اپنی خوش نطق اور خوش منافی
مسجد و زمین پر نہیں۔ ہندوستان کی تہذیب
و کلمہ کا یہ لہر ناز اور گل قدم و درہ ایک نور عرض
اور بد وقت شخص کے قبضہ اور قبول میں حالت میں
مسلمان قوم کے لئے باعث شرم ساری ہے۔

مومن داس نے دلی ہوئی آواز میں کہا۔
"اسٹر صاحب! کچھ بھی ہو شاہی امام مسلم عوام کے
لیڈر ہیں اور یہی ان کا وزن ہے۔"
اسٹر صاحب نے دین و دنیا پر کدھر پر چنگ گئے
ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ لیکن انھوں نے جذبات پر قابو کر کے
جواب دیا۔

مومن! جانتے ہو لیڈر یا رہتا کون ہوتا ہے یہ قوم
و ملک کو رہا دی ہوتا ہے اور یہ بتائی کا حق ہی کو صلہ ہے
جو بے عرض ہوتا ہے پھر اس کی نظر ہو اور جو ذاتی جذبات
اور شخصی مفادات سے بالاتر ہو کہ قوم و ملک کے متعلق
کی سچے اور ایک منزل متعین کر کے قوم و ملک کو قصد
و منزل کی طرف لے کر چلے کہ لوگ۔" دینا صورت

ہوتے ہیں۔ یہ ان کی بازی۔ "ڈیرا گاہگ" کہلاتے ہیں لیکن وہ
شخص جو اپنے نفسی مفادات کے لئے عوام کے جذبات کو
آجیادہ اور ذاتی فائدہ سے حاصل کرے۔

اسٹر صاحب نے ایک شخص کی سانس لی اور
کہہ دیا، میرے عزیز مومن! ہندوستان کے
مسلمانوں کی بد قسمتی یہ ہے کہ ان کو کوئی رہنما نہیں ملا۔
پھر اسٹر صاحب کہنے لگے کہ وہ مسیحا اور مولا
آزاد کو چھوڑ کر مسلمانوں کو جذباتی لیڈر بنائے۔ اور
شاہی امام دھان کا گڈیات... توہر توہر۔ بقل مولا تا
آزاد موم...

"ہندوستانی مسلمانوں کی بد قسمتی یہ ہے کہ ہم میں
جو گروہ دار بننا کی موثر سوار ہے اور جس نے لیڈر کی
لاحت خود کی پھانسیا ہے اور خود کی اپنے ہاتھوں سے اپنی
رسم و آئین کی ادا کی ہے اس نے اپنی دنیاوی عزت و
ملکوت اور جاہ و مالش کا جو اکیٹلے کے لئے اپنی ملت
مظلومہ کو ایک باغیچہ بنایا ہے اور ان میں سے جو شخص
ہے اس کی جیند کو ایک ملوک کا کہی طاقت کی تلاش
کرنا چاہتا ہے۔ مسلمان بھلا سے پانچ لیڈر وں کی
پرستی کرنے کے لئے موجود ہیں۔"

(الہامی مہر گشت مسند ص ۱۹۱)

اور یہاں تو صاحب قریب میرے شدت پر بے مسلمان
قوم کی حالت تو ہے جو مولا نے ان کے لئے لکھی۔ لیکن شاہی
امام کے سامنے پیش لیند دست بستہ حاضر ہیں۔ اس کو
ان داتا نہیں "وہ داتا" کچھ ایسے قوی لیڈر وں
نے مسجد کی آمدنی بھی ذرائع ادھارت سے ہے۔ لیکن کوئی
پیش کرنے والا نہیں۔ دلی وقف بورڈ اور سبڈیل وقف
کونسل کے ریکارڈ میں "شاہی امام" کی حیثیت لازم کی ہے
لیکن ان سے کوئی حساب لینے والا نہیں ہے۔ وہ کسی کے
سامنے جوابدہ نہیں مسلمان اس امت میں ہونے کا دعوا
کرتے ہیں جس کی ایک بڑھیا نے برسر مجلس عام
قادر حق، عظیم کا داس بن کر پوچھا تھا۔ "مسلمانوں
کے امام! بتائیے چا دیتے سے پاس کہاں سے آئے۔ اور
اس بیوی ہدی کے امام سے کوئی مافی کالال ہے جو
پرستش کر سکے۔"

"شاہی امام! میں سیکھاؤ کی بھی نصیحتات ہیں
نہی وجہ سے کہ وہ آج ہندوستان کی سیاست

Broker of Power
Influence
کوپلے، احکامات، جس پارٹی کو چاہتے ہیں وہ دیتے
ہیں۔ ان کے لئے کوئی اصول نہیں جس کی پابندی ضروری
ہو کوئی حادی اخلاق یا مصلحت یا اصول نہیں

پر ان کا مرنی ہو جان کوئی معاشرتی سماجی اصول
حساس نہیں مسلم و غیر مسلم کی برادری، مذہب، نسل اور
پہچان کی کان کے سامنے کوئی حلال و حرام یا دھرمی مقصد
نہیں، سولے پیتے نفی مفادات کو اور ان کے امانت
اور سیاست دو الگ الگ، ایک دوسرے سے متضاد

ہیں۔ امام بھی بھی سیاست کے مسائل میں قدم نہیں
رکھے گا۔ کیونکہ ان کی دکانیں سبیل جانسیں سیاست
پر اصولی پابندی کی ان کی پناہ گاہ ہے
اور کوئی دیر غا غاشش نہ کر اس طرح صاحب نے گہرا
میرا حقہ بھر کر آپ سب جائیں اب آپ گھڑی کی بجلی

ماہیا دیکھ کر



گاگر میں بھسرا پانی
بیاسوں کے خدا سن لے
یہ عسکر نہیں آتی

جیون جنوں کا بندھی ہو
خواہش ہے مرے دل میں
جیسے کوئی ذہن ہو

پانی ہے نہ بھگت ہے
خالی صبر ہے دل میں
یادوں کی ہی تھکت ہے

کیا کہتا ہے گانی کا
انگلی میں نگر اش کے
چھٹا ہے نشانی کا

کھیاں ہیں ٹکڑوں کی
آتی ہیں نگر اُن سے
خوشبوئیں کن بوں کی

حاجت نہیں ہوتی کی
کافی ہے ہمیں یاد
ایک بات محبت کی

پیزوں پر چڑھے رہتے
بن جاتے اگر پہنچے
کیوں ایسے رہتے

کیا داکہ بھری سہمی میں
پانی نفی سہا دو میں
ذہن نہ فی گھر میں

خدا ہم کو نہ کھینچے گا
کھانسی کی زبانی ہی
پیغام وہ بھیجے گا

گھر گھر میں صدا دینا
باری جو نہیں جیتے
تم اُن کو دھکا دینا

کبھوں میں کس سرسوں
بروبس میں ہی بیٹے
دیکھے ناغہ سرسوں

ہیں بیاد کے دن راتیں
ہر بار مزا دونا
دہ دہ کے دہی باتیں

”دھکھلے کھلا رہے“ کا ایک دوق

دہلی سیکولر ہندوستان کی قابل فخر راجدھانی ہے

یہاں مختلف فرقوں، نظریوں اور مذاہب کے لوگ
مل کر پُر امن طریقے سے رہتے آتے ہیں

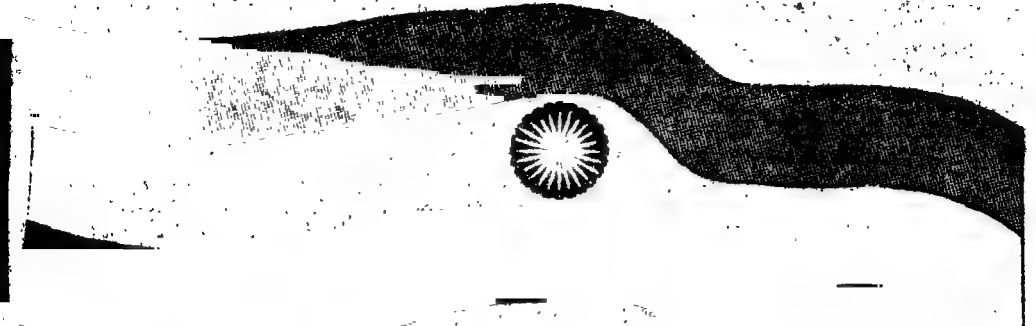
آئیے اس روایت کو برقرار رکھیں

ڈائریکٹر، محکمہ اطلاعات و رابطہ عامہ، دہلی انتظامیہ

بلاک نمبر ۹۔ اولڈ سکرپٹریٹ۔ دہلی

جاری کرنا :





”اسے سینے سے لگائے رکھیں“



یہ جھنڈا انشا ہے
ہماری آزادی کی
ہماری جنگ آزادی کی جدوجہد کے دوران شہید ہونے
کروڑوں حب الوطنوں کی قربانیوں کی۔
آج ہم یاد کرتے ہیں
ان تمام لوگوں کو
جو ہمیں مذاہب، ذاتوں، زبانوں
اور ممالک سے تعلق رکھتے تھے۔
جن میں امیر بھی تھے اور غریب بھی،
مرد بھی تھے اور عورتیں بھی،
بڑے تھے اور جوان بھی
اور جنہوں نے
قوم کی حفاظت اور خوشحالی کے لئے جدوجہد کی۔
یہ جھنڈا ہمارا دلی دھان ہے پیارا ہے
ہم اس کی عزت کرتے ہیں
یہ عبادت کے طواف کی گشتاں ہے
اور یہ ہم سب کو ایک لڑائی میں بندتا ہے۔

اس جھنڈے کی عظمت کی
حفاظت کریں

days 8/12/20

THE
LIAISON
PEOPLE

THE
LIAISON
PEOPLE

MAY HELP YOU IN SOLVING
YOUR PROBLEMS.

OUR ADVISE WILL SAVE YOU

TIME TENSION (MONEY)

A WELL EXPERIENCED TEAM OF PROFESSIONALS,
RETIRED SENIOR OFFICERS FROM C.C.I. & E. D.G.T.D.
MINISTRY OF COMMERCE, INDUSTRIES, TEXTILE,
FINANCE, LAW, DEPARTMENT OF ELECTRONICS,
IS AT YOUR SERVICE

- FORMATION AND RECOGNITION OF EXPORT HOUSE-TRADING HOUSE.
- FIXTATION OF NORMS AND ISSUE OF ADVANCE LICENCE-C.G. LICENCE.
- INTERPRETATION OF PROVISIONS OF IMPORT/EXPORT POLICY.
- ASSESSMENT OF THE VALUE OF OLD/NEW MACHINERY-RAW MATERIALS.
- INDUSTRIAL LICENCE, FOREIGN COLLABORATION, FOREIGN LOANS
- ENFORCEMENT-LITIGATION CASES AND APPEALS.

AND ANY OTHER MATTER WITH MINISTRY OF COMMERCE-INDUSTRY
FINANCE-AGRICULTURE-STEEL-TEXTILE AND ANY OFFICE LIKE
MMTG-STC ETC. AT DELHI.

SALE • PURCHASE OF R.E.P./ ADDITIONAL LICENCES

AWAITING FOR YOUR CALL



fairdeal impex india

L- 4, Connaught Circus, New Delhi. Phones: 3328562, 3328664

Grat. No.: FAIRIMPEX Telex: 31-65404 SAQI IN

Phones: Res. K. L. NARANG 6418040 S. L. MANOCHA 2210637

پوشاک

اقبال مجید

حسن اُچھرنے لگا اور اس کی قدر و قیمت کے ہر ٹکٹے
لے۔ اُسے دکھا کر اس کے تار تار میں اچھیلیاں کھڑکی
ہیں۔ سویتوں اور جلوت میں گندہ میں اپنی قب نظر
آئی۔ اس کے ایک ایک ہنڈا دھڑکتے ہیں اصل ہنڈو
کی لڑیاں نظر آئیں اور ملو نہاؤنگے بادشاہ نے پہلی
سواری شہر میں نکالی تاکہ وہ اس پیش ہوا پوشاک
کو اپنی رعایا کو بھی دکھائے اور اس سے داد و تحسین
پائے اور اس کی فہم و فراست کا امتحان بھی لے سکے۔
بادشاہ اپنے شکار راہی پر جنگ و شکار چٹا
دور دور قطار میں گھڑی پڑی رعایا کے دربار سے
گزر رہا تھا۔ شہر میں اٹھان ہو چکا تھا کہ کئی بادشاہ
ایسی پوشاک پہن کر دشن دے رہے ہیں جو صرف
مظاہر کوئی دکھائی دے سکتی ہے۔ لوگ دم بخود
آکھیں پھاڑے ٹنگے بادشاہ کو کہہ رہے تھے۔ یہی
کسی کی مثال نہ لڑائی کر بادشاہ کو دکھا کر کہنا۔ سب
خاموش تھے کیوں کہ سب عقائد لگے تھے۔ جب بادشاہ
رک پڑے تو سب بے گناہ ہوا اپنے دھار کے گندہ

نہیں تھی۔ لیکن یہ بات اس کی بھوش نہیں آئی کہ
وہ پڑا جس کی تحریف اس کے درباروں کو نہ ہوا
دوستوں مالوں اور دولت گدوں نے کی ہے وہ
پوشاک بادشاہ کو خود کیوں نظر نہیں آ رہی ہے اور وہ
ننگا ہے تو پورے دربار میں گہر مچ جانے کا ہر دینا
کو یقین ہو جائے گا کہ جو نہ ہون کا بادشاہ کی زندگی
ہے کیوں کہ جو پڑا ان سب کو دکھائی دیتا ہے وہ
خود بادشاہ کو کیوں نہیں دکھائی دیتا۔

جینس کرپیں اینڈ ریسن کا پہلا بادشاہ
بڑی سمجھت میں پڑ گیا۔ آئینہ کے سامنے اس نے
اپنے کو ہر زاویے سے دیکھا لیکن اس کے بدن پر کچھ
ہوتا تو نظر آتا۔ وہ تو ماوند لنگ تھا اور تب ہی
بادشاہ اس پوشاک کو پہنتے پہنتے دربار میں آیا۔ لوگوں
نے آفریں اور مہیا کی صدا میں بلند ہوئیں۔ بادشاہ کی
پوشاک کی شان میں تعظیم سے بڑھے تہ بادشاہ کو
یہیں ہو گیا کہ وہ نہنگ نہیں ہے بلکہ دھیرے دھیرے
اسے اپنی پوشاک کے خود خال نظر آئے تھے۔ اس کا

اور تہ اینڈ ریسن کے اس عالم بادشاہ
نے پہنی رعایا کی ہنر و فراست کو پرکھنے کے لئے ہر کپ
کہ وہ اس پوشاک کو پہن کر بالکل پریشا۔ اراکین
سلطنت اور اُترا اور منصب و اہول کو اپنے ساتھ
لیا اور ایک عالی شان چوس اپنی سواری کا شہر میں
لگا لادہ دیکھتا چاہتا تھا کہ اس کی رعایا میں کتنے لوگ
مظفر ہیں، کتنے لوگ اس پوشاک کو دیکھ سکتے ہیں
کہ جسے وہ زیب تن کئے ہوئے تھا کیوں کہ پہلے پہلے
والوں نے بھی کہا تھا کہ پڑا وہ بادشاہ کی پوشاک
کے لئے نہیں ہے۔ پس اس کو ہر زاویے کو حرف دی لوگ
دیکھ سکیں گے جو اٹا اور حائل ہیں، بے وقوفوں کو
وہ پڑا نظر نہیں آ سکتا۔

پھر اٹھارہوا اس کی پوشاک مل اور بادشاہ
نے اسے پہنا تو آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر
جب اس نے اپنا نگاہ لڑا لگا ہے ہر دیکھ کر بڑی حیرت
ہوئی کہ وہ نہنگ ہے۔ اس کے بدن پر کوئی پوشاک

بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ صوبہ اور ولایتوں پر چلے جائے۔
 ریسرچ کے لئے اس کی پریشانی کو بڑھانے کے لئے
 زمین اس کے سیاسی قیروں کے ڈاکوؤں پر چلے جائے
 اور ان کے قیروں کو اخراجات دینے پر اس کی پریشانی کے
 تمام زور دینا کہ یہ پیش کے چیلوں کے لئے نہیں کھینچتے
 کرتے تھے اس لئے اسے قائم ہستادوں کو خصوصی
 تھے اور نقد رقبہ علاقہ جو خزانہ سبب بادشاہ کی
 پریشانی کا خاکہ کہنے میں کیا مسئلہ اس کو باقی حریف
 کر چکے تھے۔ وہ ہر سال ایسے نام فوجی افسروں اور
 پولیس کے سپاہیوں کی فہرستوں کو سونے اور پھانسی
 کے میڈل بھی تقسیم کرتا تھا جو اس کی پریشانی کے
 امور کے حلقہ میں اپنی جانیں دے چکے تھے۔

اور پھر وہی جگہ پر لکھا کہ وہ ہر سال فوجیوں
 کو دے گا اور کوئی کتاب اپنے ذہن کو سونے اور پھانسی
 پر چکے تھے اس لئے وہ ہر سال اسے فہرستوں پر اس
 کہانی کا انجم کیا تھا کیونکہ اس کا اس کہانی کے
 آگے کی کہانی کے ساتھ ہونا چاہیے کہ اس کے بعد جب
 بادشاہ کو یہ یقین ہو گیا کہ اس کے ملک کے پچھلے
 حلقہ پر چکے ہوئے تھے اس لئے ان کے استقامت کی
 تیاری تھی وہ کہہ کر دی ایک شاندار جہاز پر لکھا گیا
 باغی گھوڑے فوج اور میڈیا کے ساتھ بادشاہ
 کی سواری پھر نکلی اس وقت بادشاہ نے اپنے ہم
 پردہ ہوا اس نے پھر فوج کیا تھا اور وہ ایک ایسے
 سے باغی پر سوار تھا۔ پھر نے چھوٹے لڑکے اور بچے
 سرگرم کے دونوں طرف اس کے مستقبل کے لئے
 باغیوں میں چھوڑنے کے لئے گئے تھے۔ ان چھوٹے
 چھوٹے جھنڈوں پر بادشاہ کی پریشانی کی ضرورت تھی
 بادشاہ بہت خوش ہوا کیونکہ اس کی آنکھیں پر قلعہ
 کے ساتھ اس کی اس لڑکے کو تلاش کر رہی تھیں
 جو کہ ہر جگہ اپنے دماغ کے کنارے ہر سہ ہر کہ آیا
 تھا۔ بادشاہ کی یادداشت میں اس بچے کی ایک ہلکی
 سی تصویر باقی تھی۔ جو اس دھیرے دھیرے آگے
 بڑھ رہا تھا۔ جب اس کی پریشانی کی تلاش میں شہر
 بڑھ رہے تھے۔ پھر نے شہر کا گشت اپنے کے بعد
 بادشاہ کو وہ جیت نہیں دکھائی دیا۔ ہر طرف پر چکے تھے
 لیکن جس بچے کو اس کی آنکھیں تلاش کر رہی تھیں

وہ ان میں پہلی تھا۔ بادشاہ کو یقین تھا کہ اس شخص
 کو نہ جانے کون سی وجہ تھی وہ بچے کو نہیں ملے گا۔ اس
 آنکھوں کی ہلکی سی چٹائی کے ساتھ جب سے غلط
 تھی۔ بادشاہ ایک ایک بچے کی آنکھوں میں جھلک رہا
 تھا۔ یہ بچہ بچہ کی نظر میں ٹھہر رہا تھا
 لیکن وہ بچہ سے کہیں نہیں ملا۔ جو اس شام ہوتے
 ملے واپس آگیا۔ بادشاہ بھاری دل کے ساتھ اپنی آواز
 گاہ میں داخل ہوا۔ وہ اپنی رائے سے بھی نہیں ملا۔ اس
 نے منادی کو روک کر کہی اس سے لڑکے کی کوشش نہ
 کرے۔ تھکے بارے جسم کے ساتھ وہ بستر پر لیٹ
 گیا اس نے بچہ کی گولی کا کمر جو باغیچہ میں لکھا
 نہیں نہیں آئی کسی بچے کی آنکھیں جیسے بادشاہ کی
 آنکھوں میں جھلک رہی تھیں اس کی آنکھیں تپتی تھیں
 تھیں۔ یہی چاہا تھا کہ وہ بچہ کو مل سکے۔ اس کا
 بیان پچھلے لکھا تھا اس لئے کال پیل ہوا تھا اور پھر خوش
 ہو گیا۔

بادشاہ کے راز پر اس نے ہر طرف سے ہر طرف سے
 حالت میں دیکھا وہ وہ ڈاکو پریشانی کو بھلا لایا
 طبیب نے بادشاہ کو فائدہ دیکھا۔ بادشاہ کے ہوش میں
 رہا تھے وہ دھیرے دھیرے کمر رہا تھا۔

وہ پھر کہاں ہے۔
 طبیب کو گرجا ہوا وہ تھا کہ اس نے ہر طرف سے
 سے مشورہ کیا ہے یا کہ اس کے ساتھ طبیب اس بچے کو تلاش
 میں نکل پڑیں وہ بادشاہ مر جائے گا۔ سلطنت بہت
 بڑی تھی لیکن فوجوں کا خیال تھا کہ شاید کسی کو نہیں
 ایک بچہ ایسا مل جائے جو بادشاہ کو اس صحت پر
 سے بجات دلا سکے۔ طبیب ہر طرف سے لڑکے کا
 میں صاف نہ کیا گیا لیکن جس بچے کا بھی وہ صاف نہ
 کرتے دیکھ کر حلقہ نکلتا تھا ان کی بڑی اور بڑھتی
 واصل انہیں ایک روز خوف بچے کی تلاش میں گھومتے
 ہر طرف دوڑتے گئے لیکن ہر طرف سے ناامی کا طغی
 آئی ہر طرف سے بڑی ملک میں ایک بچہ کی طرف
 فوجوں کی ساتھ ہر بادشاہ کی حالت ان دنوں بڑھتی
 جلد ہی آئی کہ شاید فوجوں نے اپنے لڑکے کو ایک
 بچے کو تیار کر کے بادشاہ کے ساتھ لے جائیں جس سے
 نکلی ہے کہ بادشاہ کو بچہ کا قہر ہو سکے۔

ایک چھوٹے بچے کو بادشاہ کے لئے تیار کیا
 گیا کہ جب وہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو تو بادشاہ
 سے کہے۔

وہ بادشاہ کی آپٹنگ تھی۔
 جب پھر اس بات کا بھی طرہ طرہ کا قہر
 بادشاہ کے ساتھ حاضر کیا گیا۔ پھر سب سے پہلے بادشاہ
 کے سامنے ادب سے کھڑا ہوا اور پھر وہی ہاتھ
 باغیچہ کا گردن لکھا کہ ظم۔ پکار۔ کے سہرے ہوئی
 کی طرف ہوا۔

وہ بادشاہ کی آپٹنگ تھی۔
 یہ سن کر بادشاہ نے آنکھیں کھول کر بچے کی طرف
 دیکھا اور پھر وہ جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ اس نے
 بچے کو اپنی ہاتھوں میں لے لیا اور اس کے گھر سے
 قریب کر کے اس کی آنکھوں میں غصہ دیکھ کر ہٹا۔
 "ایک بار پھر تو بھئی بات کہو میرے بچے"
 پھر پھر سب ہر سو کی طرف متانت سے ہوا۔
 بادشاہ کی آپٹنگ تھی۔

بچہ کو ہر طرف سے ہر طرف سے
 اور اس کے ساتھ وہ دور تک وہ وہی فوجیوں کے
 نے سرگرم کے کنارے ایک بچے کے ساتھ ہر بچے
 ہوتے ایک بچہ ہوا دیکھی تھی اس نے ہر طرف سے بچے کے
 سر پر ہاتھ پڑھا اور ہوا۔

وہ بات تو نہیں کس لئے بتاتی ہے کہ میں نہ
 ہوں۔

پھر یہ سن کر ڈر کے مارے کھینچنے لگا۔ بادشاہ نے
 اسے ایک شاہی پالکیشی دی جو اس کے ساتھ بچہ کے بھی
 نہیں دیکھی تھی اور پھر اسے لے گیا۔
 وہ لڑکھو انہیں بچہ ہوا وہ کہہ رہا تھا کہ اس
 نے بتائی میں نہیں بہت بچہ آچکے کھولے دوس گاہ
 بچہ کا ہاٹ کی فوج سے کھینچنے ہوئے ہوا۔

بچہ نے آپ کو ہر طرف سے ہر طرف سے
 تو بچے بڑے عجب صاحب تھا کہ ان کی فوجی کو کہہ گئے تھے
 یہ سنے کیا بادشاہ نے کہا کہ وہ فوجیوں کے
 بچہ کا بچہ تھا اس کی آنکھوں میں غصہ تھا اس کا
 نے ہر طرف سے ہر طرف سے ساتھ لے گا کہ اس کی فوجیوں کے
 کی مراد تھی کہ اس کی فوجیوں کے ساتھ لے گا کہ اس کی فوجیوں کے

دلی ہوئی کسی انداز کی گزری غصہ کا شعلہ نہ تھا نہ خدائی
 طرہ سے نہ کسی محسوس کردہ سے نہ کسی میں نہ تھا
 کوئی نہ کسی کو اس بدلتا ہوا کی عظمت میں کسی کے کچھ بھی نہیں
 رہتا وہ پہلے سے لگا کر نہ تھا نہ وقت، محنت اور جد
 یک پہلے کو غلط نہ تھے میں لگتا ہے اس سے کہیں کہ وقت

میں اندھ بھی کسی طرف ایک خاصا ایکٹ کے بدلے
 بچے کو بے وقوف بنا دیا سکتا ہے۔
 پھر اس بادشاہ کی بدولت خدایت میں اس کے ان
 کا کہیں، کچھ نہیں کیا گیا انداز اس بادشاہ کا کوشش کیے
 ٹھیک ہر ایرات اپنے دس سن کی کہ ہاں سکتا تھا

جہاں کہ بات خود کچھ بھی نہیں معلوم لیکن کچھ نہ
 ہے کہ ہم میں سے کوئی نہ جانتا کہ اس کی بات ہے
 کو وہ کہا کہ کچھ نہ تھا کہ اس نے نہ سنی ہوئی کہ
 اس نے نہ سنی ہوئی

غزلیں

ہر روز خداؤں سے تو ابوسے سجا ہے
 یہ مہر تو ہم خداؤں سے سجا ہے
 عشق سے نہ تو کچھ سجا ہوا ہے
 چہ تو را دلچسپ غفاس سے سجا ہے
 انھیں کی دیکھ نہ کہیں جاسے اش کو
 ہدیہ ہیں جو انھوں نے توں سے سجا ہے
 ہر روز خداؤں کا نشان دیکھو نہ دے والو
 یہ دشت فنا تو سراؤں سے سجا ہے
 محکم کا نہیں یاد کچھ ہے، آخر کچھ
 وہ اصل بہاؤں کا گلوں کے سجا ہے
 حاصل ہے کچھ عشق نے نابا سے عم
 غلغلہ ہے ہستی تو خراؤں سے سجا ہے
 اسے عشق کرم ہونے نہیں انکو ہر آنسو
 یہ درد کا وہ دیا ہے خداؤں سے سجا ہے
 دھڑکے گزیرا کے داس میں سر اسر
 یہ داس نہ یاد تو جاناؤں سے سجا ہے
 جس دن سے کچھ اپنے نوری یاد کا بستر
 اس بعد سے کچھ مرا خداؤں سے سجا ہے
 اس شخص پر الزام تراشی یہ سلافت
 خاموش ہے جس کو دیکھا توں کے سجا ہے
 اب گشت تہائی تو کو تو نہیں ممکن
 درویش کا کمر تو توں سے سجا ہے
 محمد براہیم کو تو

چشم بینا کو نہیں یاد رہے جب اڑھا رہا
 دیکھ کر کچھ نور بہتر نہ کہیں سبب کا
 قشت نور کا اٹھائے وقت میں پہلے لیے
 دینی قسمت تھا نہیں سبب کسی دیوار کا
 خاتم غم کی ظلمتیں کچھ کو جبر اسان کیا کریں
 ماہ میں اپنے بے داسن مطلع افوار کا
 اپنے علم سے جاغری بولی کی نہیں ممکن مگر
 خوں اب بھی ہے اسے بی جا ہے تم سفار کا
 اپنے سر کو وہ ہی میں نہیں ہے کچھ جب جلا
 مرتد دینا ہے کچھ بھر ہے افکار کا
 آگہی کے جام سے میں وقت کا دینا ہوں تو ہر
 پر تقدیر فاشی میرے دلی سبب ار کا
 شرح کیوں اقرار رہے نہ ملاں اس قدر
 برہمن میں ہے چھادھوئی کسی انکار کا
 غم کی کشی آگہی سے دل میں اپنے رو خفی
 ضرب تیشہ سے محو سنبھلے کچھ ار کا
 کوئی چھینا کاشی ہوتا اپنے تیر کا نصیب
 جا رہا ہے قافلہ ایسے کچھ کچھ ار کا
 خواب سبب سے جس سے خاک کچھ میں نہیں گئے
 کس نے بھر کا کچھ خطوں میں میرے انکار کا

وہ ہم سے بات بس کے دینے دھریا
 ایسی دیکھ کر میں ابی کو کم سبب
 تقدیر میں کچھ ہے تم ہی تم کی
 ایسی کے ہر کے وہ جانی گئے ہم کیا
 شکست کچھ کہے میں کچھ تم کیا
 اگر دینا ہی کچھ، بیش و کم کیا
 دل پر باد میں برسوں رہے ہیں
 یہ تم کیا، درد کیا، رنج و اہم کیا
 تھکرا بھی تو اس میں بات ہو کچھ
 خفا ہے دے ہیں دینے و تم کیا
 میں سائی کی سخاوت جاتا ہوں
 کچھ وہ بخش ہے کا جام ہم کیا
 بجز کوئی اس میں کچھ نہیں ہے
 محبت کیا، محبت کا کچھ ہم کیا
 ادا کچھ ایک کشت کا تو کوں
 اٹھائے ہے دلی اسات دم کیا
 انہیں تو مار کچھ کچھ کچھ کیا
 تیری انھیں ہو جانی گی تم کیا؟
 راز لا پیلو دی

وجاہت علی سندیلوی

منشی پریم چند نے اپنے افسانوں میں دیہاتی ماحول کی جس خوش اسلوبی سے عکاسی کی ہے اس کی مثال دیکھیں جو

تو

ڈاکٹر اودے سرن ارمان

کے افسانوی مجموعوں کو پڑھیے۔ آپ بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ڈاکٹر ارمان ہندو پاک کے افسانہ نگاروں کی صف اول میں شخصوں ہی مقام رکھتے ہیں۔

مان سرودور

اکثر ارمان کا اولین افسانوی مجموعہ جو اکتیس ایسے افسانوں پر مشتمل ہے جو دیہاتی معاشرہ کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ افسانہ نگاری کے دل و دماغ کو یہ سوچنے اور کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ

”جو کہا تو نے وہ میرے دل میں تھا۔“

قیمت: -/۲۱ روپے۔ ڈی کس -/۱۲۵ روپے

مہربار کہا دل نے

مان سرودور کی تمام تراشیاں اسی خوبیوں سے مزین ہیں۔ افسانوی مجموعہ ہر لحاظ سے آنا دلچسپ، دلکش اور پُر لطف ہے کہ جسے پڑھنے کے بعد آپ دیہاتی زندگی کا ایک خوبصورت طریقہ کہنے پر مجبور ہوں گے۔ اور یہ خوبصورت افسانوی مجموعہ آپ اپنے احباب کو تحفہ پیش کریں گے۔ قیمت: -/۱۳۵ روپے۔

کمرنوں کے پدچرن

ڈاکٹر ارمان کی یہ ہندی تصنیف سوانحی خاکوں پر مشتمل ہے جسے پڑھ کر آپ زندگی کو بہتر انداز میں بسر کرنے کے گریسکامیں گے۔ منظر نامہ کی انتہائی درجہ کی خوبصورت کتاب جو کمپیوٹر لیزر پر کمپوز ہوئی ہے۔

قیمت: -/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ:-

۱۔ ایس۔ اے ہسپتال۔ گاندھی روڈ۔ بلائی۔ ضلع منڈا آباد۔ ی۔ پی۔ ۲۰۲۴۱۱۔

تقسیم کار:-

ڈاکٹر ماننامہ شاہی ہند۔ فلیٹ ۵۔ انصاری مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۲۔

دہلی، اگست ۱۹۹۹ء

کالی داس چیمپارنہ کی طرف سے سلسلہ غائبانہ کی ایک
— اور اضافہ —

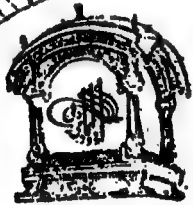
غائبانہ کی قصہ

تصانیف کے بارے میں

مصنف اور کتاب کا نام دونوں ہی اس بات کی ضمانت ہیں کہ کتاب
کا ہر حرف مضبوط مستند ہے

عمدہ کتابت - روشن طباعت مضبوط جلد
اور معیاری سرورق

ڈائریکٹر - ولیم سلی کیشنز - ۱۰، اجولی بھون، انیمیرین لائن
پیشی



اردو اکادمی، دہلی اپنی اپنی اکادمی ہے

بکری

پتہ: گھنٹا گھر، راج گڑھ، دہلی
۲۲۶۳۳۸ ۵۲۶۴۲۱۱

پتہ: راج گڑھ، دہلی

پچا بدم کی جھلکی

جوزف انور

کلی جب چتر ہا میں رنگیت آ رہا تھا... تو کیسے
آنکھیں ملتا ملتا کر رہی طرف دیکھ رہے تھے۔
بندم چھا۔ لا حول ولا اے وہ گیت
پوری تھا۔

”رات بھر سو رہے علی جا پوری“
یہ گیت فردوں کے گانے کے شے ہے۔

ممتاز بیگم: اہم ہے دیکھنے والوں کی باتیں۔
اب و س برسوں کا زاد آج بھی
اگر مرد چل جا پوری“ گانے کے تہہ پر
میں چلا جا پوری“ گانے کے تہہ پر

بندم چھا: اور سچے تو جب کیسے —
سالہ کو زندہ قبر میں نہیں گاؤں۔ تو یہ تو ہے
اس کی وی نے تو جادو کر کے رکھ دیا ہے
گھر کو کشا بکشہ کا تیز تار رکھ دیا ہے۔ ہم نے
سوچا تھا جب شکایت کی وی شاموں میں
حاصل شدہ خود غریب پر تھے تو ہمیں کی تو امید
میں ہمارے شاعرانہ عظمت کا اس میں ہو گا

قسم خدا کی سب کو غرور ہیچ دوں گا۔
ممتاز بیگم: (بادرچی خانے سے) اہی بچوں
کو کیوں کہتے ہو۔ اس میں سارا حضورؐ تھا۔
آؤ دیکھنا نہ تاؤ۔ چشم زدن میں مجاہدین کی فوج
تیار کر کے رکھ دی۔

بندم چھا: (خجرات بھر لے کر) اب ہم
میں کیا کہہ رہے ہیں۔ اس وقت یہ لی دی تھا پچھت
کیس ۲۲ م ۵۵ تھا۔ ہم ذرا چائے تو
پتا دو۔ گیت سارا سلسلہ آدھی ختم ہو کے رہ
گیا۔

ممتاز بیگم: (بادرچی خانے سے) اہی لائی۔
(منورے وٹنے کے بعد بادرچی خانے سے ممتاز بیگم
کے ٹنگٹانے کی آواز)

”رات بھر سو رہے علی جا پوری“
بندم چھا: (دھتے سے) اے اے ممتاز بیگم۔
خرم نہیں آئی۔ کیا وہ بات گیت گاری ہو۔
ممتاز بیگم: (اسی لیے میں) کیوں کیا ہو۔

(بیک گراؤ میں بکے سڑن میں موسیقی)
بندم چھا کا اٹھارہ ہونٹوں کے تھوڑے
ٹنگٹانے۔ کار جہاں اہد — بارگراں
اہد — انما زبیاں اہد... میں ہیں
پکڑ میں آگیا۔ واسطہ کیا سلسلہ آدھے ہے۔
میں اہد میں دنیا میں حضورؐ بہت اچھے
کہتے ہیں کہ پانچ کا ہے انداز زبیاں اہد“
نہجوان انظر! کیا حاصل ہونے میں ہے
میاں خائب کی روئے میں پھر اکٹھی ہوئی۔
(دھتاکر کر گیت بندم چھا کے سر پر گنے کی
آواز)

بندم چھا: (کراہتے ہوئے) اے ماہر ڈالا۔
یہ بال ہے کہ جیت کر مینڈا لے یہ سار بند و تانی
کے غریب شریعہ کے کھلاڑی سیکر گھر میں کہاں
سے آئے۔ اے ادبجو، حضورؐ کا تو غیور و غیور
اے ہر ڈاکھنٹے اس لیے کہ گھر کا والہا۔

مگر وہ کہہ رہے تھے ایک تو...
(وہاں تک کہ وہ اپنے منہ کی آواز)

آواز: پوسٹ میں
بند ہو گیا۔ ذرا نیچے ڈک کا پتہ تو لے آؤ۔
بکثرت روزہ پاس ساتھ شاگردوں کی خدمت میں
اصلاح کے آجاتی ہیں۔

(دو اور دروازے کھلنے کی آواز)
ممتاز بیگم: اسی نئے ہو۔ یہ تو ایک لمبا
ساٹھ ہے۔ ہائے ایشہ! اس پر تو S ہے O.L.
میں لکھا ہے۔ بکثرت میں تو درخت کے پائے
جس کا درخت ہوا ہی ہوگا۔ لاکھ لاکھ اپنی حرکات
سے یاد آجائو۔ سو سب لو اب اپنی گرفتاری کی
خوارش۔

بند ہو گیا: (محب سے) دلہن؟ ذرا
لٹاؤ تو دینا (لٹاؤ کھینچنے کی آواز) تو میں بیگم
کمال کرتی ہو۔ یہ تو آئی انڈیا ریلو ایگریمنٹ
کنٹرکٹ ہے۔

ممتاز بیگم: آں انڈیا ریلو ایگریمنٹ
دانی۔ کیا تم نے پتہ نہ لیا ہے؟
بند ہو گیا: بیگم تو جانتی ہیں اسے بیگم
میں تو جھکی کے لئے بلوایا ہے۔

ممتاز بیگم: مگر کیا ہی جھکیں تو بھائی
اورد کھینچ رہے ہیں۔
بند ہو گیا: اسے وہ کہا جلتے بکھڑے ہمارے
کاروائے نمایاں کا ذکر کر کے اپنے آپ کو بڑا

مزاج نگار کئے گئے۔ غالباً آکاش دانی اس
کو پتہ ہیں یہی حرکات ہم کوئی سرزدی صورت پالتی
پر ہی صورت بند ہو جا رہی ہیں۔ لہذا کنٹرکٹ
مبادو اسے میں بھیج دیا۔

ممتاز بیگم: جیو! تمہارا بیٹا وہاں
سے پہلے کنٹرکٹ دیا۔
بند ہو گیا: (دھندے میں) ہم بیگم
ہم نے پہلے ہی صاحب مشاعرہ میں پڑھی ہیں۔

تیرا وہی شکایت ہے کہ میں تم کو پتہ نہ لے
میں کمال کرتی ہوں۔ جھکی کا تعلق تو وہ وہاں
سے ہے۔ حضور میں اس کا کیا لینا۔ بہر حال ہم

انہیں جھکی ہی نہیں اپنا جولو دکھائی گئے۔
ممتاز بیگم: (خوفنا منہ لپکتے ہیں) اسی

آپ اپنا جولو دکھائی مگر تمہیں خود کی کام ہادی
میں جھکی دکھوادے گئے۔ ہم بھی ملے سلطان سے
کم نہیں۔

بند ہو گیا: تم میں کمال کرتی ہو بیگم۔ یہ
آکاش دانی ہے وہ وہاں نہیں۔ پھر یہ کھانگی
آج تک ہم نے کھی بھی نہیں۔ اس بکثرت آواز سے
دھماکا ہی پڑے گا

ممتاز بیگم: (خفتے سے) کان کون کرشن
لو۔ آکاش دانی جو کہ وہ درخت ۱۱ اردمبر کو
سیر ہی جھکی نہیں آئی تو دوسروں کو تو بعد میں
کھینچوں گی مگر تم میری رقم ضرور تیار رکھنا۔
(دو دروازے کھولنے کی آواز)

ممتاز بیگم: (خفتے سے) ہائے اردمبر
میں آگیا۔ اسی تک کوئی کیونہیں جھکی پیتے نہیں
آیا۔ یہ بھی خدا جانے کہاں جا کر مگر بنے پکار
کہاں جا رہی گے۔ یہ تو وہی آکاش دانی جانتی ہیں۔
(دو دروازے کھولنے کی آواز)

ممتاز بیگم: (خفتے سے) کیا آپ ہی آں
انڈیا ریلو ایگریمنٹ ہیں؟
پروگرام انگریزوں: جی ہاں۔۔۔۔۔ جی
ہاں۔۔۔۔۔ تشریف رکھنے کا مستند۔۔۔۔۔ فرمائیے

کیسے رحمت فرمائی؟
ممتاز بیگم: (اسی انداز میں) رحمت تو
میں بعد میں فرمائی گی پہلے یہ بتائیے آگے ان کی
جھکی آنے والی ہے؟

بیگم: کیسے؟
ممتاز بیگم: اسی ہمارے ان کی جھکی کا
ہم توں سرزدی صورت پالتی پر ہی صورت بند
ہم کے نام سے لکھتے ہیں۔

بیگم: اسی: او! پالتی پر ہی صاحب۔
ہاں اسی صورتی دیر میں ان کی جھکی تشریف
مائی ہے۔

ممتاز بیگم: ان کی جھکی آسکتی ہے۔ بھائی
آواز کی آسکتی ہے تو ہادی کیوں نہیں آسکتی؟
کیا ہم بھی کسی سے کم ہیں۔

بیگم: اسی: مگر تمہیں نہیں۔۔۔۔۔ جھکی
ممتاز بیگم: مجھے پتہ نہیں تھا۔۔۔۔۔ ہاں مگر
آپ کا ہی کون کر ضرور میں۔ اگر آج ہادی
جھکی نہیں آئی تو میں ان کو۔۔۔۔۔ آواز تو کہ۔۔۔۔۔

آپ کو جھوننے والی نہیں۔ وہ بھی ہادی کو جھکی
ہائی گوت اسیرم کھلاوت اور ضرورت پڑی تو
بیگم کی دروازے کھولنے کے بعد آئی گی۔
(جانتے ہوئے قدموں کی چاب کی آواز۔
دو دروازے کھولنے کی آواز)

بیگم: اسی: اسی: یہ آج مجھے کس کا
مذہب تھا۔ یہ کیسی بلا سر آن پڑی۔
یہ آواز کھلاوت بھی ہوئے آیا۔۔۔۔۔ ہاں
میں جھکی رہے گا۔۔۔۔۔ اسے لے لیتا ہوں
ذرا جلدی سے یہ چھٹا آواز کھلاوت تو ہے آ۔
(دو دروازے کھولنے کی آواز)

ممتاز بیگم: اسی: اسی: (دو دروازے کھلاوت)
فرمائیے گا اسی جو جھکی آپ صاحب فرما رہے
تھے اس میں نام مقام اور واقعات سب
فرمائیے جیسی کہ ان کی مطالبت کیے ہم پالتی پر ہی تھا۔
یہ جھکی تو صاحب ذرا دیر نہیں ہیں۔۔۔۔۔!
(ممتاز بیگم کی آواز)

ممتاز بیگم: اسی: اسی: (دو دروازے کھلاوت)
فرمائیے گا اسی جو جھکی آپ صاحب فرما رہے
تھے اس میں نام مقام اور واقعات سب
فرمائیے جیسی کہ ان کی مطالبت کیے ہم پالتی پر ہی تھا۔
یہ جھکی تو صاحب ذرا دیر نہیں ہیں۔۔۔۔۔!
(ممتاز بیگم کی آواز)

ممتاز بیگم: اسی: اسی: (دو دروازے کھلاوت)
فرمائیے گا اسی جو جھکی آپ صاحب فرما رہے
تھے اس میں نام مقام اور واقعات سب
فرمائیے جیسی کہ ان کی مطالبت کیے ہم پالتی پر ہی تھا۔
یہ جھکی تو صاحب ذرا دیر نہیں ہیں۔۔۔۔۔!
(ممتاز بیگم کی آواز)

ممتاز بیگم: اسی: اسی: (دو دروازے کھلاوت)
فرمائیے گا اسی جو جھکی آپ صاحب فرما رہے
تھے اس میں نام مقام اور واقعات سب
فرمائیے جیسی کہ ان کی مطالبت کیے ہم پالتی پر ہی تھا۔
یہ جھکی تو صاحب ذرا دیر نہیں ہیں۔۔۔۔۔!
(ممتاز بیگم کی آواز)

ممتاز بیگم: اسی: اسی: (دو دروازے کھلاوت)
فرمائیے گا اسی جو جھکی آپ صاحب فرما رہے
تھے اس میں نام مقام اور واقعات سب
فرمائیے جیسی کہ ان کی مطالبت کیے ہم پالتی پر ہی تھا۔
یہ جھکی تو صاحب ذرا دیر نہیں ہیں۔۔۔۔۔!
(ممتاز بیگم کی آواز)



جب قلبی ستارے مدارِ جن گئے



● ایسا کہ سچے دل اور ان کے جہاں اور جہاں کے کمال سے غفلت نہ ہو جائے

قلبی ستارے جو ہر دم ستاروں میں گھرے رہتے ہیں، انہیں خود کسی کے منکساری یا نہیں تو یہ جوت کی بات ہے۔
لیکن اگر آپ نے خود ہی ہوش کی کئی تہاری کا ایک بار ذوق سے سمجھا تو پھر آپ کو شاید کچھ بھی ہوگا۔ یہ ہے ہی ان کا حال، ان کے
صحت اور کچھ ہی خدائے میں خواہ جو تمام کا دل وہ جتنی ہے سچائی کے لئے عمری ہوش کے منتہی کا کھنڈہ ہے۔ ان کی
ہستیاں شہسبزی مشابہ شامل ہیں، یہاں کی کئی تہاری، جیسو ہونگے، داخل کی دلی بندہ کا کھنڈہ ہے۔ ان کے
کا کھنڈہ ہے۔ یہ وہ کھنڈہ ہے جو ہوش میں انسان کا کھنڈہ ہے۔ ان کے کھنڈہ میں وہ کھنڈہ ہے۔ ان کے کھنڈہ
کا کھنڈہ ہے۔ ان کے کھنڈہ میں وہ کھنڈہ ہے۔ ان کے کھنڈہ میں وہ کھنڈہ ہے۔ ان کے کھنڈہ میں وہ کھنڈہ ہے۔

نور محمد علی ہوش، وزیر برائے تعلیم، حکومت پاکستان

پیشکش: 1955ء

—

شاعری

جلد ۵۲ شماره ۵

چیف ایڈیٹر
سرور تونسوی

جوائنٹ ایڈیٹر
مطرب محسراتی

اشاعت کا
۵۲ واں سال

اس شمارے کی اہم جھلکیاں

”اس قیمت سے انکا نہیں کیا ہوا سکا کہ اگر میری بیکروائی چاند
سیکورا خدادید اس کا اہم ذوال ہے۔“ بیبل چھوٹ۔

”آقا“ (قلم) سرور تونسوی۔

”تحقیق کا اصل قصہ خطاطوں کی عداوت ہے اور اس کے درجہ
نئے خیالات و انکار تک پہنچا ہے۔“ حلیہ کتب خانہ اہل۔

(خواجہ احمد فراہی)

”مفرد“ (کہانی) شبیر عباس جادوی۔ ”راہِ سحر میں مو ایک

دھبہ خاک“ ”شیر احمد صدیقی کے خطوط“ حسن خیا۔ ”انوار

کہانی“ بڑی اے میر حسن قرآن۔ ”اپنی کتاب“ کہانی اہل۔

”بمبے۔“

”حیرت آتی، بسن خطبندی، مفرد صدیقی، گوہار رحمت شوق،

غنی شاہ جنتی، جمشید مسعود کے عزیز۔

”ماہیا“ ”دیکھ کر اہل۔“

”باب استاذ۔“ ”میر کے کتب خانہ اہل۔“

”مستحق کام پرست“

پنر، بلشر، پروگرام، و قریا پر کاشن سرور تونسوی
طاعت، خواجہ سیراج احمد دلی۔ مقام اشاعت: دختر اہل نامہ
”شاید ہند“ غلیٹ ۵ اعلیٰ ایکٹ عدلیہ کالج دلی ۱۱۰۰۰۲۔

ہند پرست ہوں نہ مسلمان پرست ہوں

دامن پرست ہوں نہ گریبان پرست ہوں

ہر ذوق دہن سے ہے قیاض مجھ کو پسند

یعنی دامن پرست ہوں انسان پرست ہوں

قیاض گو ایاری

محاکب غیر میں۔۔۔
ہندوستان سمندری ڈاک
ہندوستان ہوائی ڈاک
قیمت فی شمارہ۔۔۔ ۱۰۰/- روپے
قیمت سالانہ۔۔۔ ۱۲۰۰/- روپے
واٹس نمبری۔۔۔ ۹۹۹۹۹۹۹۹

غزل

ڈاکٹر حقیر آستانی مرحوم



تکلم ڈھانے کی اجازت کیسی؟
 خوں بہانے کی اجازت کیسی؟
 دل فدا ہے تو فدا ہے اس میں
 لیں زمانے کی اجازت کیسی؟
 وہ تیرا ہونہ سکے گا اُس کو
 آزمانے کی اجازت کیسی؟
 خرم زبیت پہ تیرا حق ہے
 دانے دانے کی اجازت کیسی؟
 اپنے خوابوں میں خیالوں میں اُسے
 پاس لانے کی اجازت کیسی؟
 بیخول بنتی ہی رہیں گی کلیاں
 سُکرانے کی اجازت کیسی؟
 گھر یہ سب کا ہے یہاں جانِ حقیر
 آنے جانے کی اجازت کیسی؟

میں یہ وقت ہے یہ شیر بہ وجہ یہ روئے

جناب سٹورٹ سنوی علیل ہیں، اس لیے ادارہ نہ کر سکے۔
محرم غلام آبادی جاہاں کے لکڑیں خیالات پیش خدمت ہیں۔

معرت محروانی

سیکولر پارٹیوں کیلئے لمحہ فکر

ہمارے کچھ سیکولر رہنما باطنی سیاست پر ایسی چالیں چل رہے ہیں جو ایک عام
انسان کے لئے ناقابل فہم ہوتی ہیں۔

چاہے ان کا مقصد خداؤں سے ہو یا سماج وادی
جن پارٹی سے انھیں گرس ہو یا بائیں بازو کے
پارٹیوں سے، ملک کو درپیش چار حائلوں پر کسی
کے غلط فہمی کی بات کرتے ہیں، غلط فہمی کے غلبے
سے ملک کو گمراہ کر دینے کی بات کرتے ہیں، ملک کے

میں لالچہ دو۔ مبنی انتخابات نے ملک کو گمراہ
کتاب کو ہا کر سیکولر پارٹیوں نے کچھ تجربات سے
کوئی سبق نہیں سیکھا، غلطی جانے اس کو کہہ خود
احصائی کی صلاحیت کی کمی ہے پاکستان میں کسی
کمی۔ جزی و چوب بات یہ ہے کہ سیکولر لیڈر

آگے چالی سیکولر پارٹیوں اور سیکولر
لیڈر تہذیب کے ساتھ خود تہذیب کی طرف اپنی توجہ
کر رہے اس کے لئے خود انہیں بھی لالچہ دو۔ غلط فہمی
لیکھی جاتی ہے کہ یہ ہے۔ ہیں لالچہ دو۔ قوم کو

استقام و سالمیت کے دفاع کی بات کرتے ہیں۔
 جس میں عمل کا وقت آج ہے تو جس میں
 ہمارے لئے یہ حقیقت کسی سے چھپی نہیں ہے
 کہ مجھے عام انتخابات میں آکر ہار دینا ہی ہے
 اپنی کی کھانی کی ایک بڑی وجہ تھی۔ سیکورٹی
 کی قسم۔ قلعہ کی جانی تھی کہ سیکورٹی پر
 سے سبھی سیکورٹی اور سیکورٹی کی قسم سے
 ہمیں ملے گی۔ امن و امان میں ایک دفعہ سیکورٹی
 دولت نصیب ہوئے جس کے نتیجے میں بی جے پی نے
 سترہ برس سے دس تئیس حاصل کر لیں۔

ظاہر ہے کہ اس کا خیال ہے ان کے سامنے
 ہمارے لئے سیکورٹی اور امان و سالمیت پر
 ایسی چالیں ہیں کہ جس میں ایک عام انسان کے
 لئے نا قابل فہم ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر اسی
 کہیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بی جے پی
 خوش حالی میں مبتلا ہے کہ اسی میں اکثر پکڑ پکڑ
 غم و اندھنہ ہے۔ ہمارے سب مسائل حل ہو جائیں گے
 انہوں نے آکر ہار دینے کے نام پر دیکھ کر ہمارے
 انتخاب کے شہر کے اس میں ہار دینا
 دیا تھا۔ اگر اسی میں ہار دینا تو ہمارے
 ہو جاتا تو قلعہ کے لئے بہت خوش ہوتی ہیں
 میں اس کو کوئی بڑا کام نہ مقرر کرتا۔ نام
 تو اس وقت کیا جاتا اگر آکر ہار دینا ہی ہے
 بی جے پی کے سامنے سیکورٹی اور امان و سالمیت
 نہیں۔ لیکن وہاں جو بڑا کام آج کے سامنے ہے۔
 ہمیں زراعت و صنعت کی بات کرنی چاہیے۔ جتنا

دل کے لئے بڑھتی ہے کہ ہمارے دل کے لئے
 فرقہ پرست ہے اور کانگریس صورت حال کو
 جان کا قوت پر قرار دے گا کہ بی جے پی کے
 دونوں کی مخالفت ضروری ہے۔ ایک ٹیم اور
 خبر و اطلاع کے لئے کہ وہ آج بھی ضروری ہے
 نہیں ہے۔ کم از کم آکر ہار دینے کی حد
 تک مقابلہ تھا سیکورٹی اور امان و سالمیت پر

اس وقت فرقہ پرستوں نے نفرت کے شعلوں کو ہوا دے کر
 دارا نسیم کے لئے لگا دی ہے۔ اخبارات کے اطلاعات
 اور وہاں جانے والے و خود کے لئے بدلتے ہوئے کے مطابق
 پرستوں نے ایک سوچے سمجھے سازش کے تحت ہمارے فساد کر رہا ہے۔ ایسے
 وقت جبکہ دارا نسیم کے اسے پسند ہندو اور مسلمانوں کے
 کے دیا ہے کہ وہاں ہی ہے کیا ہم خاموش رہیں گے یا نہیں...

جنری کے ساتھ اجماع ہوئی فضا کی طائیں آج
 نہیں تو سیکورٹی اور امان و سالمیت پرستوں نے
 کہہ دی ہیں۔ آپس میں قاتلین اور قاتلوں کی کشمکش
 انہیں زیادہ دن تک برسرِ پیکار نہیں رکھے گی۔
 اگر ملک کی سالمیت و استقامت کی حفاظت
 کرنی ہے تو انہیں اتحاد و اشتراک کا راستہ
 اختیار کرنا پڑے گا۔ میں کسی پارٹی کو دونوں میں
 دے دوں گا۔ اس حوالہ میں سب سمجھیں۔
 ظاہر ہے کہ بڑی سیکورٹی اور امان و سالمیت کے کانگریس
 کو اس میں پہل کرنی چاہیے۔ لیکن شاید اس
 برتری کا شکار ہے۔ حالانکہ ماہرینِ فضا
 کے مطابق احساس برتری میں احساس کمتری کا
 ایک روپ ہے۔ بہر حال ایسا ہونا ہے کہ ہر سیکورٹی
 پارٹی نے اس کو قلعہ کا سوال بنایا ہے۔ کوئی
 پارٹی پہل کرے تو قاتل نہیں ہے جس کا بڑا کام
 سامنے ہے۔ اسی میں اگر جتنا دل کو جھکست
 نہ دیکھنا پڑا لا جند خیمہ میں کانگریس کو شہرہ کی
 کھانی پڑی۔

اب بھی کچھ نہیں بگاڑا ہے۔ ملک کا بھلا
 تمام کو اجاگر ہے۔ قلعہ کا بھلا نہیں ہے۔ قلعہ کا
 یا تو زیادہ حقیقت پسندی سے کام لے رہا ہے۔
 ایک حالیہ بیان میں انہوں نے بھلائی کانگریس
 تمام سیکورٹی اور امان و سالمیت پرستوں کو فرقہ پرستی
 کے خلاف متحدہ جہاد کی دعوت دی ہے۔

کے درمیان۔ اگر جتنا دل کے لئے بڑھتی ہے
 کوئی ہے۔ بی جے پی کے ساتھ برکت کرتے ہیں۔ تو
 انہیں کھل کے کہنا چاہیے کہ کانگریس فرقہ پرست
 جماعت ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ جس کی کھانی
 آسان کام نہیں۔ ہر کسی انہیں کچھ تو کھانا
 چاہئے ضرورت حال کو جان کا قوت پر قرار دے
 کی حوالہ ہے۔ کانگریس کا انہیں قاتل بنا دینا۔
 سبھی کانگریس کی دکان کی ہے آج کرنا چاہا
 ہوں۔ ان کی طرف پالیسیاں کو تیار کیا گیا
 میری میں نظر میں ہیں اور ان کے خلاف میں بار بار
 اظہارِ خیال کرتا رہا ہوں اور آج شہرہ بھی کرتا
 رہوں گا۔ کانگریس کی طرف پالیسیوں کی بنا پر
 اگر ملک کو نقصان پہنچا تو خود جتنا دل کا
 میں داند ہے۔ کانگریس کی اندھی و غشی میں
 نشستوں کا نوازہ کر کے بی جے پی کو مستند و
 متبرقہ قومی سیاسی پارٹی کیس نے بنا دیا ہے۔

ان کے لئے آوازوں کو دھڑکا کر ان کے تمام
 پر ملک میں آج لگاتار کے لئے بھلائی کے لئے
 خطیاب سب سے ہوتی ہیں۔ بی جے پی کے لئے
 سے کم۔ خطیابوں کی بنا پر کسی جماعت کو لایا
 کردار نہیں بدل جاتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار
 نہیں کیا جاسکتا کہ کانگریس سیکورٹی اور امان و سالمیت
 اور سیکورٹی اور امان و سالمیت میں اس کا اہم دور ہے۔
 ملک کے لئے ہمارے سیاسی حالات اور

جنگ میں بہت سی لڑائیاں لڑی جاتی ہیں۔ لڑائی ہارنے کے سن جنگ بارہا نہیں جیتا۔ منجم کریم اپنی جنگ نظری اور باجی اعتماد کی کمی کی سبب پر انتخابات میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر بھی جنگ جاری ہے اور جاری رہے گی۔ جتنا دل سچ و ادبی جفا پارٹی کا محسوس اور باجی بانڈ کی جماعتوں کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیے اور فرقہ پرست طاقتوں کے خلاف متحد و جمید کا ایک جانب بڑھ کر کام بنانا چاہیے۔

اس وقت فرقہ پرستوں نے نفرت کے خصلوں کو بڑا دے کر وارانسی میں آگ لگا دی ہے۔ اخبارات کی اطلاعات اور وہاں جانے والے دعوٰی کی رپورٹوں کے مطابق فرقہ پرستوں نے ایک سو تین بھی سائرس کے تحت وہاں فساد کر دیا ہے۔ ایسے وقت جبکہ وارانسی کے سنی پسند اور مسلمانوں کے خون کے دہائے گزر رہے ہیں کیا ہم خاموش غافل

ہیں رہیں؟ کیا وقت نہیں آگیا ہے جب کو لازم اور مسلح کاغذی کا پیغام آخر بدیش کے کونے کونے تک پہنچایا جائے؟

جب کسی شہر میں بیٹے کے دبا بھوتی ہے تو اس کا تارک دو سٹوں پر کیا جاتا ہے۔ ایک طرف لوگوں کے بچے لٹا کر اور دوسری طرف امداد فراہم کر کے انسانی جانیں بچانے کا فوری اقدام کیا جاتا ہے اور دوسری طرف صفائی اور حفظان و صحت کے اصولوں پر عمل کیا جاتا ہے تاکہ آئندہ وبا نہ پھوٹے۔

وارانسی میں حالات کو معمول کے مطابق بنانے کے لئے ضروری ہے کہ فوری طور سے مرکزی بنیادوں سے اور بشمول ضرورت کو حق سے وہاں بھیجے جائیں تاکہ وہاں کے لوگوں اور خصوصیت کے ساتھ اقلیتی آبادی کا اعتماد بحال کیا جائے۔ اس لئے کہ جو وہاں رہائشی حکومت اور حکومت

کی مشنری اور مصیبت کے ساتھ ہی اے سی کی کارکردگی پر اعتماد نہیں رہا ہے۔ دوسری طرف سیاسی سطح پر فرقہ پرستی کے خلاف متحد و جمید فرقہ گردی جانی چاہیے تاکہ فرقہ پرستوں کے ہر کام کو ہر وقت کے شعلے آخر بدیش کے ڈوسٹر شہروں اور قصبوں کو اپنی لپیٹ میں نہ لے سکیں۔ اس تناظر میں مسلم سنگھو یا دو کی حقیقت پسندانہ اپیل کا خیر مقدم کیا جانا چاہیے۔ اور سیکولر طاقتوں کو اپنا تاریخی رول ادا کرنا چاہیے۔ نازی جرمنی کی تادمیج ہمارے سامنے ہے۔ ایسا نہ ہو کہ حفاظت کے شعلے ہمارے تمام اعلیٰ قدرتوں کو جلا کر خاک کر دیں۔ نہ صرف آخر بدیش بلکہ ہر جگہ کے دفاع کے لئے سیکولر اتحاد لازمی شرط ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اور جو بے فکر مردم حقیقت خود کو سنو ایمین ہے مانی نہیں جاتی۔

آقا

امیدوں، قضاؤں کی بختیاری
میرے نام بھی گئی مشہور یاری
قلند نے چٹا گھما!
مرے ہاتھ میں روشنی دھوپ سہا

قلند نے چٹا گھمایا
میرے ہاتھ میں روشنی دھوپ سہا
اُچھٹے ہوئے پانیوں کا تھوڑا
میرے ہاتھ میں موسموں کا تقوف
ہواؤں کے چکاٹنا میرے نہیں
حرارت، برودت میرے دسترس ہیں
مرا زور شامل ہے ہر دم گس ہیں
میں رزمی، رساں ہوں
پیار و خزاں ہوں
میں گن ہوں نہ میرے ناخنوں سے

نہیں دھوپ بھی روشنی نہ سہا
سردار شفیق

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

تحقیق کیا جیسے تمام انسانیت اور انسانی مہم سے
 دینا بڑی کچھ حقیقت یہ ہے کہ کچھ ایسی کچھ چیزیں
 نہیں ہوتی جو انسانی وجود کے لئے ضروری ہوں
 جو سرور الہی کے لئے ضروری ہوں اور ان کے
 جو کہیں جانتے ہیں ان کو دیا جاتا ہے اس نے سوچا کہ
 مجھے سے تمام کچھ ہے کہ ان کے لئے ہوتا ہوں کہ ان کے
 علی کام کے لئے ہوتا ہوں کہ ان کے لئے ہوتا ہوں
 کہ ان کے لئے ہوتا ہوں اور ان کے لئے ہوتا ہوں

سائنس کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ نہ بڑھا ہوتا
 ہے لیکن قیصر غلط ہے ہر سائنس نہ بڑھا کر، جو کچھ کہے
 کہہ دیا میں سائنس کا ذخیرہ پانچ بار بڑھ کر رہ گیا ہے۔
 قیصر کا عمل مقصد کے متعلق اس کی دیانت ہے
 اور اس کے ذریعہ نئے خیالات و افکار کو پھیلنا ہے
 کسی کچھ اس کا مقصد قیصر اور قیصر کا شہر ہے کہ
 یہ کارڈ کی دینی *Cardinal* نے جو عقل
 تصور ہوا سائنس کی بنائی ہے اس کے متعلق بحث جاری
 ہے کہ اس کے چرچہ پر ہے جو اس کی سرکوبت ہے وہ اس کی
 کو تازی کرتی ہے۔ اس کی سرکوبت پر یہ دیکھ رہی ہے
 کہ جس کو عقلی نہیں اس کی کچھ ہے عقلی شیعہ نہ ہو سکا
 اس کے برعکس کچھ کی طرح ہی ہوتی ہے اس کی

شرعاً ضرورت میں تحقیق بحث و مذاق کا نام عقل
اگ کی مدد یافت اعداد کی خاصیت دونوں اتفاق ہی
سے معلوم ہوئیں اگ سے کسی کا باقہ مل گیا اس سے
بعد یہ نظریہ عام ہو گیا کہ اگ جلاتی ہے۔

میں کی صحت بعض بڑی بوٹوں اور کسانوں کی
چیزوں کے متعلق ہے ایک خاص مہینہ اور خاص وقت
میں پھل - Fruit - لگے گھر یا کھانے سے
کی خاص شخص کو نقصان پہنچا، چھڑاں کو عورت
اور بادی گئی اور ان چیزوں کا حامل استعمال خاص موسم

بلکہ زندگی میں خاد کے وہ قیدیوں میں لڑائی
 ایک قیدی سردار کے پاس آیا اور کہا، سردار
 کہہ کر فرمیں ہے اتنا میری آنکھوں کے سامنے
 بندوں میں لڑائی ہوئی، جبکہ فوج کا سر پہنچ
 رہے تھے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی برابر خون
 بہا ہے۔ مجھے امید نہیں کہ وہ جابز ہو سکے گا، سردار
 ی آواز اس نے کہا میرے سامنے کسی کی
 پر لڑائی لڑیں دی نہیں ہیں کہ وہ شاید یہی
 مانگو ہو سکے۔ تنہا دیر کے بعد ایک اور قیدی
 اس نے بھی سردار کو ملحق ہو کر واقعہ سنایا
 ایک کی ناخوشی پر لڑائی نہیں ہو سکی کہ وہ مشکل سے
 پھر کے گئے، سردار نے اپنا سر پہنچ لیا اور دل
 بہا میں دنیا کی تار کھلا کر رہا ہوں جس میں
 شایہ آدم سے اس وقت تک کے حالات اور تعلقات
 آج اور وہ قیدیوں پر پہنچا ہوں۔

اور جو کہ اس کا سیدلہ بھی لائے رنگ نہیں ہے۔ میری
مدد کے اور ایک اس کا سیدلہ صاف ہے۔ یہ پانچویں بھی
آج ہے۔ نویں نمبر۔ حاضر ہو کر شکیں سہلانیں وچ رہ
ایک تبصرہ لکھ رہا اس طرح کا بحث مباحثہ ہے۔ ا
میں پہلے شل صاحب کا نام ہی نہیں سمجھا
میں کل آباد کیجئے ہیں۔ یا کائنات ہیں۔

خاک اودے دے مارا اختلاف بیہوش کر لیا۔
 میرا اختلاف ہے۔ بلکہ ایک عداوت پسند خاندان ہے۔
 سسرال کی ذاتی دیگر بھی پریشانی تھی ایک مرنے والے
 ملک و کیسیوں کا کھڑا کر دیا ہے پر وہ جاتا رہا۔ سزا کی
 حسیب تھی جو خاتون اس کو کھال کرتی تھیں ان
 کے پردہ واجب مسئلہ منشی نے ہر مشق کو بہرہ پیش کیا
 ہا کہ نہیں دلا سکتی تھیں۔ انیسویں صدی کے شروع
 میں بائبل کا پڑھنا شہاد کے دستور کے خلاف تھا
 ہمارے گھر میں حکم نہ تھا کہ کتب کے سب ناول تھے لیکن
 دیکھیں کہ یہاں نہیں تھی کہ انہیں ادا کر سکیں۔

شیخ سہارک غفلت اس میں جو فتنہ ہے وہ ظاہر ہے۔
میر تقی میر کیس برس کے بعد آگ ایک عالم کے
یاس مجھے غفلت نے میر کی شمع خاک شعلہ راہ اسرار
کیا اور کہا، اپنی شمع خاک اہم شاکر موجب منہا غافل
دستا چنگان ست، دلیل ست کہ طویل ہر شعلہ راہ
اگر وہ واقع چنیں است مرا کمال من و اگر اندر رہے۔
میر صاحب نے سدا در سرائے میں توبہ اللہ
کہ صاحب کلام آئندہ اس کے بعد میر صاحب لکھے ہیں
کہ وہ امن میر سے کہنے کو نہ کجا اور بہت خوشی ہوا
ہے مگر فتنہ در فراموشی آدم۔
ان لطیفوں کے ایک شخص اسی وقت شاعر ہونے لگا
ہے جب وہ تیرہ و چہ بیب اور زبان و لب سے بولی

مٹے ناساں رکھتا ہوں۔ ریس کا مستند بخشہ با گل
لالہ کی دھاریاں گنتاں ہیں ہے اور نہ یہ دیکھا کاغذ
ہر جگہ کئے پڑے دھول کو پتہ تھے یا انھوں نے
عرف دو شخصہ کہے تھے یا وہ ایک ہن کی بڑائی
کار حرف اس میں نہیں ہے کہ انھوں نے کیا کہا بکواس
میں بھی ہے کہ انھوں نے کس طرح اور کس انداز سے
کہا ہے۔

حقیقت کے ہزار پہلو ہیں اور ہر پہلو پر کتاب
لکھی جاسکتی ہے۔ یہاں حرف چند اشعار کے لئے لکھے ہیں
لیکن آفریں ایک بات پر بھر دودھ دینا ہے اور اُدھے
بار در میر آج کے کوئی حق میں امتیاز اور صحت کا خیال
سب سے زیادہ ضروری ہے۔ ہمارا حافظہ چاہے پورا عقل

ہی کا نہ کیوں نہ ہو۔ لیکن کسی واقعہ یا بحث کو بیان
کرنے سے پہلے اس کی ضرورت ضروری ہے۔ ممکن ہے
ہمارا حافظہ غلطی کرے یا ہو۔ فتنہ دینی نے مز باق نامہ
کی ترتیب و تفسیر میں بڑی جان نثانی تھی اور اس کا
خیال تھا کہ اب اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ لیکن جب
فتنہ دینی کا مرتب کیا ہوا نسخہ انگلستان سے ایران
پہنچا تو اس میں بیسیوں غلطیاں تھیں۔ جو ان کے ضعیف
حافظہ کی بدولت پیدا ہو گئی تھیں۔ فتنہ دینی نے کان
پکڑے اور کہا کہ اب اگر نقل جو اصلہ بھی نقل کرنا ہوگی
تو اسے پہلے قرآن مجید میں دیکھ لوں گا کہ حرف حافظہ
پر بھروسہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

غزلیں

و کا غفلت سے اہل فکر میں شادی جاہلیں گی
غلیبیں دھن دھن دھنوں پر سجاد ہی جاہلیں گی
نگلی غصوں پر غصاؤں میں غادی جاہلیں گی
اس طرح جذبات کی جھلکیں گادی جاہلیں گی
اس جہلی کی ہر اک راہ اک غصہ ہے
وقت کے غصوں پر غصہ ہی غصہ غادی جاہلیں گی
گر کچھ ہیں ذمہ دار ان چمن یہ غصہ
آشیا کے ساتھ خاص ہیں غصہ غادی جاہلیں گی
ہو چکی ہے نغمہ کی بدست دیا تو کیا ہوا
شہ ہے ہیں دھن دھن سادی غصہ غادی جاہلیں گی
کوئی مانے یا نہ مانے ایک دن وہ آئے گا
نفوس کی ٹوٹی دروازہ غصہ غادی جاہلیں گی
تکشف ہوئے نگاہ کے مجھ پر اب میرا جو
اب سناں میں بھی رہی شاید غصہ غادی جاہلیں گی
تو کہ کہیں مریض سادوں کی بندہ نشیں
سادگی سے خوشی غصہ غادی جاہلیں گی

غصہ ہے ہمارے بھی جہانے کا غصہ
پہنا ہم سترت سے نہیں کم یہ خبر بھی
ہوگا جو غصہ ہم کے غصوں سے نشا
دیکھو گا وہی دھن آواز ہر گھم
ہر درد کی ہر راہ ہے یہ درد مجھ
اس درد سے واقف ہی نہیں ہیں میری
معلوم نہ تھا اپنے ہی غصہ کا کیا وقت
ہو جاہلیں گے اب دھن و سب ہنر بھی
وہ جس کے غصہ میں ہو بیدار نہ ہونا
بکا ہے اس کے گلے آواز ہر بھی
ہیں ہنر ناشانی بھی اب غصہ ناشانی
آیا ہے جو غصہ خانہ دھن کا دھن
میں نشو و نما ہے جس کے ہنر
خود میں نے سنی ہے ہنر کے ہنر بھی
بلوہ ہو کہ ہنر ہو کہ آواز ہو کہ غصہ
مقرر ہے ہر اک غصہ غصہ غصہ

یوں جلا ناؤ دیکھو کہ ایک ہوا نے کہہ
کیا کہو تھے غصہ اسے ہر ستم ڈھالنے کے بعد
ہے اپنے لئے کی بڑائی غصہ ہی ابھی نہیں
جو میں کہتا ہوں کہنا فتنہ فرما نے کے بعد
بار سانی کی یہ باتیں شام تک تو تھک ہیں
بڑا اثر رکھتے ہیں نام دھن جانے کے بعد
سوچے تو وہ حقیقت ناہ و غفلت ایک ہیں
فرق کچھ ہوتا نہیں جاں سے گزرا جانے کے بعد
دھنوں سے دھن کا اذن کوڈ رہتا نہیں
جو جانیے ہیں رستہ غصہ کو کہنے کے بعد
دھنوں کو دھنوں دھنوں دھنوں کی ہنر میں
کوئی تھے ہنر نہیں جگہ میں کو جانے کے بعد
ہر طرف دھن دھن ناہ کا بیان ناہ کا بیان
ہوئی ہیں دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن
دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن
باد کے دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن

گو بال کرشن شفق

مقرر ہنر

بہمن نقش بند

آپ کی
اور آپ کے کاروبار میں
ترقی کا ضامن
ہو جائے گا



نصف صدی سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک اہم اور منفرد
حیثیت کا حامل
ہو جائے گا

آپ کا اپنا بینک

مبئی مرکنٹائل کو آپریٹو بینک لمیٹڈ

(شیدڈ ولڈ بینک)

جو سماج کے ہر طبقہ کا ساقی اور مددگار ہے [۱۹۵۱] جہاں فارین آپریٹنگ سے متعلق سبھی
سہولیات دستیاب ہیں [۱۹۵۱] جہاں جمع کی کئی قسم پر دوسرے کاروباری بینکوں

سے ایک فیصد زیادہ منافع ملتا ہے

ہمارے کھاتے واری ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

عازمین جو کینے خرر مبادی لہ کے خصوصی استقامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین معیاری خدمات کا نمونہ ہیں

دھولی آفس
۳۶۵۵ نیتابی سہاش مارگ
دریاچ نئی دہلی ۱۱۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵

فلان الکن جینج ڈپارٹمنٹ
۳۶ نیتابی سہاش مارگ
دریاچ نئی دہلی ۱۱۰۰۲
فون ۳۲۷۴۳۷۲
۳۲۷۷۷۷۹
ٹیلیکس ۳۱-۷۷۸۷۲ ZAINH

مبئی آفس
زین رنگون والا بلڈنگ
۸۷ مور علی روڈ
مبئی ۴۰۰۰۱۱ ہمارا انشرا



جب فلمی ستارے مداح بن گئے



● اداکار سنجے دت اور ان کے بہان نور محمدی ہوٹل کے کھانے سے ٹکلف اندوز ہو رہے ہیں

فلمی ستارے جو ہر دم مداحوں میں گھرے رہتے ہیں جب خود کسی کے مداح بن جائیں تو یہ حیرت کی بات ہے۔ لیکن اگر آپ نور محمدی ہوٹل کی نئی نہاری کا ایک بار ذائقہ لیں تو پھر آپ کو تعجب نہیں ہوگا۔ یہ ہے ہی اتنی عمدہ، لذیذ اور صحت مند کہ پہلے ہی نزلے میں خواص و عوام کا دل موہ لیتی ہے۔ اسی لئے نور محمدی ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں بڑی بڑی ہستیاں، مشہور فلمی ستارے شامل ہیں۔ یہاں کی نئی، نہاری، سمیچہ، پائے، ماش کی دال اور دیگر کھانوں کے پیچھے ۹۰ سال کا تجربہ اور جناب عبدالکیم ملک نور محمدی ہوٹل اور ان کے فرزند خالد حکیم کی ذاتی نگرانی شامل ہے جس نے اسے ممتاز بنایا ہے، آپ یہاں شریف لاکر شوق فرمائیں، اپنے احباب کے لئے گھرے جائیں یا پانی کے لئے جائیں۔ آپ اور آپ کے بہان ذائقہ کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

نور محمدی ہوٹل، وزیر بلڈنگ ۱۸۳/۱۸۱ ای۔ آر۔ روڈ، بھنڈی بازار، بمبئی ۴۰۰۰۰۴

فون ہون: ۵۵۱۱۰۰۸ فون دفتر: ۵۵۱۶۱۱۵

خوابہ ہندو دہلی، ستمبر ۱۹۹۱ء

مفسر

شبیبہ عباس جاوچی

گھنٹہ بیٹہ کر چلا جاتا۔ ایک دو خانہ سالانہ لے
محبوب سے کہا کہ وہ ڈانگن لے کر آئے اور فارم
لے آئے۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ اس کا نام
شیر محمد و دوستا اور وہ کسی دوسرے شہر کا
رہنے والا تھا اور پھر اس ملازمت کو جواز الا میں
مقیم تھا اور وہاں اپنے دور کے رشتہ داروں
کے یہاں رہتا تھا جنہوں نے اسے اپنے مکان کا
ایک چھوٹا کمرہ دے رکھا تھا۔

پھر اس کے بعد شیر محمد و دوستا بھی
ہوٹل میں آئے تو محبوب سے طبعی میل لگا اور
دو دن آپس میں ایک دوسرے کی خبر گیری
دریافت کرتے، دونوں میں ایک قسم کی دوستی چلتی
چاری تھی۔ پھر یہ تعلق گہروں بڑھا کہ اکثر مشیر
محمد و دوستا ایسے وقت ہوٹل آتا کہ وہاں ہوٹل میں رخص
بالکل نہ ہوتا۔ پھر یہ دونوں ایک دوسرے سے دنیا
چھان کی باتیں کرتے۔ محبوب نے چند مرتبہ ہوٹل
کے مالک سے بھی ملی اور دونوں سالانہ تنخواہ بھی دیکھنے

ہوٹل کے مالک پر دھری فضل دین اور ان کے
دو جوان بیٹے ہوٹل چلاتے تھے۔ ہوٹل میں ایک
خانہ سالانہ، دو بیسرے اور دو مشین لکھتے
جن میں سے ایک محبوب تھا۔ ہوٹل تھا تو ریل پل
میں جو ایک بڑا و مشہور بازار تھا لیکن اس کا ایک
بھلی دروازہ ایک چھوٹے بازار میں جس میں جینز
کپڑے کی اور جزل اسٹور کی دوکانیں تھیں،
یہی گفتا تھا اس چھوٹے بازار میں دوکانوں
نے پورے بازار میں کپڑے کا سا شان تانک رکھا
تھا۔ جس سے گاہکوں کو بازار میں دھوپ
کی شدت سے نجات مل جاتی تھی۔ دوکانیں بڑی
کے کیڑوں کی جی ہوئی تھیں جن کے سامنے کوئی
کے تھڑے بنے ہوئے تھے۔ چھبڑت کو ہوٹل بند
ہو جاتا تو محبوب انہیں دکانوں میں سے ایک دکان
کے تھڑے پر سوجاتا۔

جو ٹی میں محبوب کا ایک ہم عصر دوست تھا
روزی شام کو چائے پینے آتا اور ہندہ منت کو

جو میراؤ اور شہر کے ریل بازار میں پر دھری

طعام گاہ کے نام سے ایک ہوٹل ہے۔ محبوب اسی
ہوٹل میں برتن دھوئے ہر ایک ماہ قبل لادم ہوا
تھا۔ محبوب کا پورا نام راجہ محبوب حسین تھا اور
وہ اپنے گھریلو حالات سے تنگ اگر گھر سے جاگ
آیا تھا اور اس نے اس ہوٹل میں ملازمت کر لی
تھی۔ محبوب اکثر پاس تھا لیکن اس کے گھریلو
حالات بگڑتے غلاب اور پیچیدہ ہو گئے تھے کہ
اس نے اپنی اچھی بھلی لڑکی کی کسمپرسی کو دیکھا
اپنے گھر وہ دونوں جگہ سے فرار حاصل کر لیا۔ کچھ
دنوں تک جب تک کہ اس کی عیب میں گھر سے
لائے ہوئے پیسے رہے وہ مختلف شہروں میں گھومتا
رہا اور جب اس کے پاس رقم بالکل ختم ہو گئی
تو اس نے ہوٹل میں نوکری کر لی۔

محبوب کی عمر تیس سال تھی۔ ہوٹل میں
چھبڑت سے لیکر رات گھبراہ بچہ تک کھلا رہتا

گئے۔ وہ دونوں میں یہ شہرت اس لیے برسی کہ دونوں
شہر میں نئے نئے اندھیرے پیدا ہوئے تھے۔
ان دونوں کے شہر میں نئے ہونے کے سبب
ان کی دکانیں دوسرے لوگوں سے نہیں ملتی۔

لہذا ان دونوں نے ایک دوسرے کو
دوستی سے ملا لیا یا تو دوست بن گئے۔ اب ان
کو ایک دوسرے کے حالات کی بار بار خبر دیتی
اور دونوں اپنے معاملات کے سلسلے میں باہم مشورہ
کرتے۔ لیکن اس تمام گفت و گو کے باوجود ایک
بات ایسی بھی تھی کہ وہ دونوں کو ایک دوسرے
سے بیگانہ بنا تی تھی۔ وہ یہ کہ انھیں محبوب میں
ہر گھر اپنے گھر سے کھانسی کر آیا تھا اس لیے اس
نے اپنے شہر اور محلے کا نام مشیر محمد کو پھینک دیا
باوجود انہیں بتایا تھا۔ اور جب محبوب نے
بار بار کے اصرار کے باوجود بھی اپنا پتہ نہیں بتایا
تو مشیر محمد نے بھی پوچھنا چھوڑ دیا البتہ پھر
پوچھا کہ مشیر محمد نے بھی اپنا مستقل پتہ محبوب
کو نہیں بتایا۔ اور پھر دونوں میں اس بار سے
میں ایک طرف کا خفا محسوس معاہدہ ہو گیا۔

پھر ایک دن گرمیوں کی پختی وہاں میں جب
بازار ہوئی اور دس گھنٹیں حب سناں پڑے
تھے، مشیر محمد بول آیا اور یہ دونوں دوست
بول کے پاس ہی ایک بندکان کے قریب رہ
چھڑ کر باہمی کرنے لگے مشیر محمد نے محبوب کو
بتایا کہ جس گھر میں وہ رہتا ہے وہ اس کے
بہت ڈوبے کے قریب ہیں اور صاحب خانہ
اس کے چھٹے ہیں۔ ان سے ان کی قریب داری
اتنی ڈوب کی ہے کہ گھر والا آنے سے پہلے نہ تو
مشیر محمد ہی ان پر اسے واقف تھا اور انہوں
نے ہی اس سے قبل اسے دیکھا تھا اس نے بتایا
جب گوجرانوالہ کے لاک خانے میں اسے ملازمت
کی تو اس کے والد نے اپنے رشتہ کے کان بھائی
کے نام ایک خط لکھ دیا۔ جس میں اس کے
والد نے انہیں مشیر محمد کو اپنے گھر لے کر آ کر
کھانے پینے کے انتظام کے لئے لکھا تھا اور اس
کی اس کے والد نے مشیر محمد کو تاکید کی تھی کہ

وہ اپنے تمام وقایع کے عوض مناسب رقم
برادہ چھوڑ دے دیا کہ وہ مشیر محمد کے محبوب
کو بتایا کہ اس کے چھڑا کی دو دکانیں ہیں بڑی
کا نام دیکھنا اور چھوٹی کا نام شہباز ہے۔ اس
کہا کہ شہباز جتنی زیادہ خوب صورت ہے بڑی
رہنا نہ اتنی زیادہ بد صورت ہے۔ اور یہ
کہ وہ بھانجے کے علاوہ اس کے والدین جتنے بھی رشتے
آج تک گھر گھار کر لائے وہ سب واپس چلے
گئے اور اکثر بڑے والے جو بڑی کیلئے رشتہ دیکر
آئے وہ چھوٹی کو پسند کرتے اور پھر وہ دن دیکھ
جس کو اس کے والدین یہ کہہ کر لے دیتے کہ چلے
بڑی کا رشتہ ہو جائے پھر چھوٹی کی شادی کریں گے
یا پھر دونوں کی ساتھ کریں گے اور صاحب اس
طرح لٹا جا رہا ہے پھر بعد کی طاقاؤں میں مشیر
محمد نے اسے ایک نئی شہرت کی اطلاع دی وہ
یہ کہ اس کے چھڑا اور بیٹی چاہتے ہیں کہ میں دیکھنا
مے شادی کر لوں اور ان کی اس بلدی کی شادی
سے اور وہ ان کی طرف سے بھی قریب اور اقرب
سے وہ بھی ظاہر ہو کر آجائے کہ وہ وہاں کو چلا جائے
لیکن حقیقت میں وہ اور شہباز ایک دوسرے
کو پسند کرتے ہیں اور اس سلسلے میں گھر میں بھی
خامی محسوس رہتی ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا کہ
اب اسے گھر میں بہترین کھانا، علوہ پراکھانڈے
اور کھجور اور سب دینے لگے ہیں اور سب گھر
والے اس کے مسائل میں بے حد دلچسپی اور فکر مند
ظاہر کرتے ہیں اور اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔
پھر بعد میں اس نے متعدد بار ایسے واقعات
بتائے کہ ان میں نے شہباز سے گھر میں کھانا
منگایا اور وہ جب وہ کھانا لیکر آتی تو میں اور وہ
باتیں کرنے لگے کہ اتنی دیر میں بیٹی انہیں کھانا
کو اس کے گھر میں واپس بھیج دیا اور وہاں کو
آواز دے کر میرے پاس بھیج دیا اور وہاں کو
دے کر تاکید کی کہ وہ میرے کھانے اور پانی کو
لا خیاں نہ کھا کر دے پھر وہ کو کھانے میں شہباز
باتیں کر رہے تھے کہ وہاں آگئی اور شہباز کی اس
نے میرے پاس سے اطلاع اور خود چھڑ کر اپنے

گھر میں جو شہباز سے خوش دلی ہے باقی کر
تھا، محبوب کو دکھاوے کے طور پر دیکھنا
باتیں کر لگے۔ مشیر محمد پر روزانہ ایک دن
چھوڑ کر بچے اور واقعات کی تفصیل بتاتا تھا
سوچتا کہ وہ کبھی شہباز کو روایت کس کس
بیٹھتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک جتنے تک مشیر محمد بول
نہیں آیا تو محبوب کو تشویش ہوئی۔ دین
مزید انتظار کرنے کے بعد محبوب کو کھانسی کی تو
معلوم ہوا کہ مشیر محمد دس بارہ دن سے ڈاکھانے
اپنی بیوی پر نہیں آئے اور ایک دن وہ کھانے والا
محلے میں واقع اس کے چھڑا کے گھر گیا تو وہاں سے
بھی کوئی جواب نہیں ملا یہ تو صاف ظاہر تھا کہ
جو وہ اب مشیر محمد کو کہیں اور چلا گیا تھا لیکن
اسے یہ تعجب تھا کہ اگر مشیر محمد کو شہر چھوڑ کر
چلا گیا تھا تو وہ اس سے غریب ملاقات تو ضرور
کر کے جاتا بہت کچھ سنے کے باوجود بھی محبوب
مشیر محمد کے یوں بھانک غائب ہونے کی
وجہ کو نہیں نہیں آئی پھر ایک دن ایسا ہوا کہ محبوب
کو اپنے گھر داخل کیا دے بہت سنبھلا تو اس
نے اپنے پتے اور غریب سے ملنے کے لیے گھر چلا
کو خط لکھ دیا۔ خط لکھنے کی محسوس کے گھر والے
اگر محبوب کو اپنے ساتھ لے گئے۔ محبوب ایک
مرتبہ پھر اپنے گھر واپس پہنچ کر لاڈ و بار زندگی
میں معروف ہو گیا۔

وہ جاتے تھے موسم بدل گئے ان کے جگہ بہت
گئے، لاڈ و بار دنیا اسی طرح چل رہا تھا میسا
اُن سے چالیس سال قبل زندگی اسی طرح
دعاں تھی صرف اس وقت اور آج کے مشیر
حسین میں بہت فرق ہو چکا تھا۔ اس وقت
جب محبوب حسین ایک نوجوان تھا اور انہیں
اس کے سر میں آٹا دکھائی کالے بال نظر آتے تھے
عصوب حسین آٹا اپنے چمک سے دھو رہا
اپنے کھیتوں کے پاس ایک دھت کے بیجے کھا
کھانے کے بعد محض اس پر تھے۔ اُن کے کھیتوں
کے پاس سے ایک ٹرک گاہ توڑتی تھی جو ایک ٹرک

درواہ سے بڑی مسرت تک میں سیر کے لگت
 کھنگریل تھی اداس کے دوسیاں میں محبوب
 صبر کے گھٹکتے تھے۔ کل رات میں اس درواہ
 لاسالادہ مرسن تم ہو تھا ادب کی جگہ سے
 فرسین میں شریک بننے والے لوگ تا غور سے
 سائیکلوں پر سیرول میں یا پیدل بڑی سیر
 کی طرف جارہے تھے۔ جہاں سے ہمیں اپنی
 منزل کی طرف روانہ تھا۔ کچھ دیر کے بعد ایک
 آدمی جو محبوب صبر کی کام کر رہا تھا بڑی
 چوڑی کچھ دیر چسکتا نہ کے علاوہ وقت کے
 پیچھے اگر سلام دعا کے محبوب صبر کی کوس
 پہنچ گیا۔ محبوب صبر نے تجھے کی کڑی زور
 کی طرف گھما دی۔ جب زور دیکھ دیر کے بعد
 تھکن کم ہونے کے ساتھ ساتھ ہر شکون ہوا تو
 محبوب صبر نے پوچھا۔ بھائی صاحب آپ
 کا نام کیا ہے، تو زور دے جواب دیا وہوئی
 کاغیز ہوں، چوہدی میرا نام کیا ہے چند لمحوں
 کے بعد پھر محبوب صبر نے دوسرا سوال کیا کہ
 آپ کہاں کے رہنے والے ہیں، تو زور دے
 وارث شاہ کا رہ گھوڑا اٹھایا۔

”شعین صبر، فیروز اور میں کیا“
 اور ساتھ ہی زور دے انداز پر خود ہی خود
 کلائی کے طور پر پیر پیر پڑھے۔
 دو گویاں دانگ موبیاں دیسی پھٹے
 اسال قات صفات سے کہیں کہیا
 وطن وصال دے تلے ذات جوگی
 ساڈا دیسی قبیلڑا خوشیش کہیا
 چوڑا وطن سے ذات فارصیان رکھ
 کوشیا دار ہے اور دو ویش کہیا
 محبوب صبر نے جب دیکھا کہ ان کا ہر
 وار قابل جا رہا ہے تو خوش ہو رہے لیکن
 یہ سوچ کر کہ آدمی دلچسپ اور پراسرار ہے
 زور دے دیکھتا تھا چہی زور دے گاتھے
 پر چوٹ کا ایک شگاف نظر آیا۔ محبوب صبر
 کچھ صبر نہ کر سکا، جب میں گھر کے ہوا ٹھکر
 ہاں تک کہ وہ محبوب صبر سے مل کر سوال کیا،

بھائی آپ کا نام شہر محمد تو نہیں ہے، اپنی
 شہر کا ہے جاتے تھے کبھی اور محبوب کو خود
 دیکھ کے بعد ہوا، میں میرا نام ہے تو پھر تم لیکن
 تم کچھ کس طرح جانتے ہو کہ جب محبوب صبر نے
 تفصیل بتائی تو دونوں دوستوں نے زور دے
 مصافحہ کیا اور دونوں زمین پر بیٹھ کر محبوب
 صبر سے پڑانے دوست سے کھانے و پینے کے
 مشق اور ایک آدمی اپنے گھر گھر نہ کھاتے کہا
 لیکن شہر محمد نے انکار کر دیا تو جب محبوب صبر
 نے بعد ازاں کہا تو کچھ دیر کے علاوہ اس کے گھر
 جانے کے علاوہ رشتہ مند ہو گیا۔ گھر کا ہر دو
 دوست چار پائی پر بیٹھ گئے۔ سامنے ایک چوڑی
 مویشی بندے ہوئے تھے شدید گرمی تھی اور میں
 بھی تھک کر رہ گیا، کچھ دیر کی ایک ڈیڑھ گھنٹوں میں
 کٹورہ بھائی تو پتی آسمان کی طرف منہ اٹھاتے
 پکار رہی تھی، دلا لیاں اڑاں کالے دونوں، مینہ و
 سادے زور زور۔

میں پانی پینے کے بعد اداسی گھٹانے کے حکم
 پر محبوب صبر نے شہر محمد سے پوچھا کہ وہاں کا
 کرتا ہے۔ وہیں سے فرزند رسول زور دے کہ میں
 اسکی بیویوں، ”شہر محمد نے جواب دیا، اسانے دوست
 کے دیانت کرنے کے باوجود اسے پتہ نہ تھا کہ میں
 بتایا۔ اچھا دوست یہ تو جادوگر تو میرا چہرہ چاک
 اور میری کواطلا دینے کیوں اور کہیں چلے گئے،
 محبوب صبر نے میری خبر کر لیا، دوسرا گیا تو
 میں کسی خاص جگہ نہیں تھا بلکہ مختلف ٹھکانوں میں پھرتا
 میں گھومتا پھرتا ہوتا رہنے آتا گاؤں میں کچھ نہیں
 گیا اور نہ ہی کسی عزیز کو کچھ ملے گا، اللہ کی اس
 ایک طرف میرے سے ایک قصبے میں جو کہ چھوٹا سا علاقہ
 ٹھکانے میں سے خدا کی بھلائی کی اطلاع کوئی نہیں پہنچی
 اور یہ کہ شادی کیا پانچ سال بعد سے کہہ سکتی۔
 یہ کہہ کر میری حالت بد گئی، جب صبر صبر نے دیکھا
 کہ میری اصل سوال کا جواب بھول کے صبر یا جان
 بہ چوڑی ہے تو اس نے صبر پر دھڑکا۔ میر
 کوئی تھک رہا تھا کچھ صبر صبر نے بہت کچھ
 تھا کہ تم نے اس کا صبر صبر کیا۔

اصل میں تو فطرت قسم کی ہے۔ اداسی صبر نے
 اپنے تمام جاننے والوں سے خود کو چھپایا اور آج تم
 نے خودی چھپائی میں کیا تو فطرت اس حال سے ہر
 ہے۔ تمہیں یاد رہے کہ جس گھر میں رہتا تھا اس
 میں دو دروازے تھے، ”ہاں صبر صبر
 اچھا، اب گھبراؤ، یہ تم جیسا وقت دیکھو جاتا
 کرتے تھے، بعد میں کیا ہو رہا تھا وہ محبوب صبر نے
 کہا، ہاں تو میرا کہ ایک دن سارے گھرانے کسی
 فقر صبر میں گئے ہوئے تھے۔ سارا گھر خالی پڑا تھا میر
 رات میں جانے کیا سوچا کیا کرنا، اپنے بصر کے بدلے
 کسی دوسرے ملک پر سوچا۔ جب تک کوئی نہ ملے
 کسی دوسرے وجود کا کیا احساس ہوا اندھ بھائی کی
 پہلی اور آخری بھول کے بعد میں نے فطرت پر چھپ
 اس بہتر دے کام لیا تو جواب کسی اور کا آیا، صبر یا
 تو اس بہ صبر کی سے میں خدا کی کرتا یا راہ
 اختیار کرتا، سو میں نے آخری صبر اس کی شکل کو
 زور دے دیکھا اور دوسری صبر کو موزوں نہ لگھا
 اور آجنگ صبر رہا ہوں۔

سید ابوالکلام آزاد احمدی تقریباً

الہلال
 مکتبہ قادیان
 ہم سے طلب فرمائی

حلی وادبی و فنی حقیقی تنقیدی
 معاصرین کا ایک
 جدید المانی مجلہ
 ادب و فن و فنون و فنون
 کی کتاب

حقیقی مباحث
 قیمت: پچتر روپے

غزلیں

سید شوق شاہ چشتی

جیتے دھن فروش گمراہ ہا ہوں میں
مشت کش مسائل دینا رہا ہوں میں
دل چوہے کے حضور کو بکھتا رہا ہوں میں
ہوتے ہیں کسی کے چہ چہاں خوش حرام
خاندانہ آبی جاشی عہد اس خیال سے
ساقی نہ کہنا میں نے خدا اس نہیں کیا
دُخت تو آپ ہوئے آپ کچھ نہ چھپتے
واقف ہو کوئی کہیں مرے غم سے اسی لے
عزت کا کہ کہ کے غنا لب کیا گیا
کئے تو خیر عرقاں بہت سے لوگ
خوابوں کے آیتے ہیں سلامت نہ رہ سکے
ہمت بلند ہوئی طوفان میں سحر محراب
دنیا خود ہی میں تو کوئی نہ سر نہ رہی
داس جھلکے تیرا وہ جانا کہ آج تک
کس نہ نہ جانیں دلاؤ خوشی کے سامنے
دیتے اسی کے نازا ہوتے کا کام صفت
رہتے ہیں اس نے تو کے چہ چہ حال
اجنبی طرح سے یاد ہے وہ دُور بھی گئے
نکلا ہوں ہمیں کیسے لے لے رہے ہیں قراہ

اک شہر یا شہر شہر رہا ہوں میں
کرنی غمی جیسی دُری سزا رہا ہوں میں
موتی بہ وقوع آئے کھتا رہا ہوں میں
دل لاکھنا کچھ بھی کھتا رہا ہوں میں
شب بھر لرغ افک رہا ہوں میں
ہر کوئی تبت لے دینا رہا ہوں میں
تاؤ کہ نہ میں ہی جہاں رہا ہوں میں
لب پہنوں کو سمجھا رہا ہوں میں
نکین نگاہ وقت کو زار رہا ہوں میں
قد میں خدا کا شکر کر ڈھلایا ہوں میں
خوشی نہ ملا سب دُنیا رہا ہوں میں
جیسے کسی نے ہی موصلا رہا ہوں میں
ہم آ کر نہ ملا خط نہ پھٹا رہا ہوں میں
دنیا دات کیا کیا شہر رہا ہوں میں
احمال ہی ہیں ایسے شہر رہا ہوں میں
وہ ہیں کو نیا دوست گھتا رہا ہوں میں
کد سوچ کے کھو آئے گھٹا رہا ہوں میں
اپنوں کو نہ غم نہ ہوا رہا ہوں میں
اس کا کام ہے کہ ارجا رہا ہوں میں

خدا آگاہی نصیب نہ تھی جب تک اے شوق
درد قسم خدا کی جھلکتا رہا ہوں میں

ہوں تو خدا کوں کا خانہ رہا ہوں میں
اس درجہ پہنچو شب و روز رہا ہوں میں
جسکے بھونچنے کے لہا رہا ہوں میں
کس طرح وہ درد ہم چور رہا ہوں میں
کہا ہوں نے ہفتہ بہ ہفتہ اسی لے
نہ کہنا اس غم کو کچھ ہیں دوستو
ہے کوئی جو غم لے لے لے لے آیتے
پہنچا ہوں ملا ہی نہیں غم پہا کی
پہنچوں سے بے زنی کا تہیہ کئے ہوئے
منزل کا ہے شعور نہ ہے بہت کچھ
یہ میں جو ہے عزت و عجب اتفاق ہے
روز حساب دیکھنے کو تاب نہ ہر گز
دشمن میں دوسرے کیسے کو کس طرح
جتنی بھی دیر آج نہ آئی کے روبرو
چھپ چکا زبان اس کی شفقت کو کیا کہوں
اس زندگی کے قلعہ کل میں خدا گواہ

ہاں اپنے نام پر سکون پا رہا ہوں میں
دین میں بھی تلخ و ناخوش رہا ہوں میں
آئینہ آئینہ نظر آتا رہا ہوں میں
وہ لکھ کر جیسے آڑا رہا ہوں میں
اب جوتوں کی جوتی میں نہ رہا ہوں میں
پانی پہ چھڑکاؤں کے لہا رہا ہوں میں
آواز نہیں نہیں نہیں لہا رہا ہوں میں
ہر گھر میں جگا آگ لہا رہا ہوں میں
کا نوز کاں لہو کے لہا رہا ہوں میں
اب غمی چاہا دُعا چاہا رہا ہوں میں
ہر روز یہ ہمیشہ آگ لہا رہا ہوں میں
انجام سوچ سوچ کے گھبرا رہا ہوں میں
بندہ تو آج آپ کا بندہ رہا ہوں میں
محسوس یہ ہوا آٹھ گنا رہا ہوں میں
کیا جانے کون کون کا رہا ہوں میں
خواب کو آیتے ہی جانا رہا ہوں میں

ظاہر ہو لیں یہ شوق راہ بے بسی
ناکامیوں کے بعد بھی نہ ٹھہرا رہا ہوں میں

راپوٽين

خیطانی راہب کے پاس جیسی مٹکے لے آئے جانے لگیں۔

[illegible]

اس کا نشانہ ننگو اور چال و ڈھال عام لوگوں سے
مختلف تھا۔ غم صبا کے بلرے میں اس کے عقدِ مد
ہونے کے برابر تھے کہ وہ چادروں — چھپنا کا خرم
سمائی اتصال و گواہ کو ہی غم صبا قرار دیتا تھا
اور لوگوں سے احاطہ نہ کیا کرتا تھا — اگر کمین
و نیادی حقوق و فرائض کے برابر اور ہوا چاہتے
ہو، تو کھڑے اور — اور بار بار کرو۔

ایک شخص صاحب کے وصف میں نہ صرف
 یہنا غلام کے ذریعے لوگوں کو اپنا گروہ بتا دیتا
 تھا بلکہ بڑے عقیدے کے اور ترقیب گناہ کار بھی ہمارے
 بھی خاص طور پر غرضوں کے لیے بھی کیا کرتا تھا
 اور اس بات پر بے حد خاص زور دیا کرتا تھا کہ وہ
 اگر تم میں سے کوئی اپنی فلاح و بھلائی چاہتے ہو تو کوئی
 گناہ بھی نہ کرو مگر وہ گناہ کیوں نہ ہو
 نہایت عرصے ہی نہیں۔“

چنانچہ اس عقیدے کی بنا پر سیکولر
عدلیہیں چھپ چھپ کر اور ججین بدل بدل کر اس

راستہ میں دنیا سب عیاں ہو

بدکار اور بد فعلت انسان تقاضا کر کے سال بیک
روس پر اپنا شیطانی تصافات کی بد دولت ٹھکانا دے
اور مہربس کے استغنی زار روس کی عظیم الشان
سلطنت تباہ ہو جاتی۔ چھوٹے دولت مند کے
اس گراؤ میں دہشپ کی گناہوں بھری رونق کے
تھے جہاں اہل روس کو اذیتا دینیں، وہاں دنیا
کو بھی معلوم نہیں۔

راستہ جو دین کا اصل نام گریگوں کی پہچان

تھا و بہترین اعداد

گوستان شیر پارہ رسا میں پیدا ہوا واسپو تین اصل
میں گر مجوری کی عزتیت یعنی جس کا مطلب ہے
دائبرویا بد اطلاق کے ذریعہ۔

وہیں تک کہ انہوں نے اپنی فکر اجتماعی مخصوص
 میں اُٹھاد کر دیکھ کر کہے جو ۱۰ گز والا اس نے قرضہ
 لیا ہے وہاں ہر طرف کا آغاز زرعی اختیار کئے رکھا

[illegible]

۱۹۱۶ء میں جب روس کے شہر فلورنہ میں روس
کیا کہ وہ مسجد میں دفن ہوا ہے۔ جس کے مشہور ہے بنا
رہا ہے۔ وہ وہ پر لٹا ہوا ہے۔ اور اس کا وفد
نہی کی طور پر روس کے پاس گیا۔ اس وفد
نے ایلیٹینڈا کے پائل جن میں شہید کا اہلکار
اور وہ حکومت کی کارپوریشن کو روس کی حکومت
سیاست میں دخل اندازی کے علاوہ جسے
اور تین گناہ کے پرچار کے روکا جائے۔ جو یہ
واقعہ کہ کوئی روس نے اس وفد کی کوئی بات نہ
کئی کیوں کہ اس کی کوئی ایلیٹینڈا پروری طور
راہدین کی مدد سے تھی۔ اس کا یہ کہ نہ تھا کہ یہ تین
فلورنہ کا بیجا ہوا ہے۔ چنانچہ سینٹ پیٹرزبرگ
(سینٹ پیٹرزبرگ) میں شاہی شہر نے روس کو یہاں
کے لے آ کر اس کے اس کا اعظام کیا۔ اس پر وہ
میں سب سے پہلے پاس تین کا تھی تھا۔

اسلام دیکھ کر ملت کو روس کے شہر د سے
فلورنہ میں سو باؤ کے علاوہ پرنس مری نے رقص
و سرور کا شراب کی دعوت میں اس کا یہ کہ نہ تھا
کیا کہ اسے فلورنہ کیا جائے پال سینٹ پیٹرزبرگ
موجود تھا۔

اس سو باؤ۔ بلند آسمان کی قمر آج سو طوفانی
شعب میں میں نے نہیں اسے زحمت دی ہے اور
بطور خاص ملا ہے کہ میں نہیں بدولت سمجھتا
ہوں اور میں نے تم ہے غلامان کے ہیں۔ یہ بیجا
ہے کہ تہدی جو وہ بدلاتا ہے۔ اس کو اپنے گھر
کے گھر جو۔ اور جن کو کی حد تک دیکھو۔ بلکہ
یہ بھی جانتا ہوں کہ کوئی دین پرست اور میرے
معاذ ہو۔ میں نے جو کام تمہارے شہر د کیا
تم نے نہایت احتیاط سے سر انجام دیا۔ اور مجھے
ایک کاموں سے بھی روکا جو خط تھے۔ لیکن اس
صوبہ حالات میں جب کہ گناہ اور جنگ کی
شاہ کاریاں مر رہی ہیں۔ میں خود کی طور پر تم
سے ایک قربانی چاہتا ہوں۔

پال سینٹ پیٹرزبرگ۔ قرآن۔ کوئی ہی قربانی۔
جو دوسروں کا حق ہے اور میرا بھی ہے

اس سو باؤ۔ صحت حال یہ ہے کہ اس میں ایک

بدکار، بد خلعت اور بد اعمال شخص ہے جو گھوڑا
شراب کے نشے میں خود ستابہ اور ترغیب گنہ کے
پہلو کے ساتھ ساتھ اپنی پاک خواہشوں کو بھی
پورا کرنے کا جادو ہے۔ اس کے پاس جاسوسوں
اور عیالوں کا ایک ایسا گروہ بھی موجود ہے جو قوم
کے اکابرین کو جلاوطن کر چکا ہے۔ حکومت کی
برائی کاٹ، بد ہے۔ اور غلام کی بے پرواہی اور
لائی پر مال کر رہا ہے۔ اگرچہ اس پر ہندو شخص نے بے
شکر خدمتوں کی محنت دی کی۔ لہذا خدا و معزز
انسانوں کی توہین کی اور ان گفت و فواظوں کو بے
دردی کے ساتھ جنگ میں ہلاک کر دیا۔ لیکن پھر
بھی نہ جانے کیا بات ہے کہ بادشاہ اس شیطان
کے گنہ گار بن گیا اور بد اعمالی کو روکنے کی
جگہ اس پر کمر جو بھی کھولا اپنی زندگی کا فرض
کھینتا ہے اور یہ امر بدنامی پر پہلو قدر سے اہم ہے
کہ لنگا اینڈ جیڈ بھی اس بدعت کے لشکرہ چترم
اور پرہیزگری ہے۔ شاہی فعل کی تمام کینڈیا
ایگزینڈ کی تمام خوبصورت سپیلیاں اور
خاندان شاہی کی تمام بیگمات اس کی گرد و
اور پرستار ہیں۔ اس کا حکم ماننے کے لئے جان و
دل تیار ہیں۔ تم جانتے ہو اگر بھی لیل و نہاد ہے
فرنگ کی حالت اور ناگفتہ بہ ہو جائے گی، ایمانی
اور خط کا دودھ دودھ ہو جائے گا اور بدکار
پر قصد و نوازی اڑے اڑے اٹک جائے گی چنانچہ
نرس نے سچا ہے کہ لنگ کچھانے اور پھیل ہوئی
ہے ایمانی اور بے چین کو دودھ کے لئے ایک
کی دستہ رہ گیا ہے اور وہ پھر بے کس کا بنکار
اور غلط شخص کو ان رات پر پھنسنے پہلے کی موت
کے گنہگار ہو جائے۔ خواہ اس کا نتیجہ ہمارے
لئے باعث مسرت ہو یا بد اثر !

پال پیٹا لوف :- بہتر۔ آپ اس کا فیصلہ پھر پھر
دیہ کیوں کو اس قسم کا کام میرے لئے اٹھا آسان ہے
جسٹ ہمارے ساتھ کھینچنے لے جاتا !

پوچھا :- کیا تم کبہر ہے جو۔ اور اپنی اپنی
جگہ پر مستعد ہو ؟

پال پیٹا لوف :- اس میں قبیل کی کوئی کدیت

ہے۔ آپ فکر کریں میں ہر طرح سے لیتا ہوں۔
یہ سو پاؤں۔ ایسا نہ ہو کہ تھکاتیر لفظ سے پریشان
وہ وہ مشیطان ہمارے حال سے بچ کر نکل جائے
وہ ہمارے تمام کے تمام منصوبہ اور تصور کے
و تصور سے وہ جائیں۔

بال سٹیپا لفوف ۱۔ میرا خیال ہے یہاں نہ ہوگا
کیوں کہ ہم اسے ضیافت کے تمام لذت و تفریح
کھانوں کے علاوہ موسیقی اور شراب پیش کریں گے
اور یہ لائے بھی دیں گے کہ تھکے میں ایک ہی نصیبت
ڈک بھی آپ کی خاطر ہے جو اب تک کھواری ہے
آپ کو یہ پتا نہ چاہتی ہے اور آپ کی ہی گریہ

ہے۔
یہ سو پاؤں ۱۔ اچھا جیسے تھکاری مرنی۔ گراس
بوجود نہ جانے کیوں میرا دل بھرا رہا ہے کہ وہ
یہ دھڑکنا اختلافات دیکھ کر ٹھٹھک نہ جائے
اور یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ شاید وہ حقوق کے
ساتھ شب بستی سے اٹھ کر دے۔

بال سٹیپا لفوف ۲۔ یہ ہر باطل فعلوں ہے اور اس
تم کی پریشانی اور ابھرنے کے کوئی آثار نہیں بلکہ حقیقت
تو یہ ہے کہ جہاں پیش و عزت کا سامان ہر دباں
وہ بھی دیر نہیں کرتا۔ وہ کسی کی جیلے بہانے سے
جس وقت پر پہنچا جایا کرتا ہے اور وہ عام زادہ
مردوں پر یوں ڈھٹتا ہے جیسے شہید پر کھینچاں
یہ سو پاؤں ۱۔ اس سامنے سے مجھے بھی اتفاق ہے۔ مگر
اس وقت جب کرات کے گیارہ پانچ بچے ہیں۔ تم ہی
بناؤ کیا لکھا جائے؟

بال سٹیپا لفوف ۱۔ یہی سو پاؤں ہوں مگر سب سے
بڑا حربہ جو میرے دل میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم
شراب کو بوتلوں میں سے اس کی پستیدہ شراب میں
زہر مارا جائے اور ہم اسے اور جیسا کہ آخر ہوگا
ظاہر ہے۔ لاپرواہیوں مسک مسک کر مرنے کا
اداس کی لاش باہر زمین میں پڑی ہوگی۔

یہ سو پاؤں ۱۔ تھکا دانیال ٹینک ہے مگر سوال
پھر وہی پیدا ہوتا ہے کہ اگر جین وقت پر شراب
کی بوتلوں میں کوئی مسموم دوا ڈال دی جائے تو
بال سٹیپا لفوف ۱۔ اول تو وہ نہایت دور دورہ ہے

اور جی زہر مارے۔ تاہم پھر بھی میں بھلا ہوتے
و ہر دانی بوس کو نشان لگانے دیتا ہوں۔
یہ سو پاؤں ۱۔ ہاں۔ نہ زہر ڈال دو۔ اور نشان لگانے
کا کہ کسی خطی کا احتمال نہ ہو سکے۔

شراب اور ٹینک میں سرخ لالہ زہر سیاہی
مثال کر دیا گیا۔ یہ زہر ہر اسی مقدار میں تھا کہ اس
سے پانی کی کئی ادھیڑوں کو موت کے گھاٹ اتارا
جاسکتا تھا۔ مگر جیسے ہی وہ اس کام سے قدرتی ہوئے
اچانک لاپرواہیوں کی کڑی شامی حمل کے خیر و خیر
پراگڑ کی۔ لاپرواہیوں اس وقت سیاہ لپاسا میں
ٹیوس تھا اور جوہرات سے مرصع طلائی حلیہ
اس کے سینے پر ٹٹک رہی تھی۔

یہ سو پاؤں ۱۔ آئے۔ آئے۔ ہر دوپہر تشریف
لائے۔ ہم آپ کی کا انتظار کرتے کرتے گھر لائے تھے
اور آپ کی کیا وہ دیکھ رہے تھے۔

لاپرواہیوں ۱۔ مجھے اس کا بہت افسوس ہے کہ تم
میرا انتظار کرتے رہے۔ مگر میں کیا کرنا میری طبیعت
کی خراب تھی اسی وجہ سے اتنی دیر ہو گئی۔

یہ سو پاؤں ۱۔ تم بہ مقدس باپ سب کچھ آپ کے
اختیار میں ہے۔

لاپرواہیوں ۱۔ میں جانتا ہوں، یہ خدمت ہے گراس
میں تمہیں کی کوئی بات نہیں، ایسا ہر نامی رہتا ہے سب
کوشش کے باوجود میں اس کوتاہی کی ذمیت کو نہیں
بھرسکا البتہ اتنا مزہ جانتا ہوں کہ مجھے تمہیں کی
حزرت ہے اور میں آج بھی کسی ایسی مین آنکھوں
والی خوبصورت دوپٹیز سے ہمراہ خوش ہونے کیلئے یہ
مضطرب، بے قرار اور بے تاب ہوں جو میری بھولائی
حاکموت پر ایمان رکھتی ہو۔ اور جو اپنا وجود میرے
رحم و رحم پر چھوڑ دینے کی قاضی ہو۔

مگر۔۔۔ مگر یہ کون ہیں اور ان کا کیا نام ہے

یہ سو پاؤں ۱۔ مقدس باپ آپ لوگوں کی یہ میرے
بہت ہی پرانے دوست بال سٹیپا لفوف ہیں۔ پیٹوں
نے آج رات کی اس وحشت کو دلچسپ بنانے کیلئے
رقص، شراب اور شباب کا پورا پورا جند و جست
کیا ہے اور اس پر مشروط یہ کہ بال آپ کے لئے ایک
نہایت ہی مین و فیل، خوشنویز، مسرطراز اور بھولائی

کو بلا لایا ہے جس کی ہر شکل سوز سوزہ پس کے لگ
سجک ہے۔ شاید وہ پرکی زاد ہے اس کا ہم پرکی خاندان
کی طرح ہے عیب ہے نہایت عام ہے۔ اس کے باوجود
ریشم کی طرح نرم ہیں اور وہ ایمان کو سوز لیں کر کے
کی حد تک معصوم انداز میں ہے لیکن جائزہ طبیعت
میں ہوش اور بہار کی دلی ہے۔

جب سکاتی ہے تو اس کی آنکھوں میں اور وہ اور
نیلے چلنے لگ جھٹکتے ہیں۔ اس کے دو دھڑکنے میں
تھے تھے گڑھے۔ پڑ جاتے ہیں جاس کے
مٹن کی پاشنی کو اور وہ بالاکر دیتی ہے۔ یہ مٹن
اگرچہ وہ لکڑی دھاتی سرت سے بھرتہ نہیں لیکن پھر
بھی وہ شدید ترین طبیعت کی مشابہت ہے۔ وہ بھڑکے
سے آواز دے دیتا ہے اور وہ آپ کے ایک اشارہ پر قمران
ہونے کے لئے تیار ہے۔

لاپرواہیوں ۱۔ کون سی لڑکی؟
یہ سو پاؤں ۱۔ وہی لڑکی جو پھر میں معصوم کی مسافت
ساتھ پرفریش نکلتی لڑکی کا نام بھی کرتے ہیں۔ اور
جس کے نشاۃ دیگر فنون کی شہرت ٹٹک کے چہرے
چہرے میں لکھائی ہوئی ہے۔

لاپرواہیوں ۱۔ ظاہر ہے میں نے بھی اس کے فنون
کی تعریف کی ہے۔ واقعی وہ اچھا گانا گاتی ہے
اور اس کی آواز کو دل کی آواز ہے بھی زیادہ نہیں ہے
یہ سو پاؤں ۱۔ ہاں میرا بھگم بھی خیال ہے مقدس
باپ۔ کوئی فرانس وقت تک مشہور نہیں ہو سکتی
جب تک اس میں کوئی نو بابت نہ ہو۔

لاپرواہیوں ۱۔ ذرا بہتر شراب بوتلوں سے لگاتے
ہوئے اگر میری جین کوشش تھی اور وہ دلچسپی ہے
گراس لڑکی کا نام کیا ہے۔

یہ سو پاؤں ۱۔ میں اس کے نام کا تصور تو نہیں کر سکتا
البتہ اچھا جانتا ہوں گراس کی آواز میں شہرت ہے
اس کے لیے میں یقیناً ہے اور اس کے کہن کا کنگ ٹٹک
آپ کے لئے وقف ہے۔

لاپرواہیوں ۱۔ یہ آپ نے کیوں کر اور کیسے جانتا؟
یہ سو پاؤں ۱۔ اس کے موجودہ روپ سے، موجودہ حالت
تہ موجودہ روپ سے اس کے سے،
لاپرواہیوں ۱۔ وہ بال کیوں آتی ہے؟

یہ سو پاؤ ۱۔ آپ کے گھر میں ایکس کو وہ آپ کو
ملتا چاہتی ہے۔ آپ سے پہنچا ہمت کرتی ہے اور
آپ کی یہ حد ملے، گردیدہ اور پستار ہے،
راہیوتین ۱۔ یہی ہے ۹

یہ سو پاؤ ۲۔ مادر باہل کے مرغان کی قسم۔
نورہ لدا لدا ہی بات پر ڈرتی ہے لیکن وہ ہلاکت
ہی میں دخیل اور دلاؤ پر لڑتی ہے۔ اسٹی کے
لائے لائے خطر نشان بال کر تک پیچھے ہٹے ہیں
اس کی مرہ نہایت خوبصورت اور عطا واپ ہے
اگرچہ وہ کسوٹھ کی کھ ہے قدم قدم پر نشہ
بکھرتی ہے مگر یہاں وہ شہزادی کی سیل اس کی
ہمراہ بھی ہے۔

راہیوتین ۱۔ دہائی مندہ زہریلے شراب پینے ہوئے،
حیرت ہے۔ آٹھ لاکھ رات کی تانگی میں پینے کیوں
نہیں آئی۔ اداہ لکے کے لے اتنی ہے طالب اور صہر
کیوں ہے ۹

یہ سو پاؤ ۱۔ آٹھ لاکھ کی کوئی دہر تو ہوگا
راہیوتین ۱۔ سب کی پریشانی ہے جس کو بچنے کے
لے ایک خاص دل اداہک خاص دلا کی ضرورت
ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں ملنے ڈالہل نے بچے
بکشی ہیں۔ جیسے کہ تمہارے ہو۔ بھلاہ لوگ سبھے
چاند گر بکھے ہیں کوئی چھروں کو خاک کے قندار
آبادیوں کو قن دوقی حملہ اور بار دوقی ٹکوں کو بڑھک
قبرستان بنانے کی صلاحیت رکھتا ہوں، سنگھیر
نہیں بکھے کوئی شیر کو اور دھلی دھواں ہوں۔
چاند گر دوقی طاقتوں اور قوتیں کا ملک ہوں
اس نے مجھے ہلاکت کا رہنما کیا۔ اور اس نے دنیا
کی کھیر میرے ہاتھ میں دی ہے۔ دنیا کا غرت
میں میرا بکند مقام ہے۔ اور میں کھانا کھاتا ہوں
پیٹر ہوں۔

سورج ۱۱۔ فرزند ہریل شراب پینے کے بعد ہرین
نے میرے کھانے کو کھانے ڈال دیا۔ اور
کہا کہ بچے اس کے پاس نہ چلے جہ سے بچے
کو ہتھیائی مندہ ہے۔ چاند گر ٹیکس یہ سو پاؤ
پرنس مزی اور بال ہتھیائی زون سمیت جہ سے
کو ماہر نما اشتاد ہرین کے باوجود بھی لدا ہے

غزل

پہلے احسان سفینے کا اُتارا جائے
پھر وہاں جائیں جہاں تک کہ کنارہ جائے
خجہ گردن نہ ملے سہر کا سہارا جائے
ہارنے والو کسی دھنگ سے مارا جائے
حاکم شہسوار رکھا ہے خیال اب کے برس
جسم مضبوط نہ ہوں بوج کو مارا جائے
خوش جمالوں کے دو باغ ہونے دوڑا ایسے
نہ وہاں لفظ ہی پہنچیں نہ اشارا جائے
کھو گیا ہوں میں درد و سیم کے ویرانوں میں
مجھ کو آفاق میں ہر سمت پکارا جائے
گرہ حالات نے کیا حالت جہان کو دی
پھر سہرا ان ابرو و رخسار کو سنوارا جائے
اپنی نسلوں کے لئے ویر کی مروت ہے یہی
آشب عزم کو آنکھوں میں گزرا جائے
چاندنی بزم ہے مگر قرینہ شب میں حشیدہ
چاند چسپ کج بری چیت پہ اُتارا جائے

جمشید مسرور
زمر "باز محنت"
اوسلو، ناروے

اور بالکل تندرست ہے چنانچہ شہزادہ ٹیکس
یہ سو پاؤ نے پستول نکالا۔ اور پستول پر زنی ہو
کیا، لیکن اس کے باوجود بھی پستول نہ لگا
رہا۔ ہل ہتھیائی زون جو عزائم کا قائل نہ تھا
خجہ نے گریز کی طرف دھڑا۔ اور اس نے راہیوتین
کی پیشکش خجہ کے تلک اُتار دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد راہیوتین گریز شہزادہ
کو بھی اس کی مروت پر رشک ملا۔ اس
لکڑی کا ڈنڈہ اٹھایا۔ اور راہیوتین کی کھیر
پاش پاش کر دیا۔
بچے ہیں راہیوتین کو مٹا کر وہ نزدیک
گزرنے والے دروازے کا

لے گئے۔ اس وقت راسپوٹین کے جسم میں جلاں کی
حق مٹی راسپوٹین نے اپنے ایک ہاتھ میں اس
ندکیا اور پیٹ پر صلیب کا نشان بنایا اس
بعد شاکی سرٹکائے اُسے دیا میں پھینک
برف کے نیچے دھکیل دیا کئی ہفتوں کے بعد

جب اس کی لاش نکالنے کے لیے اسے پھاڑا تو اس کا منہ
رہنے کی کوشش کر رہا ہے تاہم اس کی سریر بات اب تک
کوئی ثابت نہیں کر سکا کہ ہر غرضانی کے لیے قول
کی گولیاں لگنے اور کھڑی ٹکرے ٹکرے ہونے
کے باوجود راسپوٹین ایک طاقتور ملک کیسے نکلے رہا

جب راسپوٹین کی لاش کو باہر نکالایا گیا تو لاش
کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ وہ ڈوبنے سے مرگھا
اس کے ہاتھ اسی حالت میں تھے جیسے وہ ڈوبنے سے
بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہو۔۔۔

ماہیا دیکھ کر



فرست کی سوالی ہے
یہ پیڑ بھری جگہ
تہاڑ سے خالی ہے

کل بڑی نہیں دین بھر
آکاش ہے تاجے سا
جتنی ہے ذہن دین بھر

کہنے سے وہ مشہاتے
بنے کے کئی زینے
دیوار یہ بگڑ جاتے

کیا وقت کی قریب ہے
مرنے سے جو گھبرائے
ہر کام طعیت ہے

ہر بات کے خواہوں میں
بٹنے کا خزا لبستا
بٹن باتوں ہی باتوں میں

سب بات ہے اوروں کا
بازار سی ہے دنیا
جوں تھا نگہ بچوں کا

اولہ زمانے کے
دُمداد بتاؤں سے
ہر غور بھگاتے سے

میں خود ہی تخت ہوں
کچھ اور نہ اب مانگوں
سب کہتے ہیں بائیں ہوں

ایندھن کو بھائیں گے
سب شہر کے فردوں کو
اک ساتھ جلا لیں گے

سیدھا ہو کہ اُٹھا ہو
جو نا تو ضروری ہے
کچھ میں ہو وہ کیا ہو

یہ عام نہیں رستہ
گڑا ہے کوئی کیسے
کس نے ہے یہاں بگھا

کچھ بن کی غشی دیروں
کچھ آئو تے لے کر
پتھوں کی ہنسی دیروں

محبت ہے گہری ہے
سُن کر ہی نہیں سنتی
دیوار یہ بھری ہے

بتہ بھول ہے دھموں کا
بتی سی نشہ چنوں
فوارہ ہے خوشیوں کا

رشید احمد صدیقی کے خطوط

حسن ضیاء

یا معنوں و معنیوں سے یہ ان معنوں میں بھی مختلف ہوتا ہے کہ اس میں مکتوب نگار کی مخاطبت مکتوب الیہ تک محدود ہوتی ہے۔ خط میں کہنے والے کی شخصیت، اس کا آپ بیتی سے ہم آہنگی و کلک کر سنانے آتی ہے۔ خاص کر بے تکلف احباب کو کچھ نئے جلی خطوط مکتوب نگار کی درگاہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے، اس کی شخصیت کا انقباض و کشادگی کے آثار اس کے حروف و کلمات کو سمجھنے کا اہم ذریعہ ہوتا ہے۔

بجائے مکتوب نگار کی شخصیت کا احاطہ کرنا ہے وہ بلا ہرگز اسے اہوار کے آویں کی ہے۔ نئی چیز ان کو کم ہمت سمجھاتی ہے۔ تہذیب و تمدن کی دو صنعت وادی حلقہ مراہب اور احوال و امور پر نظر کرنا پابندی اور تنہا طبیعت ان کی شخصیت کے نمایاں پہلو ہیں۔ وہ زیادہ تر پیادہ ہے، لیکن ان کی کسی طرح سے بجا روئیں کی تلاش میں ہوتی۔ عز

میں انہوں نے فارسی میں ایم۔ اے کیا۔ شروع میں انہوں نے ہائی اسکول میں تدریس کی۔ ۱۹۳۳ء میں وہ آزاد مولوی کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ بعد میں وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بکروہ بنے۔ ۱۹۳۵ء میں وہ ریڈیو سٹیشن اور ۱۹۳۷ء میں پروفیسر بنے۔ بحیثیت پروفیسر اور صدر شعبہ اردو و عربی و اسلامیات کو یونیورسٹی کی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں جلدی سٹیشن کو علی گڑھ میں ہی طویل ملازمت کے بعد انتقال ہوا۔ ان کی مصانیف کی تعداد ۱۴۱ ہے ان میں مضامین، تفسیر، تنقید، تنقید کے گراں مایہ، ہم نواں و غیرہ آشتی یافتہ، میری اور غائب کی شخصیت اور شاعری بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

خط یا غزل سربزادی و غزل پر دو افراد کے وہ بیان ایک جہم کا سماں ہے جو زیادہ تر تجربہ دہی اور بھلی و صحت کا حامل ہوتا ہے۔ ان کے

بیسویں صدی کا اردو شاعر ہیں رشید احمد صدیقی کا نام بہت اہم ہے اس دور کے اردو طنز و مزاح کا بزرگ کہ ان کے تہ کرے کے بغیر ناگہل رہے گا۔ اس صدی کے استاد میں ان کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ شروع سے ہی ان کا میدان طنز و مزاح رہا۔ ان کی بیشتر تفریریں اسی رنگ میں لگی ہوئی ہیں۔ ان کی تنقید میں ان کے اس مزاج سے داس نہیں بچا سکی ہے۔

رشید احمد صدیقی خرابا ہو چلے جو پتھر پانی کے رہے دھلے گئے۔ ان کی پیرائش پیرایہ چلتا چلتا ہی میں اردو سیرت کا کائنات اختیار کی قسیم چلتا رہا ہوا۔ سٹیشن میں انہوں نے محض ان کے احوال و امور کے حوالہ سے ہی۔ اسے اس کا پاس کیا۔ سٹیشن میں بھی ان کے حوالہ جو رہی ہیں۔ یہیں سے سٹیشن

کے نصف آجڑیں تو بائیں حرکت کرتی ہو گئے
تھے۔ محفوس احباب کے علاوہ چند لوگوں سے
بچے بچنے سے پرہیز کرتے تھے۔ محلِ مکرّم سے
جانا ہوتا تو قحطی گاڑی سے روانہ ہوتے اور
پہلی گاڑی سے علی گڑھ واپس آجاتے تھے۔ اکثر
ایسے اسباب تک سے ان کی لطافت کا ذریعہ بخدا ہی
تھے جن کی رائیٹ ان کے گھر کے پاس ہی تھی۔
رشید صاحب اپنے خطوں کی اشاعت کے
سنت مخالف تھے۔ وہ اسے قطعی جی جیسہ نہ سمجھتے
تھے جس میں وہ مکتوب ان کے علاوہ کسی اور کی
شرکت کو بہت ناپسند کرتے تھے۔ ان کے مکاتیب
کو اشاعت کی غرض سے چھپانے کا کام ان کی
رائیٹ میں ہی شروع ہونا تھا۔ اس پر اپنا
رقم غنیمت قرار دیتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ کسی
کے بی خطوط چھاپنا خصل خائے میں ہمارا کیا کام
جیسی بات ہے جو عقل حیرانگاہ ہے۔ وہ ان
خطوں تک کو محنتاً نہیں رکھتے تھے جو کہ حکماء نہیں
سمجھتے تھے۔

حیدر اقلیت اصلی کے نام ۱۰ اگست
۱۹۱۷ء کو کیے خط میں کہتے ہیں:

”چونکہ میں اپنی اس حادث پناہ میں
کو کسی کے خط محفوس نہیں رکھتا۔ چلے سے جلد جواب
دے کر تلف کر دیتا ہوں۔ کہیں کوئی کسی کے خطاب
کے خط آجاتے ہیں تو جواب کہہ کر انھیں کو واپس
کر دیتا ہوں کہ اس خط کیجئے والے کو ان کی بیانات
نہ ہو۔“

میں خطوں کو عام کرنے کے ان کی مخالفت
کا اندازہ اگر موفیظ الرحمن اصلی کے نام اٹھ
سے خط کے جواب میں کیجئے گئے ۵ جنوری ۱۹۱۷ء
کے اس خط سے ہوتا ہے:

”اس خط کو آپ ہی کو دینا نہیں ایسے
خطوں کو اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا ہوں میں
کیجئے والے نے اپنی باتیں نہیں دیں۔ اور اس کا
اسکاں ہو کر جس کو لکھا گیا ہے وہ کہیں اس سے
اس خود پر فائدہ اٹھائے کو کیجئے لکھ کر شرابی
ہو۔“

رشید صاحب کے خطوں کے جو مجوزے اب
تک شائع ہوئے ہیں وہ اس طرح ہیں:

مکاتیب رشید احمد صدیقی (مترجمہ پروفیسر
حقیق احمد نظامی)

مکاتیب رشید (مترجمہ ڈاکٹر شمس الدین
انظر جاوید)

اشعار رشید صدیقی (مترجمہ پروفیسر
مسعود حسین خاں) اور

خطوط رشید احمد صدیقی (مترجمہ لطیف
انزبان خاں)

ان تمام مجوزوں میں لطیف انزبان صاحب
کے قریب کردہ مجوزے میں بھی ذہانت کے خطوں کی
مقدار حسب سے زیادہ ہے۔ ان خطوں میں
ڈاکٹر صدیقی رشید احمد صدیقی نظر آتے ہیں اور
مگر غور و اندیشی پر پڑا پردہ اٹھا جاتا ہے۔ اٹھ
خطوں میں انداز بے تکلفانہ اور صحت پسندانہ
ہے اور شخصیت کا تعاد صاف نظر آتا ہے۔ جو یہ
کوئی بڑی بات نہیں، کیونکہ تعادل خود زندگی میں
ہے اور اس میں مجوزہ اضافہ ہے۔

یہ خطوں ان کی شخصیت کے سبب بڑے ارتقا
کے آئینہ دار بھی ہیں۔ مثال کے طور پر سولیسٹا
عبد الماجد و آبا دی کو ابتدائی دور میں اپنی
مستلزم کے سراسر پاس جو خط کیجئے گئے ہیں ان
میں انداز نیاز مندانہ ہے جب کہ قبیلہ کے خط
بے تکلفانہ اور دوستانہ ہیں۔

بے تکلف احباب کے نام خطوں میں
انہی احوال کی کیفیت ملتی ہے۔ ۹ اگست ۱۹۱۷ء

کو مسعود حسین صاحب کو ایک خط میں کیجئے ہیں:

”ایک زمانہ تھا کہ اچھے خطاب اچھے قائلین
اور چینی کے اچھے خرافات بیچ کرنے کا شوق تھا۔
مگر کمری چمکی ہو گئی۔ قائلین کے بجائے اب چٹانیں
بچھانے لگا ہوں۔ خاندان کے بے کیا دیے
سید ہی اور کیا حیلہ مانو نکلاں۔“

۱۱ اپریل ۱۹۱۷ء کا ایک خط کیجئے۔
کس طرح اس پر ایسی کتاہٹیں کیا گئیں ہیں:

”سالہا سال سے لکھ اس طرح کا حال ہے
جیسے کہیں نے زندگی کے سارے پرے بھوکا رطل
کاٹ کر گردے ہوں ادا ان میں آگ لگا دی
ہو۔ آپ جانتے ہیں گلی گولی کئے دھبے دھبے
کئے دلاں تک شعلیں رچی ہے اور اس سے کیا
تاریک دیکھ گئے تھے اور افسوس افسوس کہ ہے۔“

رشید صاحب کو اردو تحریک سے گھر سے
دلچسپی مٹ گئی۔ دلچسپی نظریاتی سطح تک محدود رہی۔
اردو کی ترویج و فروغ کے کاموں کی پیش رفت
وہ خود کو مستثنیٰ باخبر رکھتے تھے۔ وہ اردو کے علاوہ
کوئٹہ و جواب دینے کے قائل تھے ہر جہت پر اپنی
(اس راستے کو عام کرنے سے بچتے تھے۔ اردو کی
مخالفت میں شائع شدہ کسی قریب کے جواب میں
کیجئے گئے ایک معنیوں کو سراسر بے ہوش ایک خط
میں کیجئے ہیں:

”معنیوں اور اس کا رنگ و آہنگ عیاری
تو نہیں ہے لیکن ہر احوال ہے کہیں کہیں اس کی
ضرورت ہوتی ہے۔ بعض ذہنیاتیں اسی احاد و عقائد
کی تلقین ہوتی ہیں اور قلوب میں رکھی جا سکتی ہیں
کیا جامع زبان ادب اور ادب اور مصافحہ ہی میں
نہیں سمجھی کہیں خطوں کا شفا بے آزار میں بھی
کر لیا جاسکتا۔“

لیکن رشید صاحب اسان تک نظری اور
تغییب سے دور تھے۔ ساقی مشرقی پاکستان میں
اردو کو منہ پھانے کے ہی وہ کلام لکھتے تھے۔ ۲۳
ستمبر ۱۹۱۷ء کو کیجئے گئے ایک خط میں پروفیسر
مسعود حسین خاں کو کیجئے ہیں:

”انگڑا جسے خود پر اردو کو ایک غیر
رضامند لفظ یا بیخبر پر چھاپا یا بٹائی کر بے حیثیت
کرنا چاہتے ہیں اس کو کتب پر پند کرنا بے فائدہ
ایسوں کی مخالفت میں آپ سے جو خط لکھا ہے وہ
اپنی جگہ پر اچھا خط ہے لیکن آج کل مجھے
حالہ کا سامنا ہے اس میں نہ کچھ تو بہتر ہوتا۔
چاہا ہوں کہ اردو سے آپ کی جذباتی وابستگی
حوالہ میں قائم رہے۔“

رشید صاحب کے خطوں میں علی وانی

نوعت و احاطہ پر بھی بے شک و تردید اطلاع بخیاں جتا ہے۔
حبیب احمد صاحب کے نام ۳۰ مئی ۱۹۸۶ء کے
ایک خط میں لکھتے ہیں:

”اقبال کے متعلق آپ نے ۱۹۸۵ء
کے جو مضامین پیش کیے ہیں، انکھوں کی تکلیف
کے باعث ان میں سے بیشتر کا مطالعہ نہ کر سکا۔ پھر
بھی کچھ باتیں ذہن میں محفوظ کر لیں ہیں، لیکن ان پر
براہ راست گفتگو نہیں کر سکتا۔ لکھنے کی سکت محدود
ہے۔ دراصل فلسفہ اور تصوف سے میں بھی ناواقف
نہیں تھا۔ ذہن اور تخیل کو ان سے باہر لگائی اور سبائی
نہیں ملی۔ یکہ ایک طرح کی فرسودگی اور تنگ محسوس
ہوئی۔“

آگے لکھتے ہیں:

”فلسفی یا صوفی ہونا میرے نزدیک بڑے
خارج ہونے کا اختیار نہیں۔ اقبال نے اپنے کلام کو
و کمال و پاکیزہ اور بلند رکھنے میں ان علوم و فنون
سے کام لیا جس کی جہاں تک وہ ضرورت سمجھتے تھے۔
انکھوں نے شاعری کو بنیادی اور فلسفہ و تصوف کو

فردی یا اخصانہ حیثیت دی۔ وہ فلسفے یا تصوف
کے پابند نہیں ہونے بلکہ حسب ضرورت فلسفے یا
تصوف کو اپنا پابند رکھا۔ یہی سبب ہے کہ ان کے
کلام میں جا بجا فلسفے یا تصوف کی جامعیت یا اخصانہ
نہیں بلکہ تضاد اور مخالف جتا ہے۔ اچھا اور برا، خیر
و غریب، اخلاق، فلسفہ، تصوف، تمدن، اختیار، مالہ
سب سے استفادہ کرتا ہے لیکن۔ پابند نہیں
ہوتا۔“

ایک اور خط میں حبیب صاحب کو ہی لکھتے ہیں:

”اقبال کے فلسفے کی طرف میری نظر کسی
نہیں ہوئی۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔ فلسفہ سیرا
انفرادی فکر نہیں۔ اس سے تشعب ہونے کی صلاحیت
بھی نہیں۔“

شید صاحب کوئی معنوں و خیرو کھتے تو اس
پر مشورہ یا اصلاح طلب کرنے کے بغیر غرضت تکلف
اجاب سے رجوع کرتے تھے۔ مسعود صاحب کو
ایک خط میں لکھتے ہیں:

”معنوں عاجز ہے۔ ۲-۵ صفحے یا کم اور

کھوں کا۔ چاہتا ہوں کہ آپ اسے بے فکر غور پر
دیکھیں۔ جہاں میں منہم کا سفر نہ کرے اسے حق و سچ
خود ایک کردہ یا بالکل متعلق فرمائیں۔ معنوں کی خاصا
طویل ہو گئی ہے۔ آپ کو اختیار کا بل ہے جہاں سے
چاہیں، جتنا چاہیں غور و فکر کریں۔ معیار یہ نہ ہونا چاہیے
کہ جتنا غیر معنوی طویل ہے اتنا ہی مناسب اور معنوی
بھی ہے یا نہیں۔

اخلاق، فلسفہ، حیات کو بھی برتن اور اصلاح
دیکھیں گا کہیں

چونکہ جو یا کسی اعتبار سے قوائد نہ، یا ہر دو اسے
اپنی صوابیہ کے مطابق ہے تکلف درست کر دیتے۔
غرض ان خطوں میں شخصیت کا جو عکس
نظر آتا ہے وہ ان کے مطابق و خبر سے دلچسپ
ہو جاتا ہے اور خدا کا نہ جس۔ ان کی خدا نگاری کے
دوسرے پہلوؤں کا بھی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اس
میں شک نہیں کہ یہ خط و تشید احمد صاحب کے سوانح
نگار کا اہم ترین ماخذ فراہم کرتے ہیں۔



کیا
آپ کسی کوئی تصنیف

ناول — افسانوی یا شعری مجموعہ

اشاعت کے لئے تیار ہے، اور آپ اسے چھپوانا چاہتے ہیں؟

معلوم

اس سلسلے میں آپ ہماری خدمات حاصل کیجئے۔

ہمارے پردہ کشنز حسن کتابت، طباعت اور گٹ آپ کے لحاظ سے اعلیٰ معیار
پیش کرتے ہیں۔

شان ہند پبلی کیشنز، فلیٹ ۸، انصاری مارکیٹ دیا گنج نئی دہلی ۲۔

ڈی اے بیرین قربان

کر ہی گئے بہر دوزخ -
 ہم تم کو رہے بندہ اور سلاطین کو سلاطین
 پروردگار پرستوں کو بنی خدا سے بندہ سے پہچان کر
 آواز میں آواز میں آئے گئے کیسے اسرار اور کس کی جان
 سچے کی شب الوداع کے
 سوئے تھے کہ ہی دوزخ کو سوئیں گے لہذا گیل
 میں اپنے خوابوں کی دنیا میں پہنچ کر کسی چیز
 کے ساتھ امانت پر لیں گے سر سے لطف اللہ
 محبت سے شکوہ سات ہے ہی کی آواز
 کان میں آئے گئے ہے دوزخ کار کو میں بدلی
 کر انکو کھولنے میں تو ہم سے حق وعدہ کیا
 کہ فی دوزخ کو دوزخ میں ہوئی دکانی دکان
 ہیں خدائی دوزخ میں تمام گمراہوں کی آواز سے
 گونجنے ہے اور اوراد پہلے تین سال کے
 ساہرا رہے ہزاروں رو کر دیتے ہیں - ہزار ہا
 اٹھ دیکھنے لگتی آواز ہے بہر دوزخ کو اٹھے
 اور چپے گئے فی دوزخ کے ساتھ چپے گئے ہیں

آرام کریں گے۔ شام کو کسی دودست کے یہاں ہاتھ
 آگے خف شب کوئیں گے درو درو غلو آوار کے
 ساتھ ساتھ بھرگی شب کی چڑی دلفریب ہوا
 کرتی تھی رات کو ۱۲ بجے تک تاش
 باکرہ کیو ہاتا تھا۔ جانے کے دود پڑے تھے کہ
 صی آوار ہے۔ درونک خزانے بھر گئے۔
 خزانہ رات کو شب کی آج ہے وہکسات
 دن بعد اسکی شان نرولی بکسر دی گئی
 ہے جی اسی کیس میں تم نے ایک رنگین ٹی دیا
 غریب کیلئے۔ خدا بہتر داتا ہے۔ یہی دہی
 خریدنا جان لیوا ثابت ہو رہا ہے باقی دہی
 بدوگرام کھانے والے قصور دار ہیں جنہوں نے
 کھانا سنا بھیجا کا کھانا تو مناسب حوام
 کر رکھا ہے۔

ایک دفعہ وہ شاہراہ سویرے آگے
گئے ہی جگہ پر خدا کا کھانا نظر آیا
پر آتا تھا پر آپ آگے گئے ہیں۔ کسٹم کھانا پر

یادش بخیر کہ صفحہ کی بات ہے
 کہم ہیں میں سے کسی نے مجھ سے نہ شام تک
 غزل کی بجائی میں نے دے رکھی ہے تالی کے
 ساتھ تونکا انتظار کیا کہتے تھے، بلکہ اسے
 نکالت کہتے تھے کہ یاد میں جتنے ہیں وہ جین
 توار کیوں نہیں بنائے۔ باہر لہے چھائی نہ
 کہ وہ توفیق کیوں نہیں بخشی کہ جتنے میں کہ از کم
 وہ اخبار تری مہلت کر لیا کہتے، بہر حال درج
 سے بچ کر توار کا وہ گزارنے کے لئے بہر گز
 تھے بہت سارے گھر چلا اور باہر کے کام توار
 کے لئے آشاکہ کر کہ دینے جاتے تھے، جیسا پٹ
 رہا ہے توار کو درست کرنا میں گئے، توار کو ال
 تر شاہ ہے۔ توار کو کپڑے پوشندہ میں نہا ہے
 ٹوٹ کا میں شکا ہا رہے ہیں کو شکوہ میں گئے
 کوئی مصافحہ میں گئے روزی اخبار گرفت کر لیا
 گئے اچھے قسم کا کھانا تیار میں گئے اور وہ صبح

میں ٹھنڈی ہانے ٹھنڈی دی۔ کیونکہ کھانا کھانے کو
ہانے گرم کرنے کیے جاسکتی ہیں۔ چنانچہ اسکی
جھکی بہرہ بننے میں گنیا چمان سے پہلے فریڈی
پر نظر میں جانے بیٹھے ہیں۔ نہ ٹائیٹ نہ خفید
نہ پیرش جب اسنے کی کوشش کرتے ہیں
تو فرمائش ہوتی ہے ذرا ٹھہرے پانی میں
طونان آنے والا ہے کچھ تاخیر کرتے ہیں۔
اُن پا پا اس کو ضرور دیکھتے۔ بڑا مزیدار ہے
بیٹھے بیٹھے گئے۔ یہ پھر گرام تم ہوتے ہی اعلان
ہوتا ہے۔ اب سارے آٹھ بجے کے بعد آباد
میں کیسے چارے کرکٹ کچ کا سدا ہارسارن
دیکھتے ہم خوش ہو کر اٹھتے کہ اس آدھ گھنٹے
کے وقفہ میں جلدی سے مزدوری کا سون کو قسم
کر دیا جائے۔ ناشتہ کرنے بیٹھے ہی سے کہ ٹھہرے
سامراجیہ نے جو تیسری جماعت میں بیٹھتے
ہیں جا کر ٹی وی کھول دیا اور خوش خبری سنائی
پا پا بیچ شروع ہو رہا ہے۔ خدا جوت نہ بولائے
کرکٹ کھیلنے کے دم دیکھنے کے ہم بہت متوقین
ہے ہیں چنانچہ جلدی جلدی ناشتہ ختم کر کے
پھر آ بیٹھے ٹی وی کے سامنے۔ اب کہاں کا
نہا کہاں کا جوتہ پائیں۔ کیا بازار کا کام
کاٹ اور فرو یہ کہ بیگم کو بھی گھر کا کام نہیں کرنے
دیتے کہیں ہم بھی نہ تھیں تو انہی دیتے دیتے
ہیں

اسے بیگم کیا کر رہی ہو۔ دیکھو نو
انہی نے کیا چو کا مارا ہے۔ ارے بانی کام پھر
کر دیا آٹھ چارے۔

اتنے میں صاحبزادی چائیں منی منی
دیکھتے تارکٹا سڑی سے کیا شاندار چمکا ہوا
ہے کیوں ہا ہا غرض اس جگہ سے میں کیوں
کا ربک ہوا ہم اٹھ کر لاؤ جلدی سے بازار ہو
آئیں۔ اتنے میں اعلان ہوا کہ اپ بیٹش ہے
دیر تک نہا ہم پھر کہیں گئے پھر میں اپنے
کھ کے ہا وہاں اور ہاں شادوں سے
تیں ہم نہ دیکھنا ہوا ساری کٹ لائی کو ٹھوٹک
کر سکتا ہے۔ اس نے بیٹھ گئے پھر صوبہ ہا ہا

چڑھا کر آدھے گھنٹے کے بعد یہ سسرلی تم ہوا اور
بہرے شاد ہوا گیا۔ ہم نے بیگم سے کہا سبانی
ایسا کر دیکھ کھانا بیوں نے آؤ بڑا مزیدار کھانا
ہل رہا ہے۔ بیٹھے صوفہ ہی ڈانگ بیوں میں
جدلی ہو گیا بیگم بے چارہ ایک ایک چڑھنا
کر لاری ہیں۔ اور کتنی جھکتی ہار ہی میں سہار
میں ہائے اسیا بیگم ہم کانوں میں انگلیاں
ڈالے واہ واہ کیا کچھ سہا ہے سامان کی گئے
بٹیا۔ ابھی ہوتا ہے ایل۔ بی ڈبلو۔۔۔۔۔

بیٹے رحومیر سے شیر کبان دیا ہے واہ واہ
خوش کہ ہم بی بی کھاتے جا رہے ہیں اور
صوفے پر اچیل کود کر رہے ہیں۔ ہ بیگم
کیوں جلدی رہا اب اٹھتے کے بعد جلدی میں ہر
ڈالا اب دیکھتے ہالہ روشن پہاڑ دیکھنے کا
ہیں بچوں سے سوچ رہا ہے۔ جب کے تنگی
کے باعث پہاڑ غنیم خود نہیں دیکھ سکتے تو
کہ از کم ٹی وی پر وہاں کے مناظر دیکھنے سے
کیوں مسرور رہیں بلکہ اس معاملے میں ٹی وی
واسے لفتا شکریہ کے سخت ہیں ہم جیسے کم آمدنی
والے لوگوں کو گھر بیٹھے دنیا جہان کی سیر کر دیتے
ہیں اب اس سے میں حاصل نہ کرنا ہے منی نہیں
تو اور کہا ہے۔

یہ تم بھتے ہی آگئی کچر۔ امر او جان اور
پڑائی دیکھ بھنی پکڑ ہے۔ کیا کتنا اچھا ہے
کہ دوبارہ دیکھ لہو رہا نہیں جاتا جب تک
اشتہادات آتے ہیں ہم نے آٹھ کر کے ہاتھ
منہ دھو لہو۔ مگر بچوں کے لٹا اشتہادات
چھوڑنا انکی نہیں۔ پھر جلدی رہا تھا غزل شروع

ہوئی۔ ان کی آنکھوں کی سق میں۔۔۔۔۔ کسی
نے باہر چل بھالی۔ بڑا غصہ آیا کہ کوئی نہ نکت
آگیا۔ اس کو آٹھ بیوں میں معلوم کہ اب اتوار
کو کسی کے نہیں جانا چاہیے۔ وہ دن گئے
جب یاد دوستوں سے ملاقات کا دن اتوار
ہوتا تھا۔ اب اتوار کچھ سا دن ہوتا ہے
جیسوڑا آٹھ کر دروازہ کھولا۔ چارے دوست
انور میاں تھے۔ انھیں اندر لا کر بیٹھا یا اور بغیر
خریت دریافت کئے۔ ان سے کہا دیکھو بارکس
قد عمرہ فخری آرہا ہے۔ وہ بولے ایک
کام سے آیا تھا۔ ہم نے کہا ہاں ہاں کام بھی
ہو جائے گا۔ پھر دیکھ لو۔ چاری اتنی سی
گفتگو پھر بچوں کے ہاتھ پر ہل پڑ گئے کہ
پا پا کچے کیسے دوست ہیں جو پکڑ کے وقت
ڈسٹرب کرتے ہیں۔ اور مر بیگم کے منہ پر
جوانیاں اڑتے گئیں کہ کہیں چانے بنانے
کے لئے نہ اٹھنا پڑے۔ قصہ کو تاہ انور بھی
ہم سب کے ساتھ ٹی وی پر آنکھیں گڑا کر
بیٹھ گئے کسی خربت اور کیا حال چال کہان
کا ٹی وی اور کسی کی چائے۔ سارے آٹھ بجے
پکڑ ختم ہوئی تب ان سے بات چیت ہوئی
جی اس انداز سے کہ انور میاں جلدی چلے
جائیں۔ کیونکہ دس منٹ کے بعد خبریں سننا
ہیں۔

بیٹے ہو گیا اتوار ٹی وی کی نظر اور
سارے کام آگے اتوار کے لئے ملتوی ہو گئے
اب دیکھنا ایسے کتنے اتوار اور نکلیں گئے
تب جا کر جو تا مرمت ہو گا۔۔۔۔۔

دیہیوں میں رکھے چراغ

مشہور افغان نگار رام فضل کی ایک ادنیٰ کتاب
خاک نگاری۔ تنقید نگاری اور افغان نگاری کا حسین امتزاج
مجلد خوبصورت گردپیش۔ قیمت: ایک سو دو روپے

اجنبی شناسا

طاہرہ بلوچ

وہ دیرے دیرے قدم اٹھاتا ہوا۔ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ غار دار جھاڑیوں سے اُبھر کر اس کے پیرے تار تار ہونچکے تھے۔ جسم پر غراؤں سے خون اس رہا تھا اور کچھ پر کھڑکھڑا رہے تھے۔ چہرہ سہر سافٹ کی دھول تہہ در تہہ جی تھی۔ آنکھوں میں ست جگہ اپنا غم لے کر اس کی پلکیں کو پھل بندھا تھا آنکھوں کی آسروں سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ کتنے دواں اور تشاؤں کے صحت جانے کا ہے یا نکل کر دواں اور تشاؤں کے جہاں ہے کی۔ پیٹھ کی توندیں پھٹنے کی بجائے اس کے چہرے پر کھردری چھتیں۔ انداس سے اس کے چہرہ پر کھردری کھٹے بن اوصاف رہے تھے۔ خشکی سے بدن کا حصہ آتے ٹوٹا ہوا کوس ہر با تھا۔ مگر قدم تھے کہ سوز ایک ہی رفتار سے بڑھتے جا رہے تھے۔ بالکل اس سفاکی کے منہ سے حق و دق سے لیں بے شک جانے کے بعد وہ کہیں سے نکلتا ان کے آواز نظر آ جاتیں۔

خٹک جھاڑیوں کی چنیاں اس کے پاؤں سے آکر خٹک آوازوں سے چنچ رہی تھیں۔ جیسے اسے واقعی حیران یا اپنے کی مبارک بندہ سے رہی ہوں۔ ہوا پر بند تھی۔ مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی جھوٹا درختوں کے پتوں کے لافوں میں سرگوشی کر رہا تھا۔ اور اس ٹھکانہ سے انسان کے پیڑی پر ہر غلہ پر سلاٹ بھر جاتی تھی۔ حالانکہ ہر سلاٹ کے ساتھ اس کے پچھلے ہوش کے دھبوں سے غلہ کی ایک نئی سی وحدت چھوٹ پڑتی تھی۔ مگر آواز پیچھے بہ جلد اور لہر لہر سا نظر آتا تھا شاید آواز وہ جس جو تکلیف امداد کو ظاہر کرتی ہے۔

بالکل مردہ کی جی تھی۔
ایک ایک جگہ جی جی جی جی سے ایک ختم ہوتا سا پردہ پھر پھر کڑکڑایا۔ اور ہر کھڑکی کے طرف پہلے مار کر نہ لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس کی نظروں میں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ مگر وہ قدم بلے میں نہ ایک بڑے پتھر سے ٹکرائے۔ انداس نے پھٹنے کے لئے درختوں کو سمجھ لیا۔ سمجھ پاتے ہی اس کے لمبی

آواز کو کہہ دیر کے لیے سستالے۔ مگر پھر خیال آیا کہ اس وقت وہ یہاں تک گیا۔ تو پھر شاید وہ کبھی بھی اپنے قدم اٹھانے کا نہیں ان ہی درختوں کے ساتھ کھڑا رہے گا۔ انداس کا وہ چھوٹا دھبہ فزول رسیدہ پتوں کے ڈھیر سے دب کر گھوٹ جائے گا۔ نہیں۔ نہیں۔ پچھلے گناہیں یا پچھلے پیر مہیا کر وہ دوبارہ آگے بڑھنے لگا۔ ساتھ پھٹنے لگے۔ امداد کو کی آواز تھی کتنے تھی اسے جلد ہر پھٹنے سارے سارے پہلے اس آجکل کے سفر کو ختم کر کے آبادی میں داخل ہونا تھا۔ اس کے قدموں میں اب لاکھڑا ہوش پیدا ہو رہی تھی۔ ہر جہز ہے کہ قوت اسے بڑھانے چاہی تھی۔ درختوں جھاڑیوں اور آگے بڑھتی تھی اس کا سلسلہ ختم ہوا۔ ساتھ ساتھ پتے نظر آئے۔ میں کارنگ تو تھوڑا سا تھوڑا سا تھا۔ مگر اس وقت سر کی نظر آ رہے تھے کہ یہ پھٹنے لگے ان فیصلوں کے قریب کہ اس کے لئے مار کی گیا۔ جیسے کہ سمجھ رہا ہو۔ مگر کوئی فیصلہ نہ کر رہا ہو۔

[illegible]

دلت وہ دعائوں کے مقام خود دل کے ہر مانتا ہی انگن وصول
 پر اسٹائے غم غور خان ملک لڑا۔ اوجھیں اسے ایک
 تھکے تھکے تھکے سلوا۔ اکرام و سکوت ہے۔ اس دلتا
 وہ کھنڈا کھنڈا سا رہا۔ اٹھاس اٹھاس سا۔ ۱۱۰
 بعد شام کا گریک ختم سا دینے کے لیے کھنڈا
 روشن کر کے کھنڈا غور خان کو لڑا دیتا۔ اور پھر وہ
 پاؤں لٹا ۱۱۰۔ کو کھنڈا پرانی کے ہنڈے کو پتہ نہ
 جانتا اسے پتہ نہ تھا اور پھر بھی حق۔ دعاب
 حافی سپہا رہا۔ اور پھر کھنڈا کھنڈا کھنڈا
 کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایک پتہ میں وہ اپنی کھنڈا
 پانچ پانچ کھنڈا ہے۔ کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا
 کھنڈا اور دھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا
 مگر اسے یہ قرار تھا۔ کہ ایک پتہ کھنڈا کھنڈا
 کے کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا
 اسے کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا
 اسے پتہ تھا کہ وہ کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا
 ہے۔ یہ کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا
 تھا۔ کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا
 اپنے خانی کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا
 سب کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا
 اسے اب پتہ تھا۔ اس اس اس اس اس اس اس
 وہ کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا
 وہ کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا کھنڈا

نہیں بلکہ جو غلطی میں تھے۔ یہی حال بدیہہ کا تھا۔ اس کی فطرت پر پھلا۔ یہی لڑکی تھی کہ اعزام کو تنگ تھا۔ اور پھر سب سے زیادہ اسے زندگی کا رویہ دکھو دیتا تھا۔ وہ بطور کسی شریک اور شریک لڑکی جو بوجہ فطرت کے بہ نسبت تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس کی نگ شہادت دکھ لڑا وہ ہی پہنرتی تھی۔ اور اگر وہ اپنی اکبر کو رہا ہوتا تھا۔ تو پھر تنگ کے اس کا لڑکا کھلتا حاضر ہوتا ہوتا تھا۔ وہ اس پر بڑا بڑا ٹکڑے مٹھاتا۔ اور ساتھ زندگی کی کھنگھلیاں جو پتی ہنسی سنائی دیتی تھیں اس ہنسی کے یوں گمراہ ہوتا۔ جیسے وہ کسی گمراہے ٹھکانے پہنچے کہ پڑھ سکوں کہ رہے رہا بیٹھا ہو۔ پھر سب کچھ اے! کھینچا لیا اس نے کہ پراس سے زندگی کی ہنسی روک لی تھی۔ سب وہانی تھی۔ رکھات چھتے کرتی۔ خوب صہا سوچا کہ کہیں منہ سے کوئی بے تکلفانہ لفظ نہ نکل جائے۔ اگر کوئی بے رحم لڑکا کچھ زندگی پر سب کیا ہے۔ مگر یہی وہی لڑکیوں کے ہیں۔ بیٹیں اور بھائی۔ وہی اکبرس سے تم سب واقف ہوتے ہو۔ انہیں اور بھی سنجیدہ ہو جاتی اور بدیتی وہ اکبر کا تو تم بہت بڑے آدمی بن گئے ہو۔ الیم۔ اے بے نام سے کیا ہوتا ہے۔ ذکر غرض اس کے کہ پھر سے کوئی بیگناہ زندگی انھوں میں اسے اپنا کھس نہ لے۔ آ۔ ابھی۔ ابھی سنا آفریقہ تمام رنگینا کے ردیوں سے اس میں یہ احساس پیدا کی ہوئی گیا۔ کہ وہ اب ان سب سے مغرور ہے۔ سب سے الگ۔ سب سے جدا اس میں انجینیت کا احساس زیادہ آ جا رہا ہے۔ اور پھر بڑے سکون ہو گیا ہے۔ یہ بچپن وہ خواب دانوں کی کھنگی میں لپٹا۔ اور وہی کو کر کے میں جودہ پاس کا حوں بن گیا۔ ہاں کے کاہوں میں کچھ زیادہ تیزی تھی۔ با با کے بچے میں اعزام کا جذبہ بھی اب بڑھ گیا۔ یہی بھائی کچھ زیادہ ہی کہ میں دیکھتے تھے۔ اے! اور شیر مرد کہہ دیتی کہ ایک نام نہ نہ تھے۔ زندگی کی آنکھوں میں ابھی کو کھس چم کر رہ گیا۔ اس نے سوچا سب کہاں اس کی حودت نہیں رہی۔ کیا اسے خجہ چلا جاتا ہے یا پتہ ہو گا وہی میں تو ابھی ہو گا۔ پھر کیا کرے۔

ہریانہ اردو اکادمی

ڈاکٹر میرالال چوہڑہ

اکادمی نے اپنی پانچ سالہ مختصر سی زندگی میں اردو ادب کی وہ خدمت انجام دی ہے جو ملک بھر کی دوسری اردو اکادمیوں کیلئے شمع ہدایت اور دلیل راہ کا کام دیتی ہیں۔ اگر اکادمی کی طبعیات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ اکادمی نے کوئی ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جب کہ عوام کے علم و دانش میں وہ کوئی محسوس خدمت سرانجام دے سکے۔ پنڈت برہم لال نیر و مولانا آزاد کی جن صدی کے مواقع پر ان کے متعلق اردو میں وہ مواد فراہم کیا جو کسی دوسری زبان میں ابھی تک میسر نہیں ہوا۔ اسی طرح اسے ہریانہ کے گزشتہ ترقی یافتہ دانشور کے متعلق اپنے مسودہ کی جگہ دے کے خصوصی بزرگ شائع کئے۔ جو نائنٹھ لاکھالی نمبر ہریانہ نمبر آٹھ لاکھ پندرہ لاکھ نمبر کے نمبر ہریانہ کے موجودہ شعراء کے تعارف و کلام کے متعلق تیسرا نمبر اور ہریانہ کے دیگر مصنفین کے نو کی کارناموں کی اشاعت کر کے یہ مصنفین کو اپنے لائبریری کی خدمات

مردم سید مظفر حسین صاحب برنی رحال صدیقی کیسٹ ۱) نے ۱۹۸۸ کو ہریانہ میں اردو اکادمی کا سنگ بنیاد رکھا اور محض اردو کے فروغ کو ہی نہ نظر رکھتے ہوئے بلکہ امتیاز مذہب و ملت ایک ایسے خالص شخص کو اس کا سربراہ مقرر کیا جو حقیقتاً اردو کا شام افسانہ نویس اتفاقاً دہلی سے اردو کی تبلیغ و اشاعت کا خواہاں تھا دیر و قیسر جاوید کی شش کے بعد جنہاں شیری لال ڈکڑا کی اے بی۔ بی جو گوڈنٹ کے مقررہ قیام میں باپچے اساتذہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس اکادمی کے سربراہی مقرر ہوئے۔ اور مذکر صاحب نے دل و جان سے اس بات کی کوشش کی کہ ہریانہ کی افسانہ پرور کی کشتی دوبارہ قیام کی جائے اور شعراء کے فضل و کرم سے اس کی بے لاک کوششوں اور اچھے رشتہ دار مددگاروں کی احسانت نیز حکومت ہریانہ کی قابل قدر سرپرستی سے وہ اپنے اردووں میں ترقی پسند کا پیار ہو گیا۔ دیکھا جائے تو ہریانہ

پہلی حقیقت یہ ہے کہ قیام ملک کے وقت شائع ہوا اگر کسی ادیب کو نقصان پہنچا ہے تو وہ اردو ادب کا یکونہ اردو کے سلطان شعراء اور اکثر و بیشتر پاکستان چلے گئے اور ہندوستان میں غلط اندازہ لگاتے ہوئے اردو کو محض سلاٹوں کی زبان سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت کا بازار گرم ہو گیا۔ لیکن بعد میں ہندوستان کے اردو ادب کو اردو و ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کی سب قوموں کی مشترکہ تہذیب قرار دے اور ان کے احیاء و بقا کے مسائل کی جوڑیں سمجھ جائے گئیں۔ سب سے زیادہ نقصان دہلی ہند کے حلقہ ہریانہ کو ہوا جو اردو کا ایک گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ حالی اور دیگر افسانہ نویس کے شعراء وادب کا شمار دیکھ سکتا تھا۔

اس حلقہ میں اردو کو پھر سے زندہ کرنے کے وسائل پر غور کرتے ہوئے ہریانہ کے ادیب

میں ممالی تھا اور اس لئے کہ اگر وہ اس کا نام لے گا تو اس کا نام لے گا۔

پس کے قسریہ کتابیں ادا کی گئی خود
شاعر کی زبان اور اس کی کتابوں کے اضافہ میں ممالی
اور اس کی ہے اس کے علاوہ ادا کی گئی اور اس
جس نام اور سرور کا جو نام اس کی نوعیت کے مفرد
جوانوں میں۔ بچوں کی مفت اور تعلیم کے لئے کوئی نہیں
مرکز قائم کیے جہاں بچوں کو کتابیں بھی پیش کی
جاتی ہیں اور اس لئے کہ مقرر کر کے اپنی عمر کے علاوہ
دے کر وہاں ان کو اس شیک کام کیلئے بھیجا جاتا
ہے اور بچوں کو اگر وہ تعلیم کے بعد خدمات سے
نوازا جاتا ہے۔

اسی طرح کتابت کے کئی مرکز قائم کئے
ہیں جہاں سے لوگ کتابت سیکھتے ہیں اور پھر
ان کی ملازمت کا بھی انتظام کیا جاتا ہے مختلف
موضوعات پر اور دو سیمیناروں کا انتظام کیا گیا ہے
ہے یہاں تک کہ سرور کوئی ناول کے مستحق بھی
سمجھا گیا گیا تھا تاکہ عوام کو اس کی ادبی زندگی کی
بھی آشنائی دی جا سکے۔ جب تک کوئی ادیب
یا شاعر ہر پانچ سالوں میں ملتا ہے تو اس کی ادبی
نشست بھی کی جاتی ہے تاکہ ادب کے طالب علم
اس کی محاسن سے مستفید ہو سکیں۔ اس کی سب سے
گورنمنٹ ہاؤس میں ہر سال شام بہار فیسٹ
کے زیر انتظام ایک سیمینار منعقد ہوا ہے جس میں
ادبی و سماجی مباحثہ کی دعوت پر شرکت کے لئے
گھیا جاتے ہیں ہر پانچ سالوں کا اسی نے نشست
اور ان نشستوں میں ان کے استادن ہیں
ناگربھٹا، غرضی حاصل ہوئی۔ ان کا نام ہے اس
سال سے پانچ سالانہ خدمات کا اعلان کیا ہے
ہو گیا ہے اور ہر دو سال کا نام منور ہو گیا ہے اور
میں سمجھا دیتے ہیں حال کے لئے مخصوص ہے۔ ہائی
ان خدمات کا پانچ سالوں میں ہر دو سال ہر سال
ہم کے متعلق دو سالہ پانچ سالوں کے ساتھ ہیں
سب سے اچھے اور فکری استعداد کے قریب اس سے
سب سے اچھے اور فکری استعداد کے قریب اس سے
نور کی قدرت کی ہائی تھا یہ ایک کتابت

ہر سال میں ہر پانچ سالوں کی ادبی تاریخ اور سماجی و
کے لئے اور وہ اس کام کو پانچ سالوں کے ساتھ
کی تلاش قسمی ہے حکومت ہر پانچ سالوں کی نیک
نیتی اور معنی کے لئے ہر سال کو مقررہ نظر رکھتے ہوئے
ان کی تمام سفارشات کو مشرف قبولیت و توثیق ہے
اور اس کو بھر پور کرنے کے لئے ایسے کام کیے جاتے ہیں
جو ادبی خدمت کا ہر پانچ سالوں کے لئے ہیں۔ ان میں

مشہور شاعر یا شاعرین کی نقوی قسمیں ہر پانچ سالوں
ان کی ادبی تاریخ ہر پانچ سالوں کے ساتھ ہر پانچ سالوں
ہر پانچ سالوں کے ساتھ ہر پانچ سالوں کے ساتھ
ہر پانچ سالوں کے ساتھ ہر پانچ سالوں کے ساتھ
ہر پانچ سالوں کے ساتھ ہر پانچ سالوں کے ساتھ
ہر پانچ سالوں کے ساتھ ہر پانچ سالوں کے ساتھ
ہر پانچ سالوں کے ساتھ ہر پانچ سالوں کے ساتھ
ہر پانچ سالوں کے ساتھ ہر پانچ سالوں کے ساتھ

”بول ابول“، ”انمول“ اور ”اوتار“ کا خالق

دیکھو

مستبر اور مفرد و بیک کا اسیلہ شاعر ہے۔
”ماہیا“ حوامی اصناف خیری ہے، جن میں، بالائے
طور پر انہماک محنت کا ایک فارم ہے۔
اس حوامی صنف خیر میں صاحب دوا ہونے کا تو ایسی شرف جناب و بیک
قر کو قدرت کی طرف سے دعوت ملتا ہے۔

نئے ہمارے

ایک ایسی ہی صنف کاوش ہے جسے اندرون نقوی کاہر اور شاعر محبت اور فکری نگاہ سے دیکھو گا۔
خوب خدمت اور خدمت کا ایک — اعلیٰ کتابت و طباعت
فیض: بھاس دو ہے
شاعر ہندوستانی کیشنور، نئی دہلی۔

ہسان انصاف حضرت اکبر الہ آبادی کا مکمل اور مستند کلام

کلیات اکبر

چھپ کر تیار ہے۔ مجلہ، بہترین کتابت طباعت، جو خوبصورت گروپوش
قیمت: ایک سو پچاس روپے

باب انتقاد

دعا میرا کہ جس میں جو ادبی کام اس نابھیری میں ہو اس کی تفصیل کے لئے ایک انگلیش معین کی ضرورت ہے۔ "عظیم پوش زبا" کی اشاعت میں ایک جزیرہ معین کا نام ہے جس کے لئے خدا بخش نابھیری کے ڈائریکٹر اور ان کے رفقاء کا رہنا ایک مسکن ہے۔

"عظیم پوش زبا" سے ملحق ملک کے مشہور محققین اور قابل ذکر ادیبوں نے مختلف وقتوں میں جو مقدمات تحریر فرمائے ہیں، انہوں نے بڑی وجہ سے اس کے ساتھ "عظیم پوش زبا" کے نام سے ایک شاخ کو دیا گیا ہے جس کے مطالعے سے "عظیم پوش زبا" کے پڑھنے والوں کو بڑھتی آسائش اور کئی معلومات سے جاگرافی ہوگی۔ یہ مقدمہ ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت جس حد پر ہے۔

"عظیم پوش زبا" کی یہ جلد ہی خدا بخش اور ان کے ایک نابھیری پرنٹسٹ خریدی جاسکتی ہیں۔

میں نے اس جلد کو "عظیم پوش زبا" کے نام سے ایک انگلیش معین کی ضرورت ہے۔

آٹھ صفحات پر مشتمل ایک جلد میں "عظیم پوش زبا" کے نام سے ایک انگلیش معین کی ضرورت ہے۔

۱۹ ویں صدی میں اس شاخ کی داستانیں مسدک نے پہلی کتاب "عظیم پوش زبا" کے زیر اہتمام شاخ کی علی ہے اور نہ ہی وہ کسی اشاعتی خوبیوں کے ساتھ شاخ کی علی ہے۔

عظیم پوش زبا

- جلد اول: صفحات: ۵۵، قیمت: ۵۰ روپے
- جلد دوم: صفحات: ۳۳، قیمت: ۵۰ روپے
- جلد سوم: صفحات: ۱۹۹، قیمت: ۵۰ روپے
- جلد چہارم: صفحات: ۱۸۰، قیمت: ۵۰ روپے
- جلد پنجم: صفحات: ۱۱۰، قیمت: ۵۰ روپے
- جلد ششم: صفحات: ۱۱۰، قیمت: ۵۰ روپے
- جلد ہفتم: صفحات: ۱۱۰، قیمت: ۵۰ روپے
- جلد ہشتم: صفحات: ۱۱۰، قیمت: ۵۰ روپے

'ارتعاش'

کے بعد مترجمہ کی کاٹھ سرا جو کلام اضطراب

طباعت کی آخری منزل میں — اشاعت سے پہلے درائن جماعت والوں کو خوشی بہانیت

دفتر شاہی ہند نئی دہلی ۲۰۰۰-۱۱

خدا بخش نابھیری پرنٹسٹ نے "عظیم پوش زبا" کو شاخ کر کے اس کتاب داستان میں جو کلام کے پڑھنے والوں کو بڑھتی آسائش اور کئی معلومات سے جاگرافی ہوگی۔ یہ مقدمہ ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت جس حد پر ہے۔

من کہ مکتوب الیہ

آؤ نہ مہائی جی۔

یادیں۔ مہر و مزاج میری چنوت ہری چند اختر کا یہ شعر ہے "بہشتا میں تو دور افتاب ہے۔
دور افتاب ہے بہشت جانا ہوں۔" ایسا ہند کیا، یا غلط حسب حال محسوس ہونے لگی کہ میرا ہر ذرہ
ہر ذرہ افتاب سے الٹی لائین کو لیا۔ یہ کتنے شعروں بالی لائین ہو گا کہ ہر سیر کی شام کو کتنے بیس ایسا انداز آئی
کہ تیس خود ہی دیر ہر ذرہ ہونے لگا۔۔۔ ایجوکیشن۔ اسپتال۔ ۹ راکٹ ہر یک ذرہ مہاراج۔
دل کا ہلکا سا دھڑہ ہلکا تھا۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ جو نقصان پڑا ہے وہ دواؤں کی مدد سے
ٹھیک کر دیا جائے گا لیکن ڈاکٹر نے ہونے والے کچھ نہیں جانتے ہیں (۹)۔ بہ کڑی بہت ہو گئی ہے۔
میں لال خٹوا
پنسلو لندن۔

ادریہ بخور خیمہ سرکون ہو سکتا ہے؟ فیاد لگائیں۔
میں میں ہو گئے۔ اس طرح میں یاد افتاد شخص و احقر
کر دہ پڑ جاتی ہے۔ حضور آپ ہی ہیں۔ اور
کون ہو سکتا ہے؟
خیلا بھی جی کہ ہم دونوں کی طرف سے بہت
بہت تھے۔ بزم آئو ہر کوئی کہنے کا اور لڑکے
بشر و حیات و صحت آنا ہوا و حضور درخشن
کروں گا۔

ادب کے ساتھ آپ کا

احقر

نہایت۔

مزم تو مہائی صاحب

عقیدہ میں!

مہر و مزاج میری چنوت ہری چند اختر کا یہ شعر ہے "بہشتا میں تو دور افتاب ہے۔
دور افتاب ہے بہشت جانا ہوں۔" ایسا ہند کیا، یا غلط حسب حال محسوس ہونے لگی کہ میرا ہر ذرہ
ہر ذرہ افتاب سے الٹی لائین کو لیا۔ یہ کتنے شعروں بالی لائین ہو گا کہ ہر سیر کی شام کو کتنے بیس ایسا انداز آئی
کہ تیس خود ہی دیر ہر ذرہ ہونے لگا۔۔۔ ایجوکیشن۔ اسپتال۔ ۹ راکٹ ہر یک ذرہ مہاراج۔
دل کا ہلکا سا دھڑہ ہلکا تھا۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ جو نقصان پڑا ہے وہ دواؤں کی مدد سے
ٹھیک کر دیا جائے گا لیکن ڈاکٹر نے ہونے والے کچھ نہیں جانتے ہیں (۹)۔ بہ کڑی بہت ہو گئی ہے۔
میں لال خٹوا
پنسلو لندن۔

دعوت آپ نامہ میں۔
دعوت آپ نامہ میں۔
دعوت آپ نامہ میں۔
دعوت آپ نامہ میں۔

تصور ہر شاہو کے کردار اور خصوصیات کی کھاسی
پھر کچھ سے مہر و مزاج کی آئینہ شمس اور حقیقت سکھاتا
دوائی، بیان و اظہار پر بے پناہ قدرت، قدم قدم
پیدا سہولت کھینچتی ہے کہ "جاں نجات"۔
آپ کا
ہر مہر و مزاج علی وادریہ
مہائی۔

آؤ نہ مہائی صاحب! نئے!

خدا جل جلالہ حالت سے آگاہی ہوئی۔ آپ
کی صلاح کا بیان کر بہت انوسس ہو گا۔ اگر آپ
فرائض کو جائیں تو میں کیا کہہ سکے ہوتا۔ ۱۲ راکٹ
سے ۱۲ ستر تک پڑنا مہر و مزاج کا ایک ایک
خود وادریہ لگنا کہ نہ میں آتا چلا گیا اور لگا رہی
۱۲ راکٹ سے کم نہ ہوتا تھا۔ ایک کون ہے۔

پنجاب میں کتنے عرصے ہیں اور کتنے
بہرہ وادریہ میں نہیں رہتے ہیں مہر و مزاج کے ہر مہر و مزاج
بہرہ وادریہ میں۔

ایسے نادان نہیں ہاؤز میں کتنے
جانتی آگاہی میں خود بخود ہو گئی تو ہے

برادر سردار صاحب! شلیات!

آپ کے خط کے بعد آپ کا انتظار رہا مہر و مزاج
ہوتا ہے آپ کا کھٹو آنا دیکھ سکا۔ خدا کہنے آپ کی
تندرستی اب بالکل ٹھیک ہو۔ میں بھی اب دلی
حرص سے دلی نہ آسکا۔ مشاعرے والی کتاب کا انتظار
رہے گا۔

آپ نے شعر وادریہ "بہشت" بہت اچھا
تبصرو کیا تھا۔ آپ کی "طوت وادریہ" اور محبت
کے لئے مہر و مزاج۔

آپ کے بیان کا اس کی طرز کا کام چھپتا رہا
ہے۔ اس لئے کھٹو کے ایک بزرگ شاعر شمس
چشتی کا کلام آپ کی خدمت میں مہر و مزاج
بجھ رہا ہوں۔ شمس صاحب بالکل شاہ آدھی ہیں۔
پچاس برس سے شعر کہتے ہیں لیکن ان کا نہ کوئی
مرد چٹو، نہ سر پرست، حالانکہ ان کا کلام ایس
لائق ہے کہ نہ ٹانگہ پہنچے۔ ان کی دوا درست ہے
کہ مہر و مزاج شمس شمس ہو جائے، اس لئے وہ محبت
مہر و مزاج ہے۔ اور او کرم ان کے کلام اور مہر و مزاج
رہے ہر ماہ راست ان کو بھجوا دیں۔ مہر و مزاج۔

نیا دہ

شمس الرحمن خاوندی

کھٹو۔

برادر کرم — تسلیم!

خط کا کھٹو ہے۔ کتاب دلی کے شاعر
مہر و مزاج ہوئی۔ کتاب ہی ایسی میں کہتے ہیں
اس کی طرف مہر و مزاج ہو گئی۔ مہر و مزاج ہر ذرہ آپ
کی تمام طبیعت حالت کی خصوصیت ہے لیکن آپ کے
ہاں ادبی وادریہ کے ساتھ، مہر و مزاج جڑیاں لگائی
اور مہر و مزاج کو ایک دیکھ کر مہر و مزاج پر دیکھ کر جو
خیر مہر و مزاج ہے وہ آپ کی طبیعت کا
طرز وادریہ کی چیز نہ ہو سکتا ہے۔ ہر مہر و مزاج کی

خیال ہے۔

اس خطبہ جلدی کو شکست دینے اور اسے
میں تسلیم کرنے کو ایک بار پھر تازہ دم ہو کر کھڑا ہوا
اور وہ نے سرود آواز مچا دیا۔

جہ جنت مروان مدو خدا
آئندہ کہ آپ اپنی فریاد سے غلغلہ مچا دیں۔

احقر
سید احمد قادری
ایڈیٹر "مقدمہ صحرانی" (کراچی)

تک وہ چیز مطلوبہ ہے اور بہت عمدہ ہے۔
غیرت سے جلد مطلع فرمائیں۔
مخلص
ذکی ناٹکافوی
برایلوں -

سے نکلتے تھے اس واسطے میں فی خاتمہ
اصلاح اور زبان و قواعد پر جو مضامین شائع
ہوئے، ان کا انتخاب شائع کیا ہے۔ کتاب جلد
آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ دیکھ کر
دیکھ کر اسی اور تجربے سے فائز ہوں۔ حضرت سید
جو تیار ہوئی ہے جو تبصرہ ارسال فرمایا ہے اگر
آپ شائع کرنا چاہیں تو ارسال کر دوں۔ ایسی

مشہور محقق جناب انور سدید کا فرمان

دلی کے مشاعرے

مشاعروں کی تہنیتی روداد نگاری کا اہل نقوش مرزا فرحت اللہ
جیسے بنایا۔ اس کو نقیض مذہب و تاریخ کہنے لگا۔ آزاد کی کہ جلد ۲ فروری ۱۹۹۵ء
کو جب دہلی میں ہمارے کے جشن جمہوریہ پر لاٹھیاں بٹھائی گئیں تو اس کی یاد دلا
مسٹر قزوینی نے بھی اور اے اتھن نقیض کوئی کرانے سے ہر سال اس قسم کی رپورٹ
لیجئے کا مطالبہ کیا جلتے رہا۔

زیر نظر کتاب "دلی کے مشاعرے" ۱۹۹۵ء سے لے کر ۱۹۸۳ء تک کے اہم مشاعروں
کی یاد دلا ہے۔ سرور قزوینی نے ان مشاعروں میں محسن ایک شاعر کی مجلس فریاد
اور انہی کیا، جگہ ان مشاعروں میں محسن اور شاعر مشاعر کا نمونہ بھی دے رہی ہیں۔
اور ہر حال پر اپنا بے لاگ تبصرہ کر کے غزل کی قیاسی قلم بھی کر دے ہیں۔ اس میں ان میں
انہ کی ایک غزل یہ ہے کہ وہ مصافحہ دے لے کر یہ نہیں کرتے اور کسی کو تاشی دے
کی دھن میں شہر آباد ہوئے کا سوچنا بھی نہیں دیتے۔ اس کتاب میں سرور قزوینی
ایک ناظر کی شہرت میں سامنے آتے ہیں جو مشاعرے کے طرز کار کی سب کو کہیں دیکھ سکتے
انہیں فرح دلی پر مصروف کر رہا ہے اور اب انہیں ان کی مصروفیت کے کسی قصور کو یاد دلاؤں
کو تانہ کر رہا ہے۔

مشاعرہ اور تہذیب کا ایک اہم اور دلکش ادارہ تھا، لیکن مرزا فرح اللہ کے
ساتھ شاعر فریاد رساں ہو گیا اور مشاعرے کا تہذیبی مزاج مذہب و تعالیٰ ہو گیا یہ کتاب
مشاعرے کے فریاد سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد تعالیٰ کا مذہب رنگ کا تاریخ
بالواسطہ سامنے آئے ہیں۔

اسے مکتبہ شمس بوند نے خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔

انور سدید

"ادراک" خاص خبر، جولائی ۱۹۹۱ء

میر تقی
اپنا سہ خان بوند تھی دہلی
کدواں!

جوں اور جولائی ۱۹۸۵ء کے دہلی شاعر
ہے، قلم یہ ہے! انتخاب چند دیکھنے کا پہلا انتخاب
ہے۔ جہاں اور کتاب سے ہی مزاج طو سٹیں
ہو گی۔ مسطورات کی فرسنگ سے مزارع سٹیں
کھاتی ہے۔ کتاب جلد بیٹھا اختیار ہوا اور انہی
جیت گیا تھا کہ ہے۔ اسے مال احباب سے منبوا
بھانپا جائے گا کہ نقیض میں بھی جاری رہے۔ آپ
انہ کے لکھنے پر اور اہلادارات میں "کتاب
بوند" کا اختیار اس سے گمان میں ایک بار منبوا
دیکھ لے۔ آج شہر اس کی تعداد (انتخابات میں
افراد ہوگا۔ بہت سارے لوگوں نے بیٹھا نہ تو
آج شہر اس پر چم دیکھا ہوگا اور اس کے بارے
میں سنا ہے۔ آئندہ قلم کے کا انتخاب ہے۔

نقد
فرحید انصاری مالگیر

میری "آداب دنیا" :
بہت دن سے آپ کی غیرت نہیں بی ہے
جس کی وجہ سے کھیل میں ہے خزاں کرے آپ
ہر طرح صحت مند ہوں۔

میری ایک کتاب : انتخاب رسالہ صحرانی
شائع ہوئی ہے جس کو بہت جلد کیا جا رہا ہے۔
رسالہ "صحرانی" حضرت آج احسن گوئی رہا ہو

شاعت

جلد ۵۲ شماره ۱۰

چیف ایڈیٹر
سرور تونسوی

جوائنٹ ایڈیٹر
مطہر صحرائی

اشاعت کا
۵۲ واں سال

اس شمارے کی اہم جھلکیاں

اب دیکھنا ہے کہ کڑی حکومت کے ایک اس جادوکار نے کیا نوٹ
دیکھ کر برداشت کرتے ہیں۔ "میں چھوٹے" تاجران۔

خزل۔ ڈاکٹر حفیظ آستان

ہو کا قرض (نظم) اختر شاہ جہاں پوری
دشمنی پر ہم چہ کی کہانی۔ "ان کی زبان"۔ "یا غافل ہم"۔ "پہلی خاکہ
کی خولوں کا نیا رنگ لکھ"۔ ساجد احمد۔

ماہیے۔ دیکھ کر

اچھوس کی زبان کہانی و جاہل سہیل سہیلوی۔ "صحت چٹائی کی باتیں"
(آذلی خاکہ) دام سل

دیکھ بادل، بستی بستی، عطا حیدری، "آشیانہ جہ پوری" بقیہ تونسوی
قرآن لای کی خبریں۔

باب آشیانہ اور من کہ مکتوب زید
مستحق کام پرستور

پرنٹر، پبلشر، پروڈیوسر: وقار پرکاش سرور، تونسوی
طباعت: خواجہ پریس ایجنسی، مقام انعام، دفتر ماہنامہ
"شبانہ" فلیٹ ۵، انارکلی، لاہور۔ دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

ہند پرست ہوں نہ مسلمان پرست ہوں

دامن پرست ہوں نہ گریباں پرست ہوں

ہر ذرہ وطن سے ہے قیاض مجھ کو پسند

یعنی وطن پرست ہوں انسان پرست ہوں

قیاض کو ایاری

محاسب غیر میں۔

ہندوستان سمندری ڈاک

بروز چھ ہوائی ڈاک

قیمت فی شمارہ۔

قیمت سالانہ

ڈیف میری

۱۰۰/- روپیے

۲۰/- روپیے

پانچ روپیے

پچاس روپیے

پچاس روپیے

غزل

ڈاکٹر حقیقہ استانی مرحوم



طرب ہو، آشتی ہو، خود سری ہو
 اور اُس پر جان لیوا بزم ہی ہو
 تجھے محفوظ رکھیں جان و دل سے
 خُدا رکھے اگر اِس میں کمی ہو
 کسی کو بے وجہ بہمار کر دیں
 زیادہ گر نہیں اتنی تو پی ہو
 وہ دن آئے ضرور آئے خُدا یا
 ہمیں بھی آپ کی طرح خوشی ہو
 کوئی آتا ہو جاتا ہو بلا سے
 کسی کے ہاں کسی کا جب بھی جی ہو
 بہت ممکن ہے اس دل کو تپ کر
 کسی نے دُور سے آواز دی ہو
 حقیقہ اب شام ہونے جا رہی ہے
 تیری خدمت گزار ی کیا ابھی ہو؟

جسٹس کی کوشش کی ہے کہ جنہوں کی جہاد کی سرپرستی ہو۔

اگر ان کی کوشش کامیاب ہو جائے اور ہندوستان کی اکثریت اہل مذہب و ملتوں کے درمیان میں بٹ جائے تو اس سے کسی بھی مذہبی اقلیت کو کیا فائدہ ہوگا۔ کہ یہ ہم تسلیم کر لیں تو اس سے محض نقصان ہوگا۔ مسلمان پورے ملک میں بکھر ہوئے ہیں۔ اپنے اپنے علاقوں کے ہندو ممالکوں سے ناپاؤڑنے کے بعد کیا وہ وہاں رہ سکیں گے۔ اس کے علاوہ سرحدی علاقہ مان کوہ سازش اور کامیاب ہو جاتی ہے تو ہماری سیکورٹیوں کی صفوں میں دراڑیں پڑ جائیں گی جس کے نتیجے میں فرد پرستی کے طبلات ہماری جہاد و جدوجہد کو جو حد تک بنیادی طور سے اچھڑا کر نواح ہندو مسلم نواح نہیں ہے۔ جیسا کہ بارہا کہا جا چکا ہے۔ نہ مضبوط باہری مسجد بچاؤ اس کے قریب واقع ہندو بھی سیکورزم کی علامت بن گئے ہیں جن کو ہندو پرہلکے کے کارکنی سمار کے رام مندر کی شریک کے مہمان ہونا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو نسا عمار کی بڑی محنت جو ان کی بھینوں کو کھانے پر یہ بھی نہیں مانتا کہ بڑا مندر جو مسلمانوں کو کھا جاتا ہے یہ حال باہری مسجد کی طرح ان کا دفاع میں نہ مضبوط سیکور نظام بیک وقت کے استحکام و سلامتی کے دفاع کے ضروری ہے۔ اس وقت جو لڑائی سیکورٹیوں میں لڑ رہی ہیں، اس میں مضبوط سیکورٹیاں پارلیاں بکھارے تو کموں کو لڑنے اس چاند اور خیر خیر پرست عام لوگ بھی شامل ہیں، آپ کی یاد ہوگا کہ کوہ سرحد میں لڑا گیا تھا، نیاس کی شہریت۔ اس وقت ایک نیا جہاد ہی ہو سیکر نہ رہے دیکھنے والے بزرگ و عزم نگاہ میں ہندو کھانے پر کھانے کا اعلان کیا تھا کہ باہری مسجد کو اگر ہندو کہنے کی کوشش کی گئی تو انہیں ہوا چھڑا میری پیٹھ پر مانا ہوگا۔ وہ محض شکستہ کارڈی نہیں ہے جس میں خلا نیاس کیا جائے والا فساد ہے کہ کہہ کے لڑا دے جسے آزاد چھوڑ گئے۔ لیکن اگر کہہ سیکر کوئی نقصان نہیں پہنچا یا گیا، اس کے انہوں

بنیادی طور سے اچھڑا کر نواح ہندو مسلم نواح نہیں ہے جیسا کہ بارہا کہا جا چکا ہے۔ نہ صرف باہری مسجد بلکہ ان کے قریب واقع وہ مندر بھی سیکورزم کے علامت بن گئے ہیں جنہوں کو دشو ہندو پریشد کے کارکنی سمار کے رام مندر کے تغیر کے لئے میدانے ہوا کہ کرنا چاہتے ہیں۔

سے سیکر کا لڑا دہا ہو کر رہا۔ سرحد ہوا جوئی اور میں ان سے نہیں زیادہ کے سرحد ہاؤس میں ہے۔ ان کا جہاد بھی ایک سرحد ہاؤس میں ہو رہا ہے۔ "سیکر کو لڑنا ہمارا آپ ہے" کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سیکورزم کی لڑائی میں فرے تک لکھ رہا ہے کہ کسی سیاسی پارٹی تک۔ یہ تو فریضہ و بکت و سیاست ہندوستان کے تمام عناصر میں شامل ہیں جو اپنے ملک سے محبت کرتے ہیں، اور اس کی شاندار سیکورٹیاں بات کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ سرحدی سیکر مان اور ان کے ہوا ہم جہاں ہی اس میں جہاد لکھتے ہیں اگر وہ ملک اور ملک کے دستوڑ سے وفاداری کا جہاد کریں اور اس کا محنت جہاد پیش کریں۔ یہ زمان اس وقت وہ اہل تہذیب و ثقافت انہیں فائز ہی تک سیکورٹیاں انہوں میں جو انتشار پیدا کر کے کی کوشش کر رہے ہیں اسے کسی جہاد میں نہیں جہاد دیا جائے گا۔ ان کے ہونا فائز جہاد سے لکھتے ہندوستان میں کرنا ہے کہ ان کے سیاسی خطے میں محنت ہے جناب سیکر کے نقش قدم میں ہیں اہل ہندوستان کے ملکی شہریت اور ان کے ملک کے دفاع میں سیکورٹیاں بازی لگاتے دانی سیکورٹیاں ان کے ساتھ کر کے کا پورا حق ہے کہ جہاد کریں اور اس کا محنت جہاد پیش کریں کہ بھول کر شہریت ہندو ہمارا کشی کے کہنے کے اور ہمیں یاد دہر۔

قوی سما پر فرم پرست بڑی ست اہل چاہیں جہاد ہے۔ یہی پچھلے عام انتخابات میں انہوں نے رام مندر کا لڑا کر سیکر کو پورا لڑا رات لکھ اٹھا یا اور آخر بدیش میں اقتدار حاصل کر لیا۔ ان انتخابات کے پیش نظر انہوں نے ایک دفعہ پچھلے اچھڑا کر سیکر کو اچھا انداز دیا ہے۔ آخر بدیش کی حکومت نے باہری مسجد کے پاس واقع نڈل اور وقف کی زمین کو اپنی کوئی لینے لیا ہے۔ وہ اس زمین کو دشو ہندو ہندو کو منتقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ رام مندر کی تعمیر شروع کی جا سکے۔ لیکن ان کی کوشش کے عکسہ نہیں ہے ان کے بارہا ہوا پر پانی پھر دیا۔ جیسے میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ کوئی میں لینے والی امرائی پر کوئی منتقل جہاد بنا کر جاسکتی ہے نہ انہیں لڑائی اس کو کسی جہاد فریضہ یا فریضہ کو منتقل کیا جاسکتا ہے۔ اس جیسے کی جہاد سیکورٹیاں کے بعد شروع ہو جائے گی کہ کام ہو کر کرنا پڑا۔ لیکن ان کی کوشش جاری ہے۔ پچھلے سال امریکہ کو لڑا دیا گیا مارے جانے والے کار سیکورٹیاں کی پرستی نہانے کے لئے اس سال امریکہ کو لڑا دیا گیا۔ انہیں ان کی کوشش اور بزرگ دل کے ہندو لڑا دیا، دشو ہندو پریشد ان لوگوں نے نہ مضبوط باہری مسجد کے عکسہ پر لکھو اچھڑا کر لڑا دیا، اس کی باہری دہا کو

سے منکوحہ کی طرح جس میں ہندوستان کے لوگوں سے
اہل کی طرح کچھ ملک کے اقلیتوں کی بھی احساس
کے سیکورٹری نظام کو پیش کسی بھی طرح کا
مقدمہ کرنا مقابہ کریں۔ مزید قریب میں ابوجیا
کے صاحبہ حادثات پر تشویش کا اظہار کیا گیا اور
اس مسئلے کا اطمینان بخش حل تلاش کرنے اور
اسی دلائل پر قرار دینے کی پٹند اہل کی بھی کوشش

کی مناسبت سے ایک دفعہ پھر کرنا یا کہ ہندوستان
میں سیکورٹریوں کی کی نہیں اور بشرط صحت
مقدمہ اخوان بھی کر سکتی ہیں۔ کوشش کا خطر نامہ
دلچسپ ہیں تھا اور فرقہ پرستوں کے لئے عبرت
انجیز ہیں۔
بہ حال اُنہائی تشویشناک حالانکہ باوجود
مابوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ فرقہ

پرستی کے خلاف لائن جاری رکھتے ہوئے ہمیں
دوست نما دشمنوں سے ہوشیار رہنا ہوگا۔ اور
شملانوں کی حمایت کے نام پر سیکورٹریوں کے
خلف جو سازشیں کی جا رہی ہیں اُن کا ڈٹ کر
مقابلہ کرنا ہوگا۔

لوہ کا قرض

اختر شاہ جہاں پوری



چراغوں کی لڑوں سے جنگوں کی نمائندگی
تاروں کی نمائندگی سے لڑوں کی آزمائش تک
بُھلا ہی اچھا دوست و صہرا میں
گھٹاؤں اور چوڑوں میں
چمن کے پتے چپتے ہیں
جس کی تادہ کاری میں
گھڑوں کی تہک میں رنگ و بو میں ہے
کے مسکون تھا ایسا ہی کوئی شخص آئے گا
جو اپنے پہنے سے گلابوں کو گٹائے گا
اور ان کو مسترد کر دے گا دنیا کی نگاہوں میں
وہ جو غلطی کا تھا بچاوی
اور شہر میں کوسمیں تھا
وہی کے ڈوڑے ڈوڑے سے جیسے بے حد محبت تھی
محبت تھی پہلوؤں سے غریب نہیں کو پہاڑی تھی
نہیں مان تھا جس کا کوئی بھی تو جسم و دولت میں
اُس کے سر پہ تھیں سے اُس کے زیر سایہ ہی

بل تھا رنگ و نمکیت کا مستند اس غلی خرم کو
کہ جس نے ساری دنیا میں جہن کا نام روشن کر دیا لوگو
اسی کا نام تھی راجہ گاندھی
سربراہ نمکیت تھا وہ
جسے مسجد میں پساری تھی جسے مندر میں پسند آتا تھا
جسے ہر دھرم سے غلی آتا تھا
جس کی نظر میں سب برابر تھے
آکر وہ آ کر مندر میں کرنا تھا
مزاروں پر بھی ٹکپاے عقیدہ پیش کرنا تھا
بڑے بھگت مراد میں سے گزر جاتا تھا آسانی سے وہ آخرت
دہن کو ایک دیکھ کے سلا اپنا لپٹا تک جس نے دس ڈاڑ
لپٹ کا قرض ہم اس کا اتار دیں گے
دہن میں اب تک دکھ کر
دلوں میں جزیہ نہرو غدار کہ کر

آپ کی
اور آپ کے کاروبار میں
ترقی کا ضامن
ہو گا۔



نصف صدی سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک اہم اور مضبوط
حیثیت کا حامل
ہو گا۔

آپ کا اپنا بینک

بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹو بینک لمیٹڈ

جو سماج کے ہر طبقہ کا ساقی اور مددگار ہے۔ جہاں غلامین اکسینج سے متعلق سبھی
سہولیات دستیاب ہیں۔ جہاں جمع کی کئی درجہ پر دو سو روپے کا روپاری بینک

بے ایک فیصد زیادہ منافع ملتا ہے

ہمارے کھاتے دار ہی ہمارے سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

عازمین جو کینے میں مبادیہ کے خصوصی انتظامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین معیاری خدمات کا نمونہ ہیں

دھولی آفس
۳۶۵۵ نیٹاجی سہاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵

فادرین انس جمنج ڈپارٹمنٹ
۳۶ نیٹاجی سہاش مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۶۶۴۳۴، ۳۶۶۴۳۵، ۳۶۶۴۳۶
۳۶۶۴۳۷، ۳۶۶۴۳۸
ٹیلیکس ۳۱-۷۷۸۶۲۳ ZAMIN

ہیڈ آفس
زین رنگون والا بلڈنگ
۷۸ گھوٹلی روڈ
بمبئی ۴۰۰۰۲۳ مہاراشٹر



کل کی دنیا باپو کی نظر میں



”آنے والے کل کی دنیا عدم تشدد پر مبنی ہوگی، ہونی بھی
چاہیئے۔ یہ بنیادی اصول ہے باقی سب کچھ خود بخود ہوتا چلا جائے گا۔
فتنے، جماعتوں اور قوموں سب کو عدم تشدد اور پیار محبت کا
راستہ ہی اختیار کرنا پڑے گا۔
اگر ایسا ہوا تو آنے والے کل کی دنیا میں نہ غریبی ہوگی نہ لڑائیاں
ہوں گی، نہ انقلاب اور نہ ہی قتل و غارت ہوگا۔“

ترقی کے راستہ پر — امن کے ساتھ

مُنشی پریم چند کی کہانی
اُن کی زبانی
دیا نرائن جگم

منشی دیا تو نے حکم نے مسئلہ یہ ہے منشی بزم چند کس وفات کے بعد زمانہ کا پورا ہر چند بزم قریب آیا تھا۔ اسے بزمِ شریف سے منشی بزم چند کا خود اپنے بارے میں کہا ہوا ایک معنویہ خان کیا تھا۔ منشی بزم چند نے یہ معنویہ سالہ "چنسی" بنارہے کہ "اکرم کتا" بزم کے بگھا تھا۔ اسے بزمِ شریف سے بھرا دیا اور کسکھ سوز ہیج تک کے خود فوشت حالات زندہ گئے خان کے گئے تھے۔ منشی بزم چند نے "بیونہ سار" کے معنویہ سے اپنے حالات زندہ گئے قلمبند کیا جن کو منشی دیا تو نے حکم نے "زمنہ" کے بزم چند بزم سے خان کیا تھا۔ یہ معنویہ "زمانہ" سے ملا ڈپے۔

میری زندگی کا یہاں میدان کی طرح
 ہے جس میں بہت کچھ ہیں گڑھے تو ہیں کچھ نہیں
 ہزاروں مہر کی کھاؤں اور دلوں کا پتہ نہیں
 ہے جی حشرات کا ہزاروں کی سیر کا شوق ہے
 انہیں جیسا مانوس ہے جی -

میرا دم خبر مشورہ میں ہے نہ دلدل
 اک خط ہے جو کہ گت ہے - دلدل میں نہیں

کرتا تھا۔ جاڑے کا موسم تھا، چار بجے تک صبح سویرے
جا بکر نانا کا اور جب چھٹی پانا تھا وہاں سے میرا
گھر پانچ میل پر تھا۔ ستر بجے پہلی آٹھ بجے رات
سے پہنچ گھر پہنچ سکتا تھا۔ سویرے گھر آجائے گھر
سے جمل دیتا رو رندوت پر اسکول میں تین رات
کو کھا نا کھا کر گزرتی کہ سارے دن جسے بھلا اور کھلم
کب سوجھتا۔

پینے ناک میں دم لگایا۔ ایک وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے
 بچوں کا کھانا کھانے پر توجہ دیتا تھا۔ اس کی حالت
 دیکھ کر مزاج بڑھ گیا کہ اور خدا کی کسیت سے کیا
 جو کہو دلائے اور اسے دھوکہ رسات دے اسے کالی
 مرغ سے ساتھ بیٹھ کر کھانے پلانے۔ اس نے جانکر
 کا افریقا۔ بغداد میں جسے میں کھینچ کر دیکھ رہی تھی
 اس دو اسے دیکھ کر اندھ بن گیا اس کی اس کی
 ٹھونٹ دیا۔ میں نے پڑھت ہی سے بولوا اس
 جڑی کا نام پوچھا مگر انھوں نے نہ بتایا۔ کہا نام
 بتانے سے اس کا افریقا تارو ہے۔

جانبی کی جائے۔“

تھوڑے کرکے کرتا۔ یہی طرح صاحب بچہ کر کے
 بچہ کر کے میں داخل ہو جاؤں، یہی شخص مگر
 اس کے لئے شہر میں رہتا ہوں۔ یہ تھا۔ ارفان
 سے ایک دوسرے صاحب کے لڑکوں کو پڑھانے کا
 کام مل گیا۔ پانچ روپے تو وہ بھی۔ میں نے
 دو روپے میں گزار کر کے تین روپے کمروں کے
 منظم ارادہ کر لیا۔ دوسرے صاحب کے (مصلیٰ کے)
 اوپر ایک چھوٹی سی کچھ کھڑی تھی۔ اس میں اپنے
 کی اجازت مل گئی۔ ایک ماٹ کا ٹکڑا بچھا لیا۔
 باز اسے ایک جھوٹا سا میپ لے آیا اور شہر میں
 رہنے لگا۔ گھر سے کچھ پر تھی بھی لایا۔ ایک وقت
 بھی بڑی بک لیا اور رش دھو کر کچھ دیکھی
 چلا جاتا۔ حساب تو بہت تھا، ناول دیکھو پڑھا
 کرتا۔ پڑت رتن نامہ کا "فنا نہ آزا"
 اٹھیں وہیں پڑھا۔ چند کتاباں سنت ہیں پڑھا۔
 بک بابو کے انکو ترجمے بھی جتنے بھی لائبریری میں
 ملے سب پڑھ ڈالے۔ جن دوسرے صاحب کے
 لڑکوں کو پڑھا تھا، ان کے سامنے بیکو لیجی
 میں سے کچھ ساتھ پڑھتے تھے۔ انھیں کی سفارش
 سے مجھے بہ خوشی ملا تھا۔ اس کی دوسری کی وجہ
 جب ضرورت ہوئی پے اڑھا لے لیا کہ اتنا گواہ
 ملے پھر حساب بیکو کر دیتا۔ کچھ روپے ہاتھ
 آتے بھی تھے، جس دن تو وہ کے دو تین روپے
 ملے، میری قوت اداوی کی باگ ڈوری ہو جاتی
 تھی انھیں حوالہ کی دکان کی طرف بھیجتا تھا
 اور دو تین آنے کے پیسے سمیت ملے واپس نہ آتا۔
 پھر اسی دن گھر جاتا اور دو ڈھائی روپے آتا۔
 دو حکم دیا سے پھر اڑھا لیا شروع کر دیتا
 لیکن بھی کبھی اڑھا دیتے ہیں پس وجہیں بھی ہوتا۔
 جس کی وجہ سے سارا دن روزہ کھنا پڑتا۔
 اسی طرح چار پانچ پینے گزرتے۔ اسی
 درمیان ایک بڑا سے دو ڈھائی روپے کے کپڑے
 سلوا لے گئے۔ روزہ ادر سے کھانا کھاتا۔
 اس کا کچھ بڑا اور کھوٹا تھا۔ جب پینے دو پیسے
 ہو گئے اور میں روپے پانچ کا کچھ نہیں ادر
 سے کھانا ہی چھوڑ دیا۔ بچہ کر کے کر لیا جاتا۔ تھی

سال کے بعد اس کے روپے ادا کر سکا۔ اسی وقت
 میں شہر کا ایک بھلا روپے چھٹی پڑھنے آیا
 کرتا تھا۔ اس کا گھر دوسرے صاحب کے مکان کی
 پشت پر تھا۔ چنانچہ "جان و بھیا" اس کا سن بیکہ
 تھا۔ چنانچہ سب لوگ اسے جان و بھیا ہی
 کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے اس سے آٹھ
 آنے پیسے اڑھا لے لے گئے۔ یہ ہے اس نے
 کچھ سے میرے گھر کاں میں جا کر پانچ برس کے
 بعد وصول کیا۔ اب میں یہی پڑھنے کے لئے اس
 میں لیکن روزہ روزانہ اٹھتا ہوتا تھا۔ چھ
 چاہتا تھا کہ میں دیکھ کر ہی جاسے لوگوں۔ لیکن
 تو کوی کس طرح ادا کہاں ہوتی ہے۔ یہ مجھے معلوم
 نہ تھا۔
 جازے کا موسم تھا، گھر کوئی پاس نہ
 تھی۔ دو دن تک تو ایک ایک پیسے کے گئے ہوئے
 بچے کا کرکے تھے۔ یہ سب ہاجن نے اڑھا دینے
 سے انکار کر دیا تھا۔ اور میں کما کما کر اس
 سے مانگنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ چراغ حسن
 بجھتے تھے۔ اس وقت میں ایک بیک سیر کی گمان
 پر ایک کتا بیٹھے تھا جو دھنیر کھڑوئی کی
 پانی ہوئی تھیں ایک کی شرح تھی۔ اور جیسے میں
 نے دو سال ہوئے حیدری تھی۔ اب ایک اسے
 بڑی احتیاط سے رکھا تھا۔ لیکن آج جب چلے
 طرف سے مایوس ہو گیا تو اسے فوج کے لئے کا
 ارادہ کیا۔ کتاب کی قیمت دو روپے تھی، لیکن
 ایک روپے پر سکوا ہوا۔ میں روپے کے کمان
 سے انرا ہی تھا کہ میں تو کچھ دنوں ایک مینے
 شخص نے مجھ سے پوچھا۔
 "تم کہاں کہاں پڑھتے ہو؟"
 میں نے کہا "پڑھتا تو کہیں نہیں۔ پر
 کہیں نام کھانے کی دکان میں پڑوں۔"
 "میرے لکھنے پاس نہ؟"
 "ہی ہاں۔"
 "تو کوی تو نہیں پڑھتے؟"
 "تو کوی کہیں تھی نہیں۔"
 یہ جیسے اس کی اسکو لے کر پڑھا

لے۔ اور انھیں ایک اسٹنٹ ماسٹر کے
 ضرورت تھی۔ اس وقت وہ پے تو وہ پے کا نام
 رکھ لیا۔ اس وقت یہ اتنا روپے پیری کی
 تھا کی مرا ج تھے۔ میں دو حکم دیا میں ماسٹر
 صاحب کے پاس حاضر ہونے کا وعدہ کر کے چلا
 تو پاؤں زمین پر نہ پڑتے تھے۔ یہ مسئلہ کی بات
 ہے۔ میں گروہ پیش کے حالات کا مقابلہ کرنے
 کے لئے تیار تھا۔ اور اس باطن کی وجہ ایک
 نہ جاتا تو ضرور آگے نکھ جاتا تو گھر یا مینے سارے
 اور ان خاک میں ملا دیے۔
 چھپے ہیں مسئلہ میں نیچر کیا نیاں
 کھیں شروع کریں۔ ادا کر دینا نہ کہ کئی
 کہاں نہیں تھے انگریزی میں پڑھیں۔ ان
 میں سے بعض کا ترجمہ کیا۔ اور پلا ناول دینی
 نے مسئلہ ہی میں کھیا شروع کیا۔ سیرا
 ایک ناول مسئلہ میں خانہ بڑا اور دوسرا
 مسئلہ میں، لیکن کہاں سب سے پہلے
 مسئلہ میں ہی کھیں۔ میری پہلی کہانی
 کا نام تھا "وفا کا سب سے اتوں رتن"۔
 وہ مسئلہ میں رسالہ "زمانہ" میں چھپی۔ ان
 کے بعد میں نے "زمانہ" میں چار پانچ کہاں
 اور کھیں۔ مسئلہ میں پانچ کہاں پڑھ کر
 "سوئے دھن" کے نام سے "زمانہ" میں چھپا
 سے خانہ بڑا۔ اس وقت تک میں قلم نگار
 کی شورش پر باطنی اور کاتھرس میں مگوم
 دل "نیچر پڑھتی تھی۔ ان پانچ کہاں میں
 خیر دھن کا خراج گاہ پانچ گیا تھا۔
 اس وقت میں سرسختہ قلم میں سب
 ڈیج انکسپر دھن میں تھا اور میرے لئے صلی میں
 نصیحت تھا کہ کتاب کو کچھ چھپنے ہو گئے تھے۔
 ایک دن رات میں اپنے کپڑے میں چھاپا ہوا تھا
 کہ کھیا صاحب کا پورا دن پینا کر، تو ادا کر کے
 ہو۔ جازے کا موسم تھا۔ میں نے نہیں لگا کر
 جواں اور ادا نصیحت میں چھاپیں میں کاسٹر
 نے کہ کہ دو حکم دینا صاحب سے بڑا۔ ان کے

ما سے "سوز و گداز" کی ایک جلد بھی چھوٹی تھی۔ میرا حاضریہ تھا۔ اس وقت میں "قواب" رائے کے نام سے کھا کر رہا تھا۔ مجھے اس کا پتہ پتہ نہ تھا کہ غیب و بے اس کی یہ مختلف کی کوئی چیز ہے۔ میں سمجھا کہ ان لوگوں نے مجھے کوئی کالا اور صاحب ٹکڑے اس کے جواب دیئے گئے بلایا ہے۔

کہہ رہے تھے۔ دراصل ان کا ارادہ تھا کہ ان کے کھانا
 کھانے پر اس میں کچھ دیر کی وضاحت کے بعد پھر
 ہے انہیں سیاسی انڈسٹری سے اس کو دیکھیں نہیں ہے
 کہیں نے اس مشورہ کو پسند کیا تھا کہ اگر وہ
 کے خداوند اس وقت بھی پیسے ہوتے رہے۔
 مگر گلشن صاحب نے اپنے بیٹے صاحب سے کہا۔
 "آپ کو مزید ہے کہ وہ اپنے دل کی باتیں آپ سے
 کہہ دے گا؟"

تھانوار خلعت اور سی کھانا پڑی ایک روز بڑا دلدار
میں ایسا دیکھا جو کہ تمام دن بھول کر حریف بنو رہا
چلنے لگا، پیٹ پر گرم روٹی بھری، جاس کا
عرق پیا، غرض وہ بات میں جتنی دوا میں نے
سکتی تھی سب کھا لی، مگر وہ کوئی نہ بچا —
دوستکروں پر پیش ہوئی، مگر دود جاتا رہا۔
اسی طرح ایک بیہوش ہو گیا، اس کے
بعد میں ایک غصے میں بیٹھا آقا کو ان کے مختار
صاحب نے کھانے میں ہی بلانے اور
کھانے کو کہا، کئی دن سے لوگ کی دال کھانے
کھاتے اور پرہیز کرتے کرتے پریشان ہو چکا تھا
سو چاکا ہر جا ہے۔ آج یہیں نظم جاؤ۔ کھانا
قرآن پڑھ لے گا۔ کھانے میں ہی آقا ایسا دوا دے
چکے تھے، میں نے کھانے کو کہا، بکریاں، دہی بڑے
پلاؤ، سب کچھ بنو رہا۔ میں نے بھی خاص طور پر
کھا لیا۔ لیکن کھا ہی کہ جب کھانے میں داروغہ کی
کے چھوٹے کے بیٹے میں بیٹا آقا دوا دے گا، کھانے
کے بعد پھر پیٹ میں دوا دے گا۔ ساری
رات لود لگے دن پھر کھاتا رہا۔ سو فی کے دو
بوتلیں پینے کے بعد نے کوئی دو چینی ملا، مجھ پر
چوڑھا کہ یہ تمام ذہن قدر کی خواہ ہے۔ تب سے
اور میں قدر دونوں کی صورت دیکھ کر
کام چھوڑا ہوں۔ دود تو میرا نام لیکن پیش
کی دال نکلتی ہو گئی۔ پیٹ بچہ میں کھانے
رہتا۔ اچھان کی شکایت برا بھلا نہیں۔ کچھ
دلوں تک دوا نہ ملا، مگر پلاؤ پانچ میں پہلے
جاتا۔ کمر کرتا، پھر بڑی کھا کھا دوا کوئی
دو کوئی دوا لیا کھاتا کرتا۔ لیکن پیش میں کوئی
نہ کوئی۔ اور جن میں شوکت جاتا تھا، کئی مرتبہ
کا پھوڑا کر ناچ کھرایا، ایک بار بیٹھے مجھ پر
الاکا دیا، اور دیر تک اور آگزی دوا میں
کھاتا رہا، لیکن کوئی قاعدہ نہ تھا۔ جب میں نے
اپنے نازانے کی درخواست کی، چاہتا تو یہ جھاک
رہا، بیگنہ میں تبدیلی ہو کر کاسی کے بیٹے
میں اور وہ صاف چوڑھا کی طرح کھانے کے
غیر میں ہی طبیعت ٹھیک کر دی، مگر دوا چھوڑنے

کی جتنی فی لہو گھٹنے میں نکل کاٹے ہیں علاج کرایا۔ یہاں قاعدہ نہ ہوا تو پڑاوس کے ایک عجم کا علاج کیا۔ تین چار بیٹے کے بعد خود قاعدہ معلوم ہوا انہیں بیماری جڑ سے نہ گئی۔ رخصت کے بعد جب ہر بستی بچھاؤ دہی حالت ہوئی۔ جب میں نے دوسرے کی دوسری جھڑ کرستی پانی اسکول میں اسکول ماسٹری قبول کر لی۔ یہاں سے مسجد میں ہور کر کعبہ پڑھا۔ خود پیش کی شکایت قائم رہی۔ یہاں میرا قاعدہ ہمارے خود خاں پور سے نکلا۔ جو ہندی مشن کے خاں، دادو دھکی کے چچہ خاں اور جے جھاکش و منشی شخص ہیں۔ میں نے بستی میں ہی ہندی کے رسالہ سرسواٹی میں کولے کہا یہاں چھوڑیں۔ پور خاں کی صلاح سے میں نے "سیوا سدن" نامی ناول لکھا۔ خود کعبہ پوری میں میں نے پرائیویٹ قاعدہ پر لی۔ لے میں پاس کیا۔ "سیوا سدن" کی خود دوسرے ہوتی اس سے میری جی تو عمل افزائی ہوئی لہذا میں نے کوسرا ناول پر ہم آشرم لکھا۔ اس اخبار میں کہا گیا ہے میں برا بھلا کرتا رہا۔

پور خاں کی کے خود سے میں نے پانی کا علاج شروع کیا یہیں تین چار بیٹے کے فضل اور پرہیز کا آٹا آٹے ہوا کریم لوبٹ ہو گیا اور مجھے پیدل چلنے میں تکلیف محسوس ہونے لگی۔ ایک مرتبہ کوئی دوستوں کے ساتھ مجھے ایک زمین پر چڑھنا پڑا۔ اور لوگ خود خود چڑھنے کے کر صبح پانچ بجے ہی نہ تھے۔ بڑی آکھ سے ہاتھوں کا سپرد اپنے بولے اور پڑ گیا۔ اسی دن مجھے اپنی کڑوی کا احساس ہوا۔ میری کتاب مقبولہ انوں کا یہاں لکھ ہوئی۔ پانی کا علاج بند کر دیا۔ ایک دن خاتم کدورت انڈیا دار میں خری جیت دوسرے پور خاں دو ہی رات میں سو دیش سے آئے۔ وہاں سے کوئی کہیں کہیں لائے میں نے میری کہہ کر کہ ہوتا رہتا تھا۔ انوں نے میری ذرا محنت دیکھ کر کہا۔ "پوری آپ تو بالکل پتے پر گئے ہیں۔ اس کا علاج کیجئے۔"

خدا۔ میں اپنی بیماری کو بھول جانا چاہتا تھا یہ دو چار ہی بیٹے کی زندگی ہے تو میری کن نہ بنے ہوئے نروں۔ میں نے چار کو کہا "خری تو جاذب کا بھائی یا اور کچھ؟۔۔۔ میں خود کے خیر مقدم کیلئے تیار ہوں۔" یہاں سے دودھ کی جی نے خدایت کے نہ بیچ کر لیا۔ بعد کو مجھے بھی اس طرح خدائی پر پڑا اور کس نکلا۔ یہ سترام کا واقعہ ہے۔ ان دنوں تحریک عدم اختراک عمل زوروں پر تھی۔ جیبا خاں باغ کا واقعہ ہو چکا تھا۔ اعلیٰ دون مہاتما گاندھی نے کہا جس کی ذمہ داری ہے۔ انہیں میں نے بھی نہ دیکھا تھا۔ مہاتما جی کے دشمنوں کی یہ حرکت تھی کہ سب کے ایسے مرکبہ دل آدمی میں بھی جان چڑ گئی۔ اس کے دو ہی چار دن کے بعد میں نے اپنی بیس سال کی سرکاری ملازمت سے استعفا دیدیا۔

اب دیہات میں کچھ کام کرنے کی طبیعت ہوئی۔ پور خاں جی کا دیہات میں ایک مکان تھا۔ ہم اندھہ دونوں وہاں چلے گئے اور جڑے چلے گئے۔ ایک ہی بیٹے بعد میں کس کس کو بھی یہاں تک کہ ایک بیٹے کے اندھ باکل محنت ہو گئی مگر اس کے بعد میں پڑاوس چلا آیا اور اپنے دیہات میں میٹر کر پور خاں اور ذیلی خدمت میں زندگی بسر کرنے لگا۔ غلطی سے جناح پائے میں میں سال کے پڑنے مرض سے سخت پائیما۔ اس مرض نے مجھے پورے طور پر "مفت پرست" بنا دیا۔ اب مجھے کا پورے مشین ہے کہ جو ایک کی مرض ہوئی ہے وہی ہوتا ہے۔ انسان کی کوئی کوشش اس کی مرضی کے بغیر کامیاب نہیں ہوتی۔

اردو کے دانشوروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ بہ کوئے یار

ایسی کتاب اب تک اردو زبان میں 'کس موضوع پر شائع نہیں ہوئی جو اس قدر دلچسپ ہو کہ ایک کے بعد ایک ایسی سماجی انسانی رنگ میں قاری کے سامنے آتی چلی جائے جیسے جان کر وہ کشیدہ دھیراں رہ جائے۔ کتاب پسند نہیں آئے تو کتاب جزیرہ دھیراں مستند اپنی کر کے کتاب کی اور اس قدر قیمت واپس منگا لے گا۔

قیمت: ایک صمد و پیہ "خانی ہند" کے خزانوں سے ۸۵ روپے

شان ہند کی پیشکش

پتہ ۵ رضوی مارکیٹ، دہلی، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۷

پروین شاکر کی غزلوں کا نیازنگ روپ

ساجل احمد

قبول کی ہے اور جذبات کی تلبیس کے لئے ہر
موقع وطن پر انتہائی مجاہدت دے پاک
سے اسے استعمال کیا ہے شوری ذرائع سے
انکشافات کا کام لیا ہے اور زندگی کے
تعلیق انشور، مساطات کو غزلیہ روایات کا
حصہ بنا دیا صوفیہ ہی نہیں مجرور شہتہ تمام کیا
اس رشتے سے صداقت بیان اور بے باکی اظہار
کی توفیق ہوتی ہے۔

انہوں نے اپنی خوبصورت نگار اور
قوانا آواز سے شوری اسلوب میں ایک نئی جیت
کا اضافہ کیا ان پر سوز خوش بوشے ہو کر کر
کی غزلیہ حقیقتوں (محدہ برگ، تنگ بینچاؤ
وہ عینی طور پر فخر کی لمحہ مثال ہے ان کا
رومان فرار احساس اپنی ہم جنسوں میں انک
ہیجان کا بھٹی چھوٹک صورت کی طرف سے
انکا عشق برکت کا مضمون بھی بنا اور مرنے سے
آئینہ کے عکاسی ایک نئے رنگ کی طرح شوری

وہ ایک دن میں پیدا نہیں ہوئی اسے پیدا
کرنے چکائے اور جاتے میں کئی صدیوں کی
منت مثال ہے ان شوری رنگوں کو دیکھنے
سے پتہ چلتا ہے جیشہ ہر دور میں اجتہاد کی
لہر موج دہی ہے ہر دور کے مستحق شہر لانے
اپنی صلاحیتوں کے مطابق غزلیہ رشتے کا
تعبیر کیا ضیف نازک جب اس غزلیہ شے
سے منسلک ہوئی تو اس نے ایک ادویہ نگ
پیدا کیا یہ نسا ئی رنگ غزلیہ قدر کے لئے
نئی چیز تھی اور جب غزل خود پر عاشق ہوئی
تو من کو کافر قسٹ گیا یہ مقام باقی چندا،
زہر و نگاہ، شفیق نالہ شوری، بیگم تازہ
نہیدہ ریاض، کشور ناہیدہ، ساجدہ زینا
اداجزی، پردہ بین شاکر کے شوری سطوح
بچہ نسا ئی رنگ صفت سفر کے طوطے پر جو
پروین شاکر ایک ایسی شاعرہ جنہی
نے غزل کی منافقت شہس و پانت ماری سے

غزلیہ ناصیا میں ایسی کئی منزلیں نے اپنا
اعتبار تمام کیا ہے جو غزل کے مزاج و اسلوب
کے موافق ہے نسا ئی اور اسلوبیاتی فرق و
امتیاز سے غزلیہ قد و حال کو سمجھنے اور جاننے
کے کتب پانے دینے کے اس دینے کاری میں غزل
اپنے دور کی مطابقت سے تجسسی مرحلہ تمام
کیا بھی وجہ ہے کہ ہر دور کی غزل ایک کھڑ
قدر سے مختلف ہے یہ فرق زمان و مکاں
کے اعتبار سے بھی ہے اور اسلوب زبان سے
بھی کیونکہ شاعری کے موضوعات و رجحان میں
جورانی تضاد تھا ہے وہ فطری مزو و نوں کا
سرچشمہ ہے شوری انبیاء ہی غز و نوں میں انکی
انہی کہانی لکھنے ہے جو ہر زمانے میں امتحان سے
وقت کے مطابق خود کو دکھاتی اور سنواری رہتی
رہتی شاعری سے لے کر مہر ہر ایک تک تکلف
رنگوں کا ہر آئینہ ایک دکھائی دیتی ہے

کاہل بھی پورا پورا مگر وہی انھوں نے اس بہتر
اور طبع رنگ میں جنسی لذتوں کو بھی لذت کو
کی کسی کی تودہ رنگ ملنے نہ اپنی آب و تاب
تاہم نہ کہہ سکا اور انکی غزلیہ کاغذ
دلیوں میں تقسیم ہو کر مگر انفراد کو فراموش
کر گیا مگر وہ جلدی ہی اس حصار سے باہر نہیں
اور شری بہاؤ کو مقصود ہونے سے یہاں ان
کا دھما دھما وہ پتھار جھڑ دو بارہ ٹوٹ آیا
جہاں لذتوں سے سرشار آنکھوں میں جڑت
الہاوی ہنر پانے کا نتیجہ شاکھن آجاس
جذبی صداقتیں نمایاں طعناؤں بھرتی بڑی
زندہ حقیقتیں غزلیہ تندر کا مہر بن گئیں۔

جس کا الہا ہر احوال میں ہو تو
وہ غزل کو نیا نیا لہر مڑ رہا کرتا ہے مگر وہ
بھی چہرہ تہاؤں کو رہا ہے تو ملتے جلتے بات کو طیس
گنتی ہے غزلیہ قدر شیش کی طرح نازک اور
چاند کی طرح حساس ہے پردہ نازک و چمکی
شاعروں نے ہر وقت سوس کیا اور غزل کو غزل
کی طرح استعمال کیا اس کے تھار کا تھنڈا کرتے
ہوئے غزلیہ رشتے کی حفاظت کی نگہ نظریں
میں تاب نہ ہو سکیں کہیں کی انکی نگہوں
کی بھی پہچان ہے انکے نیک اسلوب کے
تفصیل میں جنس (SEX) جزو خاص کی
طرح موجود ہے انھوں نے غزل اور نظم کے
عزائم کو تاہم کہلایا ہے وہ اگر غزل میں شکی
تجکی آنکھوں کی شاعروں میں تو نہیں بلکہ مکمل
جہان عورت کی طرح دھماکہ مہر و گی ،
ہنر مومن ، بدن کے ہر حصے پر اعتبار میں ہے
پناہی ، ایک جڑی عورت ، ٹیگ ، پادریلی
دیوہ اسکی خیال ہیں۔

کو دیاں تو کیا
یہ کہیں کھائی ہو رہی ہیں
جس کے سامنے سے بناہ ناگتھی ہیں
یا بنا دلوں میں اس کو حسن
حرف ہر کے ہنسی دھوکے ہے
کو گھر کے درخشاں تک نہ لوت آئیں تو

دفا خاں بیبیاں
دھانے ڈھانے گتھی ہیں (ایک جگہ صحت)
بدن کے موسم بے اختیار میں
کسی پل
غصیل شہر سے باہر
مصلیٰ چادر و دستار کی حد سے نکل کر
ایک لمحے کو — میں ایک لمحے کو
ہم اپنے مقدر آزمائیں
شبِ نوحہ سے ایک پل چڑھیں
(بدن کے موسم بے اختیار میں)
میرے بالوں پہ ، آنکھوں پہ ، پلکوں پہ
ہو سنو پہ ، ماتھے پہ ، رخسار پہ
پہل ہی پہل سے۔

(پدیر آئی)
کچے رنگوں کے ساری میں
مچلے بال چھپا کر گوری
گھر کا سارا باجرہ آنکھوں میں لے آئی
(ٹگ)
میرا سانس میری بند آنکھوں کو کس پیار
سے چوم کر کہہ رہا ہے ارے — آج تو
بہت باری ابھی سے ہی چوہنے لگی۔
جان! آؤ بے اور دھو لو

(دے پناہی)
مگر اس کے باوجود وہ ہمیدہ ریاض
باکشورناہید نہیں بن سکیں شائد وہ غزلیہ تندر
ہی ہے جن نے ہر ذریعہ شاکر کو جس زندہ ہونے
سے غصہ نظر رکھا اور وہ حواہی سے باہر جا کر گی
لوٹ آجی انھوں نے ہمیدہ ریاض باکشور
ناہید کی طرح اپنے وجود کو گھٹلے کی سی
نہیں کی اور نہ اپنے وجود کو موجود میں دھما
کی ترشش کی بھی وہ پردہ نازک و چمکی
ہے میں نے اس کے وجود کو تاہم رکھا اور غزلیہ
تندر بہتر نام بن گیا
شاہ قریب شاہ رنگ ، شاہ بید و ہم غزل
اسکی رفاقتوں میں رات ، جس کی خاصیت ہے

جو صرف سادہ کی صورت ہمیشہ ہمیں گنتی
وہ لڑکی تیرے کے کس طرح ہمیں ملتی

نہیں نہیں! یہ خبر دشمنوں نے دی جوگی
وہ آئے ، آکے چلے بھی گئے ، اے بھی نہیں

ترا پہلو جیسے دل کی طرح آباد رہے
تھر پہ گذرے نہ قیامت طبع تنہائی کی
میں ابھی دسترس میں ہوں ، مگر وہ۔
لجے میری رضا سے مانگتا ہے۔

لجہ پہ چھا جائے وہ برسات کی توفیق کی طرح
اگ ایک لہجہ اس رات میں تھکا دیکھوں

بے جا ہیں لہجہ کو مالِ بیعت کے ساتھ مدد
تم نے تو ڈال دی ہے ہنر تم کو اس سے کیا

کے کہہ دوں کہ لہجے چھڑ دیا ہے تم نے
بات تو کا ہے مگر بات ہے رسوائی کے

روکھو دھماکہ دکھو اب ہوتے ہیں شکوہ اس سے
نہیں رہی ہیں اور جاہل بیگستا ہے ساتھ

میں کچھ کہوں گی ، مگر پھر بھی بار بار دہرائی
وہ مجھ کو بے گناہ اور لا جواب کر دے گا

میں اتنے سانسوں کو رستے میں کھینچ لی تھی
کہ تیرے شہر میں پہنچ کر تو کوئی ڈھنڈی نہ ملتا

جس کو اپنی سن کے ایک بارش چھپ چکی تھی
یہ لہجہ میں دیکھ چھپانے کا کمال ہے اگہا

بچہ کہہ دے بچے ڈھانچا ہے میرا وجود
یہ ساتھ میرے حق میں تو کتنا ہی تھا

باشیں آتشِ ہیرا نے گے خوش رنگِ حلاب
سبے مندو گے گلے گے سوغاتوں کے۔

ہزار شکلوں میں ہر شکریہ کی گھر
میں آئینہ تھی کچھ شے ہے استاد کی مٹا

سہوگی کا جہنم سوال بن کے کھیلوں۔
ظلالِ قسطہ شبِ بنم جیرا جوابِ اترے

وہ کہانی کہ ابھی سو تیراں نکلی ہیں یہ تیریں
تھر تھر شخص کو شہزادی کے انجام کی تھی

غیمے سے ڈور، شام ڈھلے، اجنبی گج
نکلی ہوں کس کا گھر میں ہے وقت سر

پرنندوں کو دھوا سکھلا دی ہوں
میں بستی چھوڑ جنگل کی اڈاں ہوں

ماہیا دیکھتے



بس جسم ہی بڑا ہے
گھٹا ہے کچھ ہر دم
دل پہلے ہی جیسا ہے

ماٹھے پہ گچ چسپاں
وہ جانے ہے پُرم کا
کیا خوب ہوا انداز

تہائی ضرور دی ہے
جب تک نہ میں خود سے
ہر سادھا دھوری ہے

سہ سہ کا نہ ڈولی کا
یہ کین ابھی تک ہے
بس آنکھ بھولی کا

جہاں یاد ہیٹ آئیں
سے غم و محبت میں
ملنے نہ کہیں پائیں

بہرات میں ہے دہلی
نہ کار ہو پاشا جہ
ہوتا ہے سدا جلی

یہ جو گنگ جے گا کیا
بن نہیں تری باقی
دیکھ یہ جے گا کیا

ماں لینی بیاں ہے
برہن ہے مجھے چپ کر
گھر آیا وہ سہاں ہے

یوں سب کو منائے گی
سن سن کے سہی کی وہ
اپنی ہی چسپاں گی

اپنا ہی نہ غم سوچو
کچھ ایسا کرو رندوں
چھل اس کا بے سب کو

یوں وقت میں ہم گھومتے
اک ہی میں ہوش نگاہی
دو کام نہیں ہوتے

دیتا ہر خبر بچہ کو
میں کون ہوں جاے وہ
تلاش نہ پتہ بڑا کو

”پھولیاں پھولیاں پھار کا ایک دھق“

افلاس کی دین

وجاہت علی سندیلوی

تھا کہنے لگا۔ لڑکی کے لئے جو کچھ فریضے کے لئے کہیں روپے بڑی مشکل سے گھر والے دے دیتے ہیں۔ نہیں ایسی ہی مروت ہو تو وہ لے دو گھر کا کپڑا اگلے مہینہ آبا جیلا بھی لے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جیب سے روپے نکالتے سے روک دیا۔ اتنے سے میرا کام نہیں چلے گا۔ رہنے دو۔ میں کوئی دوسرا انتظام کروں گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اتنے دلدار کے بعد وہ ماں کو سو روپے سے کم کیلے اور یہ رقم اتنی تھی جو وہ اگلی تھوڑے پرانی بیچ سکتا۔ کیوں کہ درزی کے یہاں اس کا ایک نمونہ پڑا ہوا تھا اور باقی پورے دام ادا کر کے اس کا لینا ضروری تھا۔ اسکو شرمی اگلی قسط میں پچیس قسط کے بتایا کے ساتھ اگلے مہینے دینے پر آمادہ ہوئی تھی۔ اس کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اوشانی کے سامنے ہاتھ پکڑے اور اس سے

کے بارے میں کھاتا پھو نہیں کے پڑا بیانے کی خوشخبری سنائی تھی اور سب سے آخر میں کھاتا تھا۔ تمہارے پیچھے ہونے روپے لے کر ہر مہینے مل رہے ہیں تم سے بہت خوش ہوں۔ جیتے ہو دنیا۔ تمہاری ماں ماں روپہ پچھنے کے بارے میں، ریش نے خط کو بار بار پڑھا۔ اور ہر بار پچھنے کے بعد وہ تھلا اٹھتا۔ اس نے تو ایک پسہ بھی نہیں بھیجا تھا۔ ماں نے کتنی مہین چکی کاٹی تھی؟ کسی نفرت سے اس کے منہ پر شوک دیا تھا۔ وہ جانتا کہ اسی وقت ماں کو کچھ بچا دے۔ لیکن مہینہ مہم پر تباہیت سے قریب آتی تھی، اور اس کے پاس روپے نہیں روپے ہی نہیں تھے اس نے اپنے ساتھی کلک احمد دیکھے تھے اگلی نمونہ نے کلک لے سو روپے قرض مانگے۔ لیکن وہ بیوی بچوں والا آدمی پہلے ہی سے پریشان

ماں کا خط پڑھ کر ریش نے کہہ دیا سوس کیا ہے اسکی زندگی تنگی پہنچ کر کوٹھے پر سا دیتے تھے ہوں۔ وہ جب ہر دوئی کے نوکری چھوڑ کر کھنویں زیادہ اچھی اور بڑی تنخواہ کے منصب پر تیناٹ ہوا تھا تو وہ انہی ماں سے وعدہ کر آیا تھا کہ وہ ہر مہینے اپنے سبائی کیشن کی پڑھائی کے لئے کچھ روپے مزدور بھیجا رہے گا۔ لیکن آٹھ مہینے گزر جانے کے باوجود وہ لڑکی ماں کو کچھ بھی نہیں بھیج پایا تھا۔ شہر آ کر ایک توبوں کی ہرات میں اس کا خرچ بڑھ گیا تھا۔ اور پھر دوسرے دفتر چوں کی رہیں میں کپڑے فروش کی ٹیم نام میں بھی اسکی تنخواہ کا اچھا خاصہ حصہ نکل جاتا اپنے خط میں ماں نے اپنی اذیتوں کی غیرت بتانے کے بعد خود بھی کی محنت کیلئے اور کھانا کھانے کے کیت میں وہ ماں کی محنت

اور پلوں کے خلاف اوشا کو روک دیا۔ اسے حقے
 دینے کا بڑا شوق تھا۔ کبھی بیش شرش یا پتھن
 لاکھڑے آتی کبھی بنیا بن یا ند مالے آتی یا
 ٹائی دھوکے ڈبے لگا کر دیتی اور کبھی کچھ
 سے اس کے برآمدے میں رکھ بھی جاتی ایک
 دن اوشا نے پانے ٹوسٹ اور انڈے کے
 کشتی ریش کو دیتے وقت اسے ایک ہیٹ پڑنا
 اور گیس کر پٹنا ہوا اگر کم کٹ پٹنے ہوئے دیکھ لیا
 فوراً اس نے بند کر دیا اسے دس دن وہ خود
 رو کر دے گی۔ جیونڈا ریش نے کوٹ آنا کر
 اس کے حوالے کر دیا شہرہ دن ریش نے
 اس کوٹ کو نیچے سرش پر درزی کا دکان
 میں دیکھا ایک پٹنے کے بعد جب اوشا نے اسے
 یہ کہہ کر وہ کوٹ واپس کیا کہ تو دیکھو تمہارا
 کوٹ کیسا ٹھیک ہو گیا۔ تو ریش کو خاص ٹھیک
 ہوا زحمت رفر، بہت اچھا کیا گیا تھا لگا کر
 کوٹ دینے جانے سے ترش ترش بنا لگتا
 اس نے شہرہ ادا کرتے ہوئے کہا اچھی تمہارے
 ہاتھ میں کچھ کیسے کال چھ ہیں۔ لیکن اپنے
 کو ریش کب ناؤ گی؟ اسے کب تک دیا ہی
 بچہ بھن کر ہو گی جیسے تم میرے کچھ ہاگراس
 سے وادی کی کوڈرانے کے لیے بی کی بولی بوائی
 تھیں۔ اوشا بے اختیار پٹنے لگی بعد پھولوں
 شری ریش چندر سرور استوا ایم۔ اے آپ
 میرے نے اس وقت تک رتو ہی رہیں گے۔ اندر میں
 جب تک بی کی بولی بولتے رہیں گے۔ اندر میں
 دن آپ شیرجی کر تھیں کہ نہیں گے شہر تپ
 سے ڈر کر آپ کا رعب مانتے گوں گی۔
 ریش بھی ہوشا کے لیے کئی تحفے لایا
 سچ نہیں اس نے سکر کر قبول کر لیا تھا البتہ
 ایک دفعہ جب وہ اس کے لیے گھر کے بہت
 ہی خوشامدوں کے جانگ لے لایا تو وہ بہت
 خوش ہوئی اور اسے لے لیں پانے برآمدے
 میں بیٹھے خیریت سے کھا دیا۔ لیکن ریش کو
 اپنی یہ کوششیں ہوشا کی مسلسل دلدور میں
 کے ساتھ میں اپنی ہی مشکفہ خیریت معلوم ہوئی

جیسے سورج کو چٹا کر دکھاتا۔ جیسا فرسٹ لاد
 جاتی دینے کے بعد وہ سرور جاتا ہے اس
 طرح اوشا کی ہر باتوں سے وہ اپنی کیفیت
 رنڈر وڈ کم سے کم تر ہوئے موس کرتا اور
 اکثر دسے خود اپنے آپ پر غصہ آتا کہ آخر وہ
 اوشا کی خدمت میں برداست کیوں کرتا ہے اور
 ان کو روکنے کی کوئی بہت کوشش کیوں نہیں کرتا؟
 ماں کے خط کے متعلق ریش کا ذہنی توازن کہ
 کم ہوا تو اسے بھی طریقہ سب سے مستعمل دکھائی
 پڑا کہ وہ اوشا سے ہرگز کوئی وعدہ نہ مانگے
 بلکہ ماں کو صفائی کے ساتھ اپنی مالی حالت سے
 مطلع کر دے اور سہارے کے ڈو ہینڈا کے بعد
 سے وہ ہر مہینے پانڈی کے ساتھ اسے پاس ملنے
 سببتا رہے گا۔ ماں نہ سمجھ نہیں سہ وہ خود
 مان جانے گی اور غصہ متوک دے گی۔
 ریش دفتر سے اپنے کمرے پر پوچھا
 تو اس کی آپٹ باکر اوشا نے برآمدے سے کہا
 کہ کہہ کر تو آؤ میں کافی تیار ہی ہوں ابھی
 تیار ہوئی جاتی ہے۔ تھک یہ سوتے کمر
 بناؤ کہ ان میں کتنا دبا ہوئے۔ کیونکہ میری
 ملازمہ دوروز کی رخصت پر جانے وقت
 آگئی ہیں۔
 ریش نے برآمدے پر داکر اوشا کے کمرے
 پلٹ پتے ہوئے کہا۔ لیکن بھلا۔ تجربہ میچ
 نہیں ہو گا کیونکہ آپ کا آٹھک جانے سے
 میرے نے ان کا زہر بھی موت پر جا بیٹھا۔
 اپنا پٹتے ہوئے ہوئی۔ غرضانی کش
 چندر سرور استوا ایم۔ اے اہم تمام سبب
 ہیں کہ وہ کیونکہ سو سال میں میری تیرہ سالہ
 ہے اور اس نے ایک سبب بعد ریش کے ہاتھ
 میں دسے دیا خوشامدوں کے بعد وہ کافی
 کی بجائی لائی تو کہنے کی آئی کہ کہہ کر اپنے کالی
 کی پڑھنے کے ساتھ مستعمل کر لیا دیکھنا ہے
 ہر سال سے وہ غم بہت لگتی ہے کہ لایا گیا
 تو تم بھی جلاؤ لیکن وہ اندھے لگنے کی کوئی
 نہ کرنا ہوتا۔ تم میں بھی نہیں لگے کہ

میرے لانا میں آنے دن نت سے کہے کہے
 اس کیلئے آئے ہیں اور ان سے سب سے
 زیادہ لغت میری کوٹ پر پٹنا میں ہے
 بلی کی جی سرفٹ شے ایک مکمل
 پلان ریش کے ذہن میں آگیا اور اس نے
 زندہ دلی سے کہا۔ اچھا آج ہی لگا اور یہ کیسا رہ
 گا کہ تم آپ کے پانے آپ کی پڑھنے کو پچھانے
 انداز سے پیک شہرے کے کی کوشش کر لیں۔
 اوشا جتنی کھنگھائی جاتی تھی اور اپنے
 کمرے سے لگا کر کہا۔ آخروں جاننا تو وہ
 ریش نے وہی ہی خود توں کے ساتھ
 بالکونی کی بیڑیاں چڑھ رہی تھی اوشا کو بھی
 طرح اپنی جھلک دکھلا دی اور اس کی نگاہوں
 میں ایک شرارت آمیز شکوہ ابھی میں
 کی وہ اپنی ٹٹ والی ہیٹ پر جہر بالکونی کے
 نیچے تھی۔ پچھ لیا لیکن جیسے ہی غم شروع ہوا
 وہ نیٹا حال سے باہر نکل آیا اور اپنے اسکوٹر
 کے ہارے کیلئے کے رکشے پر اپنے کمرے کی
 فون چل دیا شام پہنچی تھی اور ٹرک کی گڈنا
 کے بعد کافی اندر اس کا وہ نظریں ہاگراچے
 زہرے پر چڑھ گیا اور پھر شری جی سے ہوتے
 آنا کر اپنے برآمدے سے اوشا کے برآمدے پر
 پہانڈ دو لوں دروازے اندر سے بند تھے
 وہ شیش توڑ کر اندر کی مسکین کو کہنے کے متعلق
 سوچنے لگا۔ لیکن پاس ہی اسے باور پٹنے
 کی کشش ہوئی کہ وہ دکھائی دی ہو کہ آٹھ ختم
 ہونے کے بعد تھی۔ وہ برآمدے کا نظریہ
 کرے کہ اس کڑی سے اندر پھونک لیا۔
 اسے معلوم تھا کہ اوشا اپنے کوٹ اپنے کچھ کچھ
 کی خیر پڑھتی ہوئی کتابوں میں سب سے شری
 کی لال والی جلا کتاب میں رکھتے تھے
 وہ جو نے جب وہ اوشا کے کمرے میں
 چن چنگ رہا تھا تو اس نے اس کو اس کتاب
 سے کہہ کر ٹٹ نکالتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ
 اوشا کی اس طرف پڑھنے کی اس نے ایک کر
 وہ کتاب کو لی تو دیکھا کہ اس میں سوتے

گوردس نگ کے ہیئت سے فوٹ تھے زیادہ تر
مسکے اور جن کی مائیت بھی ہزاروں ہو سکتی۔
لیکن ان لوگوں کے ساتھ کہ حق آڑوں کی رو سے
ہو چکی اس نے ان کو پھٹے کے لئے مہلو کی
روشنی ڈالی تو جب کے مارے اسے ایک عجیب
... سے اٹھی ہر پہلے اس کے نام اور شا کے
عزت سے اس کی ان کو پاس رو پڑے جیسے تھے
تھے اور ہر سپر ہولی پانی کی سندیں اس کی
ہاں کا انگو شاخا اس نے جلدی سے کہ نکالے
کتاب بنکر کے اس کی جگہ پر رکھ دی اور میں رائے
سے لٹ میں داخل ہوا تھا وہاں سے یہ نکل کر اڑا
تھے پہلے پانی میں اپنی سیٹ پر پہنچ گیا۔

پیشانی پر اس کے ہر لمحہ میں سحر و جادو کی سی بات ہے جو اسی وقت نہا موزوں ہے =
 بنی آپ کے طریقت کرنا ہوں کیونکہ
 آپ مجھے حکمت سے دیکھتی ہیں آپ کے مشکوں
 اور میرے دل میں پلٹے والی ایک گلاب جیسا
 لاکھ لاکھوں ناؤ آپ اپنی جہازات ویدے
 کر کے بروہا شکر زندہ رہنے کا موقع نہیں دینا
 چاہتی ہیں آپ کی حکایت کے لئے آپ مجھے جہیز
 اپنا دست نگر تیار رکھنا چاہتی ہیں آپ نے
 میرے جسم کے پیچھے دیکھ کر اپنے امانتداری
 خرید کر مجھ کو موت اپنے ایک طلعہ کوش ظلم
 کی جیت سے دیکھنا چاہتی ہیں۔

چاہتا ہوں کہ آپ نے میری بات کو دل سے سمجھ لیا ہے
 میرے نام کے پیچھے اپنی دلی تائید لکھ دی ہے؟
 فرمایا تھا؟ تم ہی نے خود اپنے چہرے
 بتایا تھا۔ تم دھوکے کرائے کے باوجود ابھی کو
 روکے نہیں بھیجے جاتے ہیں۔ میرے سوا کسی کو
 ہونٹ بھیج دیتے تھیں۔ تانے سے کیا نام لیتا
 نہ تانے سے زیادہ سے زیادہ چھوڑتا تو جو اگر
 ان کو تم کو بھیج دیتے تو فراموش نہ رہے
 مل جاتے۔

اب نہ کرو گی مجھ سے نفرت، و ریش نے
 اپنا کمال پہلے ہی ہونے کہا۔
 اوشا کہ نہ پہلی اور آہستہ سے چلتی ہوئی
 اس نے کسی کی بیانی کے دو چکر لگا دیے وہ پہلی
 سورج میں ڈوبی ہوئی تھی پھر وہ ریش کے پاس
 ہی صوفیہ پر بیٹھ گئی اور ستوا زن پہچ میں کہنے
 لگی... میں خود نہیں معلوم کرتی کہ تم نے یہ جو کیا
 کیوں رہا ہائی مجھے تم سے نفرت نہیں پھر وہی
 ہے۔ میں تمہاری فطری ضرورت اور پاس کو
 اچھا طرح سمجھتی ہوں لیکن ہر بات کا ایک
 سلیقہ اور خیر نہ ہوتا ہے

ریش نے خرمندگی سے گھر لوٹے ہوئے
 بیٹھے ہیں کہا مجھے صاف کرو دلو شامی تم صحت
 نہیں دیتی ہو! تم بیٹم ہو میرا کوئی بھائی
 نہیں تمہارے بلندی سے نیچے نہیں لاسکتا
 میں نہیں بچپن سے بیمار کروا ہوں لیکن میں نہیں
 جیتا اپنی بہوشی سے دور بہت دور پہنچتا
 میں سمجھتا تھا کہ تمہاری محبت اور پھر وہی کو
 دوسری صحن پہنچاؤں مجھے صاف کر دو۔
 میں کل سویرے لکھا اپنے کوسے سے کسی ہوٹل
 میں آٹھ چائے لگا اور پھر کسی نہ دیکھتی گا۔
 اوشا نے ریش کے کوسے پر ہاتھ رکھ کر

اپنے اعضاء میں چلے ہوئے کہا وہ رستم کہیں
 نہیں جا سکتا اب تمہیں زندگی بھر مجھ سے قریب
 رہنا ہو گا۔ اور شاید تمہیں یہ بتا دینا بھی
 ضروری ہو کہ ڈاکٹر کا ساہر شاہ دھڑا لٹھی ہے
 اصل پاپ نہیں ہیں۔ میں انکی گود میں ہوتی لڑکی
 ہوں میں صحت پا گیا ہوں کسی بھی بہت وہ
 مجھے ایک چمکانے سے لائے تھے اور انہوں
 نے اور میں نے مجھے ٹوٹ کر پیار اور رشتہ داری
 ہے بیکہ۔ لیکن۔ تمہاری ہی طرح میں لاپے
 پہن کا انکس بھول نہیں سکتی۔

غزلیں

دیر و کبھی نہ فراق و دام و دودا چھتے گئے
 ملائی میں لہریں ہوئے ہم کو گھر اچھے گئے
 بیاس کی خیرت بنانے کے کئے کھنڈام کو
 سوچا ہوں آج کون نہ بکیر اچھے گئے
 کیا کہیں کہیں سے نہیں آکر کہ کہیں! یہ جا
 موسم کن میں ہیں تو جتنے گھر اچھے گئے
 ہم کو تپتے، بڑھتے تھے ہی کی جھاڑ میں
 آج وہ اٹھا بے رنگ و ڈر اچھے گئے
 اک نہاد صاف ہیں جیسا کہ سہارا رہا
 اس کو کس بلکہ میں سناں گرا چھتے گئے
 آج پاؤں کے ریت کا جب انعام تھا
 نادم آج پہلے نہیں بس و سر گرا چھتے گئے

ولید بادل

اب کو تک کوئی مکان ہے دیکھیں آ
 تاجہ نظر آئے اور سرخ زمیں ہے
 ماکر اسے فوٹ کیا دوسرا جھٹب
 پہلے ہی نظروں میں نہو ہوں ہر پہ
 سرکڑاں ہیں میں اس کے پیش میں بالکل
 ہر حال میں میری نگاہ کے کرن ہے
 یہ خون طلب کوئی دیکھے کھڑا ہے
 وہ ناگہا ہوا جو مقدس نہیں ہے
 اٹھنے والے ہے مجھے شری محبت
 نہیں کہ جو مجھ میں میرا میں ہیں کیا
 میں تو پہنچا لیتا ہوں ان کے استیصال
 کیا ہی ہے وہ میری بات کا اس ہے

بیتل نقشبندی

کسی خاص کو جب زخم جگر آواز دیتا ہے
 تو اس دم طغریں کا گھر آواز دیتا ہے
 خبر ہے اب دونوں کا گھر آواز دیتا ہے
 شکر ہے کہ تو آج بھی آواز دیتا ہے
 اترتا ہے وہ فطر و فطروں کے آگے میں
 کوئی قہر ہے جو پہلے پہر آواز دیتا ہے
 بہت بہت تکن ہے وہ فطر و فطر گراؤں
 مجھے جیسے ہر فطر و فطر آواز دیتا ہے
 شکر ہے یاد میں کے دوپے کھنے گئے ہیں
 فقور میں جو میرا ہم سفر آواز دیتا ہے
 دو حق میں ہے تو وہ عمر میں دہی رہا
 یہاں فطر و فطر ہر روز پر آواز دیتا ہے

عطا عابدی

عصمت چغتائی کی بابتیں

رام مص

لیکن عصمت چغتائی کی انسان نگاری میں یہ دو افسانے عارضی DEPARTURE تھے۔ پھر بھی اس دور کے ادیب لطیف اور ساقی یہ دو رسالے چارے لے کر شری چندر دیکھا نشو، خامی و جزا کے ساتھ ساتھ عصمت کے نام کی وجہ سے بھی شری کشش رکھتے تھے۔ مان کی وجہ سے تو لاہور کی حالات میں ان پر مقدمہ بھی چلا تھا اسی زمانے میں انھوں نے شاہد لطیف کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ اور کہ افسانے عصمت شاہد لطیف کے نام سے بھی کیے۔ اس کے بعد انہی گزشتہ پہچان نام رکھنے کے لئے پھر سے عصمت چغتائی کے نام سے لکھتی رہیں۔

عصمت آپا سے میری پہلی ملاقات کہاں ہوئی کب ہوئی شیک شیک یاد نہیں پڑا تھا یاد ہے آزادی کے بعد سہ ماہی کام سے بیٹی علیا تو عصمت آپا سے بھی ملنے چلا گیا ابھی ایک بہت ہی طرمدار ملازمہ نے دروازہ کھولا تھا

سے ملنے کے بعد سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ شاہد لطیف ہیں انسانی نگار تھے۔ آزادی سے پہلے ۱۹۴۷ء کے آس پاس ان کی کہانیاں ادیب لطیف میں پڑھی تھیں عصمت آپا کا پہلے سے تو بہن پر ملائی اور ملائی تھا۔ وہ فنی تسلیم یافتہ لڑکیوں کی خات و چندہ نہیں تھیں ہم لڑکوں کیلئے بھی بڑی کشش رکھتی تھیں ان کے ان تروں کے پیچھے ہم نو عمر لڑکے آزادی کیلئے چلتی تھیں لڑکیوں کے بارے میں بڑے سہاوے خواب دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے۔ مان اور جیش، جیسی کہانیوں نے اچانک نہ موت عصمت آپا کی شخصیت کا ایک تاریخ میں دکھا دیا بلکہ حرات مندا انہما بارے سے بھی پہلی بار روشناس کرایا۔

مان "میں اپنے بہن ازم" دھورنوں کی دھورنوں کے ساتھ جی پیر میں آ کر موٹریا بنا گیا تھا بہن میں ایک صورت مرد کو دکھائی دے گی شدید خواہش میں اچانک تپتا ہو جاتی ہے

میرے نام عصمت آپا کا پہلا خط ۱۲ اگست کو لکھا، اسے اچھا روڑہ، جینی ۱۳ اپریل ۱۹۴۹ء

عزیزم
شاہد ابیک اچانک چلے گئے مجھ سے بچے پہلا دورہ پڑا زور سے منٹ بدھیک ہو گئے رات کو دس بجے ایک دم سانس کا کوئی اور پندرہ منٹ بھی نہ گئے اس میں غلابت، سچا سوس جھلکا پڑا تھاری جلد دی کا ٹکڑے لڑی ٹھارس بندھے تھے یہ جان کر کوئی اپنے دگر میں شیک ہوا

شکستہ کو اور میری کو دیکھو۔
نقطہ عصمت آپا
شاہد لطیف عصمت آپا کے شوہر تھے
عصمت آپا شاہد لطیف کی بیوی تھیں۔ نقطہ شوہر ٹراپے یا بیوی اس بات کے متفق نہ

جہی میں عام طور پر متحول لوگ گھر میں آدھے
کے کام کاغذ کے لئے ایسی ہی نوٹڈیاں ملازم
رکھتے ہیں محنت آپا نے بڑی محنت سے میٹھایا
اپنے لہجے میں شریک کیا اور بہت سی باتیں
کیں۔

ہم دونوں شکوانے گئے انھوں نے
میرے لئے شہرت شگوا اب کے کہن میں
کونئی دوسری دربار طائرہ ساٹھے آئی کھر
چاہے بھی لائی کئی اور شاید لطیف ہوئے۔

کھانا کھا کر باہر آئے

اپنی تنہائی کو کم کرنے کے لئے کہیں پاکستان
چلی جاتیں کہیں ہندوستان میں رہیں اور اعلیٰ منہ
کھتے ہنگشتو بہر شاہین۔

۸ مارچ ۱۹۷۸ء کو کھٹو کی سرکشی چند
کی پہلی برسی تھی۔ اس دن صحت آپ کھٹو میں
تھیں۔ میری درخواست پر انھوں نے شرکت اور
صداوت کرنا بھی منظور کر دیا تھا برسی کے موقع
پر یادگاری مباحثے کے لئے دو موضوعات
دئے گئے تھے۔ ذکر شہید اور عام آدمی اور
ظلم کی آزادی اور وکادی کا بل سامعین سے
کہا کہ جس جگہ تھا صحت آپ اپنا صدر قریب تر
میں اندرون زبان کے مسئلے پر اظہار خیال کرتے
ہوئے کہہ سکیں۔ اردو تو مرچکا ہے لہذا اسکی
ارتھی اعلیٰ جاتی ہے ؟

اس سے سامعین میں محنت غم و فہم
پیدا ہو گیا جو اردو کے ایسے صورت ناک انجام
کا تصور رکھ نہیں سکتا تاہم جسے تو روکے کئی
نگہ گیر مدفنا میں اور بہت ناموں نے صحت
آپ کے اردو کے بارے میں خیالات کو اچھا اور
ان کے خلاف گستاہت آپ کا انانہ نگار
زہن جھڑاتی ہے جو انجام پر زیادہ مرکوز نہ تھا
ہے وہ کبھی مسئلے کے حل کے لئے لڑائی و لڑے
شروع کرتی ہیں جہاں پہلے ہونے مکان کے پیچھے
بہرے قہر کرنا نامکن ہو جاتا ہے رعبہ ہواد
ظہیر نے تو لڑائی شروع کرنے سے پہلے ہی شکست
تسلیم کر لی تھی۔ اور صرف ہندی میں اس نے کئے
پر زور دیا تھا۔ راہی مصطفیٰ نما بھی اس منطق
اچانے ہوئے ایک نام اور آگے بڑھ گئے تھے اور
کوئی زبان نہیں ہے۔

میرے نزدیک اردو کا مسئلہ ہندی کے ساتھ
لڑائی لڑنے سے نہیں ہو گا بلکہ یہ قسمی سے
نظمی اور سماجی مسئلے ہیں ہندو مسلم جنگ وہ
دیکھا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے ہندی قومی غلط
کی زبان ہوئے ہوئے بلکہ ہنگ و ہنگ و ہنگ
کا تنازعہ و مسودہ نہیں بن سکی ہے لہذا پہلے
جنگی میں اچھے دھڑوں کی منت کی ہے جو کھٹو

کو فکریں بلوے جب کہ اردو میں بھی ایسے
رہائے ہیں جو کھٹو دھڑوں کو باقاعدہ ملحوظ رہی
کرتے ہیں ان میں سے کئی اور غیر سرکاری مسائل
شامل ہیں اور ان میں ہندو ایک تو تھوڑا اشاعت
کے اعتبار سے قومی سطح پر رکھے جاسکتے ہیں۔

۱۰ اب ایک اور خط صحت آپ کا ملاحظہ
فرمائیے۔ رام لعل جی ۱۰ مقام ۱۰ کی حالت بدتر
ہے کہ وہ کھٹو دھڑوں کو پیچھے نہیں دیتا تو اسکی
سفارش کیوں کر رہے ہو۔ کھٹو سے ملا دیا ہے
مگر پیشہ سے بھی ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳ کا بلا ہے ایک ہی
تاریخ کیوں کر گئی؟ پہلے جانے کا ہر موقع کہاں
لے گا اگر ۱۵ جنوری ہر گز تھوڑے تو دلی سے کھٹو
نیک کا واپس جوائی جاز کا کلوہ لائی ہو گا۔ بڑا
بڑا لک رہا ہے نئی کہانی پیشہ میں بیٹنے کے بعد
بیچ سکوں گی۔ اب دوسری کہانی کہاں کھٹو
کیا پیشہ میں ملاقات ہوگی تو نہیں ہی ہو سکا۔ انجمن
کو پیار۔

۱۰ مقام ۱۰ گپا (دہار) سے نکلنے والا ایک
شہر نامی ادبی جرمہ تھا جسے چند شہر سے نکال کر
آئے ہند کر دیا گیا وہ دہری استہارات اور زانی
کی کئی اسکے طریقے لہرے بعض اہم آدمیوں
کے نام بلا دئے تھیں بھارت کے لئے خطوط
کھوائے تھے ہندوستان میں غیر سرکاری ادبی
رسالہ ادبوں کو ماحول پیش نہیں کرتے جبکہ دھکا
ڈھرنے کے لئے کرکٹ والے نیک کو زندہ نکال دیتے
ہیں۔ یہ جہت جاگیر دارانہ دور سے شہر ہا ہوتی
جب صاحبان اقتدار ادبی ذوق کے ملک بھرتے تھے۔
۱۰ وہ بھی گئے تھے اور ادبی رسائی کی سرچشمہ بھی
کرتے تھے چنانچہ ذاتی طور پر کہیں کئی شخص ادبی والہ
نکالنے کا منصوبہ بنایا ہے تو اس میں ہر طرح کے
اعوان شامل کرنا ہے نہیں کرتا تو صرف اہل علم کا
مجموعہ وہ دور میں رہی یہاں بھی ورثہ کا
اردو اکادمیوں کے رسالے ہی ان کے ملحوظ
کا وسیلہ بنے ہوئے ہیں یا پھر ہندو ایک کتب خانہ
نیم ادبی رسالے۔

صحت آپ نے کھٹو کے میں جانے کا ذکر

کہا ہے مذکورہ بالا خط میں کہا ہے وہ غائب ہوا
اردو کا دلی کی طرف سے کتاب پر یاد نہیں آتا
کہ وہ ان دہلی کھٹو کی نہیں یا صرف پیشہ ہی
گئی تھیں وہاں بھی ہمارا اردو کا دلی کا ایک
سینار اور افسانہ خوان کا ہر دو گرام سائنس بھی
دیں مدد و تعاون رہا تھی کھٹن رسائی بنگال سے
ہوتا جوا وہیں پہنچاتا

اب میں ایک اور دلچسپ واقعہ کا ذکر
کرتا ہوتا ہوں۔ حیدر آباد دکن کے ایک بھی
وادنی رسالہ علمی تصویر کی جولائی ۱۹۸۱ء کی
اشاعت میں صحت آپ کی ایک نہایت ہی
نور بصورت کہانی "اندھا لکٹ شائع ہوئی تھی
انھوں نے جن کا جوڑا اور ہندوستان چھڑ دو
جیسے محو کہانیوں کے بعد ایک طرف صحت کے بعد
یہ کہانی لکھی تھی اس کہانی پر جس نے اپنا رد عمل ظاہر
کرتے ہوئے صحت آپ کو خط مدد بھی تصویر کو
بجھو یا تو انھوں نے میرا خط صحت آپ کو بھیج کر
جواب منگوایا اور دونوں خطوں کو سنبھال کھٹو
کی اشاعت میں آئے سانسے شایع کر کے ایک ٹکڑ
صورت پر لکری کہ آپ بھی ان دونوں خطوں کو
ملاحظہ فرمائیے۔

میرے نزدیک ان دونوں خطوں کی
ایک خاص اہمیت ہوں ہے کہ ان سے ہم دونوں
کے انداز فکر کا پتہ چلتا ہے پہلے میرا رسالہ کاٹھ
خط کیوں۔

(رام لعل کا کٹھ خط صحت چٹان کی کتاب)
میں تصویر کے شمارہ جولائی ۱۹۸۱ء میں
صحت چٹان کا کٹھ ۱۰ اندھا لکٹ ۱۰ شائع ہوا تھا
رام لعل نے اس صفحہ کے پس منظر میں کے نام
کو کٹھ خط لکھا ہے وہ تاریخ کے دلچسپ کے لئے لکھے
کیا بل رہے۔ اٹارہ

کھٹو
۱۱ جولائی ۱۹۸۱ء

صحت آپ کی
آداب۔ انجمن کی برسی چٹان کی برسی
میں ملو آداب شایع ہو گیا ہے آج نند

بہارِ دل ہے

کون سا گروں؟

اے بے شکے کا جوتوں آلود و طامش میری
ہے اس سب خفا کے، ایک ایک اس مرض میں
گرفتاری میں تیرا بھی بیرون ہے مجھ سے تھکا
کا اچھا کرتی ہے رعب ہو کر خود کشی کرتی ہے یا
ننگی ہو کر ہمدی وصل کرتی ہے، نہ لگا کر
میں میں اسرارِ دل اور آں میں خود حاصل کے دل
کا گل کھلا رہا ہے غلامی سے کسی شیکہ داشتہ

چشمِ شہدائیہ مناد ہیں۔

دیکھو پہلے اس وقت موت ہی ملے را
ہے کوئی ایسے میں بات کہہ دی تو پھر وہ نہ مانگے
اس وقت مولفوں کس کے کا ذکر کرنے کا نہیں ہو
رہا ہے تم بہت ہوا سے انسان ہو۔
حکم میں بڑی سلیبی طاس ہے، شہدائے
کہا نہیں تھوڑا گار ہو کر نہیں انسان کی بہت سے
پیشانی اس قدر عداوت میں ہیں، مگر حکم کے طاق
میں تو کہ ہے اور وہ منہ ہے، کئی دن بھی دیکھیں

کھن و پل پر بھی پھر کہہ نیاں گستاخوں پروردگار
ہیں ہے میں میں دروسوں کی کہا خوں کو پند یا پند
کرتی ہوں اور تھاری کہا یوں میں خوش ہدی ہمد
ہے آج تک کوئی نکاح تہاں ہم سے کا شائین کرتی
- بھما -

اے بے شکے کا جوتوں آلود و طامش میری
ہے اس سب خفا کے، ایک ایک اس مرض میں
گرفتاری میں تیرا بھی بیرون ہے مجھ سے تھکا
کا اچھا کرتی ہے رعب ہو کر خود کشی کرتی ہے یا
ننگی ہو کر ہمدی وصل کرتی ہے، نہ لگا کر
میں میں اسرارِ دل اور آں میں خود حاصل کے دل
کا گل کھلا رہا ہے غلامی سے کسی شیکہ داشتہ

غزلیں

کب بکری ذہن میں خیمائی، بچے یاد نہیں
کب خالوں کی بات آئی، بچے یاد نہیں
خیر و خیر کی طرف دلوں پہاڑا بن گیا
کب کب ساو حق تھائی، بچے یاد نہیں
انسا سوئے ہے لے ذرا خدا دریا حرم کا
کتھن ہائی سہائی گرائی، بچے یاد نہیں
یاد آئے ہے کوئی اسقا کسی نے اک دن
گوئی دھنیں خاک و دھواں بچے یاد نہیں
دول کی کھوپڑیاں میں کبھی کسی تیرے
کبھی کی کھوپڑیاں میں کبھی کسی تیرے
جوں کی ایک ہی میں کبھی کسی تیرے
برقی ہوئی کھن گرائی بچے یاد نہیں
انسان اور میں ترسب کھن گرائی بچے یاد نہیں
میری کھن گرائی بچے یاد نہیں

اُن کی خند میری داد، کھن گرائی بچے یاد نہیں
یہ محنت ہے کسی دن جسد ہو جائے کھن
ہے نیازی آپ کی گراں طرح بوسن رہی
دیکھئے اک روز کوئی حادثہ ہو جائے کھن
اس طرح میری طرف پشام بہت دیکھئے
پھول کا کام کو کھن سو مل ہو جائے کھن
ہم نہیں کہنے میں خیمہ شخصیں اس طے
آئے دن برقی تھائی کا سبب ہو جائے کھن
پھر دانی کا لہان حقیق ہو لب بچہ خیار
ماوا آلت میں کسی دن واقعہ ہو جائے کھن
دھن و دھن میں کھن گرائی بچے یاد نہیں
نہنگی بھر کے طے اک بچہ ہو جائے کھن
فکھن ہوں میں رعب میری نظرت اسے بچہ
خیمہ کھن و خیمہ سا بچہ ہو جائے کھن

منشور و منور نہ یاد رہا جس الفاظ
ناہق کے خیر و خیر نہ یاد رہا جس الفاظ
خیمہ بوسن میں تو خیمہ کا خیمہ
داواؤں کے لہانوں کے لہانوں میں الفاظ
خیمہ کی کبائی ہو کر بوسن کے خیمہ
خیمہ میں کبائی بچے کبھی سوار میں الفاظ
خیمہ میں کبائی بچے کبھی سوار میں الفاظ
کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی
کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی
کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی
کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی
کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی
کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی

انتیار ہے بکری

بکری بکری

قرآن الہدی



جب فلمی ستارے مداح بن گئے



● اداکار سنجے دت اور ان کے مہمان نور محمدی ہوٹل کے کھانے سے ٹکٹ لے کر مزہ دے رہے ہیں

فلمی ستارے جو ہر دم مداحوں میں گھرے رہتے ہیں، جب خود کسی کے مداح بن جائیں تو یہ حیرت کی بات ہے۔ لیکن اگر آپ نور محمدی ہوٹل کی نئی نہاری کا ایک بار ڈائننگ میں تو بھر آپ کو تعجب نہیں ہوگا۔ یہ ہے ہی اتنی عمدہ، لذیذ اور صحت مند کچیلے ہی نوالے میں خواص و عوام کا دل موہ لیتی ہے۔ اسی نے نور محمدی ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں بڑی بڑی ہستیاں، مشہور فلمی ستارے شامل ہیں۔ یہاں کی نئی، نہاری، بھجیو، پائے، ماش کی دال اور دیگر کھانوں کے پیچھے ۶۰ سال کا تجربہ اور جناب عبدالحکیم ملک نور محمدی ہوٹل اور ان کے فرزند خالد حکیم کی ذاتی مگرانی شامل ہے، جس نے اسے ممتاز بنایا ہے، آپ یہاں تشریف لا کر شوق فرمائیں، اپنے احباب کے لئے گھرے جائیں یا پانی کے لئے جائیں۔ آپ اداکار کے سامان ڈائننگ کریں تو فراموش نہ کر سکیں گے۔

نور محمدی ہوٹل، وزیر بلڈنگ ۱۸۳/۱۸۱ ای۔ آر۔ روڈ، جھنڈی بازار، ممبئی ۴۰۰۰۰۳

فون: ۸۵۱۱۰۰۰۸ فون دفتر: ۸۵۱۱۶۱۱۵

شاہ جہد علی، اکتوبر ۱۹۹۱ء

باب انتقاد

پھول بنتی ہی رہیں گی کیاں
شکر اے کی اجازت کیسی؟

کس نظر کی بات کرتے ہو حیرت
اس نظر میں ایک ہی ذرہ و حیرت

چاروں طرف کے دیکھتے بڑے خشکے
اپنے اپنے دامن کو آگ سے پکالتے

حقیقت یہ ہے کہ حقیقت آسانی کی غزلوں میں
شبّت انگار بنے ہیں۔ یہ سن بھوری اور منوئی
اعتبار سے نہایت دیدہ زیب ہے۔ اس مجموعے کی
کئی بات مضبوط خوش نویس جمال بادی نے کی ہے
مجھے کہیں کئی بات کی خالی نہیں ملی۔ کاحنداد
ذہن کو دھڑکتا ہے (چھپکا)۔ اس کتاب کا سرووش
کتاب کی نشاندہی کرتا ہے۔ آئندہ پھر اذیت
میں اس کی بھرپور پڑھائی ہوگی۔

کمال جعفری

شہزادی وی ڈوراند نگار اور -
ظہور مزاج میں تنقید و حقیقت کے ایک

دلیپ سنگھ

کی نئی کتاب
"موم کی گڑیا"

بہت جلد نظر عام پر آ رہی ہے۔

سے نوازا آدم تک کا ایک طویل المیعاد
خاموشی اپنے حساس افکار کے ذریعے انسانی ضمیر
کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ زبان و فن اور
تجربے نقطہ نظر سے یہ نظم ہماری آئندہ شاعری کے
اپنی نغموں میں شمار کی جائے گی۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں ۹۹ غزلیں
ہیں جو بکروشن کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔
ان میں روایت اور جدت دونوں کی لذت نمایاں
ہے۔ حیرت صاحب انسانیت نواز اور تمہید و
خرافات کے ملین وادارے اس نے ان کی غزلوں
میں انسانی قدروں سے بھرپور جذبات کی فراوانی
ہے۔ وہ محبت و اخلاص کا صاف و شفاف آئینہ
تھے۔ ان کا دل انسانی ماحول کی تباہی و بربادی
پر دردناک تھا۔ اس نے انھوں نے غزلیں جیسی نازک
صنعت میں اپنے پائیزو خیالات کو پیش کر کے
ہمیں اپنی جانب متوجہ کیا۔ جڑنے و خاتمہ کی دیندہ
اور غزلیں کہہ کر ہماری آرزو شاعری کے دامن کو
مال مال کرتے۔ ان کے احساس اور فکر کو گینے کے
ٹاپے ہم ان کی غزلوں کے چند اشعار پیش کر رہے ہیں۔
جن سے جدید اسلوب اور فکر کی تازگی کا اندازہ ہو
سکے گا یا سمجھ سکتے ہیں۔

ہر کوئی ہے دہشت کی جھپک رہیں اچھا نوا
کلمہ ہے دائم خرواں عالم امتداد میں

قوی یک جہتی کے نام
لاکھوں پتے ایک طہر

کفر کیا ہے جس نے آج
کہہ ڈالے ہیں کی بات

"آدمی درندہ ہے"
(حقیقت - آسانی)

سال اخلاص: سن ۱۹۹۴ء

جنت: ایک سو روپے

ناشر: طبعی راج رانی سن ۱۹۹۴ء

گولا کلاں، ہے پی روڈ، انجیری

ڈیسٹ: بمبئی ۴۰۰۰۱۱

قیمت کار: خالص ہندوستانی قیمت ۱۵

انصاف داریت، دہلی ۱۱۰۰۰۲

نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

"آدمی درندہ ہے" انجانی ڈاکٹر کی شوق

چند برسین حیرت آسانی کا نہایت دلکش اور انقدر

مجموعہ کا نام ہے۔ اس مجموعہ کی ناشر لاد ان کی ذہنی

بیروہ راج رانی ہیں۔ "آدمی درندہ ہے" حقیقت

آسانی کی ایک طویل نظم ہے اور اسی کی نسبت سے

اس کتاب کا نام رکھا گیا ہے۔ اس طویل نظم میں

حیرت آسانی نے آج کے دور کے انسان کی نفس

کشش کا ذکر کیا ہے جس نے انسان سے حلا

انسان کو چھین لیا ہے۔ ایک سو صفحات پر پوری

ہوئی یہ نظم انسانیت کی حیرت انگیز تصویر پیش

کر رہی ہے۔ آج آدمی آدمی کا دشمن ہے۔

طریقت و اخلاص کا فیکٹا ہے۔ تمہید کی جگہ دہی

اس کا حقد ہے۔ مذہب اور زبان رنگ اور

لس کے نام پر بندہ دوا دیوں کا جکڑ ہے ہر اہل

ان سب موصوفات پر حیرت صاحب نے بھرپور

روحانی ڈالی ہے۔ اس نظم کے ہر بندے کے ہر

صیغے پر ایک تصویر دکھائی گئی ہے جو عموماً

آرٹسٹ ہرگز نمودار نہیں کا اعلان ہے۔ یہ نظم

بڑے نئے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں ابتداء آدم

من کہ مکتوب الیہ

حضرت سید نور تونسوی

تسلیمات ! کافی عرصہ سے آپ کا خیریت نامہ نہیں ملا۔ خدا کرے آپ صحت مند
مندرست اور توانا ہوں
لٹائن میں مارچ سنہ ۱۸ کے دو حکمرانیت میں ایک علی گڑھ کا نرس منعقد ہوا جس میں آپ کا
نام بھی شامل ہے۔ دو چار روز میں اس جلسے میں خطوبہ کیے والا ہوں۔ آپ کے ہر حال میں تشریف لانا ہے۔
ہندوستانی نندوہن کے کچھ نام جو ذکر کرتے ہیں۔ اگر آپ بھی اس سلسلے میں کچھ کتابیں لکھیں تو نام تجویز
کریں تو خوری طبع و تخیلات سے اسکا وہ کیگا۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی
پرنسپل گورنمنٹ کالج لٹائن (پاکستان)

مزاج گرمی۔ جمہوریت اور جناب کی
خیریت کا باب۔
گرمی نامہ صادر ہو کر کا شفعہ حالات ہوا
ممنون و مشکور ہوں۔

» خاقان مشرق ہیں تو آپ لاؤ خزیر
ہنات شخصیت۔ دراصل اپنے سلمہ و انضامین
» شخص ادھ کس۔ میں مفتض ذکر ہوا کہ آپ کی
خدمات۔ اردو دوستی، حب الوطنی، حق گوئی
اور بیباکی کا۔۔۔ مجھے آپ کی خدمات کا اعتراف
ہے۔ آپ نے اردو کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ مجھے
امتیاز کہ شتقیں کا مآرخ آپ کی خدمات کا جلیل
کو نظر انداز نہ کر سکے گا۔ آپ اپنی ذات سے ایک
انجمن ہیں ایک اولاد ہیں ایک تاریخ ہیں۔

انشائے آپ کو تا دیر محتند حیات کے
آمین۔۔۔ عزم افردہ مجی صاحب ترقی
اور عزت گرمی جناب تو بنی خادمی کا جوسلہ
بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے انتہائی عہد پر انور
ہونے کے باوصف جلد از جلد دلی پہنچ رہا ہوں
آپ سے مل کر مجھے بے انتہا مسرت ہوگی۔
میری رائے ہے کہ آپ کی شخصیت جہد سادہ

محسوس ہو کر اگر کتاب انعام کے اعلان کے بعد
آپ نے اپنے مکتوب میں جو پر عوش خراج پیش
کیا ہے وہ حقیقی نہیں تھا۔ میرے لئے تو سب سے
بڑا اعزاز ادا انعام وہ ہے جو میں جو بہر حق
صداقت کے خراج میں حاصل عید اودودہ پیر ملیر
کیم اترین احمد، پروفیسر محمد بنی چند نارنگ، آئی احمد
سردار، ڈاکٹر نیکان چند جہاں، پروفیسر فرمان
فتح پوری جیسی جہد شخصیتوں نے کبھی نہیں میرا
لے ان سے بڑا کوئی اور انعام نہیں۔

آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ
آپ کے نظریات ہیں اور میں ان کو بے انتہا
مانتا۔

خدا کرے آپ یہ عاقبت ہوں۔ تب تک
لانی کوئی خدمت ہو تو ضرور تمھیں۔

خاکسار
رضوان احمد
ایڈیٹر، غلام آباد ایکسپریس
(پنج)

گرامیہ کرم و کرم سادہ و سادہ

عزم سید نور تونسوی، آداب !

میرے خلاف کوئی کچھ بھی کیجے، میں کبھی
جی ایسی تحریروں کا جواب نہیں دیتا جب مجھے
دوسروں کے خلاف کیجئے کا حق ہے تو میں کسی پر
عزت حق کیوں کروں؟ آپ نے مجھے فرقہ پرست
کہا۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔
دوسروں نے اپنے فرقہ عمل کا اظہار کیا اور آپ
نے اسے اپنے سو قریبا ہمارے میں جگہ دی۔ یہ آپ
لی وسیع انظری اور وسیع اقدیمی ہی نہیں
صاف حق اجماعی ہی ہے۔

تجاربہ کے مطابق (۱۰ پر بی سلسلہ)
میں آپ کے پھر اذراشی فرما ہے۔ یعنی میں غائب
انعام کا سقن تھا اور حیات انشاء الہی کے
ذریعے نامشکو رکھے جانے پر یہ انعام مجھے دیا
گیا۔

میں یہ خط صرف آپ کی ایک خدمت
دور کرنے کے لئے لکھا رہا ہوں۔ ورنہ مجھے اپنے
سلسلے میں قطعی کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔ غائب
انعامات برائے ۸۹-۱۹۸۸م کا اعلان ایک
ساتھ ہوا تھا۔ ۱۹۸۵ء کا غائب انعام برائے
اردو صحافت جیا تک انشاء الہی کو ملا تھا اور
۱۹۸۹ء کا اس حقیر فقیر کو۔ حیات انشاء صاحب
کے ذریعے انعام ۱۵ برس کرنے پر کسی کو نہیں
دیا گیا اور صحافت کا انعام صرف مجھے
ملا۔ اس لئے آپ کا یہ جھگڑا درست نہیں ہے کہ
حیات انشاء صاحب کے لئے مجھے دے کے جانے کے بعد
انعام مجھے دے دیا گیا۔

اب صحافت با ضیافت کے سلسلے میں مجھے
قطعی کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔ میں مستانہ
مبدل کی پروا دے بغیر کہتا ہوں۔ کسی انعام یا
اعزاز کے لئے خواہ نہیں ہوتا۔ البتہ اب یہ

نیازمند قدم
ڈاکٹر آذوقا سی
لوہک

فند سرور صاحب .

شليمات عرض!

آپ ادا آپ کے ہمارے شعراء کو رام کے
محبوب رسالہ شاہ بنڈے جو علم و ادب اور شعرو
فہم کی خدمات انجام دی ہیں۔ ادب اب کی جوسرگرم
عمل ہیں وہ حقیقت انہر من الشمس ہے۔

ماشاء اللہ آپ کی ذاتی گزشتہ ایک نوہ ہے۔ مثال ہے۔ آپ ایک ایسا صاحب
شاعر ہے جسے شاعر، شاعر اور شاعر نے نہیں سمجھا،
جائے کہا کیا ہیں۔ آپ کی نظر نہایت وسیع ہے۔ جس
بند ہے۔ مزاج میں کس قدر گہرائی ہے۔ جس
سیرمی اوقات، بسا اور حقیقت کیا۔ سب
مقام اور سہنی ہے کام، بہت کم مایہ، ذوق
سونا ہوں شاید آپ کی اور شاہانہ ہند کی
حقیقت ہے کہ وہ بھی نظر دجائے۔ ایک
وہ بھی، ناٹھ، شاید کہیں کو آپ
برہم صادق کی جانب سے کلام متعارف
مشرقی لائے تھے۔ کہہ کے میک صاحب
صادق صاحب بھی شریک تھے۔ تب سب
نے متعارف کا اہتمام کیا تھا۔

خدا آپ کو اور شاہین ہند کو سلامت رکھے۔
کہ از کمر ذہائے عین بریں نہ بھولے۔

آپ کا ایک اور خادم

انہما خادان

دعاء (ایم پی)

مختصری۔ آداب و نیاز!

پچھلے مکتوب گرامی اند پھر ”خانہ“ کے شمارے
 جیلے، شکریہ! آپ کی عیادت کے بارے میں پڑھ کر دکھ
 بیٹا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو کنو صحت عطا

فرمائیے آمین!

”ستارہ بند“ نے ابتداء سے جو اپنی ادنیٰ شناخت بنائی ہے وہ آج تک قائم ہے۔ خواہ کوئی کچھ کہے کیوں آپ کے احادیث اسی حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں جس کو عقلیاد یا نہیں جاسکتا۔

”دینی کے متنازعے“ پر برادر محترم کا دل داس
 عقیدت و رضا کا مختصر نمونہ ”من کہ مکتوب انیہ“ میں پڑھ کہ

دل پیر کا بھی۔۔۔

مفتی
ذکی نظامانی

مُرَاسلات صاف اور خوشنود کہیں۔

آزادی کے بعد اردو شاعری کی سرفرازی اور پستی کی دلغریب داستان

دلی کے مشاعرے

ماہنامہ "ایمان اردو" کی نظر میں

[illegible]

بھلا جانے والے کے گناہ کبدا، اور صاحبزادہ کو دیکھو نہ کہ میں نہیں جانتا کب گنہگار کی گزرتی ہو یہ مناسبت سے میں
 یہ سبیل پر نہیں ہوا، خاصہ اس کا یہ گناہ اس کو دوتاویں تھے تو اس نے اسے خواب انداز میں سے غلطی سے کچھ سبیل کو گم جا گیا
 یہ اندازوں کی کہ کبھی کہ کمالان خود ہو یہ سے کہ او دوسرے اس کی پاس میں رہا ہی ہے۔

[illegible]

مستحق و بدستوری نے خوش قسمتی سے آزادی کی گھنٹی گھنایا۔ فرقہ کی حمایت اور خوشامیالوں کی زبان و بیان پرستہا
 کی بدولت اس کی حمایت اور کھلم کھلا ہاتھ پیر کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کی تحقیر اور ہجو کا ذکر و تذکرہ کر کے
 ان کے گریز و فرار کی شہرت و نفوذ کو ختم کر دیا۔ اور اس پر غصہ اور کراہت کے باوجود کسی بھی صورت میں تذکرہ کرنے سے
 سونے سے ہرگز تامل کے اس کا کام نہ ملے، بلکہ خود ہی ان کی طرح پیش قدمی کرے۔

کتاب اہم سے تالیف کی گئی ہے۔ اہم شاعروں اور شاعری سے گماور کہنے والوں کے ایک نمونہ ہے۔

دی نے مالی اعانت دے کر ایک اہم فریضہ انجام دیا ہے۔

غزل

ڈاکٹر حقیر آستانی مرحوم



کوئی کسی کی آہ نہیں بھرتا ہے
 کوئی کسی کی موت نہیں مرتا ہے
 اپنا اپنا دکھڑا سب روتے ہیں
 کوئی کسی کا ماتم کب کرتا ہے
 کوئی بھی موسم ہو چرخِ قویہ ہے
 جب بھی دیکھا پیٹوں کوئی جھرتا ہے
 اس خونخوار دہندوں کی بستی میں
 آدم سے آدم کیتا ڈرتا ہے
 اپنے جلو میں اک طوفان اٹھاتا
 صبر کا پیالہ ہے جب بھی بھرتا ہے
 اتنا ہی وہ نفع کماتا ہوگا
 جتنا کوئی جس کا دم بھرتا ہے
 بولے دو کچھ آج تختیر اٹھیں بھی
 کون یہاں فرزانوں سے ڈرتا ہے

بلبل چہ گفت بہ کل چہ شنید بہ و سب چہ کرد بہ

لفٹنٹ گورنر مارکنڈے سنگھ

مارکنڈے سنگھ نے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کیا کہ وہ نہ تو چند شیکھر کے پروردہ
ہیں، اور نہ کسی ایک شخصیت کے وفادار

تقریباً کہا۔ کسی نے کہا کہ خیر مارکنڈے سنگھ نے
اعلیٰ چند شیکھر کے ساتھ چمکتے رہے ہیں، اور کسی نے
کہا کہ بہر کیف خیر مارکنڈے سنگھ نے بہتر وطن
سے یہ ثابت کیا کہ وہ نہ تو چند شیکھر کے پروردہ ہیں۔
اور نہ کسی ایک شخصیت کے وفادار۔ وہ وفادار ہیں

لیفٹنٹ گورنر سابق اٹل سروس اور ملٹری سٹو کو
نظر کیا گیا۔ اور جب خیر چند شیکھر وڈو بر اعظم نے
تو انہوں نے بھی اپنے پیش رو کے خیر قدم پر چلے
گئے اپنے وفاداروں کو گورنری عطا کی، اور اس
جس میں خیر مارکنڈے سنگھ کو حق کا لیفٹنٹ گورنر

راجہ وشنو ناتھ پر تاپ سینگھ جب
وزیر اعظم بنے تو انہوں نے اکثر و بیشتر گورنروں کو
کانگریس حکومت کا وفادار سمجھتے ہوئے ان کی جگہ
اپنے وفاداروں کو گورنر مقرر کیا۔ چنانچہ جوتی کے

اس کے محتاج لوگ: افزائش پیدا کرنے کی کوشش کریں گے، ایسے نازک وقت میں شری مارکنڈے سنگھ اپنے آڑوہ کار اور وائی نندوئی والوں کے مزاج سے پوری طرح واقف کوئی وائی کاٹھنٹ گورنر رہنا چاہیے۔

دربارِ محترم شری نرسمہ راؤ سے یہ جائز ہمتیہ کی جا سکتی ہے کہ وہ اہل وائی کی اس خواہش کا یقیناً خیال رکھیں گے۔

من چہ می سرام و طنبورہ من چہ می سرایہ

عالمی آڑوہ کار نرسوئی وائی کے بانی اور آرگنائزنگ سیکرٹری علی ہدیہ علی کا ایک بیان چمچے دلائل اخبارات میں شائع ہوا کہ مارنٹش حالی آڑوہ کار نرسوئی کے منتقلین نے جو حکم کی محترمہ خدیجہ کے مطابق ہندوستانی مندوہین کو مرحوم نہیں کیا اور آئی۔ سی۔ سی۔ آئی کے ڈائریکٹر محترمہ وینا سکری نے مارنٹش میں ہندوستانی سفارہ خانے کے مشورے سے دیگر حضرات کا وفد بھجوانا منظور کیا ہے لہذا ان حالات میں علی ہدیہ علی کی ہزست کے مطابق جناب ارجن سنگھ وزیرِ تسلیم حکومت ہند کی قیادت میں وفد نہجائے کی وجہ سے جناب ارجن سنگھ نے مارنٹش نہجائے کا فیصلہ کیا ہے۔

اور ڈوسری طرف جناب ارجن سنگھ کا یہ فرمان اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ چونکہ پارلیمنٹ کا اجلاس چل رہا ہے لہذا وزیرِ اعظم نے ان سے کہا ہے کہ وہ راجدھانی میں ہی رہیں۔ (اسے کہتے ہیں) "من چہ می سرام و طنبورہ من چہ می سرایہ" حالانکہ جناب ارجن سنگھ نے علی ہدیہ علی کو اپنا حبیوہ بھی دیکھ کر نہیں کیا کہ وہ وزیرِ تعلیم کے بارے میں اخبارات میں کسی جرم کا اعلان شائع کریں۔

موجودہ لفٹنٹ گورنر شری مارکنڈے سنگھ ہر سیاسی پارٹی اور عوام کے دیکھے بھالے ہیں اور شری مارکنڈے سنگھ کو داد دی جاتی ہے کہ ان کے ہر کوئی خوش ہے۔ ایسی حالت میں وائی کو ریاست کا درجہ ملے جانے پر شری مارکنڈے سنگھ بہتر کوئی دوسرے شخصیت نہیں ہے جسے لفٹنٹ گورنری کے لئے انتخاب کیا جاسکے۔

ہو جانے کے بعد ایک سادہ مہلے کی نکلیں سے وائی کو ریاست کا درجہ دیا جا تا قرار پایا ہے۔ لہذا یار وائیوں میں چہ گیائیں یعنی شروع ہو گئی ہیں کہ اگر کام میں پارٹی میں اقتدار سنبھالتی ہے تو اسے لفٹنٹ گورنر بنایا جائے گا اور اگر عبادتہ جنتا پارٹی کا سیاب ہو جاتی ہے تو وہ کسی گورنر بنانا چاہیگی۔ چونکہ وائی دیگر ریاستوں سے مختلف شخصیت رکھتی ہے کیونکہ یہ ملک کا دارالافتدات ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص مرکز کے تحت رہنا ضروری ہیں۔ مثلاً پولیس کا انتظام، سیکورٹی فورسز کی اقامت دہی یا زمینوں کی دھیری کا معاملہ وائی وائی کا مسئلہ وائی اہل وائی کو مرکز کے دربار انتظام نہیں دیکھا جاتا اس سے کوئی طرح کی انتظامی دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

موجودہ لفٹنٹ گورنر شری مارکنڈے سنگھ ہر سیاسی پارٹی اور عوام کے دیکھے بھالے ہیں اور شری مارکنڈے سنگھ کو داد دی جاتی ہے کہ ان سے ہر کوئی خوش ہے۔ ایسی حالت میں وائی کو ریاست کا درجہ ملے جانے پر شری مارکنڈے سنگھ بہتر کوئی دوسرے شخصیت نہیں ہے جسے لفٹنٹ گورنری کے لئے انتخاب کیا جاسکے۔

شری مارکنڈے سنگھ نے جس سہرا نامہ اہل وائی میں اس زمانہ میں رقم رکھے ہیں کامیابی حاصل کی ہے اس کے پیش نظر وائی کا ہر فرد وائی جان سے چاہتا ہے کہ اسے وائی میں جس کے

قوائے ملک کے اور خدمت گزار ہیں قوائے وائی کے۔ جب شری پارٹی نرسمہ راؤ نے ہندوستان کی وزارتِ داخلہ سنبھالی تو ہر کسی کا یہی خیال تھا کہ دیکھیں اب وائی کے لفٹنٹ گورنر کی مقرر کیا جائے گا۔ کسی نے شری وائی میں عبادتہ اسی کا نام لیا تو کسی نے کسی دوسری شخصیت کے بارے میں اندازہ لگایا۔ بیان ملک کی اخبارات نے لکھا کہ وائی کے لئے لفٹنٹ گورنر کی تلاش ہے۔ مگر خان ہندوستان وزیرِ داخلہ کی خدمت میں یہ گزارش کی کہ شری مارکنڈے سنگھ کی کارکردگی اپنے پیش رو وائی کی نسبت اس درجہ بہتر ہیں اور قابلِ تعریف ہے کہ کسی بھی سیاسی پارٹی نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ شری مارکنڈے سنگھ کی جگہ کسی اور کو لینٹنٹ گورنر بنایا جائے۔ پارٹی کے مفاد پر صحتِ حضرت کا یہ ارادہ ضرور ہے کہ ان کا کوئی اہلِ حبیب الیہ اس عہدے پر ممکن ہو جائے تو ان کے لئے بہتر ہے گا۔

مگر شری نرسمہ راؤ کی اس منہ میں تعریف کی جانی چاہیے کہ انھوں نے کسی بھی گورنر یا لفٹنٹ گورنر کو بلا کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سرکارِ ہندی عہدے دار مقرر جب وقت کے وفادار ہوتے ہیں، دیکھ کر مقرر ثابت سیاسی پارٹیوں کے ایجنٹ یہ دوسری بات ہے کہ ایک دو گورنر یا حبیوہ کے ایجنٹ مرضی سے استعفیہ دیا۔

حال میں ہی بارہ لینٹنٹ سے تو کسی جی پی اس

قومی شاعر الحاج نذیر بناری اور وزیر اعظم

اعلیٰ درجہ کے شاعر اور نثر نگار بناری صاحب نے
میں پہلی کتاب "ادب و ادبیات" کے تحت
کہ وہ نذیر بناری کی کہ ان کے دو شعر اور ایک
ماہ نامی اعداد میں جاری کریں تاکہ بناری صاحب
مطرت نذیر بناری آئندہ زندگی آرام سے
کر سکیں۔

وزیر اعظم صاحب کی مجلس شوریٰ
اور ہے قزاقی برداشت کرنے پر بھی
نذیر بناری کیا فرماتے ہیں۔

ہر نیا کیلئے نیا ہی نظر آتا ہے
کوئی کراؤ نہ داسی ہر گھر آتی ہے
میری جھکی ہر بوسا آجہاں کی
سب کاں میں تبت ہی نظر آتی ہے

اندر گام نری اور دوسٹر گام نری
شعر و ستاروں کی طمانیہ گام نری
نک کی آواز کی کہ میں چاہے میں بھی باقی طمانیہ
بھی اس نذیر بناری کے ساتھ اپنا گام نری
سارے ملک کے لئے باعث فخر ہے۔

قاصد ہے سے قزاقی چاہے گام نری
میں سرے والوں اور نریوں کی طمانیہ
کے لئے سوا دینے کے لئے طمانیہ
ذندار ہے جبکہ یہ طمانیہ گام نری ہے کہ یہ
ہو باقی حکومت کے لئے سے جو اپنے
حالت میں طمانیہ سرکار سے کہ آئندہ
فضول ہے۔ تاہم وزیر اعظم صاحب فرما
صاحب کا فرض ہے کہ وہ بناری صاحب اور
نذیر بناری سے ان امور کا کام و اخلاص کے

کچھ اور بناری میں جو قزاقی اور
خدا پادشہ شکر امان میں شکر امان کے
اشاعت سوز نکلا ہے ہونے اس کے بارے
میں اشاعت، شراعت اور نری کی شاعت
اجتہاد برہمنان رہ گئی۔ اور قومی شاعر الحاج
نذیر بناری کی ہے طمانیہ، ان کے طمانیہ
کی طمانیہ حکومت میں طمانیہ اور ان کے
میں طمانیہ کی طمانیہ زندگی سے طمانیہ
پان ہو گئی۔

وہ نذیر بناری جو قزاقی شراعت
بناری ہی نہیں سارے ملک میں اپنی
شاعری کے باعث اپنا نام نہیں رکھتے
پنوت سوئی لال نہرو، اجاہر لال نہرو،



کیا
آپ کی کوئی تصنیف

ناول — افسانوی یا شعری مجموعہ

اشاعت کے لئے تیار ہے، اور آپ اسے بچھوانا چاہتے ہیں ؟

میں

اس سلسلے میں آپ ہماری خدمات حاصل کیجئے۔

ہمارے پرودہ کشنر حشی کتابت، طباعت اور گٹ آپ کے لحاظ سے اعلیٰ معیار
پیش کرتے ہیں۔

شاہی ہندوستانی کیشنر، قلیٹ، انعامی مارکیٹ دیانگانی، علی گڑھ

آپ کی
ادھ آپ کے کاروبار میں
ترقی کا ضامن
ہوئے ہو



صرف مری سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک ایسا اور ضرور
جیت کا سوال
ہوئے ہو

آپ کا اپنا بینک

مبئی مرکنٹائل کوآپریٹو بینک لمیٹڈ

جو سماج کے ہر طبقہ کا مادی اور معاشی کاروبار میں جہاں فارین ایکسچج سے متعلق سبھی
مسبوبات و مستیاب ہیں جہاں جمع کی گئی رقم پر دوسرے کاروباری بینکوں

سے ایک فیصلہ زیادہ منافع ملتا ہے

ہمارے کھاتے دار ہی ہمارے سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

عازمین جو کیلئے خرم مبادیہ کے خصوصی استقامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین معیاری خدمات کا غور ہیں

دھلی آفس
۳۶۵۵ نئی دہلی سہاس مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۲۷۱۳۹۵

فارین آفس جمیچ ڈپارٹمنٹ
۳۶۵۵ نئی دہلی سہاس مارگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۳۶۶۳۶۳ ۳۳۶۶۳۶۳ ۳۳۶۶۳۶۳
ٹیلیکس ۳۱-۵۵۸۲۳

مبئی آفس
پتہ رنگون و لاہور مارگ
۷۸ لکھنؤ روڈ
مبئی ۴۰۰۰۱۱

تو میں نے دیکھا تھا کہ اس کے ساتھ نہیں
 تھکتا تھا۔ ایسا ہی تھا کہ اس کے پاس
 والہ کی عمرانی میں حضرت کا شروع کیا۔ آپ
 کے والد نے آپ کی صلہ بھارت کو جواب یا
 اور زیادہ توجہ آپ کی تعلیم پر دینا شروع کر دی
 تھی۔ آپ کی اس قدر توجہ آپ کے پاس نہ تھی
 کہ والدین کا یہ سہرا سے آگے نہ

آپ کی والدہ ماجدہ بڑی فکرمند و دانش
 مندی تھیں۔ انھوں نے ہرگز توجہ آپ کی تعلیم پر
 دینی تھی کہ کسی اور جلدی آپ کے پاس نہ تھی
 اور والدین کی تعلیم تھی کہ والدین کا یہ سہرا سے آگے نہ
 اس وقت بعد از چار ماہ کا جو والدہ تھا۔ آپ کی تعلیم
 میں بھی شوق پیدا ہوا کہ تعلیم پر کئے بغور
 جائیں اور وہاں جا کر چار ماہ کی تعلیم حاصل
 کریں۔ لہذا آپ کے والدہ ماجدہ سے دعا کی گئی
 کہ میں نے بعد از چار ماہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

جہاں سے بعد از چار ماہ کا سفر اٹھا کر لڑائی
 والدہ کی تعلیم وہ تھا۔ اس سے ترقی و ترقی و ترقی
 طاقت ترقی کا باندہ گرم رکھتے تھے۔ تکیہ والدہ نے
 تعلیم کو اپنی کمال تھی کہ آپ کو ایک خانہ کے ساتھ
 دو روز کر دیا۔ والدہ نے وقت جب فرما سکتی تھی
 دیکھتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اس میں بھاری میرے
 جان کا کچھ ہے۔ لہذا آپ نے والدین کو آپ کی
 والدہ نے آپ کی تعلیم کے لیے چھ ماہ کی تعلیم
 دی۔ یہی تعلیم آپ کا چھ ماہ کی تعلیم تھی۔

لیکن اس وقت میں والدہ کے پاس نہ تھی۔
 والدہ نے آپ کا حال دیکھا کہ آپ کا حال نہ تھا۔
 والدہ نے آپ کو ایک خانہ کے ساتھ
 دو روز کر دیا۔ والدہ نے وقت جب فرما سکتی تھی
 دیکھتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اس میں بھاری میرے
 جان کا کچھ ہے۔ لہذا آپ نے والدین کو آپ کی
 والدہ نے آپ کی تعلیم کے لیے چھ ماہ کی تعلیم
 دی۔ یہی تعلیم آپ کا چھ ماہ کی تعلیم تھی۔

چاہیں وہ دنیا ہی ہو وہ خانی کچھ کر لے کر
 گیا۔ اس طرح ایک اور لڑکے آپ سے بڑھا
 تو آپ نے چھ ماہ کی تعلیم دینا شروع کیا۔
 دو دن کے لیے سو اور آپ کے بارے میں
 بتایا سو اور اس بات پر غور کیا کہ لڑکے
 لڑائی کیا ہے۔ اس نے غور کیا کہ اسے بڑھ کر
 پاس لاؤ۔ لہذا لڑکے آپ کو بڑھ کر۔

اپنے سو اور آپ کے پاس لے گئے۔ سو اور آپ سے
 بڑھ کر آپ کے لڑکے تھے پاس کیا ہے تو آپ نے
 دیر سے دیر جواب دیا کہ وہ میرا بڑھ کر ہے
 لڑائی کیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ میری والدہ
 نے سو اور میں میں سے کچھ نہیں لے کر
 سہ دیتے ہیں۔ ڈاکو کا سو اور لڑائی
 معلوم ہے کہ ہم ڈاکو کی والدہ سے چھ ماہ
 تو آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ سو اور آپ کو

فرمانے پر بات چینی کیا کہ نہیں۔ آپ نے جواب
 دیا کہ میں نے والدہ کا حکم مانا ہے۔ انھوں نے
 ہمیشہ ہر حال میں اپنے لیے کو کہا تھا۔ لہذا میں
 والدہ خانی نہیں کر سکتا۔ یہ سننے ہی سو اور
 دم بکڑ رہ گیا اور سو چنے لگا کہ ایک لڑائی
 والدہ کا حکم اس مستعدی سے مان رہا ہے۔
 انھوں نے کہیں جانے ہوئے بھی مانا تھا۔ والدہ
 ان کے خانی کی نافرمانی کرتا رہا۔ وہ فوراً تاب
 ہوا اور تمام خانے کا لڑائی مانا والدین کو مانا
 اور اس کے تمام ساتھیوں نے بھی توبہ کر لی۔

ماہ صفر ۱۲۸۷ھ میں آپ بغداد پہنچے۔
 اور انھیں مہم کا سبب معلوم ہوا۔ سب سے پہلے
 آپ نے فرمایا کہ تعلیم حاصل کرو اور طالب علم
 کے زبردستی مکتب کی۔ اس کے بعد آپ نے مہم
 فہم کے لیے حضرت ابو سعید کی شاگردی کی والدہ
 محمد علی حضرت ابو سعید کی تعلیم سے حضرت
 ابو سعید حضرت ابو سعید پرانی تعلیم
 کا ہم حاصل کیا اور یہ تمام تعلیم مکتب کے کتبہ
 میں پڑھ کر والدہ کی شاگردی کی۔ کچھ عرصہ
 بعد آپ کے مہم و تعلیم کی شہرت پڑنے سے شہر میں
 چھپنے لگی اور دور و دور کے لوگ آپ کی تعلیم

میں آتے تھے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر والدین
 کے تمام علماء آج سے غور کرنے لگے۔ لیکن
 تمام علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم ایک دن آپ
 کی مجلس میں جائیں گے۔ جب بیت ہوا اور علماء
 بیٹھا تو ہم سب مومن کے بعد ایک سو مومن
 جائیں گے والدہ باری باری انھیں نے شکل مند
 پڑھیں گے۔ اس وقت اگر وہ کسی کا منہ نہ
 سے حاضر رہے تو ان کی مجلس میں آجائے گی۔
 جب اس امداد سے تمام علماء آگئے ہو کر
 آپ کی مجلس میں جا بیٹھے تو آپ نے دعا شروع
 کر دیا اور پڑھ کر پڑھ کر پڑھ کر پڑھ کر پڑھ کر
 افتادہ چلائے ایک ایک کی طرف متوجہ ہو کر
 ان کے دلوں میں جو سوال تھے۔ ان کے جواب
 دینا شروع کر دیے۔ اور تمام کے تمام سوال
 کا جواب دے دیا تو ان میں سے زیادہ مانے پائے
 کہنے کے بعد والدہ پڑھنے پر تیار ہو کر ہم اس
 ارادے سے آئے تھے۔ و انھیں ان حضرت کا
 کوئی تانہ نہیں۔

آپ کی ایک تصنیف "غنیۃ الطالبین"
 ہے جو ایک مختصر جامعہ حیات کی کتاب ہے
 زندگی کے تمام مسائل کے بارے میں تعلیم بتاتی
 ہے۔ بہشتیہ نوافل میں اس کا ترجمہ ہوا ہے
 ہے۔ آج بھی لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں۔
 آپ کی یہ تصنیف آج بھی لوگوں کے لیے ہدایت
 کا کام کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی بہت
 سی اور بہت سی کتابیں ہیں آپ کی کلمات
 اور بیانات و کلمات کے بارے میں غور کیا گیا
 ہے۔

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے
 علوم باطنی حضرت ابو سعید بخری کے دست
 مبارک پر بیٹھ کر۔ کئی سال تک باطنی علوم
 تعلیم مکتب کی خاطر بیٹھوں میں بیٹھ کر
 دُنیاوی خواہشات سے بہت کرانہ کرانے
 پر اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ آپ نے چھ ماہ میں سال
 بھر مسلسل علم حاصل کیا وہ اس قدر تھا کہ
 ایک وفد آپ بہت دور چلے گئے پائے میں

ہے۔ علامہ صاحب، ماضی میں اس معاملے میں
وفاق پر فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ ایک مذمت
کے نیچے حاجات استغاثہ میں ظاہر ہو گیا کہ
نور محمد دارالعلوم اسلامیہ کے لئے
کچھ دیر میں سو فیصد کا نقصان اس کو کھانے
مانگہ ہو گیا۔ اور میں خود بخود اس کو
یہ ایک آکاؤں کو اسے قائل نہ تھے اب
میرے جرنیل قائل کر دیا۔ اب جب تمام مسائل
۴۔ پچھلے میں کہ کتاب کے لئے ذرا تیرے

غزلیں

دشمن آتی ہو میں اس کا سفر جاری ہے
 بغیر اولیٰ سے خواہ اس کا سفر جاری ہے
 کلمۂ پوشیدہ ہے یہ علم دلہا کے کونیا
 سینہ د سینہ کے لئے اس کا سفر جاری ہے
 جب سے تم مجھ کے لئے منتظر ہو رہے ہو
 آج بھی بلا غم و غم اس کا سفر جاری ہے
 قافلہ خوار ہے قبلہ کلمہ سیاہ ابھی
 درگاہِ اکبر میں صاف اس کا سفر جاری ہے
 لئے جلتے ہیں یہیں کے بنو دین اس کو
 تم کندہ ہیں جہاں اس کا سفر جاری ہے
 ہاں یہاں اس کا اس کا کلمہ ہے
 نیچا ہے یہ حق اس کا سفر جاری ہے
 پہچاننا ہے اس میں اس کا سفر جاری ہے
 اس کا سفر ہے اس کا سفر جاری ہے

[illegible]

میں نے اس کی

Calicut

ایڈٹ

ہلاکت خیز ہے
اس کا کئی مبالغہ نہیں ہے
مگر اس کی روک تھام کی جا سکتی ہے

کس طرح محفوظ رہیں ؟

صوت ایکس کی یاد دہانی سے جنسی تعلقات سے رکھ لیجئے۔
اگر ایسے کر سکیں تو ہمیشہ کنڈوم استعمال کریں۔
ایک ہی سونے سے دو آدمیوں کو انجمن زد لگایا جائے

پیشے کے لحاظ سے آلودگی سے بچنے کا استعمال دوسرے شخص کے لئے دیکھا جائے۔

مذہب و جہ ذیل باتوں سے آپ بچ سکتے ہیں

ایس

نہیں پھونچ سکتا

جس شخص کو ایڈس ہو گیا ہے اس کے ساتھ کسی کو تار اور لگے مٹا، اس کے ساتھ کسی کو کھانا یا اس
کی پیاسیوں اور بیٹوں کا استعمال کرنا، مشترک ڈرائنگ میں جانا یا ایک دوسرے سے کہ چھوٹا

عوام کی سلامتی کو مد نظر رکھتے ہوئے
ڈاکٹر شریوت اور انجمن میں ہندوستانی
دستی انتظامیہ کی طرف سے جاری





ابن خلدون کے نزدیک

خواب کی حقیقت

ڈاکٹر حسن شرقاوی

خواب کے نزدیک خواب کا ہر ایک ناکامی و شکست
حقیقت ہے جس پر کبھی بے فکر نہ ہونے کی
فکرت اور غلط فہمی (جسے ہی فلسفی کرم
مسل اکثر علیہ کسرت کے اندر ہی کا انکار خواب
سے کیا۔ آپ خواب میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ دنیا
میں ہو رہا ہے اس لئے اس حقیقت کے انکار نہیں
"فکان کلامی دیکھا انجاء من الخلق"

دیکھا آپ خدا ہاں خواب میں ہو کر
جہاں کی تیر تیر کر رہے ہیں اس لئے کہ
"ہمیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کے
مسل اکثر علیہ کسرت کے اندر ہی کا انکار خواب
سے کیا۔ آپ خواب میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ دنیا
میں ہو رہا ہے اس لئے اس حقیقت کے انکار نہیں
"فکان کلامی دیکھا انجاء من الخلق"

تو جس وجہ سے اس علم کو کائن
اہمیت دی اور اس کے یہاں اس کا
دراچ رہا۔

ابن خلدون نے اس فن کے بعض علماء کا
نام بھی لیا ہے مثلاً ابو الی طالب انورانی
جنہوں نے ایک کتاب تصنیف کی "اس کا نام
"المعتمد" ہے اور اسی طرح ایک دوسرے عالم
ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عمر السامی نے اس
موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام
"الاحتفال" رکھا۔ اس موضوع پر کچھ میرٹ
المنہ انا جس کی ایک کتاب ہے جو شیعہ و ائمہ
فی تصنیف و تالیف "کے نام سے مشہور ہے اور
شیخ ابو قاسم القاسمی نے اس موضوع پر
ایک کتاب تصنیف کی "الکلمات فی علم
العبدالہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب
دیکھا جائے تو ان علماء کی کثرت بہت زیادہ ہے
جو جانتے سمجھتے اس موضوع پر تمام علماء

عالمہ ابن خلدون نے علم دیا
کو دینی علوم میں شمار کیا ہے۔ اس عقیدہ کو علم
علماء کی تصانیف ہو چکی ہیں۔ علم دیا کے مشہور
علماء میں ابو سیرین کا نام سربلست آتا ہے
اس موضوع پر متعدد کتابیں ہیں جو میرٹ ہاتھ
آچکی ہیں جو اس وقت علمائے سابقین میں مشہور
تھیں اور جو کے متعلق وہ ایک دو سطور سے مختصراً
عابث کرتے تھے۔

اس موضوع پر اب سیرین کے بعد عالم
اسلام کے مشہور عالم ابو اسحاق احمادی نے ایک
کتاب تصنیف کی جس کے بعد علماء متقدمین نے بھی
اس موضوع پر کئی آثار کا انوار کیا ہے اور اس کے
متعلق مسائل کے اعتبار اور اس کے فائدہ
غایت کی تفسیر میں بہت کچھ ہے اس پر علماء
اپنے عقیدے سے کچھ لکھ چکے ہیں کہ
"ابن عرب دینی علماء و دانش"

اسے خدا باریک بینی سے دیکھ رہا ہے کہ اس کے خلاف
کون سے کام کی طرف توجہ دے گا۔ اس کے
کرمین۔ ابن خلدون یہ تسلیم کرتے ہیں کہ خواب اللہ
اس کی تفسیر سے مراد ہے (اللہ کے علم پر مبنی ہے) اور
عمل کے اعتبار سے مراد ہے۔ اور اس کے تفسیر
قدوم پر چلا جاسکتا ہے۔ فردا اپنی منت کے معبر
ظہار پر قدم دھل اور حیدر کے اعتبار سے سب سے
مستور علیہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام اس میں دلچسپی
کے ذریعے ہیں جو خود کو دیکھ رہا ہے جس طرح اللہ کے لئے
ہیں اس کا چاہیے۔ اور اس کا خیال ہے کہ یہ علم
بہکان انہوں میں بھی پایا جاتا تھا جن میں کچھ نہیں
پہنچا۔ اس وقت یہ علم صرف ماسرہ میں ہی ہو سکتا تھا
محدود تھا۔ اس کی تدوین و تالیف کی بھی کوشش
نہیں کی گئی تھی۔

ابن خلدون کا خیال ہے کہ مسلمانوں سے
پہلے کسی نے بھی اس علم کی تالیف اور اس کے
مسائل کی وضاحت میں پہلی قوی نہیں کی وہ پہلی
انہوں میں بھی ہم دیکھ سکتے ہیں کہ انہوں نے۔ اللہ
ان کا کہنا ہے کہ خواب کا حقیقی مفسر انسان ہی
ہے۔ اللہ کی تائید میں حضرت عیسیٰ مسیح علیہ
السلام کے خواب اور ان کی تفسیر کو پیش کرتے ہیں
جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔

تفسیر یہ ہے: اے اللہ پروردگار! تجھے اس خواب کی
تفسیر چاہو۔ اگر تم خوابوں کا مطلب سمجھتے ہو۔
ان لوگوں نے کہا: دیکھو! انہوں نے بار بار
یہ توہم بیان کیا ہے کہ انہوں نے اور ہم اس
فرق کے خلاف اس کا مطلب نہیں سمجھتے۔

ابن خلدون صحت اور عیب و سقم کا قول۔
"کہ یقیناً میں اللہ کا امانت دار ہوں۔"
دین کو مستور ہو جائے اور اس میں مفسر
ہو جائے۔ باقی رہ گیا ہے جس کی خواب میں نشان دہی
جائے۔

جہاں آپ سے معجزات کے متعلق
اور ان کی کیا توقع ہے کہ اس کے خلاف اللہ
پہلے خواب۔
حضرت ابو ذر غفاری نے معجزہ اور حق

اور حیدر کے معجزات کے متعلق تصدیق کیا تو
آپ سے فرمایا:

"یہی روی ہوا اللہ المومن
مستحق ہے۔"
یہی وہ خواب جو ایک اور مسلمان
ہے اللہ کو کلمہ کہتا آتا ہے۔
ابن خلدون اسے مستحق دین اور دنیا کے ثواب
پیش کرتے ہیں:

"وہی اللہ المومن جو تیس سے
وارد ہیں جزا دینا اللہ تعالیٰ۔"
میں: مومن کا خواب بے نیاست کا
چاہیے وہ جہنم کے۔

خواب کی حقیقت

ابن خلدون کا خیال ہے کہ خواب نام ہے
حبیب کی باتوں کے اور اک کا۔ باہل خود دیگر
ان چیزوں کا اور اک جو انسان کے جسم کی حالت
سے ماہر ہوں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ
جس کے ملاوہ و مسکرمہ وسائل سے ہیں انہی کا
اور اک محال ہے۔ بلکہ ان کا اور اک روح غیر
جسمی ضرورت کے ذریعے فیض ملے گا۔ انہی
کے نزدیک روح اور جسم کو کھلا دیا جاتا ہے تو شوم
کہتے ہیں، تمام جسمانی اعضا کی نگاہ اور اک
خون میں طیف کھپ کی شکل میں ہواں ہواں
ہے اور خارجی احساسات اسی کے ذریعے ملے
جاتے ہیں۔

اسی طرح حبیب یہ موقف ہے کہ روح
فعلی کے لیے کہ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ان کے لیے
خواب جو کہ ان کے اندر ہوتا ہے۔ جیسے سوئے
وقت اور روح میں ہے۔ لہذا وہ ان کے لیے خواب
سوئے دے کہ ان کے جسم میں یہ حالت جاری ہوئے
کی وجہ سے کہ جسے جانی سے متعلق ہواں ہواں
اس طرح جسمانی نظام میں کچھ ایسی چیزیں
ہیں جن کی تفسیر اللہ ہی کا کام ہے اور جس کا اندازہ
حسد کا اور ہو جاتا ہے کہ کچھ سوئے دے اور

دیکھ سکتا ہے۔ نہ جانی سکتا ہے۔ نہ جیسا کہ
ذات اللہ نہیں سمجھ سکتا ہے۔ یہی قوم (دوسرے)
کی حقیقت ہے۔

ابن خلدون مزید فرماتے ہیں کہ
روح فعلی دیکھ جانے کے تابع ہے جو عالم اُمر
میں موجود تمام اشیاء و اعمال و افعال کا اور اک
کرتی ہے۔ اس کے کہیں ممکن اور اک یا اور اک
بالذات یا حقیقت اور اک کہتے۔ یہاں یہ سوال
پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان کی روح حاکم
عالم اُمر میں پائی جائے والی تمام چیزوں کا اور اک
کرتی ہے تو انسان ہمیشہ پردہ حجب میں پوشیدہ
چیزوں کا اور اک کیوں نہیں کرتا؟ اور انہی
اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ حجب
کا اور اک اس نے نہیں کرتا کہ اس کے اندر
ایک حجاب ہے۔ یہ جسم اور جسمانی حواس نیز
جوانی قوی کے ساتھ اس کی مشغولیت کا حجاب
ہے۔ اگر یہ حجاب دور ہو جائے تو اس کے
قوت اور اک اس قوت قابل ہو جائے کہ اپنے
حقیقت یعنی حجب اور اک یا اور اک بالذات
کچھ پہنچ جائے اور تمام چیزوں کا اور اک کرنے
نیز سانسے کی حالت سمجھ لے۔

جب بھی جس کی مشغولیت میں رہے کہ نشانے
اور قوت جو ان کی خواہشات کے ذریعہ پہنچا لے
جس خواہش ان کی روح حاکم آزاد ہو جاتی ہے۔
اور عالم اُمر کے مناسب کمالات کو جو لے
کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جسے متعلق اور
حواس ظاہر وہی وہ عظیم ترین سوانح میں جو دنیا
جائے کہ جنہاں اعدائے ان میں ہوا و حقائق
کے دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے کہ
و کہ جسے روح اور روح حاکم کی مشغولیت کم
ہوتی ہے۔ اسی کے خلاف روح حاکم کی
ایک حقیقت باقی ہے۔ یہ کہ روح حاکم
اپنے جسم میں قوت آتی ہے تو اس وقت وہ
جسمانی وسائل یعنی باطن میں جو کچھ کات اور
ماں کو جسمانی کات اور کات کے لیے جس کی مشغولیت سے
غافل ہو جاتی ہے۔

اوس نے کہ جب وہ کسی اور جگہ کے مسعود
میں تھا، سب کا مدد کرتا اور برائی کا مکر
نے نہیں کیا گا اس وقت جہاد اوس کے
میں ہو گیا تھا اور وہ غیر پاک قانون
تھی کہ کچھ غلامیں چلا کر جاتے گا اسی وجہ
سے مکر پر ہوش نہ کیا تھا کہ کچھ غیر پاک کے
کو اور قریب دیکھا کہ اسی میں سے غیر تھے اور
کا دوسری طرح اور ان کی ہوا تھوڑی سی اور جو بھی

ہو اور اسی کے ذریعے وہ خود خدا سے خطاب
کی فہمیداری کا کرے۔ وہ قرآن و کلامِ حق میں
مختبر سوا یاد آتی ہے اس میں سے بعض خطاب کیجئے
و اس کے قابلِ عمل ہلائی سے متعلق کیجئے اور
بعض حالتِ نوم سے اور بعض کیفیت کے دل کے پر
پر کھینچنے سے ہے۔ جو جو مفہم کیجئے یہاں
نویا ہے اس کے اس میں سچو لہجہ پیدا کر دے
جانے۔

غزلیں

یہ کہم تھا رہا ان کا جو بائیسہ رہا
 رہا سو کا پر شرم نذیرہ نذیرہ رہا
 بائیسہ میرا اس کا مسترت کے مگر
 ہے ہر ازل کہ وہ اس پر مگر بائیسہ رہا
 رہے ہیں گے فک ہائے کبریا پر ہیں یہی
 خیرہائے شیریں نہ کہیں ترسیدہ رہا
 کیا ہیں کہ جہو سے پہنچن کہ وہ قادر
 ہے ششم گاہ سجادہ کی تہ پر رہا
 عازلہ کا ظاہر وہی ہے یہ قابض تھا
 جبریل کا کیاں وہ کے شہید رہا
 جہو کے شیریں وہ شیریں ایک شہید
 اس طرح ہیں انہی کی دنیا میں ترسیدہ رہا
 حق کا واسطہ حق رہا ہے علم حق مگر
 کیا نہیں گویا ہے عالم میں یہی ترکیب رہا
 رہے وہ کہ جیسے خفا جائے حق کے کہ یہ
 کیا کہ ہیں طرح حیرت خواہ رہا
 رنگی بری ہو جیسے اک سچے کا سوال
 اس طرح سیرا ہو کہ انکوں کی تہ رہا

[illegible]

میں نے کہا کہ میں نے یہ سب سنا ہے۔

وہابیوں کی سبوتاژ

معیول آلودی

[illegible]

سے انہیں ہرگز نہ پایا گیا تھا وہ یہ کہیاد
 کے بارش کی خوش بختی ہوئی
 اور آپ ملک کیوں گئے انہما نے بھی
 جھڑایا آپ نے آپ کا چہرہ کیوں بگڑا
 ہے اور اب کھلا ہے آواز سے آپ نہ بیٹھے
 نہیں بدستور چہرہ شخص سے شکایت کے لئے
 آپ آئے ہیں یہاں کی آواز ہی ہیں۔ بڑی
 ہیباک ہیں نا۔ ان کی طرف سے کلام ہے
 لیکن آپ بالکل عیش و تنہا نہ بھولے خوشی دے
 میں یہاں قریب ستان میں خاموشی چھا جائیگی
 میں نہیں ڈرنا ان آوازوں سے۔ ایک حرکت
 کے ستارہ اڑ جائیں۔ ہنس رہا میں دم بھلا
 شہرہ کوئی بھول رہا رہا ہی۔ اس کے مدحو
 فون ایک چھٹا سا بول جائیگا۔ ہلے گرا اور
 اس مدحو کے کہ یہاں ایک چہرہ ہے خوش و خرم
 ہو جائے۔ تو اس کو لے کر دھڑا دیا کر دیا کر کے
 پہلے کے مکان کو لے کر آجیا یہ گھر کی چلا

آئیے اندر تو رہیں گے آئیے
سات بجے آپ کو تھراؤ اختیار کرنا
پڑا۔ ملا کہ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آواز
میں نے فوراً سن لی تھی۔ لیکن مدد کی ضرورت
کو برا بھلا سمجھ کر کوئی یہاں آئے تو تھری
بہت مدد کی ضرورت پڑا ہے۔ آئیے
مدد کی ضرورت ہے۔ محراب کو کوئی پریشانی
نہیں ہوگی۔ یہاں پر خدا کا ذکر کہ یہاں پر
تھری نالی بھی ہے۔ اس میں بھی کہ ہوا پر نہیں
ہے۔ اس جب خدا آپ کو اپنے چار احاطہ
میں پر رکھ لیا تھا۔ ملا کہ انا انصاف
نہیں ہے۔ اس کے کہ میں یہاں برابر آ کر
ہوں۔ لیکن یہاں ہوتا ہے۔ یہی بھی اس کے
شکر کو کرتا ہے۔ یہاں اس کی فضا ہے۔ ہر
بھی آئیے یہاں پر ملا کہ ہر کوئی۔ یہ دیکھنے
سورہ میں بھی یہاں پر ملا کہ یہاں میں ملے

اولیٰ صفوں سے دینی لے کر دریاؤں
 پہرہ سستے ہیں، دریاؤں پہرہ سستے
 حلقہ قدرت کے شعلوں کا گھونڈا ہوا
 چٹا ہے، جوا تپا اپنے ساتھ نہ لے گیا
 تڑا ہے دینی ہیں، جس سے نہ بھی کھانک
 بلیں ہے، راستوں کو اس قفس کا چٹا ہے
 کہ چاکا گوشہ ہو گیا ہے

ہوتے ہیں جو ٹھیک ہوتے ہیں۔ خدمت
ان کو بھی طریقہ کار کے تحت ہے یہ وہی
ہوتے ہیں جو باہر ادا کیے گئے ہوتے
ہوتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کے پاس
ان کی ضرورت ہوتی ہے۔

دیکھا ہوا گاؤں تک اس کی سبز سبز ڈالیاں
 اہانڑی اکھڑیں سے باہر جھرتی ہوئی نظر
 آتی تھیں۔ اس کی رفتار میں ایک نشہ سا
 محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی خوش بوئی کے
 شہر سے گزر رہا ہو۔

شریلا

اقبال متین

معاذ ہی دوسرا تھا۔ واجد میاں نے صرف بجوری
 بیچ کو پسند لے، بکر سارے خانان کے ایک
 ایک فرد نے اُن کی طرف داری میں اپنا دوست
 سے دیا تھا۔ اور بات بالکل طے ہوئی کہ بجوری
 کو چراغ اچھا داماد مل رہا ہے جو پتھر کا کیمبر جبر کر
 لعل نکال لائے۔ اور اسی لعل کی روشنی سے
 بجوری کا گھر منور ہے۔

واجد میاں یوں بھی بجوری بیچ کے لے
 طے تو نہیں تھے۔ انہیں کے دہرے کے لئے تھے۔
 اور خبر میری بجوری بیچ کے دہرے کا دہرہ
 بڑے سننے سے چل رہا تھا۔ بیس گھنٹہ گھر میں
 ہزاروں کی کوٹیاں، سکا ہوا ہاتھ لگاتے
 ندامت کروا دیتے تھے۔ گھنٹیں مٹا سوا ایک مہینہ
 باز ہوئی سوچنا۔ دولت بجوری سوا ایک
 نام کا یا سوچنا۔ اور ایسے دہرے واجد میاں
 اکوٹے جیتے تھے۔ اس بلوچہ گھر میں واجد
 میاں ہی کا گھر تھا۔ لیکن بات دہرے میں کہ

وہ گلے تھے اور میں — خانان میری باتیں
 ہوئیں۔ گھر گھر میں چرچا ہوا۔ میں کسی نے سنا
 واجد میاں کی تعریف کی۔ بجوری بیچ کی نصرت
 کو سراہا۔

”ابھی تو آگے بند کر کے اپنی لاڈ لاکھ
 واجد میاں کے ہاتھ میں سنا دینا چاہیے۔ کوٹے
 ہسپتال جڑے ہیں ظہور میں — پھر لاکھ
 واجد میاں جیسا کہ لاڈ لاکھ ہر دو پاکے پنے سے
 سپہ سالار لائے اور سپہ کے پنے سے کوئی“
 اور جب تک واجد میاں وادی کے
 امید ہیں بجوری بیچ کے گھر کا طوفان کرتے رہے۔
 بجوری بیچ کے دونوں لہجے ہی گڑھے
 اچھا کھائیں۔ اچھا بیٹیں۔ اور ظاہر کو تو جیسے
 کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

وہی بھی بجوری بیچ مزاح کی بڑی نرم
 تھیں۔ واجد میاں پسند نہیں ہوتے تو ظاہر
 کی ظاہر وہ سب کچھ سمجھتیں۔ لیکن ہنسنا تو

بیوی بااں کا تو اسی کو دہر
 گھر گھر کو اور اپنی دونوں کا۔“

ابھی کوئی بات واجد میاں نے اپنے ماں
 آپ سے نہیں کی۔ بی بی خیاں جاتے اور کسی کو
 چاہے جاتے۔ بی بی جیتی ہے تو اطراف میں اُجالے
 بھی پہنچتی ہے۔ لیکن واجد میاں جس کے لے جس
 لے لے اس کے چہرے میں بھی دشمن کی لک کر
 تک ڈاکہ لگاتی تھی۔ اپنا دہرہ پاسکتی۔ وہ بچاوی
 میں گھر لاکھوں میں بیٹھتی تھیں۔ جہاں ماس
 بیچ کی چمک نظر آتی تھی وہ بی بی بیچ۔ ایسے میں
 جیسا کہ دہرہ تک سنا تھا۔ اور اگر بیچ ہی دہرہ
 گھر جیسا کہ وہ بی بی بیچ ہو جاتا۔ بی بی ماکہ وہ
 چمک بھی بیٹھ جاتی تھی۔ لیکن بیچوں کا احساس
 بڑھا دیتی ہے۔

اب ظاہر کوٹے واجد میاں سنا تھے
 میں بیچوں کا خیر نہ رہے تھے۔ اب تو بی بی بیچ

دوڑوں گھر میں سے تھکات کچر کشتہ
 تھے۔ ساری کا رشتہ صاحب کی کوئی پانی بیٹ
 پڑا ہوتا تو پتہ لاہور، دل کی گھڑی میں تو میں
 پیار کا جادو چلتا ہے۔ جیانی جانی سے جہاں
 تھا۔ تھیں۔ واجد میاں اپنی بیٹی جہاں سے رہتے
 اب ان کے پاس تو دوڑوں تھیں۔ غلیں کا
 رشتہ میں پیار کا جادو بھی۔ جگہ ان کی ماں
 اس پیار کی لہلاں کی کہیں پہنچے دل کی طرح
 تھی وقت بھی پیار کر سکتی تھی۔ اور جیسے
 دوسرے واجد میاں کی سکرابوں پر پہرے
 جھانک رہا تھا۔

و احسن زوجو میاں کا اجمار تھا، جنہیں حیرا نے
جاتی تھیں۔ زبانیں رنگ، رنگ بھر کر دیکھ
رہ جاتے اور وجد میاں پھولے دے رہے۔

دنیا جیوس پانچویں۔

ہاں کے ماموں کو کسی نے ہزاروں میں تنگ کر دیا۔
 "کیا جسٹ فائی سان جان آپ نے؟"
 "جیسے اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا۔"
 "میں پچھڑے روپے میاں۔"
 "پچھڑے قیمت دے دی گئے۔"
 "تمہارے بچے ہیں یہ جیسے ہو کر رہا۔"
 "میں تم سے جھوٹا ہوں گی۔"
 "واہ میاں سچے۔ نہیں یہ بات نہیں۔"
 "پچھڑے کی ملازمت سے تو نہیں ملگوا یا؟"
 "نہیں نہیں، میں خود آج ہی ملے آیا ہوں۔"
 "میں بچے میں ہوں اگلے۔"
 "آج ہی طرہ ہے آپ نے؟" واہ
 "نہ میرے قلم ہی چاہی۔"
 "آج ہی نہیں بلکہ ابھی ابھی لائے ہیں۔"
 "تمہارے نصرت کی۔"
 "تو میری فری واپس کر دیئے۔" واہ
 "ان سے اجزا لیا۔"
 "آج کیوں مہلی؟" ماموں کے کہہ چکے
 "کر چکا۔"
 "میں ہی کی سٹا میں ستر سو روپے
 "آج ہی لادوں گا۔" واہ میاں بولے۔
 "سیس۔"
 "جن ہاں۔ بعد آپ سے جھوٹ کہہ سکتا
 "ہوں۔"
 "جین کہتی ہوں نا۔" قبیلہ ڈھنگ سے
 "دیکھ کر خیر نہیں آتی۔ ٹنگ لیا
 "یہ ایمان ہے جیسے۔" پانکے کا دھڑکا
 "لے پاس لے۔" جاؤ بھی اب وہاں آگیا
 "لے جانے والے ایک ہی سانس میں اسی مادی
 "اجی اپنے شوہر سے ملا ہے ہو کر کہہ رہی۔
 "ماموں نے فی سیت دینے میں یکے کر لیا
 "واہ میاں کہتے تھے۔" چلیے نہیں میں ساتھ ہی
 "چلتا ہوں۔ آپ سے پیسے دیں لے لوں گا اور
 "آج کا خدا یا ملے گی فی سیت خدمت میں پہنچا
 "دون گا۔" میں اچھی آپ کو لادتا ہوں گی وہاں

سے چلے لیا ہے وہ بہت دھڑکا ہے اور مجھے دھڑکا
 کام میں ہیں اس وقت۔
 "ماموں نے فی سیت واپس کر کے واہ
 "میاں کو ستر سو روپے دے دیئے اور نو روپے
 "آگیا ہوئے کہ باہر میں رکھے خود تو نو روپے
 "کہتے تھے۔" واہ بڑا کھوار اور پادار کا
 "ہے۔" بڑا کادو باری۔" بڑا لال ہلی۔"
 "میں اپنی نند سے کہوں گی طاہرہ کا جوت
 "پت اپنی بیٹی بنالیں۔"
 "اور جوت کے سوچ آں ہوئے ہی تھے
 "کہ واہ میاں شکر آئے ہوئے پیسے۔"
 "بالکل وہی فی سیت۔" ساتھ میں ستر
 "روپے کی یا ضابطہ رسید۔"
 "تمہارے گھر لگا کر پیشانی پر جم لی۔" میں
 "اب میاں جو بھی خریدوں گی تمہارے شور سے
 "سے خریدوں گی۔ یہ تمہارے ماموں تو بس گھر
 "کا دو اور ہی نکال دیں گے۔"
 "اور واہ میاں پیسے لینا تو دھڑکا
 "رہے۔"
 "وہ کہتے ہیں شرم و خیاں کیوں کا زور
 "ہے۔" لیکن واہ میاں نے بڑی جاؤ سے ہی زور
 "خود نہیں دکھا تھا۔ شرم آں کا مزاج علی و خیا
 "ان کی فطرت۔ اب شرم دھیا کے ان پردوں
 "سے باہر نکل کر طاہرہ تک ایک جوت میں پہنچ
 "جا آں کی فطرت کے مناظر تھا۔ ان کے مزاج
 "کے مطابق۔"
 "لیکن محبت میں کوئی ایسا دھڑکا تو ہے نہیں
 "جو کسی بھڑکے میں لے دو فی سیت میں آپ
 "پہنچا ہوں نہ ہے۔" اور دھڑکا اس گھر سے
 "کی آبیاری کرنے والے دھڑکا کرتے تاکہ
 "ناؤک ہوں کہ جو اس کا ہر سو گھر میں لگا ان سے
 "میں جو کر آئیں چوٹی کوئی طرح نہ لگا
 "تو محبت کا ہر داں چڑھا تو جو۔" آخر شش
 "ہو جی رہی۔"
 "طاہرہ کی سہیلیوں نے خود اپنے کاؤں
 "سے شکر کا طاہرہ مسکینے بھائی سے کہہ دی تھی۔

"اٹو اور بھائی کا نام لے کر کہہ گئے
 "کہوں بھڑکتے ہیں۔" وہ تو مسکینے بھائی
 "ہیں۔" سب۔" گئے بھائی۔"
 "اور مسکین بھائی کے پیسے پر کیا ہوں
 "بھول گئی تھیں۔"
 "مسکین بھائی چار پانچ بھتیوں کی اجیت
 "برہی یادیں نہ اور سو کے طور پر اپنے ساتھ لے آئے
 "تھے۔ اس میں ان کیسے بیٹا ان صاحب تھا۔
 "تجربہ کا کھلاڑی تھے۔ طاہرہ جیسے لڑکے جیسے
 "جگنو کی جگہ کو انھوں کا پیام کو بھتی تھی،
 "مسکین میاں کی سرچ لائٹ میں پوش و اس
 "کسو بیٹی۔" انھیں ایسی خبر ہوئی جیسے پتی
 "پڑھتی ہو۔"
 "انہ دو بھتی تو مسکین سب گئے
 "بھائی ہیں۔"
 "انہ واہ بھتی تو میرا سب گما۔"
 "سب گما بھائی ہے۔"
 "ایک بار تو ایسا بھی ہوا کہ واہ میاں
 "کو طاہرہ کے پاس بیٹھا ہوا ایک مسکین میاں
 "لے آئے کے آئے طاہرہ کو چھڑا ہوا کہ ہمارا
 "ادنی۔" دو بھتی تو میرا سب گما بھائی
 "ہے۔"
 "دیکھو تو ہے نامیرا سب گما بھائی؟"
 "اور واہ میاں کے بھڑکے کے پیسے کی
 "دھڑکی ڈول کر رہ گئی۔ یا اٹلے یہ کیا بھتی طاہرہ
 "کو؟"
 "پھر یہ دھڑکی طاہرہ کے بھڑکے قدموں کے
 "نیچے ڈول گئی۔" کسی نے طاہرہ سے ہمدردی کی
 "کسی نے بے وقاف نہیں کیا۔"
 "نیچے ہو جی۔" ہمدردی سے بھڑکی
 "لاڈلی کے کڑوا۔" واہ میاں کو جھپٹے
 "بھائی کہنے لگی ہے اور وہ ہے چارواں کہ آج
 "سب اپنے پیسے میں ادا سا سٹلے طاہرہ ان
 "بھڑکاؤ کو لے کر اسی ادا کے ساتھ بھڑکا
 "ہے۔"
 "ان کے گھر کی جگہ۔" انتظار رہے

کوئی طرح سے نہ ڈرنا۔ واجدیاں ادا۔
 چلائے رکھیں یا آتش فشاں سے بچا لیں۔
 طاہرہ کو بھی تو ایک جتنی ہونی چاہیے۔
 ۱۵۱ کی آنکھ آنکھوں سے چھٹی تو نہیں رہ سکتی۔
 آتش فشاں بہت ہیں تو ہر گز نہیں اس
 جتنی ہونی چاہیے کسی جگہ جس کے شعلے اپنے
 ہی دھوئیں میں چھپ جاتے ہیں۔
 مسکین مہاں نے اس میں ہر مہاں کی اتنی
 بارش کی کہ آخر فتن کو پھیلنے لگتے آئیں۔
 بھوری بنگلہ میں ہر گز دھوئیں نہ تھیں۔
 مسکین مہاں اُن سے بولے پاؤں کی طرح
 چھائے، قوت کوٹ کر بے اسے پاؤں چھنے تو
 کھین لہلا رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس قدر تیزی
 سے ہوا کہ بھوری بنگلہ کی سب سے سب دیکھنے
 کے دیکھنے وہ تھے۔
 خانانہ جس کے چہرے واجدیاں بھوری
 بنگلہ کے داماد بن گئے۔ ان کی پیار کی کھین پر
 واجدیاں کی ماں نے کھلے بندوں میں ڈال دی
 طرح بٹھا رکھی نہیں کی۔ لیکن ان کی فطرت میں
 شرم و حیا کا بادہ اودھ کر جو بڑی لچک بھینی
 تھی، وہ بھی تو واجدیاں کی ماں ہی نے اُنہ
 کے سینے میں چھپا دی تھی۔ جس کا احساس
 واجدیاں کو اس وقت ہوا جب طاہرہ نے
 اُن سے پوچھا۔
 "کیوں روتے ہو؟ یہ تو میرا سہا جانی!"
 لیکن یہ جملہ بھوری بنگلہ کے دل میں پیسے
 جاگزیں ہو کر رہ گیا۔
 کیسا کیا فتن و دلدل تھے بنگلہ گیا
 تھا۔ خانانہ جیسے جیسے کہ ہوشیار ہی سے
 فریادہ جس کے کا د بار کی دھوم تھی۔ جس نے
 ہر اس شخص کو چاہا تھا جس کو بھوری بنگلہ نے
 دیکھا تھا۔ خانانہ جیسے جیسے کہ ہوشیار ہی سے
 آدھی جیتوں میں ہر گز نہیں۔ جس کی گھر میں بھی
 جاتا، بہترین ہاتھ لایا جاتا۔ کیسا خانانہ شمس
 خرمیہ لایا۔
 بھوری بنگلہ کا نہ کر رہ جاتی۔ اس

کی بات دیکھ جائے کہ طاہرہ کے بے بیانی
 ٹھکرے۔
 طاہرہ کے بے بیانی ٹھکرے تو ہلے رہے
 کی نہیں۔ ہاں واجدیاں اندر ہی اندر
 ایسے بیٹھے تھے جیسے جتنی کا گھر وند پانی پڑے
 ہی ڈالے جائے۔
 ایک دن وہ بھوری بنگلہ سے نکلے آئے تو
 طاہرہ نے اپنی نئی ساری انہیں دکھائی جو وہ
 پہنے ہوئے تھی۔
 "وہ جو بیٹا۔ یہ سب کچھ نے سب سے
 چھتیس روپے میں دلا ہے۔ واجدیاں لای
 دیکھ ہی رہے تھے کہ چھوٹے ماٹوں کو دیکھے۔
 آدرا بسلام کے بعد سب اپنی اپنی جگہ
 بیٹھ گئے تو واجدیاں نے ساری کا پاؤں ہاتھ
 میں لے کر بھورہ دیکھا۔ بہت تعجب کی۔ پھر
 آہستہ سے کہا: "جتنی چھتیس روپے میں
 دے دیے مسکین نے۔" ہائیں اچھیں سے
 زیادہ کی نہیں ہے۔
 "تو لاؤں اسے" طاہرہ نے پوچھا۔
 "بالکل ونا دہی" واجدیاں بولے۔
 "تو لاؤ گانا بیٹا ہائیں روپے میں"۔
 طاہرہ نے مزید اطمینان کرنا چاہا۔
 "ہاں بھئی لاؤں گا۔"
 ماٹوں بچہ میں بول آئے۔ بھئی مسکین
 مہاں جہاں سے لائے ہیں اس دکان کا پتہ بتا کر
 انہیں کو دے دیتا۔ یہ اس ساری کو لایا
 تو اس کے اور ایسی ہی دوسری لایا بھی لگے۔
 "شک ہے، شک ہے۔" واجد
 مہاں بولے۔
 ماٹوں بچہ لگے۔ "وہ تو نہیں یاد ہے تا
 ہمارا فی سیٹ تو کتنے تو روپے چاہئے تھے۔
 واجدیاں نے شکر کا نظریہ نہیں لیا۔ پھر
 اس طرح کو آپ کا میں کو دیکھ جائے کہ ہر دینا
 جاتے ہیں۔ لیکن پھر میں دیکھ سکے۔ یہ میں دیکھ
 سکے کہ میں اپنے ہی گھر میں فتن لایا میں لکھ
 گئے تو آپ نے کہا کہ بھوری بنگلہ ہے۔

طاہرہ نے ساری بول کر نئی ساری لای
 تو وہ ماٹوں سے لے کر نئے لایا چھپا کے سے باہر
 نکل گئے۔
 ماٹوں نے کہا: "بھوری دیکھا تم نے؟"
 آپ دیکھ کر میں کھاتے یہاں سے بڑا چاہتا
 لایا ہے۔ خانانہ جیسے چاہئے جائے کی طاہرہ
 اس نے کیا کیا نہیں کیا۔" اور ماٹوں کو دیکھ کر
 کہ بھوری کے کان میں کہا۔
 "یہ سب کچھ میں نے طاہرہ کو دیکھا
 کرنے کے لے کیا تھا۔"
 "میں بھی نہ سنا ہے نا انہوں۔ طاہرہ نے
 پوچھا۔
 "بھئی نہیں بھئی۔ میں کہہ رہا تھا جب
 اچھن سا لایا ہے۔ ایک ماٹوں نے کہا۔
 فی سیٹ جیسے روپے میں تو پڑا تھا۔ اس نے
 کہا: "بہت دیکھا لایا ہے" شرو روپے میں دیکھا
 ہے۔ میں اتنا شکر اٹھا کہ ہاں میں نے لایا کہ لایا
 ہو نہیں کر جاؤ تو آؤ گوری۔ میں لایا
 کے ساتھ ہی کہ وہ فی سیٹ لایا گیا اور اس
 روپے انہیں دے دیے کہ وہ ایسا ہی لایا۔
 اس روز واجدیاں نے فی سیٹ ہمیں لایا۔
 یہ سیٹ انہوں نے پھر اس دوکان سے لایا۔
 جنت میں خرید لیا اور اس کے پہلے جیب سے لایا
 پڑے کہ وہ لکھ لکھ بات لکھ لکھ لکھ
 دوکان دیکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
 خرید لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
 اور یہ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
 سوانہ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
 "خرید لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
 لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
 "ہاں ایش" طاہرہ کو دیکھ لکھ لکھ لکھ
 لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
 "تو اس انہوں نے لکھ لکھ لکھ لکھ
 ہیں۔" طاہرہ کو دیکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
 لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ

پھر وہ کھنگھلا کر ہنس چلی۔ اس وقت
 ہنسا ہے چارے۔
 دامن میں ہنس پڑا ہوا گھوڑی بکری۔

پچھتے ذرا ہنس میں ہاں کہتے چلے جاتے ہیں
 اور کتے سستے دامن اپنی بزدلی کا قول
 بچے بچ دیا۔

”اب دل میں رات کی تپ میں جاتا ہوں
 ضرور ہے؟“
 ظاہر ہے دل کی دل میں جو چاہے کتے

کئی دایوں سہائی سی
 سب بیت لگی رہی
 باقی ہر لٹائی سی

کہیں ہیں کجائے
 کچھ دم سب سے ہیں
 مانے ہی پھلے جاتے

ہب بند کر کے دی
 یہ موت جسے دے کو
 کھوے گی پتا کے عمر

گھٹن میں کے دکر بائیں
 چھلنے کی ہو قبت لاری
 ہیں ختم لاف بائیں

ہر رات کی دم خایہ
 خایہ میں چٹا لگے ہے
 کچھ ہو ے غم خایہ

دیکھا یا سنا کیا ہے
 گھبرائے رہتے ہیں
 کیا جہاں کی کیا ہے

روئے ہیں گھرے ہی ہیں
 سب کی ہی ضرورت ہے
 چوٹے ہیں بڑے ہی ہیں

خود اپنی ہی کرتی ہے
 کہیں کو وہ کاتیں گے
 دامن میں دانتی ہے

دیکھا ہے تو دیکھا کیا
 بے حد ہے ے بے حد
 آکاش کی سسٹا کیا

آپس میں سونا ہے
 دونوں کو محبت میں
 احساس میں کونا ہے

اس پہلے سے ڈن ٹکی
 وہ بٹے کو خود آیا
 جب میں وہ ٹوٹی ابھی

اب بچ میں اک ٹکی ہے
 اک ٹٹ ہے چپا بیٹا
 اک چھوڑ پر باگی ہے

اب تک نہ ٹٹو پائے
 کچھ لوگ نہیں ہیں
 جسے یاد ہیں کتا

جمنچ میں لپکا ہوتا
 دیا اور سسٹو پہنچے
 وہ اپنا ہی جاتا تھا۔

ماہیا دیکھتے



موجودگی کا احساس ہوتا جا رہا تھا۔

باہر کی طرف سے ہلچل مچ رہی تھی۔ کھڑکیوں سے
میں سڑکی پر پارک ہوئی تھی۔ میں نے خود سے
اسے دیکھا۔ وہ کھڑا تھا۔ وہ اکیلے میں تھی۔ اکیلی
معاذ حق تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے بہت پریشاں کر دیا
نہیں ہے۔ کوئی بھی نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے
کہ کھڑکی پر موجود ایک کو سا فرکے دوسرے کو خبر
ہی نہ ہو۔

سونے سے پہلے میں نے کال دی ہوئی۔
اس نے نہیں کہ مجھے پڑنے سے روک رہی ہے۔ ایک
قواس نے کتاب سامنے ہوتے دیکھ کر کہا کہ کتاب
پیدا ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر اس کے کتب خانے
سے پہنچنے کے لئے غلاباؤ ایک ٹکٹ ہے۔

ان دنوں قوسیر کے مطالعہ اور مطالعہ
تھا۔ دفتری حقائق سے ڈاکٹر ایک ہی راستہ تھا۔
پھر وہی میں نے بروقتی کتاب پڑھا تھا۔ باہر دفتری
حالات سامنے آ کر رہے ہوئے تھے۔ مطالعہ کا جس
دک جاتا۔ دل پر ایک غصے کی گنتی پھلنے پھولنے
کی نہیں دیکھی تھیں۔ شروع ہوئے زمین کی طرف
پرکشش کرنے پھر سامنے ہم میں خوف کی وحشت
بجھتی۔

اس روز پتہ نہیں کیا ہوا کہ کیا ہوا
اٹھائے ہیں بھلا۔ بھلا۔ سو جا رہا۔ حالانکہ
عام خود پر نہیں سوچنے کے گرد کرکٹ ہوں۔ کیونکہ سوچ
مجھے دل زائش دوسروں کی طرف ہمارا کھانا ہے۔
پھر وہی غصے۔ وہی پھلنے۔ وہی دھکی۔
اس درد میں سوچ رہا تھا کہ وہ میں کیوں بات
نہی جیسے وہیں کتنوں دشمنوں اور دشمنوں سے
بے نیاز ہو چکا ہو۔ ذات ہو چکا ہو۔

وہیں خیالات سے خالی تھا۔ کوئی قہر نہ
تھی۔ غصے نہ تھی۔ چوتھے ننگے دھکی تھی۔
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں غلاباؤ بھلا
لہر کے خلاف نام راحت سے ہمارا ہوا ہے۔ مطالعہ
کرنے کا ہی نہیں جانتا تھا۔ یہ کوئی خوف نہ ہو
ڈاکٹر کیا۔ بہت ہی نہیں آدمی تھی۔ یہی ڈاکٹر
فدا کو چھوڑ کر گیا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ میں نے یہ سب کیا ہے۔

اسے نہیں چاہتا۔ عام خود سے یہی جانتا
کہ ان دنوں قوسیر کا دل بھلا ہوا تھا۔
جیسے کوئی دیکھ کر بھلا ہوا تھا۔ اس وقت سے کہ
کچھ ایسی ہی تھی جیسے میں ہرگز نہیں ہوا ہوں
ہو رہا تھا جیسے بھلا ہوں۔ آگے میں چلنا
چک رہی تھی۔ اس وقت سے کہ میں کوئی بھلا ہوا
تھا۔ اسے یہ کیا تھا۔ میں بھلا ہوا تھا۔
میں نے سوچا ہے۔ کیا میں ہی بھلا ہوں یا کوئی اور
ساتھ ہی مجھے فضا دے گا۔ یہ کوئی ہے جو میری
تخصیص کو بھلا رہا ہے۔ کیوں؟

پھر کوئی ایسا نام نہ تھا جو اس نے مجھے
چین کر لیا تھا۔ جیسے ایک ٹکٹ کر مجھے
ڈاکٹر کے مطالعہ کا ہوا۔ سارا کو اس
ٹکٹ سے بھر گیا۔ مجھے ایسا تھا جیسے وہ آدمی
میری ماں کا آدمی ہے۔ وہ مجھے ٹکٹ دے رہی ہے۔
سو جانے کے لئے نہیں بھر جیسے کے لئے۔ سارا
کو بھلنے کی قوت سے بھرا ہوا تھا۔ میں بھلا ہوا
رہ گیا۔

پھر دفتر میں قوسیر میں سب کچھ بھلا ہوا
تھا۔ تدریس و تفسیر کی باتیں میں نے ساری
تھیں جیسے دور سے آ رہی ہوں۔ میں ٹکٹوں
ہو رہا تھا جیسے وہ باتیں میں نے نہیں بھر
لاد کے بائیں میں تھیں۔ وہیں میں ایک ایسا
سا تھا۔ میری بیک پر ایک جسم بھلا ڈالے
کر رہا تھا۔

آج میں میرا سارا کھانا ہی بھلا ہوا
ہے۔ رات کو سوتا ہوں تو وہ میری ہڈیاں پر بھلا
مجھے ٹکٹ دے رہا ہے۔ جانتا ہوں تو وہ میرے
سر پر بھلا ہوا ہے۔ وہ میرے کام کا کام
تو وہ میرے پاس بھلا ہوا ہے۔ وہ میرے
بھلا ہوا ہے۔ وہ میرے کام کا کام
پر مجھ کو ڈال رہا ہے۔ وہ میرے کام کا کام
پر بھلا ہوا ہے۔ وہ میرے کام کا کام
جہاں آتا ہے۔ وہ میرے کام کا کام
میں میں نہیں کھاتا ہے۔ مجھے میں میری

کھانا ہی بھلا ہوا ہے۔ سب کیا ہے۔

کوئی نہ۔ کیوں نہ ہو۔ بھلا۔ سوچ رہا۔
میں نے زبان سے کہیں جاپ نہیں
دیا۔ وہ گناہ ہے۔ اس کے ذمے سے
میں تھکتی ہوں۔ ایک طبیعت میں تو میں نہیں
بند ہوتے کرتا ہے۔ جسم میں ایک کھلی سی
بجھتی ہے۔ ہر اس کا کھانا کھانا
ڈالتا ہے۔ یہ ساری کھانا کھانا
ہے۔ مطالعہ کی ایک بھلا ہوا ہے۔ اس کا
میں ہے جیسے میرے سوال کا جواب ہی نہ ہو۔
میں نے کہیں میری تھی۔ میں نے وہ
کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میری غلطی
فک نہیں چھوڑا۔ میری کھانا کھانا
کا نہیں نہیں کیا۔ میں میری کھانا کھانا
پر جب اس کی کھانا کھانا کھانا
دیکھتے ہوں تو میری کھانا کھانا
سراسر اس خاصیت سے بھلا ہوا ہے۔
پھر میری کھانا کھانا کھانا
ہے۔ نہیں نہیں میں ان کھانا کھانا
کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا۔
خود کوئی خاصیت نہیں ہے۔ میں اپنے ہی
چاہتا ہوں کہ میں کھانا کھانا کھانا۔

”ٹکٹ ہے ٹکٹ ہے۔“
ایک سرگرمی آج رہا ہے۔ مجھے اپنی کھانا
ہے۔ میں اپنی کھانا کھانا کھانا۔
بات نہیں کھانا کھانا کھانا۔
مجھے ٹکٹ ہے۔

”ایک میں میری کھانا کھانا کھانا۔“
کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا۔
کوئی کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا۔
میں کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا۔
کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا۔
میں کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا۔
کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا۔

میں نے اس کو کئی مطالبہ کیا
 کیا یہ سچ ہے کہ اس نے وہ بھی لکھا ہے کہ میں
 ہرگز اس میں شائبہ نہیں کرتا۔ یہ سچ ہے۔
 اس کا کہنا ہے کہ اپنے ہوشوں کو سنبھالو
 اور انہیں انہوں اور انہیں کی طرف سے مدد ملے
 ہے۔ سوچو کہ وہ ہے۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے
 ہوتے ہیں کہ وہ ہے۔
 جب میں اپنی جگہوں کی طرف سے مدد ملے
 ہوتے ہیں انہوں کی طرف سے مدد ملے کہ وہ کہہ رہے
 ہیں کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ میرے گرد چاندی طرف سے
 مدد ملے کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے
 ہیں۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے ہیں۔

میں نے اس کو کئی مطالبہ کیا
 کیا یہ سچ ہے کہ اس نے وہ بھی لکھا ہے کہ میں
 ہرگز اس میں شائبہ نہیں کرتا۔ یہ سچ ہے۔
 اس کا کہنا ہے کہ اپنے ہوشوں کو سنبھالو
 اور انہیں انہوں اور انہیں کی طرف سے مدد ملے
 ہے۔ سوچو کہ وہ ہے۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے
 ہوتے ہیں کہ وہ ہے۔
 جب میں اپنی جگہوں کی طرف سے مدد ملے
 ہوتے ہیں انہوں کی طرف سے مدد ملے کہ وہ کہہ رہے
 ہیں کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ میرے گرد چاندی طرف سے
 مدد ملے کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے
 ہیں۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے ہیں۔

میں نے اس کو کئی مطالبہ کیا
 کیا یہ سچ ہے کہ اس نے وہ بھی لکھا ہے کہ میں
 ہرگز اس میں شائبہ نہیں کرتا۔ یہ سچ ہے۔
 اس کا کہنا ہے کہ اپنے ہوشوں کو سنبھالو
 اور انہیں انہوں اور انہیں کی طرف سے مدد ملے
 ہے۔ سوچو کہ وہ ہے۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے
 ہوتے ہیں کہ وہ ہے۔
 جب میں اپنی جگہوں کی طرف سے مدد ملے
 ہوتے ہیں انہوں کی طرف سے مدد ملے کہ وہ کہہ رہے
 ہیں کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ میرے گرد چاندی طرف سے
 مدد ملے کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے
 ہیں۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے ہیں۔

حضرت ہشت بچ آبادی کی سوانح عمری

یادوں کی برات

کاہک خان میں خطبہ شہرہ امین ایڈیشن اب ہندوستان میں شائع کیا گیا ہے اور
 اب تک یادوں کی برات کے چھ ایڈیشن شائع ہوئے ہیں ان سب میں بہترین
 اور دیکھو کہ یہ ایڈیشن جو آپ کی ذاتی و بیرونی میں یادگاری حیثیت کا حامل
 ہوگا۔ قیمت چھ روپے۔ ڈیڑھ سو روپے۔ — شرافت : ۸۴ روپے، صفحات
 ۱۲۰ کاغذ۔

شاعر ہندوستانی کی شہرہ

قیمت چھ روپے، اضافی مارکیٹ دو یا چھ روپے، ۱۱۰۰۰۔

ہوٹن اور ہر کی کہیں انہیں چھوڑ
 جلاؤ رنگار کاغذ ہر دو کلام
 خدا بھگت شکر لائے
 ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے
 ہیں کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ میرے گرد چاندی طرف سے
 مدد ملے کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے
 ہیں۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے ہیں۔

شاعر ہندوستانی کی شہرہ

اردو اسٹیج ڈراما

یادوں کی برات کے چھ ایڈیشن شائع ہوئے ہیں ان سب میں بہترین
 اور دیکھو کہ یہ ایڈیشن جو آپ کی ذاتی و بیرونی میں یادگاری حیثیت کا حامل
 ہوگا۔ قیمت چھ روپے۔ ڈیڑھ سو روپے۔ — شرافت : ۸۴ روپے، صفحات
 ۱۲۰ کاغذ۔

دیرگوں میں رکھے چراغ

مستعدانِ ادب و فکر رام حسن کی ایک ادنیٰ کتاب
 خاک رنگارنگ و تہجد نگاری اور احاطہ نگاری کا حسین اشتراک
 ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ میرے گرد چاندی طرف سے
 مدد ملے کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے
 ہیں۔ ہرگز ہوشوں کو سنبھالو کہ وہ کہہ رہے ہیں۔



جب فلمی ستارے مداح بن گئے



● اداکار سنیہ دت اور ان کے بھائی نور محمدی ہوٹل کے کھانے سے ٹھٹھ اندوز ہوا ہے

فلمی ستارے جو ہر دم مداحوں میں گھرے رہتے ہیں، جب خود کسی کے مداح بن جائیں تو یہ حیرت کی بات ہے۔ لیکن اگر آپ نور محمدی ہوٹل کی نئی نہاری کا ایک بار ذائقہ لے لیں تو پھر آپ کو تعجب نہیں ہوگا۔ یہ ہے ہی اتنی عمدہ، لذیذ اور صحت مند کہ پہلے ہی ذائقے میں خواص و خواص کا دل موہ لیتی ہے۔ اسی لئے نور محمدی ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں بڑی بڑی ہستیاں، مشہور فلمی ستارے شامل ہیں۔ یہاں کی نئی، نہاری، بھیج، پائے، ماس کی دال اور دیگر کھاؤں کے پیچھے ۹۰ سال کا تجربہ اور جناب عبدالکیم ملک نور محمدی ہوٹل اور ان کے فرزند خالد حکیم کی ذاتی دگرگانی شامل ہے، جس نے آج سے ممتاز بنایا ہے، آپ یہاں شریف لاکر شوق فرمائیں، اپنے احباب کے لئے گھرے جائیں یا پائی کے لئے جائیں۔ آپ اور آپ کے بھائی ذائقہ کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

نور محمدی ہوٹل، وزیر بلاڈنگ 183/181 ای۔ آر۔ روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی-۴۰۰۰۰۴

فون ہون: 8511008 فون دفتر: 8516115

باب انتقاد

خاکستر دل

(اخلاق سہسوانی)

سال اشاعت: ۱۹۹۱ء

صفحات: ۱۶۰۔ ڈیمائی سائز

قیمت: پچیس روپے

لئے کا پتہ: مکتبہ شاہ ہند نئی دہلی ۱۱۰۰۱۲

اخلاق سہسوانی

راڈ سہسوانی کے تل نہ اڑندہ کی صفت اول میں شمار ہوتے ہیں۔ فی عرصہ سے دریافت کی بنیاد ان کا کلام شری ماس کا آئینہ دار ہے اور ان کا شمار اب تک کے اچھے شعراء میں ہوتا ہے۔ اخلاق سہسوانی کا کلام شاہ ہند میں بادشاہ شاہ ہو کر قبولیت پا چکا ہے۔ ان کے افسانے بھی شاہ ہند میں شائع ہوئے وہ ہیں۔ "خاکستر دل" محمد - لغت - خزل - نظم - قطعہ - ڈیبا علی اور آیات کا ایسا پیش ہوا شری مجموعہ ہے جو اپنے قاری کے لئے ایک نیا بہانہ بنتے ہیں۔

گھر چلنے والے خون میں بہتا ہو لیکن انہیں کہیں غصے کے سہرے نہیں آتا

دنیادار و دنیا پرستی ہم کو اور ہم کو سوچ کر غصے کے سہرے نہیں آتا

ہیں جو بھوکوں و تشنگی کی آنکھ بھرا کر ہم کو غصے کے سہرے نہیں آتا

کہیں کی سردی یا دہری سے کہیں ہوتا نہ ہو مگر ہمیں تنگ کسی سے کہیں ہوتا

وہیں دہیں مجھے نین و مقبات ہے
جہاں جہاں مجھے تلہ برش غصے کی تیرا ہے

جی آنکھ سے ایسے آنسو بھی چھکے
ٹھکانہ بنا جس کا خرگاہ نہ داس

خاکستر دل کی سحر خیز آنکھ
سافروں کو در کھول کے ہم دیکھ رہے ہیں

میں غریب و کمزور میں مشغول ہوں
اس لئے اب ہر جگہ قبول ہوں

اب کیا کون میں اپنے دل سادہ لوح کو
وہ مجھ کو کہہ رہے ہیں مجھے اعتبار ہے

ہر ایک غصے کا پتہ نشانہ ہیں
کہیں یہ تیری رنجش تو نہیں ہے

بچے ڈر خاکہاں جائیں گے کہنے ہوتے تھے
جو اچھا ہوا خود روک نہ تم نے ہنسی اپنی

اے ہزار ہا اشعار کا یہ مجموعہ پچیس روپے
میں محنت کے برابر ہے۔ اگر آپ کا اچھے اشعار
پڑھنے کا ذوق ہے تو اپنی ذاتی لائبریری میں
"خاکستر دل" کو جگہ دیجئے۔

سرد و تنہا

ہندو پاک کے ممتاز افسانہ نگار

رام لعل

کے ڈراموں کا مجموعہ

آتش خود

بہت جلد منظر عام پر آ رہا ہے۔

تقسیم کار

شان ہند پبلی کیشنز - قیمت ۸۰ اشعار کی ایک کتاب دیا گیا ڈی ۱۱۰۰۱۲۔

من کہ مکتوب الیہ

مترجم ضرور قنوی صاحب

تشیات !

کافی حصہ سے آپ کا خیریت نامہ نہیں ملا
خدا کے آپ کی محنت خداوندی اور توانا ہوں۔
مکان میں مارچ کے دو حکمرانیت میں ایک عالمی
اے ڈاکٹر فرس کرانے کا پروگرام ہے جس میں آپ
کا نام بھی شامل ہے۔ دو چار روز میں اس سلسلے
میں خطوط بھیجئے والا ہوں۔ آپ نے ہر حال میں
تشریف لانا ہے۔ میسٹر پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے
کی دو کاپیاں آپ کو بھیجی ہیں۔ اس میں ایک باب
”مسعود حسن رضوی کے ادبی سفر کے“ نہیں چھپا
یہ الگ صفحہ میں شامل ہوا تھا۔ میں اس کی کاپی
آپ کو بھیجوں گا تاکہ وہ بھی شامل ہو جائے۔

مکان کے صفائی، ادیب اور شاعر، اکثراً
آپ کا ذکر کرتے ہیں اور دہاتے ہیں کہ ایک ”بہت
مکان ضرور آئیں۔“

مسعود حسن رضوی کی غالب کے بارے
میں کتاب ”غالب“۔ تب ادا اب بھی شامل
ہوئی ہے۔ اسے میں ہی شریعت کیا ہے۔ آپ کو
جلد پچھو لڑاں گا۔ آپ نے کچھ کتابیں بھیجی ہیں۔
براہ کرم ارسال کر دیں۔ رسالے بھی کافی دلاں
سے نہیں ملے۔

خیر اندیش
ڈاکٹر طاہر قنوی
مکان (پاکستان)

مترجم مکتوم انکلی و اتالی جی

آداب عرض

انسیہ پر آپ خیریت سے ہیں۔ اور
آپ کی محنت پہلے سے بہتر ہوئی۔ میں نے اپنا
مقالہ پورا کر لیا ہے ادا اب چاپ ہونے کے لئے

مکتوبی مترجمی بھائی سردار صاحب

خلوص !

بہت دن کے بعد شاہی بند دیکھنے کو ملا۔
ماشت اور پچھلے سے کہیں زیادہ خوبصورت اور دیدہ زیب ہو گیا ہے۔
تائیل، کتابت، طباعت، سرپرست انتہائی خوبصورت ہے۔ آپ کو مجاہد کیا د
پیش کرتا ہوں۔ مگر شان ہند کے صفات کا اختصار بہت گراں گزرا۔ آپ شاہی ہند کے
صفات پر عادی کیجئے۔ اس کے ساتھ قیمت بھی بڑھا دیجئے۔ پڑھنے کے بعد سیرٹی نہیں ہوتی۔
خلوص کار

اخلاق سہبوانی، سہبوانی

سے بہت دلچسپی ہے۔

اور انکلی آپ کیسے ہیں۔ جب میں بہت
چھوٹی تھی تو میرے والد کی مکتوبی میں تو سیر
جا تھا۔ وہ اس وقت ایمریشن ڈیپارٹمنٹ میں
ایس۔ ڈی۔ ڈوٹے۔ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں سب
سے بڑے انداز پر کارا آدمی تھے۔ خابہ براہ
چراغ کا کہیں نام لکھا ہے، ”ایمریزم اور شریعت“
آج دنیا کو ملت کی زندگی گزرا اور اب بھی جب بھی
قلم سے کاغذ پرستی ہوں تو کتنے ہی میرا اس لفظ
سے رابطہ ہے۔

بہت ابا غلط لکھا ہے میسٹر مہاں آجکل
سیاسی کاموں میں مصروف ہیں۔ وہ لہذا کثرت
میں اور خوشنکس کاغذی کے عقیدہ ہیں۔ اور
اپنے اصولوں کی خاطر سب سال جین کا پی ہے۔
آج ساتری کلم جو پندرہ سوس کاغذی پر لکھی تھی
اور اب سے لے کر تین سال ہیں درج کی اس کو شایا
قوانین کی کتابوں میں ہی آگئی۔

سید صاحب کی طرف سے اور میری طرف
سے آپ کو اتالی جی کو، میرے بہن بھائیوں کو
سلام و آداب !

دیا ہے۔ آج کل آپ کی کتابیں بہت خوب
پڑھ رہی ہوں۔ مشاعروں کی ترتیب میں آپ نے
بہت محنت کی ہے اور آپ کی یادداشت کی بھی
داد دیتی ہوں۔ آپ کی دوسری کتاب ”بہ کوئے
یار“ مجھے بے حد پسند آئی ہے۔ میں اسے خود بخود
کر کے پڑھتی ہوں کہیں قسم نہ ہو جائے۔ بے حد
دلچسپ ہے اور کثرتوں سے باتیں پڑھ کر سید
صاحب کو شانی ہوں۔ خدا آپ کو صحت اور زندگی
مطا فرمائے۔ آمین !

انکلی جی بھی دینی پوچھو رہی کے اردو کے
اساتذہ سے بنا ہو لہذا یافتہ کیجئے کہ دینی پوچھو رہی
سے جی۔ ایچ۔ ڈی کر کے کے لئے کیا مشورہ ہیں
اور جرنل کوکبیاں سے جی۔ ایچ۔ ڈی کر سکتے
ہیں۔ میں نے اپنا مقالہ ”کرشن چندر کے ناولوں
کا تنقیدی مطالعہ“ مکمل کیلئے اور یہ تقریباً
پونے چار سو صفحہ کی ہے جس کا سائز ۸۰
ہے۔ کرشن چندر پر نویت صاف لوگوں نے
لی۔ ایچ۔ ڈی کی ہوئی۔ اگر ان کے ناولوں کے
سماجی پیڑ یا انسان دوستی کے حوالے سے مجھے
کوئی عنوان خاستہ کر سکیں؟ مجھے کرشن چندر

شاہی بند دلی، نومبر ۱۹۹۱ء

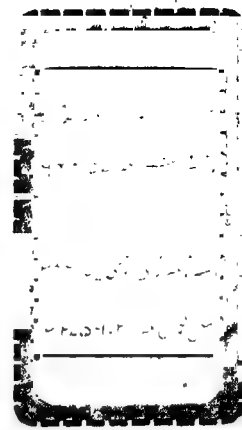
شمارہ

جلد ۵۲ شمارہ ۱

چیت ابدیت
سرد تو نسوی

جوائٹ ایڈیٹر
مطبت صحرانی

اشاعت کا
۵۲ واں سال



اس شمارے کی اہم جگہ لکیاں

خلیق انجمن خیرا کا کہہ دینے کے لئے کہنے کا انتظام ہم نے کیا ہے
حلول کے لئے نکالا۔ ایک کتاب کا نام ہے۔
نہیں چھوٹ

”ہندی لاد کے بے وقت غلام باؤ خدام سندھ واسیہ وغیرہ
وہمہ اللہ (سورج کی) ختم (کے لہی) وقت کا سپر (سینہ)
سامہ (چکر کا) ایک ختم (سورج واسیہ) کے لہیہ (سینہ)
غزیرا۔ (کے لہیہ) کے لہیہ (سورج واسیہ) کے لہیہ (سینہ)
خامہ لہیہ (سورج واسیہ) کے لہیہ (سورج واسیہ) کے لہیہ (سینہ)
عیت (سورج واسیہ) کے لہیہ (سورج واسیہ) کے لہیہ (سینہ)
(سورج واسیہ) کے لہیہ (سورج واسیہ) کے لہیہ (سینہ)
اور باب (سورج واسیہ) کے لہیہ (سورج واسیہ) کے لہیہ (سینہ)
محقق کام ہے۔

پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ
طاعت: خواہر پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ
”خامہ لہیہ“ ختم (سورج واسیہ) کے لہیہ (سورج واسیہ) کے لہیہ (سینہ)
۱۱۰۰۲۔

بند پرست ہوں نہ مسلمان پرست ہوں
دامن پرست ہوں نہ گریباں پرست ہوں
ہر ذرہ وطن سے ہے قیاض مجھ کو پس
یعنی وطن پرست ہوں انسان پرست ہوں
قیاض گواہی

محاکب خیریتیں۔
بند پرست ہوں نہ مسلمان پرست ہوں
دامن پرست ہوں نہ گریباں پرست ہوں
ہر ذرہ وطن سے ہے قیاض مجھ کو پس
یعنی وطن پرست ہوں انسان پرست ہوں
قیاض گواہی

غزل

ڈاکٹر حفیظ راسخانی مرحوم

طوق اس کو سمجھا کہ بارِ سمجھ
دہر کو ایک خارِ زارِ سمجھ
جو گناہگار ہے ازل سے اُسے
تا ابد منتِ گناہگارِ سمجھ
ایک دل ہی تمہارا ہے ضامن
دل کو کچھ بھی ہو ایک بارِ سمجھ
پڑھ ہی لیتا ہے آخرِ شِیت
وقت کو اتنا ہوشیارِ سمجھ
آن کاٹے گی وہ کسی بھی طرح
موت کو شہرِ بہارِ سمجھ
زیستِ ناپائیدار ہے اتنی
ابس کو ہرگز نہ پائیدارِ سمجھ
خود کو تو بھی جیتے دنیا میں
زندہ درگور ہے فترتِ سمجھ



سمیناروں کی آڑ میں خود غرضی کا ناپاک جذبہ

ان سمیناروں سے اُردو کو کونسی تقویت ملی ہے سوائے اس کے کہ لاکھوں روپے چند حواریوں
اور احباب کی جیب میں چلا گیا۔

جن سے دیکھ کر ہمارے دل میں اُردو کے لیے وار ہوا
کہ قندسہ کرنے کے اسکا نامادہ ہونا
انڈیہ ٹکس جہاں میں اُردو کے نام کی تقریب
ہو تو اعلیٰ غلی سرکس دیکھا جائے۔
پچھلے دنوں غائب ایشیائی ملک کے

یہ ہے کہ اُردو انہیں کے دم سے ہندوستان میں
بالی ہے۔ لہذا خود اُردو کے اعتراف پر دوست
احباب کو اُردو کی اس لادہ سے جس قدر حسد
پیدا کیا جاسکتا ہے، یہ کیا یا اہلے اور رہے تو کس
کو کس میں ہیں نکلا میں حق نے کھٹے دیے جائیں

اُردو ہندوستان میں نذر ہے
یہ ہے مگر ایسے اذہ سے جن کے سپرد حکومت ہے
اُردو کی قیادت و حیات کی ہاگ نادر کر رہی ہے
ان اذہوں کے اسباب رست و کشادے یہ کہ

سابقہ سینا کرہا۔ یہ سینا کی وجہ سے کافی اہم
سینا ہوتا ہے۔ کہ سینا کی جان میں کہ سینا کے
موجودہ ہر ایک سے لے کر تمام لوگوں کو جلا کر
تھکڑا کر سالہ سینا میں لے کر تمام لوگوں کی
طرح رعب و یاس کی تڑپ ہو گیا حد یہ ہے کہ وہ
مقابلہ نگاروں کی نصف تعداد بھی سینا کے
اجلاسوں میں موجود نہ ہوتی تھی، سامعین تو
بہت فلاح کی بات ہے۔ نہ معلوم غالب فنی لوٹ
ایک گناں قدر و کم ہر سال کیوں طار کرتا ہے۔
غالب کا کونسا ایسا گوشہ ہے جس پر ہر پند و خن
ڈالتی باقی ہے۔

ابن ترقی اُردو کے کجاہ سے پایا ہے
اُردو مولوی عبدالحی سینا نے غصہ کیا۔ داد
دی جا رہی ہے۔ اب جس کی سکریشی کو جنوں
لے دینے کے دینے کے مقابلہ نگاروں کو اُٹھا
کیا، ان کو اس میں ماننے کے اُجالے کے علاوہ کچھ
مقابلہ نگار اب بھی کی خوش قسمتی سے اُردو کی کسی
شے کی طرح تشرف لائے۔ کچھ پاکستانی فلاح ہیں جو
وہ کچھ جو غالب سینا میں نہ مل جاتے اور انہیں
اُردو اور بابائے اُردو کے نام کا واسطہ دے کر
روک پکایا اور انہیں اب بھی کی طرف سے کوٹھے
معاوضہ نہیں دیا گیا۔ (شاہ نگار ہر مہر چلا کر
نار وے کے منسوب کی کیفیت سے مار کیشش
اُردو خانی کا فرنس میں غرضت کے جھڑپ کی
لائے کیونکہ ان کی خوش داس صاحب کا انتہائی چوک
تھا۔ لہذا ان کی جگہ صاحب ذی بی عظیم تھیں۔
اور چاروں صاحب کو غرضت کے لئے ذی آنا ہی تھا۔
ذی پیچھے چھ انہیں اس کا جرم بھی نہ تھا کہ زمین کا
یہ سینا ہو رہا ہے۔ لہذا انہیں مال غنیمت سمجھ کر
سینا کی بین الاقوامی کیفیت کو تو بڑا پٹہ پٹے کے
لے ملا دے کا منسوب بنایا گیا۔ اس کی وجہ سے
کے منسوب ہیں پاکستان کا دورہ کر کے ہندوستان
تشریف لائے تھے۔ انہیں میں بال غنیمت سمجھ کر
جا پانی منسوب ہیں کی کیفیت سے سینا میں شریک
کر کے سینا کو عالمی سینا کا جاری و برک نام
دیا جاسکا۔

بے چاری وہ عصمت چٹا لے جس کے جنازے کے ساتھ ایک بمبے
مسلمان نے نہیں تھا کہ وہ عصمت کا جد خا کے اُن کے عصمت کے مطابق بکلی
کے شمشان میں چلایا جاتا تھا، اسلئے اگر کوئی مسلمان اُن کے جنازے کے ساتھ
جاتا تو ہو سکتا ہے اُسے پر قہر خدا نازل ہو جاتا۔ اُسے عصمت کے فاضل پر
آنسو بہانے کے لئے ۳۲ پاکی ملینت، شرع کے پابند اور اسلام کے کھولے
مسلمان اُن کے بعد ہے یہ کہ وہ عصمت چٹا لے کہ لاشے میں بھی ایسے گئے تھے کہ
اُردو کے گورکھوں کے لئے مفاد کے دوا دے کھل سکتے ہیں۔

اس سینا میں مقابلہ نگار حضرات اور
دیگر شخصوں کی تعداد بچھڑتی۔
مولانا عبدالحی کے ان پیچھے نشتر میں کچھ ایسے
حضرات بھی تھے جنہوں نے بابائے اُردو کو اپنے
وحدت سے کسی حد تک مجروح بھی کیا۔ کماں احمد
مدتیج اور ایک اور حضرات کے علاوہ سید ابراہیم
سہسراوی جو جگہ پیش سے کسی نہ بھی کا فرنس
میں خدمت کے لئے ذی آئے تھے (وہ جنوں
ان کے) نے فرمایا کہ بابائے اُردو سبب و جنوں
مقامات پر قیام پاکستان کی تحریک کے احکام
کے لئے آئے تھے۔ دو سکھ افاضی اسے پوچھ
کیئے کہ وہ بابائے اُردو جو قیام پاکستان کے لئے
گوشتان رہے اور پاکستان بننے ہی ذی کو فیروز
کہو دیا۔ بنائے عظیم انجم صاحب جو بلا ہر سکولزم
کے حیرت انگیز ہونے کے اُردو مند ہیں اور وجود
پاکستان کو مسلمانوں کے لئے بہتر خیال نہیں کرتے
نے اُس بابائے اُردو پر سینا کرایا ہے جو قیام
پاکستان کی تحریک کے احکام کے لئے کو خا ہے۔
یہ کہ سری باجپے کہ عظیم انجم صاحب پاکستان
جاتے ہیں تو وہاں ہندوستان کی ایسی بیسی کرتے
میں نمایاں کردار ادا کئے ہیں یہاں تک کہ جاتے
ہیں کہ جمہور پاکستان جو بری بی بی ہندو ہے اور
میں نے ہندوستان میں پاکستان بننے کے بعد
اسے شلمان کر کے اپنا اپنی حیات بنایا ہے۔

(پاکستانی اخبارات میں عظیم انجم کے یہ الفاظ
مضد ہیں)
معاف کیجئے، بات ہو رہی تھی بابائے اُردو
مولوی عبدالحی سینا کی اور درمیان میں آئے
عظیم انجم۔
اس سینا میں مقابلہ نگاروں کی انتہا جم
طریقہ کار کے لئے متعدد مقابلہ نگاروں نے مقابلے
بڑھنے کے بجائے زبانی ہی سینا الفاظ میں اپنا
فرق نبھادیا۔ ہاں عزیز مجیدہ بیگم صاحبہ ڈاکٹر
ترقی اُردو و اردو کا مقابلہ مولوی عبدالحی اور قاضی
اُردو کے بے شک اپنے موضوع کے اعتبار سے
مقابلہ ایسا محتاج بر فانا سے قابل ستائش تھا۔
مگر وہ بھی قیام مقابلہ نہ بڑھ سکیں کیونکہ وہ نے
اپنے مقابلے میں مارشش حالی اُردو کا فرنس کی
قریب کی کہیں میں سنوں میں حالی اُردو کا فرنس کی
کہا جاسکتا ہے وہ مارشش کی یہ کا فرنس تھی
موجود نے اس کا فرنس کی کچھ خوبیاں
بیان کی تھیں اس لئے مقابلہ کے اختتام پر اس
اجلاس کے قیام رعیت سروش نے بی بی گوارا
کا اظہار کیا اور فرمایا کہ مارشش دالے ہمارے
سہارے ہی اُردو کا فرنس کرتے ہیں۔ ہمیں
لوگ وہاں جا کر متاثر ہے جڑتے ہیں وہ کو سکھ
تعلیموں میں رعیت سروش کا یہ شدید احتجاج
تھا کہ انہیں نہ تو ہمیں مارشش بلایا گیا ہے اور

نہ ہی ان کے آقائے اڈوڈ علی صدر بن کے احکام کی تعمیل میں سرکار نے سندھ میں کا انتخاب کیا۔ علی صدر بنی صاحب نے سندھ میں کابینہ فہرست میں رخصت سروسٹ کا نام بھی دیا تھا۔

(اس میں کوئی شک نہیں کہ قری اڈوڈ ہند کا بینگ مال جس میں یہ شخص تمام ایک صدہ انعام میں نہیں بیٹھ سکتے، ہمارے پاس ہی ہاؤس مال کا نقشہ بھی کرتا رہا۔) دہرہ مقدار نگاہی ہوتے تھے۔

اس سینا کا اختتامی اجلاس اچھا رہا محترمہ گرجا ویاس نائب وزیر اطلاعات و نشریات ابن کے صدر جناب سید عابد صاحب پاکستان کے سیکرٹری شریف لائے۔ (جہاں تقاریر ہوئیں پیام پیوری نے محترمہ گرجا ویاس کے کچھ کلام کے رٹین ہوئے پر جو ترجمہ فرمایا وہ اعلان کردہ ہی تھی کہ پیام پیوری واقعی طور پر مولانا تیساد پیوری کی جائز نہیں اور گند کے ٹریر ہوئے کی اجیت رکھتے ہیں۔

خلیق انجم صاحب نے اپنی تقریر میں انہیں کی ہے جس، مخلوق اعلان اور حرکات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے مالی اعداد کیلئے محترمہ گرجا ویاس صاحب سے گزارش کی تو انھوں نے ہارنی در خواست ایک ایسے شخص میں بھیجی جو ناچر محاسبے پر تو کروڑوں روپیہ پر بار کڑیے مگر محاسب نے اس سینا کے لئے مالی اعداد سے بائیں انکار کر دیا۔ اس پر ہمیں مردانے باؤڈیٹلہ اقرضہ کیا کہ ناچر محاسب ہندوستان کے قندری نشانہ ہیں۔ انہیں آپ حقیر آئینہ بے میں کسٹم نہیں کر سکتے۔

خلیق انجم نے فرمایا کہ سندھ میں کسے کھلنے کا اختتام میں ہم نے کچھ محترمہ گرجا ویاس کے دفتر لگا یا ایک کھانا تو محترمہ گرجا ویاس دے رہی ہیں۔ محکمہ جبرائیل صاحب اور جناب سانی ناؤنگ صاحب بھی ایک ایک کھانا دے رہے ہیں۔ اور کچھ کچھ کھانے کا نوٹس ہاؤس حکومت برطانوی نے "سیریاہ بھون" میں کرانے

کے لئے ذکر لیا ہے بلکہ سیریاہ کے دفتر پر انجنیاب بھون لال صاحب کی طرف سے کھانا بھیج دیا گیا۔ محبتہ ہوئی کہ انجنیاب قری اڈوڈ کے مال حالت اتنی جتنی ہو گئی ہے۔ جبکہ اڈوڈ مگر کی بلونگ سے لاکھوں روپیہ سالانہ کرایہ وصول ہوتا ہے۔ حالانکہ جب بھونٹ نے اڈوڈ مگر کے لئے زمین رخت دی تھی تو یہ معاملہ اڈوڈ مگر کی بلونگ کا ایک حصہ D-T-11 کو دیا۔

جائے گا۔ مگر خلیق انجم صاحب نے اپنی جا بجا کرسی سے ڈی۔ ٹی۔ 11 کو دے دیا اور ساتھ ساتھ ساری بلونگ کا کرایہ انجنیاب میں وصول کر رہے ہیں۔ تو اس حالت میں انجنیاب کی مال حالت چل کس ہے کہ اسے۔ سندھ میں کے کھانے کے لئے بھی خبر حشرات کا زبردستی ہونا پڑا۔ حکومت ہند کو لاکھوں کی گرانٹ بھی انجنیاب کو دی ہے حالانکہ اڈوڈ مگر کے کرایہ کی وصول رقم کے لئے یہ گئی رقم کچھ بھی نہیں ہے۔

انجنیاب کی مال حالت اتنی خستہ ہے تو پھر اتنا جی سینا کرانے کسے ظلم انجنیاب کی روج نے تو اس دعا کی نہیں ہو گئی۔ وہ اصل یہ سینا داس نے کرایا کیا کرنا دے "جاپانی" پاکستان، بھگدیش کے سندھ میں اپنے بیان خلیق انجم صاحب کو بلا سکیں اور ہندوستانی سندھ میں اس احصائی کا بدلہ انھیں اپنے بیان اڈوڈی تقریبات میں مدد کر کے پانچ سے کسے کو متعلق کر رہے۔ تو مگر مخلوق میں یہ سینا داس نے اڈوڈ مولوی عبدالغنی کی یاد تو ایک بہانہ تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ خلیق انجم صاحب نے گل اور جبرائیل نے جبرائیل میں گم رہی کہ یہ جس کھانے میں بہت جلد انھیں کھلے گئے تھے۔

پاکستان سے ایک وفد ہندوستان کا انجنیاب کی طرف سے اڈوڈ سروسٹ اور انجنیاب قری اڈوڈ پاکستان کی طرف سے آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ انجنیاب نے انجنیاب کا کھانا کھاتے ہیں۔

پچھلے دنوں گرجا ویاس علی احمد مگر کی کہنی

کھانے کے کچھ چیزیں جناب دہم محل نے بھی منسوب ایک سینا دھون میں کرایا جس کی روداد قومی آواز کھانوں میں خالص ہو گئی ہے۔ دہم محل صاحب نے بھی زیادہ تر جناب کو ہی مدد کیا ہے۔ منسوب سینا دہم محل داس میں بھگدیش سندھ و سوات کا رٹوڈ کیا جائے، جن کی تصنیف غوثا ناٹ ہندوستان اور پاکستان میں حضور خور پر مشن پر مبنی کا بقراء دی گئی ہے۔ حالت یہ ہے کہ پاکستان میں حال ہی میں ایک سن کا قانی ہو رہی ہے، منو، کھانا، کھانا، اس سن کا پس بھگدیش چند صاحب کی سن کا بہ مشن نامہ سے جہاں سندھ میں غوثا نقل کر کے گئے ہیں۔ اور جہاں حضور مشن مقامی پڑتے ہیں، ان کے مقابلے میں وہ کھانا نہ دے سکتے رہی مشن ہیں۔

یہ اڈوڈ یہ کھانا چار کھانوں کی رٹوڈ اکائی کی طرف سے محنت چھائی اور اپنا زمانہ "یہ" روداد سینا دھون کے جائے کی اطلاع ملی ہے۔ اس سینا داس میں بھی ۳۰ کے قریب مقامات بھگدیش و ہندوستان کی طرف سے فراہم ہیں۔ اس سینا داس کے قریب ہندوستان و ہندوستان کے قریب ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہندوستان میں بھی لاکھوں کے اڈوڈ ہیں اور وہ لاکھوں کا اڈوڈ ہو رہی ہیں۔ اس سے سینا داس اپنے محلہ میں اور اجاب کو نہ جھڑکے کہ کچھ تو حوصلہ معاوضہ والی یا حسب۔ آخر میں کسی سے پہچنے کو رہیں۔ بلکہ انھوں نے قری اڈوڈ اڈوڈی کے سندھ میں پر بھگدیش دیکھی ہے۔ گویا بھگدیش کے بھگدیش اور بھگدیش کا کھانا اڈوڈ اڈوڈی کی کھانا اور اس میں ایک سینا داس کا اڈوڈ ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ قری اڈوڈ صاحب کا کھانا چار کھانوں اور اجاب میں ہو جائے گا۔

جہاں اس سینا داس کے کھانے میں حضور ہوئی مگر انھیں کچھ بھگدیش کا اڈوڈ کے مسئلہ عام ہونے کا کوئی بھگدیش کا اڈوڈ کی اس نے اس کے کھانے میں کھانا بھیج دیا۔

بے چاری کی حالت نہایت ہی مہربانانہ
 کے ساتھ ایک ہی شخص نے جس کو کھانا
 کا جھنڈا لایا ان کی صحبت کے مطابق بھلی کے
 شخصوں میں جوتا جاتا تھا۔ اس نے ان کو
 شکرانہ ادا کیا ان کے جنازے کے ساتھ جاتا تو بھلا
 ہے اس پر غور فرماتا دل ہو جاتا۔ اس صحبت
 کے لیے ہر آتش بہانے کے لیے پالنے لگا
 خیر کے باوجود اور اسلام کے رکوالے شکرانہ
 ادا کرتے ہوئے ہیں۔ یہ کہ جس شخص نے ان کے
 دل میں ایسی ہیبت لگائی کہ ان کو دیکھ کر لوگوں
 کے لئے عذاب کے دروازے کھل گئے ہیں۔
 ویسے ڈاکٹر سیدنا پروردگار کو
 سب سے بڑا عذاب غلام بنانا نہیں کہے کہ

کیونٹ کیونٹ ہیں اور کیونٹ کے نزدیک ہندو
 مشرک کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ مگر اس میں
 مصطلح میں خبر ہم حضرات کو نہ ہو گی یہ ہے۔
 نام میں اس کے لئے کہہ کر ان کے دل میں
 کہیں کے پڑے ہیں۔ ان سے تو بھلا صاحب
 کے کوئی حوالہ نہیں دے سکتے۔ ان کے لئے
 کرنا جا سکتا ہے۔ کے کے کہہ کر کسی نہ
 کسی شخص سے دیا ہو مینا کے لئے مینا بنا
 ہو گئے ہیں۔ اور یہ کہ بھلا کوئی چند
 تاریخ ان کے فیروزی یا ہندوستان کی بحالی
 صلح پر ان کو کوئی ادبی تقریب خطبہ پڑی ہے
 تو اسے متبر فرار نہیں دیا جاتا۔ اس لئے ان کا
 نام شریک کر کے کیونٹ ہی ہے۔

آخر میں ہم ان چند میناؤں کے انقطاع
 کرانے والوں سے دریافت کرنا چاہیں گے کہ اگر
 ان کا بانی بڑا ہے تو وہ سینہ پر ہاتھ رکھ کر
 بتائیں کہ ان میناؤں سے ان کو کوئی فتویٰ
 ملتا ہے، سو اس کے کرنا میناؤں پروردگار
 حوالہ دینا اور احباب کی حیب میں چلا گیا۔ یا
 شخص کے لئے کہہ کر ان کے لئے۔ ان کو
 بے چاری جہاں تک دوسری دہائی گزری ہے۔
 ان میناؤں کے انقطاع کرانے والوں
 یا ان کے کسی حوالہ میں یہ سکت ہو کہ وہ
 میناؤں کے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے ہر
 بیان کردہ فائدہ کے خلاف خانی ہندوؤں کے
 ساتھ جواب دینے کو تیار ہے۔

عزلیں

وہ جس کے پاس وہ احساس ہی نہیں
 پتھری میں کہیں گے آدھی نہیں
 ہونے کے لئے تو اسے پہچانہ ہو جے
 باطن سے حال تک کوئی ایسی ہی نہیں
 منوں کی آواز ہے تو اسے شہد و حوصلہ
 منوں کی کسی کی طرف حلاوت نہیں
 سامنے کی جھینجھکیں ہوں کوئی
 لہو کے اس سفر میں ہی کا کوئی نہیں
 ڈھیلے آندھ ہے سڑیلے ایک نجوم
 جو کچھ آندھ ہے وہ تو کوئی نہیں
 مٹی کی کھجور نہیں ہے کائنات نیست
 سجدہ کمالی ہی انسان ہی نہیں

کچھ اہل مذاہب نہیں اس نہ کا کہ ہندو
 دشمن ہی جانتا ہو کہ ہندو کے ہندو
 ایمان سے غرض نہ لگے کام کوئی
 دل میں اس کو یاد کرتا ہے یا دھرم کے ہندو
 منوں کی جھینجھکیں ہوں کوئی
 گمشدہ ہے یہ جھگڑا تو اس کا ہندو
 یہ کہہ کر سون کی قسمت ہے شکر
 اک اور ہی ہندو ہے گاندھ کے ہندو
 اس کو ہی جھگڑا تو اس کا ہندو
 ہم جھگڑا تو اس کا ہندو

بچے ہی تو انہوں کو جانتے ہیں
 لہو کے ہندو ایک شہر اٹھاتے ہیں
 نہر آندھ لگے جام پل دیتے ہیں
 اور پھر کہتے ہیں ہم اب جانتے ہیں
 ہونہ جانتے کہیں ہم یہ نظام عالم
 کچھ خبر ہے کہ ہندو کی سزا ہے ہی
 تیری رشتہ داری کی پڑتی ہے ہندو
 تیرے انکار ہندو بنا دیتے ہیں
 تیری دہائی لگے ہی نہیں کا نہ لگے
 جو کوئی نام محبت یہ بتا دیتے ہیں
 جب کوئی نام ہے تو ہندو اٹھاتا ہے
 ہم دھرم کے لئے ہندو اتحاد دیتے ہیں
 یہ جو دھرم ہی انہیں کو کوئی
 اک خدا بات کا ایسا نہ بتا دیتے ہیں

گوشا جادوی

شیم آلودی

سید خیر آبادی

آپ کی
اور آپ کے کاروبار میں
ترقی کا ضامن
ہو جائے گا



انصف صوری سے
ملک و ملت کی خدمت
میں ایک ایسا اور مفرد
حقیقت کا معاملہ
ہو جائے گا

آپ کا اپنا بینک

بمبئی مرکنٹائل کو آپریٹو بینک لمیٹڈ

(شیڈولڈ بینک)

جو سماج کے ہر طبقہ کا ساقی اور مددگار ہے۔ جہاں فارمن اکنامی سے متعلق سبھی
سہولیات دستیاب ہیں۔ جہاں جمع کی گئی رقم ہر دوسرے کاروباری بینک

سے ایک فیصلہ زیادہ منافع ملتا ہے
ہمارے کھاتے دار ہی ہمارے سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

عازمین جو کینے میں مبادیہ کے خصوصی انتظامات

ہمارے بینک کی اعلیٰ ترین معیاری خدمات کا نمونہ ہیں

دھولی آفس
۳۶۵۵ نیتراوی ہماش سنگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۶۷۱۳۹۵

فارمن آفس جمشید پور ٹمنٹ
۳۶ نیتراوی ہماش سنگ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون ۳۶۷۱۳۹۵
ٹیلیکس ۳۱-۶۶۸۵۳۳

میڈ آفس
بین رنگون والا بلڈنگ
۷۸ گورنمنٹی روڈ
بمبئی ۴۰۰۰۱۱ ہمارا شمار

یہ بات اہم ہے کہ آپ کب تک زندہ رہتے ہیں
لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ آپ
کتنی اچھی طرح زندہ رہتے ہیں۔

سگریٹ پینا چھوڑ دیجیے اور
باقاعدگی سے کسرت شروع کر دیجیے۔

”دوڑیے اپنے دل کے لیے“

عوام کے حق میں جاری کیا گیا
ڈاکٹر کرٹ آف انفارمیشن اینڈ پبلی سٹی
دلتی انتظامیہ



ہندی ادب کے بے لوث خادم بابوشیام سندرداس

خواجہ وحید الدین

فرائض انجام دیتے ہوئے لڑکے

ہیں۔

ان دولہ لاں آواز کی گنگا کی پکشی جیسے
ہندی زبان و ادب کی تلاش کا ایک نیا گوشہ
سائے آتا ہے۔ اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہیں
پرساد و دیوی اور آچار یہ نام چند شکلا کے
آواز کو جیت کر کے انہیں کوئی ایک نام دینا
قرینہ نام بابوشیام سندرداس سندردی
کہا جائے گا۔

بابوشیام سندرداس کی زندگی کا وقت
اور خدمات اور ان دنوں وہ جن کے مطالعے سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ارادے کے مطابق کام
کے لیے اور آواز دینا سندردی کے حق پرست
پاسند ہے۔ اسی نے وہ راستے مل کر بخوار
کے ہیں تاکہ رہنے کے باعث ہندی ادب
کی تاریخ میں وہ جیت حاصل کر سکیں گے
وہ سچے ہیں۔ اور انہیں جہاں جہاں ان کا

بابوشیام سندرداس دوری عہد
کے انشاء پردازوں میں شامل ہیں
کہتے ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر
افسانے لکھے ہیں۔ ان کے افسانوں
میں عشق کے دورے برسات کو گنا
کے ساتھ ساتھ موت بھی لازم کا
گنا ہے جس کی وجہ سے ان کے
افسانوں میں فطری رنگ دکھائی
دیتا ہے۔

اسی جن میں ڈاکٹر ساگر پوری کی رائے
میں قابلِ توجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”دوری ہی کے اصطلاحی دور میں
بابوشیام سندرداس ایک سچی
رنگ میں ہندی زبان و ادب کی
پیش رفت جلاست کرتے ہوئے
آچار یہ نام چند شکلا کے عہد میں
ہیں ایک اہم اور منفرد ادیب کے

ہندی ادب میں عہد سازی

کے جوں سے بے نیاز، جہیز کشن کے قابل اور
خاموشی و سبکدوشی کے ساتھ زبان کے گیسے سنوارنے
اور کسر ماہ ادب کو قدیم و جدید روشنی سے نواز
کرنے والے دانشوروں میں بابوشیام سندرد
داس کا نام سرفہرست ہے۔

بابوشیام سندرداس کا ادبی عہد
پنڈت مہا ویر پرساد دوری کے عہد کے شروع
ہو کر آچار یہ نام چند شکلا کے دور میں ختم
ہوتا ہے۔ انہیں ان دونوں ادوار کی ایک اہم
کڑی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور خصوصیت یہ ہے کہ
انہوں نے ان دونوں ہی عہدوں میں اپنے
افکار ادب کو برتے اور لکھا ہے۔ ان کو اہمیت
دوری عہد میں حاصل ہے وہی اہمیت نام
چند شکلا کے دور میں بھی برقرار رہتی ہے۔ اسی
نے ڈاکٹر ساگر پوری نے لکھا ہے:

پرس اور خرابی کی حالت سے میں نکالیا جا سکتا ہے۔

جب باورخام شہرہ اس کے نامی پہچان دیا گیا کہ وہ یہ پیش خدمت کی بھی ہوئی کہ اب ان کی خدمت سے بڑھ کر کوئی اور کا تجربہ شاخ کن اور شاخ کیا، تب ہمارا ان کے ساتھ انکسار ہو گیا ہم ان کے نقطہ نظر کے بالکل غائب تھے کیونکہ ابھی کتاب کی درسی و اخلاقیات کے بارے میں خیال ہی نہ تھا کہ کدواڑ میں کیا کیا زندگی ہے۔ اس کے فطرت پیدا ہونے کے علاوہ اچھے خالوات نہیں پیدا ہو سکتے تھے۔ اس وقت شاخ پہچانی ان کی کلاس سے بہت دیر تک ہوتی رہی۔ اپنے خطوط میں باورخام شہرہ اس نے اس کتاب کی اصلاحات کے ضرورت اور افادیت سے میں آگاہ کر کے کیجورڈر کوشش کی تھیں برحق سے ان کی منتظر ہوں گھمیں مدائی۔ جب ہم نے اپنے مکتب کی اصلاحات پر آگاہ کیا تو میں مداحین کو کہہ کہ یہ خطا پر ہفتہ و مباحثہ کا شی کے لئے خوشامی نامی راجستہ اور ہمیں کے لئے خوشامی ساہار شہرہ میں پڑا، لیکن باورخام شہرہ اس نے اپنا مکتب نہیں چلا اور میں سب سے دست بردار ہوا۔

اس اقتباس سے بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان کے مکتب پر رہا کہ ان کے کسی فردین کا نہیں بچا ان کی مخالفت کرنے والے ان کے ہمسرہ ادیب کہتے ہیں جو تقریر و تقریر کے ذریعہ ان کی مخالفت کرتا ہے جس سے ہمیں اندھمکے میں متاثر ہونے سے بچنے کیلئے قیام شہرہ اس کی اپنی روکش خیالی دیکھیں مکتب اور اندھمکے میں

روڈ وچل ذکر کے اندازہ کے ساتھ ساتھ اس کے آؤ لی ویا تھا اور اندھمکے کے ساتھ ساتھ اس کے (معتز) کا جوت پیش کرتے ہیں۔

اپنے مکتبوں پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کسی ہم عصر کے کوئی اختلاف ہو جاتا ہے اور مخالفت پہلے پہلے گئے کہتا ہے کہ اس کے لئے دل میں ایک دکھاری پیدا ہو جاتی ہے جسے بعض کا نام دیا جا سکتا ہے جو آؤ لی ویا تدراری کے واسطے میں روکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ لیکن ایسے ناؤک موقع پر بھی قیام شہرہ اس نے ہمیشہ فراموشی اور ادنی ویا تدراری کے واسطے کو بھڑکا نہیں ہے۔ جب ہی قودو اور کا پر سادے برس قدر مخالفت ہونے کے باوجود انھوں نے موقع پڑنے پر بھی فراموش نہیں کیا۔ اسی لئے آؤکس پرس اور دیکھتے ہیں:

”باورخام شہرہ اس سے اختلاف ہو جانے کے بعد ہم تو ان سے بڑھ کر قوی بنے تھے لیکن انھوں نے کوئی پڑنے پر ہمیں فراموش نہیں کیا اور انہیں ہمیں کی ”سرسوئی سیرت“ اور منور جن گزشتہ والی اصلاحات کے وقت برابر انھوں نے ہمیں یاد کیا۔“

اس اقتباس سے ایک طرف تو ان کے حقیقت پسندی سامنے آتی ہے اور دوسری طرف ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے آؤکس کے خبر سے راستے میں نہیں ذرا احتیاط کو سنبھال نہیں ہونے دیا۔ اور ہمیشہ وہی گھمرو گھماؤ کی کوئی پھر آؤکس ان کے متنبہ قیام شہرہ نے اور مخالفت کی جانے کی ایک وجہ کا سراغ جیم جیم کی تحفیت ”جیسا ہم نے دیکھا ہے بھی ملتا ہے۔ وہ مجھے

ہیں: جب بھی بات چیت کرنے کوئی جوتی گفتگو کا موضوع ہندی ادب ہی ملتا تھا۔ ان کی بات چیت سے ہمیں ہماری سب کی فکری

ہندی ادب میں خاص خصوصیات حاصل ہو کر آتا تھا۔ ان کے وقت کی ناگری پہچان دیا گیا کہ اس کے بعد اس وقت کے اخبارات کی سمیت اور فتنے کے متعلق قوت سے اخبارات میں چل پھل رہا جا کر رہی تھی۔ سبھا اور اس کی قوت کی خاص وجہ تھی باورخام شہرہ اس سے ٹوٹنے والے افراد سبھا کے کاموں کی ترقی کرتے ہوئے باورخام شہرہ اس کو بھی اندھمکے تھے۔ بیکر چان تک لکھے یاد ہے تمام شہرہ اس نے ایسے افراد کے اعتراضات کو بھی اپنے پاؤں کی زیر نہیں بنے دیا۔ جیسے ہی ان کا کتابی نشان کیوں نہ ہو۔“

اس طرح کے اختلافات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہندی آؤکس کے بے لوث خدمت انجام دیئے والے سنجیدہ اور عظیم شہرہ اور دانشور کو اس بات کی فکر بھی درمیان کی کہ اس کے نام سے ہندی ادب کی تاریخ میں کسی جہد کو ملحوظ کیا جائے کیونکہ انھوں نے اپنی شخصیت کو کسی خاص جہد اور فکر سے آویزاں کر رکھا ہے ایک یونیورسٹس شخصیت بنانے کی کوشش کی تھی۔ جس سے کہ وہ ہندی زبان و ادب کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچا سکیں۔

ہندی ادب کے اس بے لوث خدمت کا جزیعہ بنائی کھتری خانان میں شہرہ کو پڑا تھا۔ ان کے والد کا نام دیوئی داس اور والدہ کا نام دیوکی دیوی تھا۔ ان کی ابتدائی تعلیم مشن اسکول میں کیجورڈر میں حاصل کر کے کالج وہ بنوادیہ سیمپری اسکول میں داخل ہوئے۔ وہاں سے انھوں نے کالج میں داخل ہو کر فرائض اسکول پاس کر کے کالج میں داخل ہوئے۔ وہاں سے انھوں نے کالج میں داخل ہو کر فرائض اسکول میں داخل ہوئے۔ وہاں سے انھوں نے کالج میں داخل ہو کر فرائض اسکول میں داخل ہوئے۔

اور مصلحتوں میں انہیں محبت کے امتیازات نہیں
 سکھا۔ اس وقت اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے
 سلسلے کا شی میں کوئی انتظام نہ تھا۔ اس نے وہ
 بی اے کرنے کے سلسلے پر جاگ پر غور سنی تھا۔
 لیکن وہیں حالات وہاں سے ہی۔ اسے حق سہ
 کرنے کے اور اعلیٰ تعلیم کا شی وہاں پر انتظام
 سے اعلیٰ تعلیم کا شی میں کوئی انتظام نہ تھا۔
 بی اے وہاں کے تعلیم کا آغاز ہوا۔ آپ نے
 مصلحتوں میں کوئی انتظام نہ کیا۔
 بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد
 وہ اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن
 معاشی حالات کو افاق نہ ہونے کی وجہ سے انہیں
 اپنے کس اور ادا کے کو ترک کر کے گزارہ نہ کرنا
 اختیار کرنا پڑا۔ سب سے پہلے انہوں نے کاشی
 کے چیچندر پر بھروسہ کیا جس میں چالیس روپے ماہوار
 پر مقرر دست اعلیٰ لڑکی تھیں وہاں کام کرنے میں
 ان کی طبیعت نہ تھی۔ اس نے کچھ مہینوں تک
 وہاں کام کرنے کے بعد مصلحتوں میں وہ ہنسند
 سکول میں بحیثیت مدرسین مقرر ہوئے۔

ان کے مطالعے، تجربے اور ترقی پسندی انہیں
 مصلحتوں کو پہچانتے ہوئے گہرے مطالعہ اور
 اعلیٰ تعلیم کے حصول میں کھینکے گا کہ انہیں سکول
 جو کرب و غم کی کالی ہو چکا ہے، میں یہ سراسر
 کے نتیجے پر فائدہ کیا گیا جہاں وہ مصلحتوں کی
 شن و غن کی کام کرتے رہے۔ اس دوران کاشی
 میں دشووریوں میں ہندی زبان اور ادب کی
 اعلیٰ تعلیم کی ترقی یا کس ہوئی۔ اسے کامیاب
 بنانے کے سلسلے میں ہی باجستہ نام سند
 اس نے کاشی وجود دیا لیکن وہاں کی اور اسی
 بیٹ، فارم سے ہندی زبان اور ادب کی کتابیں
 خدمات انجام دیتے ہوئے آگست ۱۹۳۷ء
 میں ان کا انتقال ہوا۔

کاشی دشووریوں میں ہندی زبان
 کے سربراہان بحیثیت سے انہوں نے ہندی زبان
 اور ادب کی اعلیٰ تعلیم کے لئے صرف دوسرے
 ترقی پسند تھیں کہ جو ہر وقت کے بکرہ دسی

تنبہ کی قریبی واقعات کی صحبت میں ہی جو
 کارہائے نمایاں انجام دیے ان کی صحبت میں
 وہ ہندی زبان اور ادب کی ترقی میں بحیثیت یاد
 رکھ جائیں گے۔

کاشی دشووریوں میں انہوں نے اپنی
 صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے ہندی زبان
 ادب کے سید و خطا لڑکی ایک ایسی لڑکی بن گئی
 دی کہ جو وقت بھر مغربی ادبیات کی تعلیم کو ہی
 سراپا اختیار رکھتے تھے وہ بھی ہندی کی طرف
 متوجہ ہوئے اور دور و دور سے ہندی کی اعلیٰ
 تعلیم حاصل کرنے کے لئے کاشی میں ہی رہے
 جمع ہوئے تھے۔ ان میں وہ ادیب اعلیٰ تعلیم
 شایں ہیں جنہوں نے آگے چل کر ہندی زبان اور ادب
 کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ایسے افراد
 میں بیڈنٹ نند و لاسے پہلی کی نام خصوصی طور
 سے لیا جاسکتا ہے، جو کربا جستہ نام سند اس
 کے پیچھے شمار کیے۔

ان کی خدمات کا جملہ اعلیٰ ہندی
 زبان اور ادب کی تاریخ میں تو نمایاں طور سے درج
 کیا، لیکن ہندی سماجی تعلیم کے سلسلے میں
 میں انہیں اپنی سب سے اعلیٰ ترقی پسندی
 واپس سے فائدہ پہنچی ہندی کی ترقی اور ترقی
 کا جو ترقی فراہم کیا اور ان کے تھکے تھکے ہونے
 کے بعد کاشی میں ترقی پسندی کے لئے ان کی اپنی
 ڈی۔ اے کی اعزازی ڈگری سے فائز۔ اس
 وقت کی اگر ترقی پسندی کا نام بھی اعلیٰ تعلیم
 میں رائے صاحب کا خطاب تھا کیا تھا۔

ہندی زبان اور ادب کی خدمت کے جذبہ
 سے متور ہندی نام سند اس نے سب سے پہلی
 اس کی تبلیغ اور تنظیم پر دی کے طور پر ہی
 اور انہیں ترقی پسندی کا نام بھی اعلیٰ تعلیم
 پر اپنے لئے ترقی پسندی میں انہوں نے خدمت کے
 ترقی پسندی پر اپنی سب سے نمایاں ترقی پسندی
 اس وقت باعصب اختیار بات بھی جاتی تھی۔
 اسی سبب کے ذریعے انہوں نے ہندی زبان اور ادب
 کی ترقی و اخلاص کے لئے ترقی پسندی اور ترقی

ادب میں دلچسپی رکھنے والے افراد کو ایک ہی
 فارم پر اکٹھا کرنے کا طریقہ سارے کام انجام دیا
 یہ سبب اب بھی ان کی ترقی پسندی کا نام بھی اعلیٰ
 ہندی زبان اور ادب کی خدمت میں نمایاں ترقی
 مصروف ہے۔

در اصل باجستہ نام سند اس ایک
 ایسے دانش ور تھے، ڈی۔ اے، باجستہ نام سند
 کے لئے جو کے سامنے محکمت اور انگریزی ادبیات
 خصوصیات کے ساتھ جلوہ گر تھے۔ وہ ان کی
 سراپا اور اپرہ و چہرے کی طرح عروج تھے۔
 اس نے انہوں نے ان کے تھکے تھکے تھکے
 ان سے استفادہ کر کے ہندی ادب کو ایک نئی
 لائے کی تھی کہ جن کا جو ت ان کے تعلیمات کا نتیجہ
 لوجہ، بھارتی زبان، ہندی بھارت کا سب سے
 ہیں جن میں ان کے مطالعے کے ساتھ ساتھ
 تعلیمی صلاحیتیں، ان کی معلومات اور ادبی
 نقطہ نظر کی جھلک ان کی ترقی میں۔

انہوں نے اپنی مصنفیت و سائنس کی خدمت
 ذریعہ ہندی ادب کے اعلیٰ پر ایک ایسے دور
 طویل کیا جس کی ترقی سے ہندی ادب میں ترقی
 مگر انہوں نے اپنی ترقی پسندی کے لئے انہوں نے اپنی
 یہ مصنفیت و ترقی پسندی کے تعلیم کے لئے ترقی
 جس میں ادبی ترقی کے اصولوں پر ترقی پسندی
 کے ساتھ محبت کی تھی تھی۔ اس سے ہندی ادب
 ایک نئی سمت لی۔ اس نے ان کی اس ترقی
 کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر جیو جیو

ہاں ہندی نام سند اس کی مصنفیت
 و سائنس کی خدمت کے لئے ہندی نام سند
 اس سے استفادہ کرتے ہوئے ہندی
 ادب میں ترقی پسندی کے لئے ترقی پسندی
 میں ترقی پسندی کا نام بھی اعلیٰ تعلیم
 ترقی پسندی کا نام بھی اعلیٰ تعلیم
 اعلیٰ تعلیم کا نام بھی اعلیٰ تعلیم
 کا دیوید کے نام کا نام بھی اعلیٰ تعلیم
 بھارتی زبان اور ادب کی خدمت میں

گیت

اسے جان بھرتا جان بھر، تم جانتے کب تک آؤ گے
خاموش پہ سیرے بیل کا ٹھکر، تم جانتے کب تک آؤ گے

کب باجوں گے ابروؤں، ہر اچانک تارے کی بجلی
اسے سیرے تم سیرے کس، پہ دن کو نہیں آؤ گے مگر
تم جانتے کب تک آؤ گے

اب دل کا چین شاداب نہیں، غم نہیں ہے اب تک تاب نہیں
آنکھوں کو بستر پر اسے نہیں بے لادہ، مگر اب تک نظر
تم جانتے کب تک آؤ گے

روحانی بھرتے والی ہے، غم پر سنو نے والی ہے
اب بات کو نہ دالے والی ہے، ہونے کو ہے آٹا نہ مگر
خاموش پہ سیرے بیل کا ٹھکر
تم جانتے کب تک آؤ گے

مفتاح



شعبہ اس سناوے ہوئے، غم کی زخم سہاے ہوئے
اس دن کو کوئی سہلاے ہوئے نہیں دیکھ رہا، بھلا نہ کر
تم جانتے کب تک آؤ گے

کجا بچوں میں رہا، جنت جنت کی طرح پروا نہ جنت
منا نہ جنت، وہ ادھرت، انہوں کو کبھی نہ جنت پر
تم جانتے کب تک آؤ گے

آؤ تب میں بھی چار چاند نہ ملے گی۔
باوجود شام شہر داس کی زبان طالع
کھڑی بولی ہے جگہ شکر سے بہت زیادہ
جناؤ ہے۔ اس میں انگریزی اور ڈوانڈو سکی
دباؤں کے الفاظ کا بھی استعمال ہوا ہے لیکن
یہ استعمال افحاکم کے شکر کے لیے مستعمل صام
میں ان کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ وہ جو کچھ دوسری
دباؤں کے الفاظ کا استعمال کرتے وقت ان
کے ہندی کر کے عامی لے اس نے شکر کے
کے الفاظ کا استعمال کرتے وقت بھی وہ اپنے

انہیں کے ذہن سے سب سے پہلے ہندی ادب میں
خلف شعرا کی تعلیمات کی تقلید سے عملی تقلید
کے اندر وہاں تعلیمات کو لے جس سے شعرا کی
تعلیمات کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی تعلیمات
کو سمجھنے میں بھی کافی مدد ملی۔ انہوں نے معتقد
ہندی رسالوں اور قدیم تصانیف کی ترجمانی
اور تحقیق میں بڑی عرق و زہری سے کی ہے ہنگام
رسالوں کے ذریعہ جہاں انہوں نے ہندی زبان
کو عام کرنے کا کام کو شعل کی لہر میں لے لیا
نے قدیم تعلیمات کی لہر میں لے لیا۔

کو اس ان کی مساجد سے تعلق
تصانیف میں ہیں، ان کی تعلیمات
سے مساجد انہوں نے لے لیا
وہن بات کی کو شعل کی ہے کہ ہندی
تعلیمات میں انہیں اصولوں کو
اپنا یا جاتے ہیں، ہندی زبان کی
انفرادیت قائم ہے۔ اس نے وہ
سمجھتے ہیں:

”جب ہم غیر ملکی الفاظ کا استعمال
کریں تو انہیں ایسا جانیں کہ انہوں
سے غیر ملکی نہیں جانتے اور وہ ہمارے
اپنے ہو کر ہندی لہجہ اور ہندی
کا جزو بن جائیں۔“

جب تک ان کے اس نقطہ کو غور
نہ کر کہ ہم ان کے پیچھے نہ پھنس
کواقی جاتے رہیں گے، اب تک وہ
چارہ ہے اپنے ہندوؤں کے اندر ان کو
قبول کرنے میں ہمیشہ تک لادہ رکھا
جنا رہے گی۔“

ان سرگرمیوں کے علاوہ انہوں
نے بے فکر و تشاہیے اور مساجد میں بھی کچھ کیا ہے
کچھ کچھ مساجدوں کے نام سے ناگرمی چھپا کر ان سہا
کی طرف سے شائع ہونے، لیکن ان کے زیادہ تر
انتشاریے اور مساجد میں درسی دیکھ رہے ہیں کہ
بھارتی زبان و ادب کی تاریخ میں سب سے پہلے
جسٹیت دیکھتے ہیں۔

باوجود شام شہر داس کے انتشاریے اپنے
فکر میں کس کو آہنگ کی جگہ تعلیم کے ساتھ ساتھ
ادب میں بھی بہت اہم شہرہ لے جاتے ہیں۔
ان انتشاریوں میں ان کی تعلیمات اور انفرادیت
جسٹیت کو لے کر کافی دیکھتے ہیں۔ ان کی تعلیمات کا
لے علاوہ انہوں نے تعلیمات اور تحقیقی خدمات
میں کام لیا ہے۔ ان کے وقت میں تعلیم کی جو
شکل دیکھنے میں آتی، وہ حیرت انگیز تھا وہ کام کرنے
میں۔ انہوں نے کوئی ادبیات کے مطالعہ کے
ذریعہ ہندی ادب میں عملی تعلیم کا علاج کیا۔

انہیں جیج کہنے کی جیجی سنی کی ہے۔ اس طرح انہوں نے جز بات و خیالات کی ترسیل میں پوری فائز داری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے اس امر کا پوری طرح سے دھیان رکھا ہے کہ اس میں کہیں بھی کوٹھنوں سے ڈوری اور مصحفیت جیسے خوب پیدا نہ ہونے پائیں۔ ان کے اسلوب میں نگر اور تحقیق کو ازلی ہر قرار چاہے۔

ہے۔ انہوں نے ممکن ہو موصوفات پر لکھنے وقت چھوٹے اور آسان اور عام معانی میں نسبتاً بڑے جملوں کا استعمال کیا ہے۔ ان کے یہاں کہاوتوں اور محاوروں کا بھلائی ملتا ہے۔ ہندی زبان کو دھست دینے اور اس کے ذریعے اپنے موضوع کا اچھی طرح احاطہ کرنے کے لئے انہوں نے اپنے خیالات کو بار بار دہرانے اور

اسی رو سے پر قائم رہے اور مسکرت کے الفاظ میں بھی ضرورت کے مطابق رد و بدل کر کے انہوں نے ان کا بھی ہندی کرنا کیا ہے جس سے یہ الفاظ ہندی زبان کے اپنے الفاظ معلوم پڑتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں ان کے مزاج اور شخصیت کا سبب بڑا پر قویا ہے۔ اس سے بھی ان کی انفرادیت نمونہ سے پوری ہوئی معلوم ہوتی

ماہیا دیکھ کر



وہ تو شاہرہ نس میں
دیجا تو نہیں تھا وہ
اور ان کا شاہرہ نس میں

مسترد سہاوت سے
حنائی سایہ چلتا وہ
پھولا ہے جلاوت سے

پوند لگانے کو
یہ نکات ہی جواز ہے
جس پر چال کھلے کو

انکا بھی دعوت ہے
نظر میں جھکتی سی
کم ہنس سی محبت تیرے

چوڑے گلہ ان کب
تنبلا کے بندھن سے
پائیں گے دلی کب

جائے گی کہاں راز کو
پہ کھوں نے جہاں چوڑا
بجی ہے وہاں آنکھ

یہ بوجھ ہے سن پڑھی
ہیں سوانگ بہت باقی
اب رات پہ تی بھری

دو ہر اسے کیا ہوگا
چاہت ہے وہی دھوکا
بھر کھائے سے کا جوکا

دن رات پکار رہی گے
بہروں کے غم میں وہ
آواز آتا رہی گے

ہر چیز کو کھونے سے
کان ہے بہت عتوا
بہتر ہے نہ ہونے سے

من حنائی بھی کر رہی
ہے مجھ مسداں کی
پچی کی خوشی بسر میں

ہونے کو بڑا کب اپنے
چنتا یا غم غمی کسی
یہ اپنے ہی چلتا ہے

سورج مکھی

شام بارک پوری

برجیس کا پاؤں بھاری تھا اس نے ڈاکڑنے اسے کام کا کہنے سے منع کر رکھا تھا۔

دجاہت حسین اس جڑ سے ہیں انگ خشک زخمی گزرا ناچا جاتا تھا۔ ڈاکے ہی میں اس نے منہ بس کر دیا تھا کہ صوبائی مصیبت کی چنگاری میرک اٹلی ہے۔ لوگوں میں اتفاق کا بچ بچا ان جڑوں کا ہے۔ اس نے اس نے اپنے آپ کو بے درجے دہنے میں جانچا بھی۔ دوسروں سے ملادو دم بڑھنے پر کئی کاڑھیں بھیے کا اندر مشہر تھا۔ اس نے اپنے ہر اجکٹ، بھوی بچے کے ہوا کی سے تعلقات نہیں بڑھائے تھے۔ عمران کو بھی سستی سے جرات کدی ملی کہ اسکول میں بڑوں کا زیادہ ربط نہ بڑھائے۔ اسکول سے چلتی ہوئے پر عمران سیدھا گھر چلا آتا۔ پھر گھر سے باہر قدم نہ نکالتا۔ دجاہت حسین کا وہ یہ بہت کم سے محتاط تھا اور وہ اس پر سختی سے عمل کر دیا تھا۔ تھا عمران اسکول میں تمام لڑکوں کا کٹ

سر سبز اوپکی ہاتھوں میں گھول دیا، بنگر زمر کا کٹواٹھن تھا۔ ہر طرف ہنر ہی ہنر تھا۔ ہوا میں جھوٹے ہوئے نادل کے دوخت۔ لہلہ ٹکیتا دھان سے لڑی کھڑی بالیوں کے چھریکے بانسری کی دلدور اور مسترت آہن تانیں سٹوڑکی تھیں۔ جب سمندر کی موجیں ساحل سے آکر سٹوڑکیں تو وہ توڑ لڑ سٹوڑکی سے پڑ ہوئیں۔ جیسے انہوں نے محبوب کے دھال داغی کے عیت کھائے ہوں۔ عمران کا اسکول میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کی نگہداشت کے بے ایک آیا مارا کو دکھ دیا تھا مارا باغی میں حبیبی تھی۔ اس کے آفتابی جیسے پردہ نشینی کا بار تھا۔ دو ماہ قبل اس جڑ سے بدن اور کدی رنگ کی عورت کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ صبح سویرے وہ اپنے خیر خوار بچے کو بڑھکس کے پاس رکھ کر عمران کے پاس آجانی۔ خود ہاتھ دھو کر اسے ناخن کرتی بہت سے پستانا اسکول چھوڑ آتی۔ ہر گھر کے کام کا جیسے گھاتی

فتح تھا عمران ساحل کی دیت پر جیسی حیرت انگیز دکھ پہلے ہوئے بھریکوں کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے کے پہلے کے سر سبز لڑکے آج تک اس نے اپنے ہاتھ لٹول دسکا تھا۔ اس حرقی یافتہ دور میں انسان کی دھانی چاند سورج اور دھوکے میں تنگ ہو جاتی ہے۔ گنہگار تھا میں روز بڑا جاناں ہو رہا ہے، مستندوں کو کھٹکا لاجا رہا ہے۔ مگر سمندر پر اختیار اس کی استطاعت سے باہر ہے۔ طالعین مارنا جو سمندر اپنی عظمت، قدر و عا اور بے پناہ قوت کا منظر ہے جس کے سامنے انسان ایک بچے کی حیثیت رکھتا ہے۔

پانچ برس کا عمران ہر ایک انجینئر دجاہت حسین کا بچا تھا۔ موش کالی سے دجاہت حسین کا نیا دل بھو گیا تھا۔ وہ اپنی بڑی برجیس اور بچے کے ساتھ بیان چند دن قبل آیا تھا۔ اسے رہاٹھ کے بے ہلاکی پر ہلکا پڑا تھا۔

اگ تک اور چپ چاپ رہتا۔ اس کا نہ کوئی دوست تھا اور نہ ہی ساتھی۔ کہیں کوئی جہت نہیں لیستا۔ شوق میں جب لاکے جاکھ دوڑا اور اودھم مچاے، وہ کسی درخت کے ساتھ ہی بیٹھا اپنی کتاب پڑھتا یا سہلہ دیکھ کر اس کا شوگر کھاتا۔ لوگوں کے لئے اس کا رویہ عجیب سا تھا۔ لاکے اس سے بے تکلف ہو جا پاتے، مگر وہ کسی کو ہنسنہ دے دیتا۔

ایسا ملک رہا تھا کہ لڑکے اس کی ولایت میں
تھے۔ اسے دیکھ کر مسرت سے بیچ بیڑے۔

”عمران آگے تھیں جانا ہی بندھا۔ ایک لڑکا اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

”کیا؟“ اس نے حیرت کے اُن کلمات دیکھا۔
”جہاد، یہاں تو کشمیر جیسے ہے یہی

لوگت ہوئی ہے۔ ادا و عمارت سے ساتھ کیوں لاؤ
میں شرکت کیوں نہیں کرتے؟ سب نے ہاں کہا۔

”تم لوگوں کو یہاں جاسکیں گے۔“

یوں تیرے لیے ہے۔ یہی کوئی تکلیف ہوگی تو

”ابو جانی نے منہ کر کے کہہ دیا: وہ تمہیں

۹۔ آخر کیوں؟ " سنہوں نے سوال کیا۔
" اس لئے کہ جہنم کا دروازہ " اس وقت کھلا ہے۔

• تو کیا ہوا؟ "مفسر اللہ نے اس سے اس

”جو بیٹھا، کیا تھا جو کے ساتھ رہا نہ ہے۔“
”میں یہ سب نہیں جانتا، بقرے سختی

تنبیہ کی حق کو میری وجہ سے کسی کو بخش دینے پر
" ہمارے بل جلی کر بچے صاف کھائی، اور

کھیں کوڑا کرنے سے، ریشہ کیسے پیدا ہو گیا؟۔
میں نے عقوبت سے کہا۔

”اچھو کہہ رہے تھے کہ پیادہ بن جائے
ایک دوسٹرے نفرت کہتے ہیں۔“

سے بولا کہ اس نے اللہ و کورہ بنا چاہیے۔ آپس میں کوئی بات نہ کہنی تو خواہ مخواہ چھوڑا اور چلا گیا۔

لڑکوں نے یکے ذریعہ دیکھا۔
 لڑکیوں نے کہا کہ یہ بات ہے۔ ہم ہیں مائیں۔

برائی انتظار کر رہی ہوں گی۔ وہ پریشان ہو کر بچے

عمران گناہوں کا بستہ گندھے پر لٹکائے اُن
سے رخصت ہو۔ اِس کے مرنے سے اُسے مانتا دیکھو

تھے۔ اُس کی بات اُن کے لیے نہ تھی۔
 دو کھمبوں پر اسکوڑا ہوا سلاخ، بڑا کڑا

نے مولوی صاحب پر سوائیات کی بوجھا کر دی۔
وہ اسلام دُنیا کے تمام انسانوں کو براہِ راست

کا پیغام دیتا ہے۔ اسلام اتفاق ہے نہ اختلاف
آپس میں جہاں جہاں ہیں۔ خدا کے بندے

”ہمارا غریب آپس میں بھیر رکھنا نہیں سکتا۔“

”جنگل بھاری کیا ہوتا ہے؟“
”جمنوں نے مصیبت کی ایک گھاٹی

سینہ دے دی۔ "تم لوگوں کی ہر بات کو سناؤ گے۔ یہ کہہ کر ان کا چہرہ پکا ہوا ہے۔ سو کوئی کھجور

گلی۔ فضا میں خوشبو بھی ہو فی حق عطران آ
ساگرہ متی۔ اس دریا کا اسکول نہیں لگا تھا۔

و عیادت با ازاد سے کیگ، بسکٹ، کچلے، مے
کھا سنے کے لوازمات ملے آیا تھا۔ تینوں افراد

کہ درمیان ساگرہ کاسیک کا میاں تھا کہ
اجاگت نہ تھے خود مچاتے ہوئے جگہ میں داخل

ہوئے۔ دیکھنے ہی دیکھنے کو بچوں سے خبر کیا۔
 لازم ہے اس کی سادہ پس خیر کس کے ملا آئے

کے۔ جس کے ہاتھ میں کلمہ مسدود تھا، کوئی سیپ
 کی کٹی مٹی، نور، کوئی گونگھے کے کپڑے، کوئی

اگرچہ یہ سب باتیں سن کر ان کے دل میں ہلچل مچ گئی تھی مگر انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ ان کے خیال میں یہ سب باتیں صرف ایک جھوٹے خبر تھیں۔ انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ ان کے خیال میں یہ سب باتیں صرف ایک جھوٹے خبر تھیں۔

تو اسے جھیلانے لگے۔ مسرت کی اس گھڑی میں
دکستور کی وفات کا حال، جسے سلطان نے

کابلستان سے۔ وہ خوشی سے سرخار پوچھا اجارہ

”انکس ہم اپنی مرضی سے آئے ہیں۔ کیا آپ
ہمیں ساگرہ میں کچھ رکھ کر جانے نہیں دے سکتے؟“

”عمران کی غرض بھاری غرض ہے۔ میں

لے چک کر کہا۔

بچوں کے پیار اور جذبہ سے وجاہت حسین کے ذہن پر چھ لگی تھی کہ جی کی کٹھن محبت تھی۔ بچے جو بچوں کی محبت اور مصروف ہوتے ہیں، دنیا کی جنگ نظر نہیں آتی۔ ایسے بچوں کی تاریکی اور کھار مٹانے سے ان کے دل میں کانا چھو جاتا ہے۔

”ہماری دوستی سے آپ کو تکلیف ہوئی ہے؟“ سہیل نے پوچھا۔

”نہیں بیٹے۔ تم لوگوں کا غلط دیکھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ ابھی دنیا میں انسانیت اور محبت باقی ہے۔“ وجاہت اپنے اندر ایک تازگی، ایک نیا ہیوسس کد با تھا، جیسے غنیمت کے صدف سے پکارا ہو ہر گھبراہٹ پر۔ یہ ساگرہ ان کی زندگی میں نیا پیغام لے کر آئی۔ دن نور محبت سے مسکرا رہا تھا، آنکھوں، چاندی، اور غنیمت کا سورج جس پر سورج کا چکر کر رہے تھے، وہ ابھی کھانا آ جاتا ہے۔ اس دن سے تمام بچے بلا دھک لاک پڑے۔ آزاد می سے کہیں کو ذہن مصروف ہو گئے۔

ایک بار عمران اور سہیل پہاڑی کھینچے گئے، وہ تھے۔ ان کا آپس میں عقیدہ ہو گیا۔ سہیل نے عمران کو ایک جھوٹے لگا دیا اور عمران نے اس کا نہ فرما دیا۔ دونوں کھڑے ہو گئے۔ پھر روٹے نہ ہوئے اپنے اپنے والد کے پاس شکایت کرتے گئے۔

”ایضاً صاحب!“ فیروز نے بھگدے کے باہر سے وجاہت حسین کو آزاد دی۔ وہ سہیل کی انگلی پکڑے باہر کھڑا ایک بیویوں چلا ہوا تھا۔ ”کون ہے؟“ وجاہت عمران کو گویا۔ اٹھا لے باہر نکلا۔ برجیں میں برآمدہ آئی۔ عمران کی ناک پھونکنی تھی۔ سہیل کا چہرہ سوچ گیا تھا۔

”آپ نے اپنے لاکے کی حرکت دیکھی۔ مسیکرہ لے کر یاد دہانت بنا دی ہے۔“ فیروز

تاریکی سے بھر۔

”آپ کے بیٹے نے مسیکرہ عمران کو بھی مارا ہے۔ یہ دیکھیں اس کی ناک پر کچھ لگی ہے۔“ اس نے عمران کو اس کے سامنے کر دیا۔ دونوں بچے سامنے کھڑے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

”میں کہتا ہوں آپ اپنے بچے کو سنا لے۔“ وجاہت نے وجاہت کھڑی کر دے گا۔ فیروز کا غصہ سرور بڑھا تھا۔

”فیروز صاحب فتنہ ٹھوکر دیئے۔ بچے آپس میں لڑتے ہی ہیں۔ اس سے میں بے گمان نہیں ہونا چاہیے۔“ وجاہت نے کہا نا چاہا۔

”اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا لڑکا کھڑا یا کھڑے۔ اپنے بیٹے کو کشتیوں کریں۔“ وہ تیز آواز میں بولا۔

ایسی ہی محبت دھماکا ہو رہی تھی کہ اچانک برجیں بچ پڑی۔

”عمران کہاں ہے؟“ ”ایسی سہیل جی غائب ہے۔“ فیروز بھی چونک پڑا۔

دونوں کے والد اپنے اپنے بچوں کو تلاش کرتے ہوئے پہاڑی سے نیچے اترے۔ راستے میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے قدموں کے نشی اُٹھ رہے تھے۔ ان کے عقاب میں پھٹے ہوئے سمندر کے کنارے جا پہنچے۔ دونوں بچے ریت سے گھوندا بنائے میں غفلت تھے۔ انہیں کہیں میں مصروف دیکھ کر وجاہت حسین ہنسا۔

”فیروز صاحب سلامی دنیا کے بچے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ وہ رنگ، نسل، زبان اور۔۔۔ مذہب سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ وہ سب کچھ محبت کا پیغام ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیشہ پیار کیا جاسکتا ہے۔ یہ فطری صفت انسانوں نے پیدا کی ہے۔ ایک باغ میں مختلف قسم کے پھول ہوتے ہیں۔ گل، پتیلی، بیلا، دھبی، گندھا ان کی خوشبو سے باغ مٹتا ہے۔ وہ مختلف قسم کی خوشبو پھیلاتے گئے تھے ہیں۔ انسان

نے ان کا ایک ایک نام دیکھ دیا ہے۔

”ایضاً صاحب!“ آج سب کو کھینچ کر لیں۔ ہم لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھنگنا دیتے ہیں۔ یہ بچے ہم سے لاکھ دیر پہلے ہی جو مشا اور غنیمت مزاح ہوتے ہیں۔ جن کی دوستی اور محبت میں کوئی سیاست یا تعصبیت نہیں ہوتی۔

دنیا میں محبت لافانی اور لازوال ہوتی ہے۔ اسے نہ کوئی خرید سکتا ہے اور نہ اس کی جنت اور آگ جا سکتی ہے۔ پودوں اور درختوں پر کھینچنے والے چھوٹے چھوٹے جانور بھی محبت کی مٹی سے پروان چڑھ کر چھوٹے چھوٹے کھانا کھاتے اور غنیمت دار ہوتے ہیں۔

دونوں بچوں کو کھینچ چھوڑ کر ساتھ ساتھ ٹوٹے پھونک کر دور تھے اور فتنہ جی دور ہو گئی تھی۔ مگر جوشی سے مصافحہ کیا، بھنگی ہوئے اپنے دونوں میں پیار کی غنڈک اور سالوں میں محبت کی نگہت محسوس کر رہے تھے۔

رات کے ستارے اپنی آنکھوں میں حرم

کا کاجن لگے آئے تھے۔ برجیں دور سے کھلی کی طرح تڑپ رہی تھیں۔ صبح وجاہت نے ڈاکٹر کو دکھایا۔ انھوں نے فتنہ جی پر فتنہ جی کو دیا تھا اور ساتھ ہی مشورہ بھی دیا۔

”آپ انہیں فوراً ڈاکا لگائیں کہیں بڑے ہسپتال میں داخل کرادیں۔ کہیں سیر میں ہے۔“

وجاہت کے لئے یہ کہ بڑا کرناک تھا۔ اتنا لمبا سفر لے کر کہیں کو ڈاکا لے جانا اور

علاج کے لئے قیام کرنا سوچا ہی نہ ہو تھا۔ کہیں کے علاوہ عمران کا اطمینان سرور کھڑا تھا۔ عمران کو چھوڑ کر جانے کو اس کا دل نہیں اٹتا تھا۔ اسے باپ سے دور رہنے کے بچے کو کس کے سہارے چھوڑا جائے۔ وہ دل سوکس کر رہ جاتا۔ اس کی بچی اور کہیں دیکھ کر مارا جائے گا۔

”صاحب اگر آپ مناسب سمجھیں تو عمران کو مسیکرہ پاس چھوڑا جائیگا۔ میں ہر طرح سے اس کی دیکھ بھال کروں گی۔“

”میں چھوڑ کر عمران شہادے پاس گئے
 رہے گا؟ اس کا تعلق والدین کی خبر کی بدولت
 نہ کر سکے گا۔“ اس کی پیشانی پر غم کی شکنیں
 ابھرنے لگیں۔

”انسان وقت کا غلام ہوتا ہے۔ وہ صلا
 کے وعدے کے ساتھ تیار نہ رہتا ہے۔ وقت کا تقاضا
 یہی ہے کہ جگر صاحبہ کی حالت کو تیز نظر رکھ کر عمران کو
 چند دنوں کے لئے تنہا چھوڑ دیں۔“ ماریانے کہا نہیں
 اس کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا سکوں گی۔
 اس کی دیکھ لی اور تنہائی کے لئے ہمیشہ اس کے پاس
 رہوں گی۔“

ماریان کی تسلی بخش سمجھنے کے لئے ڈھارس
 بندھائی۔ برجیس کی حالت بخیر تھی۔
 اس نے اسے دل پر چتر دکھا کر عمران کو مدد پاکے
 حوالے کیا۔ لہذا ہر گز ہر روز کا دوا نہ بھولنا۔ سحر
 بڑا کمسن تھا۔ لایح سے چالاک مہاجنا، پھر وہاں
 سے پیادے بڑا حاکم، ایک ’رہینہ‘ کے نگہبند وہ
 تھا۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ آمد و
 رفت کا صرف یہی ذریعہ تھا۔

جدا کی پہلی رات عمران کے لئے صبر کرنا
 تھی۔ آسمان سیاہ بادلوں کے سیاہ کھمبوں کی
 فطرت پر کالی گھٹائیں جھاگئیں۔ اچانک غنڈرے
 دیو پیکر ہنس اٹھے۔ شہ جو اسے خود سے
 کھڑکیاں، دروازے کا پتہ لگے۔ بارش کا لاشی
 جیلہ شروع ہو گیا تھا۔ برجیس کیس غمگین
 پرندے کی طرح پرچھیلانے حملہ آور نہیں۔ غنڈے
 کا پانی جزیرے پر جڑھدا تھا۔ پورا کاجس
 جھونکا جیسے ہرزہ کو تھکے کی طرح بھالے جا رہا
 ماریانے پوئے عمران کو اپنے سینے سے چٹائے جانا
 بستر پر لیٹی تھی۔ صحت سے اس کا دل دھک
 دھک کر رہا تھا۔ اس نے لائے ناگہانی سے وہ
 بھی خائف تھی۔ اس نے پوئے عمران کو سینے سے
 چٹایا۔ اس کا پتہ پڑی کے پاس کس حال میں
 رہا؟ اسی خیال سے وہ کانپ اٹھی۔ ممتا کی
 دپ سے بے چہری ہو گئی۔ جیسے کسی نے دل میں
 کوئی جھوٹی میو۔ چاندوں طرف طوفان کی

ٹھکان تھی۔ اس طوفان رات میں وہ باہر قدم
 نہیں نکال سکتی تھی۔ وہ عجیب گھٹس میں مبتلا
 تھی۔ سب سے بڑا عمران کو چھوڑ کر اس کا دل
 میں ممتا کا خیال جاگ اٹھا تھا۔ غنڈے نے۔
 اس کا امتحان لینے کے لئے آزمائش میں مبتلا
 کر دیا تھا۔

ہوا کا ایسا تیز جھونکا آیا کہ کمر کیوں
 کے پٹ اکڑ گئے۔ کمرے کی ہر چیز تیز و تھر
 ہو گئی۔ پانی کی بوجھ سے سارا کمرہ ہلکا ہوا۔
 جو کی۔ موت کی کڑواہٹیں دوڑنے کی کڑواہٹ
 ہلا رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی بھر
 مر لی طاقت سارے نیچے کو ہلا رہی ہو۔ خوف
 سے اس پر کبھی طاری تھی۔ عمران اس کی چاتی
 میں اتنی زور سے جھٹک رہا تھا جیسے اس کے سینے میں
 سما جانا چاہتا ہو۔ والدین کی یاد سے وہ بڑا
 ہو گیا تھا۔ اندر صبر کے ہنر کوٹ دھکے لگ رہی
 تھی۔ دو لڑکوں کو ایک ڈھکے کے دل کی حرکتیں
 سنائی دے رہی تھیں۔

بہرےس پہاڑ کی طرح سر اٹھانے پر ہرگز
 کو لپٹے اس میں سمٹ لینے کے لئے زور دے
 نہیں۔ جھونپڑیاں، مکانات، تکی کے گھونڈے
 کی طرح بھر گئے۔ ایسا ہیمناک طوفان
 بھی بھی نہ آتا تھا۔ ہر چیز تار بکری میں ڈوب گئی۔
 دس لاکھ انسان لڑے جن ہو گئے۔ جزیرہ کی جگہ
 موت کا سمندر نظر آ رہا تھا۔

صبح سویرے نمودار ہوا۔ پورا بندہ تھی۔ ہر
 طرف غمگینوں کی طرح مستانہ طاری تھا۔
 قدرنگا دھک پانی ہی نظر آ رہا تھا۔ کہیں کہیں
 پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ پانی کے
 ساتھ آسانی لاشیں اور مرنے ہوئی بیہوش تھیں۔
 ماریانے پہاڑ کی چوٹی پر اپنے اور عمران کو
 ایک تناؤ و رخت سے بانہہ کہہ لیا تھا کہ پانی
 کی لہروں میں بہہ نہ جائیں۔ پانی کی سطح پہاڑی
 کی چوٹی تک پہنچ چکی تھی۔

پانی کی باڑھ کے ساتھ تیز تھے۔ ہر تیز
 فرود انسان بچے جا رہے تھے۔ اچانک ماریان کی

نظر فیروزہ اور نہیں پر پڑی۔ فیروزہ سونے کا اپنے
 کندھے پر سوار کے موت کی لہروں سے تھوڑا سا
 تھا۔ تیز تر تھوڑے اس کے بازو میں ہو گئے تھے۔
 خوف و کرب سے ہر سیکر نہ جھانکے۔ آگھوں

میں دیرانی جبر ہی تھی۔ وہ جب پانی کے لمبے
 کے ساتھ بیٹھا ہوا ماریان کے قریب سے گزرا تو
 ماریانے دھکی اس کی طرف پھینکی۔ اس نے دھکی کا
 سرا بچڑے کی کسٹھ کی گھر کا کام لیا۔ وہ
 آہستہ آہستہ ان سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ ماریانے
 مایوس ہو کر سر کیسٹھ پئی۔ پانی کی سطح پر صبر
 فیروزہ کا سر نظر آ رہا تھا۔ اور کندھے پر پتھر
 ہے چارگی کی تصویر رہا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں
 سے خوف حیاں تھیں۔ مسموم کی طرح جاتی تھی۔
 ماریانے آخری بار زور سے دھکی ان کی طرف
 پھینکی۔ اتفاق سے دھکی کا سر اٹھنے نہیں
 تھا۔ لیکن۔ فیروزہ کے بازو پانی لہروں سے سوکر
 آرائی میں مصروف تھے۔ سبیل نے زور سے دھکی
 طرف ام لی۔ اب وہ اپنے باپ کے کندھے سے
 جھٹکا تھا کہ اگر لپٹ ہو گیا تھا۔ ماریانے دھکی
 اپنی طرف کھینچ لی تھی۔ نہیں سے مصنوعی سے
 دھکی پڑ گئی تھی۔ وہ پانی میں ڈوب گیا تھا ماریان
 تک پہنچ گیا۔ اس کا باپ فیروزہ پانی کے لمبے میں
 بہہ کر نہ رہی کے کمرے سے آواز ہو چکا تھا جب
 ماریانے نہیں کوئے کر گویں اٹھایا تو وہ بک
 بک کر رونے لگا۔ تنہا عمران ماریانے کھڑا تھا
 بھڑت کھڑا تھا۔ ٹھوکر لادو پاس سے اس کے
 ہونٹوں پر پہاڑاں جم گئی تھیں۔ حلق میں کانٹے
 پڑے ہوئے تھے۔ وہ رحم طلب نظروں سے
 ماریان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دو لڑکوں کو۔
 سینے سے چٹائے رہیں پہنچ گئی۔ جسم سے اس کا
 کھیر پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے موت کا ایسا ہیمناک
 روپ نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہر سان پانی کی لہروں
 سے دو لڑکوں کو بھگ رہی تھی۔ لاکھوں انسانوں
 کے ساتھ موت کے دیوتے اس کے لپٹ جگر کو
 بھی لٹک رہا تھا۔ آج سویرے بھی سونے کی کمر
 سے کھلا گیا تھا۔

ہر طرف سے کام لیا تھا۔ جہاں لوگ گھسروں پر نڈر رہے تھے۔ دھوپ کی نازت مرشدت سے اختیار کر چکی تھی۔

وجہ اہمیت نے دھاکا پہنچ کر جہیں کو ہسپتال میں داخل کر دیا۔ اس کی بڑی کسے حالت خیر ہو گئی تھی۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد بتایا کہ مرید کی جان بچانے کے لئے جیسے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ بالکل استغنا حاصل ہے جس کی جان بچا سکتی۔ وہ آئندہ بچے پیدا کرنے کی اہلیت کھو چکی تھی۔ جس دن جہیں زہیت و موت کی کشمکش میں مبتلا تھی، اسی روز کھولا، ہمیشہ کھالی اور کسندہ پپ میں کھولنا آیا تھا۔ وجہ اہمیت نے ریلوے پر اس وقت تک طوفان کی خبر سن لی تھی۔ عمران کی یاد میں ان کا دل ٹوٹنے کے آئندہ روئے لگا۔ برصغیر کی طبیعت سنبھلنے میں ہفتہ لگ گیا۔ اس دوران اس پر سرکاری کنگوینٹ طاری تھی۔ بار بار عمران کا معصوم چہرہ اسی کی آنکھوں کے سامنے آتا۔ وہ کہہ کر کہہ جاتی۔ کبھی کبھی انسان کتنا مجبور اور بے بس ہو جاتا ہے۔

جب برصغیر ہسپتال سے ریلیز ہوئی تو وجہ اہمیت نے اس المیہ کے واقعہ کی اطلاع دی۔ وہ محتاس ہے کہ قاتلوں کو جھوٹ پھوٹ کر روئے گی۔ ضبط کا بندھن ٹوٹ چکا تھا۔ وہ لوگ ہوائی جہاز پر سوار ہوئے۔ طیارہ چارنگھام کے ہوائی منڈی پر اترے۔ وہ لوگ وہاں سے سیدھے اسٹیمر گھاٹ کی طرف بھاگے۔ لایچ پر بیڑے کو ہدف کھانی کی طرف روانہ ہوئے۔ انھوں نے اسے میں مشاکر اس جزیرے میں کوئی بھی انسان زندہ نہیں تھا۔ اب پانی کی سطح پر سمندر میں ساقی تھا۔ لاکھوں جاہیں تک پہنچ گئیں۔ ان کے دل میں درد کی آگنی کیجیہ جلا جا رہا تھا۔ سب سے بڑا حال برصغیر کا تھا۔ بچے کی یاد کیجیہ کی طرح ڈیک مار رہی تھی۔ وجہ اہمیت نے اسے صبر کے مظہر کی اور بڑی مشکل سے قابو میں رکھا۔

میں اچھوں نے جہاں سے ہر قدم رکھا ہر طرف موت کی خاموشی جھانک رہی تھی۔ گھبراہٹ میں اسے گردہ جہم فوج کر کہا رہے تھے۔ سڑی ہوئی لاشوں سے بڑے بچے رہی تھی۔ ہر طرف آدمی اور عورتیں سانس نظر آ رہا تھا ایک لاش وخت سے اٹھ کر کھلی ہوئی تھی جسے گھروار بچوں نے کہا کہ کس طرح کر دیا تھا۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر برصغیر کو حقیقی پر حشر آئے لگا۔ وہ رو کر اس کا بڑا حال ہو گیا تھا۔ آنکھیں سونچ گئی تھیں۔ ٹھکانہ اور پریشانی سے بڑا حال تھا۔

پہلے ہی سے حکومت کی طرف سے امدادی سامان لے کر اپنے پہنچ چکے تھے۔ میڈیکل ٹیم اپنی کارروائی میں مصروف تھی۔ دس لاکھ انسانوں کی بے کس موت پر ساری دنیا سے رنجیت کا سامان آنا شروع ہو گیا تھا۔ بیرونی ملک کے فوجی و غیر فوجی اس سلسلے کو اپنے گھر میں منتقل کر چکے تھے۔ اور اخباری نمائندے حرا پر خبریں بھیج رہے تھے۔

عمران کے والدین پاگھوں کی طرح اپنے بچے کو تلاش کر رہے تھے۔ بہت سارے لوگ اپنے اپنے رشتہ داروں کی کھوج میں آئے تھے۔ سمندر کی لہریں خود چار رہی تھیں۔ ساحل میں اب تک موت کی ہیبت طاری تھی۔

حکومت کے کارندوں نے پہاڑی کسے جونی سے بہت سے بچے کے انسانوں کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ ان پر ہیبت طاری تھی۔ کچھ لوگ ہیکش جو اس کو پہنچے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی وہ لوگ دباؤ میں مار مار کر روئے گئے۔

وجہ اہمیت پہاڑی پر چڑھے پوچھا کہ بھلا اور ایک جہاڑی میں جہاں گیا۔ وہاں اسے آئندہ کہیں نظر آئے۔ بچے کی پانچ سوئی کی مالا جہاڑی میں آگئی ہوئی تھی۔ اس نے بے قابو ہو کر سوئی کی مالا نکالی۔ برصغیر مارا دیکھ کر۔ پچاڑی کہنے لگی۔ وہ شہرت حق سے ڈھال ہوئی جا رہی تھی۔ وجہ اہمیت نے نظروں سے گزرتے

کاٹی اور بچی اور انسان نظر آ رہی تھی۔ سیدہ بہم کی کشمکش میں پہاڑی پر چڑھے تھے۔ جہاں بہت زیادہ تھی۔ چڑھتے چڑھتے پہنچ گئے۔ اوٹھان سے سمندر کی طرف نظر ڈالتی تو موت کے آئندہ بچے کی طرح ہنسنے لگا رہا تھا۔ جونی پر پہنچ کر وہ ان کی طرح چاروں طرف چکر لگائے۔ دل میں یاس کا دیا لپٹا رہا تھا۔ اچانک جہاڑی کے دوسری طرف کسی کے ہونے کی آواز سنائی دی۔ جہاڑی ہٹا کر دوسری طرف پہنچے۔ بھوک اور تھکاوٹ سے بچوں کا بڑا حال تھا۔ جہاں سے کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔ مادیات سہو ہو کر چمٹ پڑی تھی۔ اور وہاں پہنچے اس کی کچاڑ اس شہ نگار کو دودھ پی رہے تھے۔ وہ ان کی آواز سے عاجز تھے۔

وہ مسکے لال، پیری آنکھوں کا تار مارا کہہ کر جہیں نے عمران کو جب گود میں اٹھا یا تو وہ کھوئی کھوئی اس نظروں سے اپنی ماں کو دیکھنے لگا۔ وجہ اہمیت نے پہلی گود میں اٹھا کر لے لیا۔ وہ جبران پریشان سا اس سے ہٹ کر روئے لگا۔ انھوں نے ماں یا کو آواز دی۔ وہ اس طرح جلد سے پڑی رہی۔ برصغیر نے اس کے کپڑے دھست سکے۔ جہاں پر اسے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ کہہ کر کہہ لگی۔ انہوں نے انھوں سے ہیبت و خشت لپک رہی تھی۔ بچہ کر جہیں سے ہٹ گئی اور چھوٹ چھوٹ کر روئے گی۔ وہ پاگھوں کی طرح کھڑکی پر میں سے کبھی عمران سے لپٹ کر مارو قتل روئے تھی۔ اس کے ہوش و حواس پرانے صدمے نے اسے ادھمکا کر دیا تھا۔

عمران کو اس کی ماں برصغیر نے لگی تھی۔ مگر ماں کا اس کا بڑا رنج۔ موت کے حصار سے اسے اپنے ساتھ بھاگے تھے۔ سبیل کا باپ بھی موت کی لہروں کے ساتھ گیا تھا۔ سبیل قیامت کی گود میں تھا۔ وہ جبران لدا لدا لدا سے سبیل کے چہرے پر لگا رہا تھا۔ اس کو کیا سبیل اب اس کا کوئی سہارا نہ تھا۔

میں صاحب! آپ بہت دیر سے آئیں

ہر سب کے کعبہ، بر باد ہوئی۔ "ماریا کی گھبراہٹ سے آنسو رواں رہے۔

"ماریا تم نے ان کی اسٹاک ایک مشال تم کو دی ہے۔ ساری دنیا کی انسانیت تم سے مانگی ہے۔ "یو جیس اسے تسلی دینے لگی۔ "تم نے مسکرتے ہوئے کو زندہ رکھا۔ یہ احسان میں ساری زندگی نہیں بخول سکتی۔"

"ماریا! تم نے ساری دنیا کے سامنے انسانیت کی ایسی تصویر پیش کی ہے کہ مقرب لوگوں کا سر خرم سے جھک جاتا ہے۔ انسان ایک ڈوسکے کے خون کا پیاسا ہے۔ آفریں ہے تم ایسی عورت پر جس نے اپنا دودھ بچا کر دیکھوں نہ زندگی بھائی۔ آج ہماری جیسی فرشتہ صفت سے انسانیت کا نام دوٹو ہے۔ ہم لوگ بھاری شعلہ کے نام پر مقرب اللہ عزت کی انگلی سے ہم نہ رہے ہیں۔ تمہارے کردار اللہ کے سامنے ہم لوگوں کی آنکھیں کھل جاتی چاہئیں۔" وہ جاہلیت جذبات سے مفلک ہو رہا تھا۔

یو جیس حیران ہو کر اپنی گود میں لے کر باہر اس کا منہ چوم رہی تھی۔ پیاسی منہ کو قرار آ گیا تھا۔ وہ اپنے دل میں عجیب سا سکون محسوس کر رہی تھی۔

"یو جیس! اپنا ہاتھ لگا۔ اس عورت کی آنسوؤں سے دیکھو۔ جس نے اپنی اولاد کی قربانی سے کہ ہمارے بیٹے کی جان بچائی۔" وہ جاہلیت سے ہمارا دے کر مار پا کر کھڑا کیا۔ اسے سکتا سا لگ لیا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یو جیس نے اپنے آنچل سے گردن میں لپٹے لوٹے اس کے چہرے کو صاف کیا۔ سوراخ کھول دیکھیں اس کا چہرہ خداداد بچوں کی طرح جھلکا ہوا تھا۔ "یو جیس! بولی۔"

"اگر مسکرتے ہو تو اس کوئی ایسا دھکا ہوتا ہے جس میں جلدی، محبت، تپائی، قرض و بابت، نصابت ہر دگر بالا بنا سکتی، قزوہ والا ساری کے جیسے کا ہر دم جاتی۔"

"ہر انسان کے دل میں خدا ہوتا ہے۔"

جس کے نور سے روح سوز ہو جاتی ہے۔ اس عظیم عورت نے اپنا دودھ بچا کر ہمارے لبت جگر کو اپنی زندگی دی ہے۔ ساری دنیا کی عورتوں کے دودھ کا رنگ ایک سا ہوتا ہے۔ کیا یہ پتہ اس سے عیسائی بن جائے گا؟ اگر وہ گھاسے یا بکری کا دودھ پئے گا تو جادو کھائے گا؟

"نہیں یو جیس۔ دنیا کا ہر مذہب انسانیت کا درس دیتا ہے۔" وہ جاہلیت ماریا کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا، جس پر جونی کینیت کے باوجود سوراخ کھلی جیسا نکھار تھا۔

اس کا ہمارے مذہب سے کوئی تعلق نہیں تو کیا ہوا؟ اس نے انسانیت کے ناطے دنیا کے تمام مذاہب کے لئے ایک مثال قائم کر دی ہے۔ ان بچوں کے سوا فرشتہ و کائنات ہوتی ہے۔ یہ وہ دلی ہے جو اپنے ہاتھ میں دیا

جس نے لوگوں کو انسانیت فرس لیگی اور ایمان کی روشنی دکھائی ہے۔ "یو جیس نے منہ پر جذبات سے ماریا کی پیشانی چوم لی۔

"یو جیس! آپریشن کے بعد تم بچے سے محروم ہو گئیں۔ اس نے اندہ خالی نے ایک اور حادثہ سے نوازا ہے۔ یہ بچہ نہیں تو اللہ کیا۔" وہ جاہلیت نے ہمارے منہ میں کو پھلایا۔ وہ اس کے سینے سے لگا باپ کی شفقت کی دھڑکنیں سن رہا تھا۔

وہ لوگ ایک کھٹکے کا ہاتھ پکڑے آہستہ آہستہ پہاڑی سے اتر گئے۔ یو جیس کی گود میں جبران اللہ و جاہلیت کی گود میں منہ لگا لیا۔ یہی ساری انسانیت کے لئے اس کا چہرہ ہے اور دیکھ رہا تھا۔ جیسے آفتاب کی دھکلی میں سورج نکلے۔

اردو کے دانشوروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ

یہ کوئے یار

ایسی کتاب اب تک اردو زبان میں، اس موضوع پر شائع نہیں ہوئی جو اس قدر دلچسپ ہو کہ ایک کے بعد ایک ایسی سچائی انسانی زندگی میں قادی کے سامنے آتی چلی جائے جسے جان کر وہ ششدر و حیران رہ جائے۔

کتاب پسند نہیں آئے تو کتاب بڑے عمدہ و مستوا ہیں کہ کتاب کی ادائش کردہ قیمت واپس منج پڑے۔

قیمت: ایک صد روپیہ۔ "شان ہند" کے قریب سے ۱۵ روپے

شان ہند کی پیشکش

فیث ۵ اضافی مارکیٹ "دراپاچ" نئی دہلی ۱۱۰۰۰۰

وقت کا اسیر

حسن ساہو

انفاق کی بات ہے کہ جب بھی میں نے اپنی کشتی حیات کو اُداس کے غمیرے کراں میں غرق نہ کیا اور جب بھی میں سوائے سب سے دوپا نہ ہوا تو ہر بار آگے بڑھ کر بار بار غرق ہوئے لیکن وہ سدا پریشان حال میں میری ڈھارس بندھا کر رہا۔ ایسا نہ ہوتا تو نہ جانتے کہ کب کافراریت کا راستہ اچانک میں نے اس جہاں کو اُداس کہہ گئے کی بات شدت کے ساتھ سوچا ہوتا اگر دیکھا چکا تو غور میرے ہی وجود کا دور سلور وپ نظر آئے گا۔ لیکن کبھی کبھی میں جب اس کی زندگی پر غور کرتا ہوں تو مجھے اس سے حد غریب ہمت ملتی ہے۔ اس پر اکتفا کیا کہ اس کے وجود کا وہ گھڑ سے سکون حاصل کر سکوں۔ لیکن میں کہہ نہیں سکتا کہ اس وقت سچا ہوں!

میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد ہی میرا بڑا سا پاپ ٹھیک چاری کی زوہیا کے لئے انتقال کر گئے۔ بدلے میں میرے کمزور کاندھوں پر دو جوان بہنوں اور پیاریاں کا بوجھ ڈال گئے۔ آٹھ دنوں میں خود کشیاں روزگار کے حلقے میں سرکھیں مارتا تھا۔ اور دوسروں کی خاک چھانتا تھا۔ بہنوں کی ابتر حالت اور ماں کی بیماری سے تنگ آکر میں نے چاہا تھا کہ اس سماج کے ظلم و ستم کو دیکھ کر میں بد حال وہی رہوں گا۔ لیکن بد حالی وہی رہی کہ میں کہہ بھی نہ سکتا تھا۔ ماں پر بار بوجھ ختم ہو گئی۔ جب میں ہر طرف سے ایسے ہوا کہ چوک کے منظر پر اُداس سے طاقت ہوئی وہ اُداس اُداس تھا۔ اسی روز اسکی ماں نے پریشانی سے تنگ آکر خود کشی کر لی تھی لیکن وہ کچھ ہی زندہ رہا۔ اپنی بہنوں کی خوشنودی کی خاطر وہ ماں کی رانچی نڈائی کو بچتے بچتے

ہواشت کر گیا اور یہ کہہ کر کہ ہر ڈھائی رات کے بعد ہی صبح ہے۔۔۔۔۔ اور مجھ سے بچھڑ گیا یہ سب دیکھتے ہی مجھ میں زندہ رہنے اور زندگی بنانے کی تمنا جاگ اٹھی بڑی تنگ دود کے بعد مجھے ایک نیم سرکاری ادارے میں ملازم ہونا نصیب ہوا قابلِ تخرابہ پر۔۔۔۔۔ وقت کا ہر نڈا کرتا گیا۔ اور میں اپنے ساتھ اُداس کی یاد کرتا کرتا رہا۔ دراصل پریشانیوں نے مجھے گھیر رکھا تھا۔

ماں کا خون تنو کو نہ بند نہیں ہوا
اسکی بیماری نے میری تخرابہ کو پہنچے
میں میں دنوں سے غم زد چلنے نہ دیا۔ آدھ
پیٹ کھائے اور سینوں کو اسکول سے
لٹائے کے عوضی جو رانچی وہ ماں کی پیار
کے سب ڈاکٹروں کے ہتھ میں لگتی ابھی تو

تصویر کے آگے میری ایک چھٹی اور ایک دلت
سارا خون شوک کے مارنے اپنے سر دھو
جس جسم کو مٹی کے کرے کے لئے چھوڑ دیا
وہ بھی بیٹے کا کہیں باقی کار
ماں کی تجیر و بچپن کے لئے یہ باس
کچھ نہ تھا۔ سب کا سب ہاتھ ختم ہو چکا تھا
پریشا نیوں نے سمجھ کر دیا۔ ہاؤسیوں کے
اندھیرے لئے نکلنے گئے۔ اسی وقت میرے
دل میں خود کشی کیسے کا... جڈ با بھر پڑا
لیکن میں وقت پر انور۔ یہ بڑھ کر دست گیر
ہے۔

پا ہی اُسے پھر کرتے جا رہے تھے
اُس نے کسی ایک کی جیب کاٹ لی تھی انور
دور با تھا۔ چلا رہا تھا کہ وہ پورے جیب
کڑا نہیں اسکی جوان بیبن کی لاش اس کے چپ
میں چڑی ہے جس کے کھانے اور دنانے کا
انتظام کرنے کی خاطر وہ جیب کاٹنے پر مجبور
ہوا پریس نے ایک نہ کسی وہ اسے جا رہے
تھے اور آرمیڈ کی ایک خامی پیراس کے ساتھ
ساتھ پریس مشین کی فون جا رہی تھی اس
پیراس گھس کے پٹے نے دوسرے دی کا فنی
ٹوہ اپک لیا۔ اور اپنی ماں کے کمرے سے
جیم کو فرسٹان میں ملا دیا۔

انور سے میری آخری ملاقات اس وقت
ہوئی جب کہ میری بیبن نے ماں کی طرح خون
شوریں مشورہ کیا ہیں اپنی قسمت کو کوٹنے
لگا اس پر طرہ یہ کہ ادارہ میں تحقیق کی جوا
چلنے لگی۔ جس کی زد میں آئے لچے دیگر کسی سا تیکو
حیثیت بہ دور گاڑی کا شکار ہوا پڑا اسی کا
جسم سے لٹی نریت کو ختم کرنے کے منصوبے
پر ایک بار پھر زور کرنے لگا۔ اب جینے کے لئے
راہی کیا تھا۔ اسی دوران لچے انور کا وہ قبل
دن کے گندے ایک خوش پوش بڑے دی سے اپنی
کردم تھا۔

صاحب تیس روپے ایک نام خوبتر
اور چون جری طرح

• تیری طرح کیا تیری ہیں ہے
انور کا چہرہ گھٹ گیا
میں نے دیکھا کہ کمرے میں ہاؤ صاحب کا
ٹوک کٹا دس دس کے قین کوٹ ہوا
میں چہرے اور انور کے چہرے کوٹ کی جیب
میں چپ گئے اتنے میں مجھ سے نظریں ٹکرائیں
تو کہنے لگا۔
• حالات سے مجبور کرنا سیکھو چہ
دوست و رزق نہ دینا والے ہیں جینے نہ دیں گے
میں نے انور کی بات ان سنی کہ دی ہاؤ
سوچا کہ اس اندھیری رات کا سویرا ہو گا لیکن
ایسا نہیں ہوا

میری بیبن نے فون شوریں نہ نہیں کیا
وہ برابر فون شوریں رہی اور میری زندگی خطاب

مسئلہ مجھ کے وہ گئی یہ نہ نہ لچے میں ڈگر ہا
کوڑا کر دینا چاہتا ہے میں اس کے تصور سے
گھبرا ہوں۔ میری حالت اب اس طرح سے گئی
خود کہ نہیں جس کی کشتی منجھو صا میں پھنسا چکا تھا
کی فون دواں دواں ہو۔

مگر اب لچے انور نہیں ملنا ایک دقت
گذر گئی اُسے دیکھ نہ جلتے اب وہ میرا فون
کس حال میں ہے یا پھر ہو سکتا ہے کہ میں د
و مست سے لبریز لبات کو اپنی زندگی سے
وابستہ کرنے کی تہا میں اور ہے اپنی جی
کو داؤ پر لگا دیا ہو۔ ویسے میں پھر آئید
ہوں کی انور کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی روٹ
میں لچے پھر لے گا۔

” بول ابول“، ” انمول“ اور ” اوتار“ کا خانی

دیکھو

معتبر اہد منفرد و بجا کا اسبب لا جا رہے۔
” ماہیا“ عوامی اصناف شری پٹے، چٹنی، بالو گڑے ادب و بیاں کی طرح عوامی
ظہور پر اظہار محبت کا ایک فارم ہے۔
اس عوامی صنف نگہ میں ماہیا میں صاحب دواں ہونے کا تہیہ شوق جاب دیکھ
فر کا قدرت کی طرح سے دوامیت ہو گا ہے۔

لچے ہمارے

ایک سی سی ضیہ کا دل ہے جسے لکھنا میری کلام پر شاعر محبت اور ذوق نگاہ سے لکھتا۔
خوب صورت ادب ضیہ کیٹ اپ — اعلیٰ کتابت و طباعت
قیمت: پچاس روپے

پھولیاں پھولیاں پھولیاں

انسان زندگی سے تعلق رکھنے والے سیکڑوں بہ نام ہندو اہل اسات کا پھول سا
نام — ایک قمر کے ماہیوں کا کھڑا سر ہنر۔

قیمت: سو روپے
مشاہد ہندو علی میسنر، نئی دہلی۔

حقیر آستانی

ایک وضع دار شاعر

ساحل احمد

کی حالت کی جو غزل کا دلہا کی بھلتی ہے۔

ان کی غزلوں میں چاند نکالتا ہے لہر کو
نظر کی تمام نئی واسطی نئی کہیں موجود ہیں۔

انہوں نے غزلیہ روایت کی کی نہیں کی ہے اور
گہری لمحات میں جاننا دیکھا چلنے سے گزر گیا ہے

غزل کی آرائش فکر اور آلیاں شہری کی تانے
کا جو درخشاں خیال رکھا ہے عصری تقاضوں کو

فرق کرنا چلنے سے آتا گیا۔ ان کے کلام کا اس
رنگ و جوش سے ہی مستعار ہے۔ لیکن انہوں نے

اپنی غزل اسی ان کیلئے رنگ سے نہیں رنگی ہے۔
بلکہ زندگی کے کشیدہ چراغ کو جس راہی غزل کا

جڑ و خامی بناتے ہوئے نئی اہل ذہنوں کی اعتراض
کی ہے۔ ان کی یہ اختریں صدی کلام کی سنوئی

تبدیلی کو لہر میں زیادہ وسیع بنا دیتی ہے۔ ان
کا کلام متنوع مضامین سے سرسبز ہے۔

رنگ ہے، ہنس ہے، لڑائی ہے تو میری
ناراضی ہے، اگر جس کا بدن تنگ ہے

اسدو غزل اپنے گناہوں پر مراح

کی چادر ملا، طنز و جھٹک اختیار کر چکی ہے۔

اس کی اس شخصیت کو عالم و ادوار دیکھنے میں غزل
میں نے عملی جام دے کام لیا ہے۔ کمال سے

تسلیم پذیر ہوا ان کے درمیان میں اس کی خضار
میں ہی کم نہیں ہوئی ہے تاہم کی مسرور جتن

غزل گو ہیں نے ہی اسے تلیا ہے کی کو خوش کی
اد غزل کے موضوعی منظر میں داخل ہو کر اس کے

اس مخصوص حدود امکان کو بڑے کلاسیکی جس کو
ہاں دیکھ، تیر، فاقہ، بوسہ، ادا، تنفس پیچ

آہہ لیکن شعر اسے مضبوط دیکھ کر دیا ہے۔
غزل کا اپنا ایک مخصوص چراغ ہے۔ وہ گہرے

دوسری عشق کا دہریہ ہوا اور نہ سکتی ہے اور
دکھ کی تقلید کر سکتی ہے۔ اس نے دانشوروں

نے سنا پائی یا میری جہیزوں کے ملاقات آواز
اٹھائی، اس کے اس مفرد و اسلوب و مزاج

بیت زمانہ ہوا بھیر بھی یاد آتا ہے
وہ ایک لہر چودوں کے درمیان گزرا
عشرت کی آنکھوں میں خمیں جلا کر
کس کی وقت آئیے نہ سونے کی ہے

وہ دوتے، وہ جوش، وہ بے تاریاں نہیں
وہ دلتے، وہ چلتے، وہ دام و در کہاں

کیا کیا ہم کلام کریں، ان سے جیب سے
لیکھ، نیاز و ناز کا ان پر اثر ہوا

جاری پاس تو اک پونہ ہی سے بھٹاتی
یہ کس خیال سے اتنے سہرا بن گئے ہیں

جو اختر آپ کے اندر کہیں ہے
وہ اختر آپ کے باہر نہیں ہے

جو اتفاق سے ہم اپنے روبرو آئے
ہماری وجہ کو کہنے ہی لگے وہ آئے

میں اپنی آوازوں میں جہاں طائر خام
میں کا جیسا آواز ہے جس کی جویں آواز ہے

ہم جہاں جہاں ہم فداں سے محبت کر گئے
وہ نہ جاسے کس سے اب تک دوسری کا رہی

اب اختلاف رنگ و نو تو ہے مگر جو سوچے
ہر ایک بچوں اپنی اپنی شاخ پر گلاب ہے

انہوں نے اپنی غزل کی آواز اسکی میں جس
صلی و برداری کا بھڑکا دیا تھا اس کے جلوں میں
چرخ و خنجر اور ترکش لڑی میں اپنا اثر افشاں فرمایا۔
نبی نے ان کی غزل میں سرکار کا رزار میں جو کھر کھر سے
اُترتی ہے۔ زندگی اور زمانہ تو بچہ کی اس روش
نے داسی بشری کو سطر نہیں دیتے دیا۔ انہوں
نے اپنے منصب بشری کے وقار کو قائم رکھتے
جو سزا زندگی کی کڑی، کھڑی، کھلی حکمتوں
سے چشم پوشی نہیں کی۔ عصری ضرورتوں کی
دھجکے بشری صنوبرت مغلوب نہیں ہوئی۔ ان
کا شہنشاہ قلم ہر محاذ پر وسیلہ انہار دینے کی صلاحیت
رکت ہے۔ کلام میں دردِ پایست و محرومی اور
اجتماع کی دھج سے سلی اخراجات میں نیرت ہوئے
ہیں۔

یکساں بارگاہی ہے یا نہ یکساں ماحول ہے یہاں کا
جیسے نکال دیتے ہو تو وہی یہاں ہے فراد بگو

عاجلے گئے آوازے نہ جانے گئے انہوں
دلیلیں کے یہاں خواب خواب بچے ہیں

کہاں کہاں سے لہجہ دہیے زبانیں لگتا
جہاں جہاں سے گزرتا وہاں کون سا لگتا

اب نہیں ہے زندگی میں صحت و صفا
ایک صحت سے نسبت بہت بدمعاشی

خوش بردباری کے ہر حال میں عام ہیں
ایک صحت سے نسبت بہت بدمعاشی

حیات و صحت کے ایسے جہاں خوشی
حیات و صحت کے ایسے جہاں داسے داسے کی

مگر ان کا یہ خوف کنی پر چاہیں نہیں،
زندہ حقیقت ہے جس کو خود آدمی نے اپنے
اوپر مسلط کر لیا ہے۔ زمانے کے گرم دوسروں سے
نہرو آواز ہوتے ہوئے ان ستاروں کا سامنا
کرنا چاہیے اور اپنی کھوئی یا چھٹی طاقت کا
ادراک کرنا چاہیے تاکہ زندگی کا یہ جانیو
سے اور زیادہ مدد و تحفہ نہ ہو جائے۔
زندگی جب بے رحمت ہو جاتی ہے تو یہ آدمی
اپنی زدہ لاش دھوئے اس میں ہی جانیت کہتا ہے۔
اور خود کو بے سہارا ماننے کو بے سہارا محوشتا
ہے۔

حقیر آستان کی کاہی اسلوب شرف و کرامت کا...
راستہ نہیں دکھاتا، بلکہ سبک دھنسی کرتی ہوئی
سے باز رکھتے ہیں، انہوں نے غزل کی بنیادی
نظر کو قائم رکھتے ہوئے زندگی کی اس ہیروئن
اور تلاش و جستجو کی آگ کو بجھ دینے کی سعی کی ہے
کیوں کہ زندگی کی پائیداری اور خوشیوں کا حصول
کے لئے اسی آگ کی ضرورت ہوتی ہے۔

جوش و خروش سے کھینچ لیا ہے
اپنے ساقی کو اپنی جہی جہی

خوشی خود اپنے ہی دہنے سے نہیں پہنچتی
کافی کمال میں خوشی کا جہت ہے

چونکہ ہمیں چہرہ اذکار، بردا قدم ہے
بہت کم ہے ہی انہو جو صحت آواز ہے

جہاں صحت و صفا کی بات ہے
خاص وقت کی جادوگری کا یہ جانیو

چونکہ ہمیں وقت تمام اور دیکھو
کہ ہر روز کا صحت کا یہ جانیو

لے کے لے لے ہیں سسہ پھیل ہے
آپ کی جہی کریں گے ہم

طائرانہ نسبت میں اپنی آوازوں میں گھر
ایک طائر صحت پر آواز میں جھٹکا ہے

کامیابی پر آواز میں ہے صحت و فراوان
اس کا طائرانہ میں گھر ہم بہت ہیں

جہاں نہیں خود بہرہ و شرف کیا
جہاں غلبہ کی لہر سے کھٹکے ہیں

سایہ اور اطالیہ رختوں کے فوٹے کا بھی
انہیں احساس تھا۔ انسانی شرافت، کمال
جہی، دوستی و وفاداری اور جہاں چاہے کی
خوشبودار بننے کے دھڑکے عمر کی سیاہی گریبانے
ہوئی۔ ہر شخص ایک ایک صحت و شرف کی فکر
سے دھینچے لگے ہیں۔ باہمی دشمنی کے اس انداز
نے ہندوستانیت کو بھی رنگ پہلائی ہے، سیاسی
شعبہ بازوں نے اور ہر روز یاد تک لکھنا غلاب
کی ہے۔ یہی لکھنا پیدا و شرف کا لکھنا
حقیر آستان نے بھی اپنی غزلوں میں، سماج کی
ظہور و کبریت پر لکھی ہے۔ کلام میں بے باکی
انہار کی کھل، کھوس و کھلی کھانہ کی زندگی
ظہور و کبریت پر لکھی ہے۔

دیکھ کے، لکھ کے، لکھ کے نام
نہیں لکھ کے لکھ کے نام

ہر وقت میں ہیں ہم نے دھج
کے انداز میں ہر صحت کا

کیسا آدمی ہوں میں

درد کی دھندوں کو
خونہ دل پہ تاجوں
رکت گئے آگاہوں
کیسا آدمی ہوں میں
عقل کے نفاذ پر
آگے گرو جاتا ہوں
جبر کے شکر تاجوں
کیسا آدمی ہوں میں
خون کے گھونٹوں میں
چھل جی اگتا ہوں
آگ میں لگتا ہوں
کیسا آدمی ہوں میں
اپنے آپ کو جیشہ
مدد یا داتا ہوں
درد کو گل جاتا ہوں
کیسا آدمی ہوں میں
بحشید سرور

عقل اور کھار تو ان ہیں جی کا برتاؤ عشق رخ
پیدا ہے۔

کون سا رستہ دیکھ دیکھ
یہ چمن ہے یہ جمن ہے یہ چمن ہے یہ چمن ہے
چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن
چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن
چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن
چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن
چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن
چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن چمن

خود اس شب و روز کے موت و داد
سرم و از سر جلد و خرد و خرد و خرد
بغیر خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
حلقہ نکلتا، احساس و دل و دل و دل
یا و کشتان، نطفہ، باغ و خرد و خرد
خون، منور، آج و آج و آج و آج و آج
و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
حلقہ و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد

اس جبینی نگاہ کے تیرہ تیرہاں
ہو گیا ہے ایک حصہ سے ہمارا اندام
و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
کیوں نہ تیرہ و خرد و خرد و خرد و خرد
وہ لوگ جو کس کا حامی ہیں وہ تیرہ و خرد
وہ ہیں ہمارے تمام سہارا کے دیکھ
خارج و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد

انہوں نے اپنی غزلوں میں مرگات اور
اور تیرہوں کے اجتماع سے جی خرد و خرد
کئی خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
معنوی صفات کی وہ جوت و جوت و جوت
اسلوب کی بازیاد ہیں جوت و جوت و جوت
ان کا جوت و جوت و جوت و جوت و جوت
معنی کی جوت و جوت و جوت و جوت و جوت
جب یہ لفظ معنی سے جوت و جوت و جوت
وہ زندگی کے جوت و جوت و جوت و جوت
ایک جوت و جوت و جوت و جوت و جوت

جو جی جی جی جی جی جی جی جی
آدمی جی جی جی جی جی جی جی جی

اس کی تیرہاں جی جی جی جی جی جی
آدمی جی جی جی جی جی جی جی جی

یا جی جی جی جی جی جی جی جی
جی جی جی جی جی جی جی جی جی جی

نکول اپنے نکول جی جی جی جی جی
کام و جی جی جی جی جی جی جی جی

کہاں ہے کوئی جی جی جی جی جی جی
نقاب اور جی جی جی جی جی جی جی جی

زبان و بیان کے اعتبار سے جی جی جی
کلام و قیاس اور قیاس ہے۔ وہ الفاظ و تراکیب
جی جی جی جی جی جی جی جی جی جی
و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
کے جی جی جی جی جی جی جی جی جی جی
کو زیادہ سیال صورت دینے کی سعی ہے۔ جوت و
اظہار سے جی جی جی جی جی جی جی جی
خیال کیا ہے۔ جوت و جی جی جی جی جی جی
بہتر قومی یک جی جی جی جی جی جی جی جی
زمین، و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
پراختہ و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
خیر مقدم، ایک ایک کا جی جی جی جی جی جی
خانہاں پر باد و جوت و جوت و جوت و جوت
قد آور، آگے آئیے، جی جی جی جی جی جی
لاچارگی، کم خرد، جی جی جی جی جی جی جی جی
خرد و جی جی جی جی جی جی جی جی جی جی
اندام و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
جی جی جی جی جی جی جی جی جی جی جی
ارمی، خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد
سادہ، خرد و خرد و خرد و خرد و خرد و خرد

ہم غلط فہم ہیں یا نہ ہے
کوس میں ملے ہیں میں کا چلا ہے
آنکھ میں گھس گھس میں
جھنجھو دیکھ دوں تم کو کا سکے بلاؤ
پتے پتے پتے پتے پتے پتے پتے
ظلم دینا ظلم دینا ظلم دینا
دلتا دلتا دلتا دلتا دلتا دلتا
کون کون کون کون کون کون
ناس کی ہر گز نہیں داس کی ہر گز نہیں
خود کی خودی ہے نہ کسی کی چاہتا ہے۔

کلام اسی مقصود پر غزل کا لہجہ
ہے کہ سب کا احاطہ ہو یکدھرت کا ہے۔
اور ترہ، مادہ اور فشری لکھ کر آگاہی
جہاں لائی فکر سے آراستہ ہیں خود مرصع
ہستی اور رموز ہستی کے بے جملے لگا رکھتے
میں متوجہ کرتے ہیں۔
تہہ کا نقش میں غزل کا جھکے
لے کے جھکے ہی سر ہستی
ہندی آنکھ سے کون لای ہوگی
ہر گز نہیں میں بال آتا ہے
آگے وہ پاس پہنچے ہوئے

دگر گیت ہیں دگر لہجہ
قوی یک جہتی کے نام
سجھ کر کہنے کے جہاں ہوگا
ان کی باتوں پر نہیں کہے ہو۔
کون ہے اس جانی بازار میں
باہر کے ہیں بہت بیجا ہے
بیت و راہ کو انہی ہی یاد آئے ہے
سادہ ہی آپ سے یہ کیا چاہی
مقام ہے
دیکھتے دیکھتے دار و دار

غزلیں

آتش غم میں مرادوں ہے کہ جلتا جائے ہے
نہ لہجہ کا نوپا کس جانتے میں ملتا جائے ہے
فکر عاجز کی کرم منہر مایاں ہر سے نہ پہچ
وقت ہر گز غم غمت نہ گھن جائے ہے
پائے بہت میں وہ پہلی سن توانا کی کہاں
ہر قدم پر آدمی اب تو جھکتا جائے ہے
اسے عین حسن دنیا اب تو ہے اپنی جہ
میرے ہاتھوں سے تراداس نکلتا جائے ہے
کس قدر بے آسری ہے کج کل کا آدمی !
خود ہی کرتا جائے ہے خود ہی پہنچتا جائے ہے
طبع غم میں کی قسم آگیزیاں پائے نہ پوچھ
خفتی بے حاشی کین انفس نکلتا جائے ہے
پھول کی ٹانگیں بے بیجاں کی سن ترپ
کس کس کا اسے عشق شروں میں ملتا جائے ہے۔

ہیں دنیائے دل کو ملتا جانے والے
گھاہوں میں میری ساجلے والے
دراذیکھلے حال چاک مریاں
کہ دیوانہ اپنا بنا جائے والے
کہاں جو کوڑا حوٹوں کہاں جو کوڑا پلاں
اب اتنا تادبے پتا جانے والے
قصود میں نہرے میں کھو ہوا ہوئی
بچھ اپنا جلوہ دکھا جانے والے
ہر اک کہ اب نیز بچھوں میں گزرتے
ذہن میں ہری سنہ ذرا جلتے والے
آہ صبر میں کون چھوڑا ہے وہی
مری طبع دل کو جھپٹا جانے والے
خفاقت خفت کی ہوگی کہاں پر
ختر اسکے یہ بہت جانے والے

دگر گیت کا اضرنا کہ ہر جادے میں تھا
دگر گیت کا اضرنا کہ ہر جادے میں تھا
جو شہر بہت تھا وہ کس جلیلی میں تھا
خاکہ کوئی تو ہاں میرے آئینے میں تھا
مے خانہ جاتا تھا کس سستی نہ پہنچے
حاکم خاں جو دی کا نیا دلتے میں تھا
میری ہی آنکھ بند ہے وہ نہ دھستو
ماو تمام جلوہ حسن کیم نہ دے میں تھا
سجود میں سر پہنچے کیم ابی دل و گھر
اسانیت کا از نہاں گھٹے میں تھا
نزل پہ اسے سائیں میں آگیاں زیب
وہ وطن اشتاد کہ جو خاکے میں تھا
تسکین کے ہر گز نہ ہستی نہ ہستی نہ ہستی
نزل میں خاکہ ہر آواز سے میں تھا

گپاں کرشن شفق

میر شفق علی دقا

رادھا کرشن سہگل

مسیحی تعلیم

ثعشب

کیوں اور کس بنا پر دنیا بھر میں پیسے
ہیں، کیوں یہ لوگ ان علاقوں میں
جاتے ہیں جہاں کسی زمانے میں انسان کا
انسان کو سب سے زیادہ مرغوب تھا، اور
باقوں کا مکمل اور چھوٹا سا جو آپ ہے۔
حسینی کی تعلیمات اور پھر ان تعلیمات کو
بڑھاتے یا پھیلاتے والوں کا جذبہ، ایسے
عمل پر بیروس و خیرہ۔
حضرت حسینی علیہ السلام اور ان
اور پیروں کی طرح سب سے زیادہ
مردہ جسم میں، کہ کہہ جائیں ڈال دیں
خونریک سے خطرناک مرمل کی فضا
کے اندر پھیر دینے سے ہو جاتی تھی حضرت
کو ایک گھرانے سے بہت محبت تھی۔
میں ایک نوجوان رہتا تھا جس کا نام ۱۱
تھا اور اس کی دو بہنوں کا نام ۱۲
تھا۔ سب پر ایک دھن آیا کہ وہ بہن

بڑی کنایوں کو جو کہ اسلام کو مکمل کر کے لٹا دے
شریعت کی خشکی میں آتا رہی، حضرت حسینی
سقیۃ علیہ وسلم پر۔
حضرت دلاؤ علیہ السلام کے پیر و اسباب
روئے زمین پر تقریباً نا پید ہیں، حضرت موسیٰ علیہ
السلام کو ماننے والے جو یہودی کہلاتے ہیں، ان
کا تسلط اسرائیل پر ہے۔ وہ بے یار و مددگار
کے مالک میں ہر من اور سائنس پر بھی افسانے کا
قبضہ ہے۔ یہودیوں کی مقدادیں بہت کم ہے۔
حضرت حسینی کے ماننے والے آج بھی دنیا میں
زیادہ پائے جاتے ہیں۔ دنیا کے انتہائی کچھ
اور غیر عقیدت مند علاقوں میں بھی حضرت حسینی کے
ماننے والے ضرور ملے۔ جیسے ان کے بعد
مقداد کے لحاظ سے مسلمانوں کا تبرکات ہے۔
سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ کونسی جگہ
یا مقام پر ہیں جن کی بنا پر جیسے ان کی مقداد
دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ لہذا یہ لوگ

مقدس حکیم کے بموجب دس دنیا کے
مہر کوئے بڑے ہر قوم میں، ہر قوم میں نیا اور پناہ
بیکھ گئے تاکہ وہ اپنی قوم کی اصلاح کریں اور
تک رسدہ ہر چلنے کے راستوں کی نشاندہی کریں تاکہ
دنیا میں امن و امان قائم رہے اور انسان کو شک
میں اپنے صبر و کثرت کا بھی کرتار ہے۔ ان نبیوں
کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار بتائی گئی ہے۔ ان
میں سے چار پیغمبروں کا ذکر زیادہ کیا گیا ہے جس
سے کہان کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان میں
چاروں نبیوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنا کتب کا مہم
ہے۔ سب سے پہلا نام حضرت دلاؤ علیہ السلام
کا آتا ہے، جو پر قدرت و تباری تھی، دوسرا نام
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آتا ہے جو بڑے
اتاری تھی۔ تیسرا نام حضرت حسینی علیہ السلام
کا آتا ہے جو کہ انجیل مقدس حیات کی تھی۔
اور سب سے بعد میں نام صالح اور یونس

کے لیا وہ ملک کرتے پر غمیرے دھک اپنے ہمارے
 کے ساتھ جو خدائیں ہو گئے تھے اسی دھک اپنے
 آیا جو بیاد اعداس کا اشتعال ہو گیا۔ اس کے
 اشتعال کی خبر میں کوسیع اپنے ساتھیوں کے منع
 کرنے کے باوجود کہ شہر والے پڑھک کر رہ گئے
 اور پتھر مار دیے وہ بیت الخیم کی جانب میں
 پڑے۔ ان کے آنے کی خبر سن کر وہ دونوں بہنیں
 ان سے بچنے کے لئے گھر سے بھاگتی ہوئی آئیں
 اور کوسیع کو دھک کر دار زارہ روئے ہمیں ادا کیا۔
 "اے اے! اگر تو یہاں جو تاق ہمارا بھائی بھی
 نہ رہتا۔" سچے کہا تو اعداؤں نے نہ گئی تھیں
 ہوں۔ اگر کوئی مار میں جاسے ادا ہو جائے یا نہ
 تو وہ ہرے زمرہ ہو جائے گا۔ مرگ ہوئی تو جب
 خدا سب کا زندہ کرے گا تب ہر مہل بھائی میں زندہ
 ہو جائے گا۔ ان لڑکیوں کے دکھ کا احساس کرتے
 ہوئے کوسیع دل میں بہت کوشش ہوئے اور کہا
 ایا جگر کی قبر کہاں ہے؟ لوگوں نے انہیں ایتا جو
 کی قبر پر پہنچایا۔ سچے دل میں بہت صدمے
 سے ہرگز آواز دی۔ "اے ایتا جگر! میں تجھے آواز
 دیتا ہوں تو باہر نکل آیا۔" ایتا جو اپنے گھر میں
 بندھا ہوا قبر سے باہر نکل آیا۔ سچے لوگوں سے
 کہا۔ "اس کے گھر کو کوسیع دوا اعداس کو اس کے
 گھر جانے دو۔" اس سے پہلے آیا جو کی بہنوں نے
 سچ کو روکا تھا کہ اسے یہاں دھک دیتا ہے۔ پہلے
 مرے ہوئے کئی دن ہو گئے ہیں ادا اب کچھ نہیں
 ہو سکتا۔ سچے کہا۔ "مگر تم ایمان رکھو گی
 تو خدا کے بڑے کئے کو دیکھو گی۔ سچے کہا کہ
 عینہ کہ زوروری موت ہے۔ عینہ سے تو یہ کہو۔
 کہو کہ تمہارے کہہ رہے ہوئے کوئی احسان خدا کے
 پاس نہیں جاسکتا۔ خدا کو کہ ہے اللہ نے لڑکی کا
 کو تو کس پائینگی اور دل کی چٹائی سے اس کی
 پرستش کریں۔
 ہر دور اور ہر حال میں ہمیشہ سے یہ یکتا
 آیا ہے کہ کوڑا جیوں کو سستی میں نہیں رہنے دیتے
 حضرت عیسیٰ کے زمانے میں بھی یہی واقعہ تھا۔
 ایک مرتبہ کپڑوں میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے

اداس سے اپنے گھر سے چھٹکارا پانے کے لئے
 درخواست کی۔ سچے نے اُن کے جیوں میں ہمت
 پھیرا تو وہ بن بھر میں بچے بچے ہوئے اور وہاں
 دیتے ہوئے چلے گئے۔ ان میں ایک نوجوان کے
 علاوہ باقی سب نا اعلیٰ تھے۔
 حضرت عیسیٰ کے ماننے والے لوگوں کے
 پاس نہ تو عیارات تھے نہ نکالات۔ انہوں نے اس
 کا بدلہ نہ کیا کہ طریقہ ادا دار بہنوں سے
 جا جا کر شہر کو حاکم کیا۔ جتنی پھر تو پسر نیا سے
 قائم نہیں ادا لوگوں کو مصلحت دوا میں لالچا میں جھیم
 کہیں۔ اور یہ کام اس طرح سے کیا کہ طریقہ لوگوں
 کے دلوں کو جیت لیا۔ جہاں تو دوسروں سے
 خدمت کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے وہ سبے رنگ
 ہوم کے پیشے کو بھی با حقہ ادا دلا دیا۔ ان
 سب کاموں کو جوڑے وہ کہ نہیں تو اس وقت چلنے
 ہیں۔ جوڑے تو سب سے دیا دیتے کام کرتے
 ہیں۔
 عدم تشدد، جس کا سچے زیادہ پر پیغمبر
 ادا استخوان پڑا تھا وہی ہوا اس کی سب سے پہلی
 آواز اور جہاں حضرت عیسیٰ نے دی تھی انہوں
 نے اپے کاروں کو بھی پھاٹکا کر کوئی کھٹے میرے
 ٹھہرے گاں پر پٹا پڑا رہے تو فوراً اُسے دوسرا گال
 پیش کر دو۔ وہ خود ہی خرا جاسے گا۔ مصافی
 مانے گا اور اپنی عقل کا احساس کہے گا۔ اسی وجہ
 سے عیسیٰ مرد و عورت دونوں میں نرمی 'صلی'
 بنیادی، دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوتے
 کا جذبہ زیادہ جاسے۔ وہی اس کا ناجائزیت
 میں اس بات پر عمل کرنا خود ایک معرے سے کم
 نہیں۔ اور یہ کہ کرنا تھا، حضرت عیسیٰ کے اوجہ
 حادی سائنس ادا پڑو۔ اس نرمی صلی اور ادا کی
 کی فریگ خروار سے ہی جتن ہے اور ہی عداوت
 ادا۔ رحیمائوں کا اپنے خدایہ کی نیکی میں بہت
 مدد کرتی ہیں۔ ہر ساچہ میں ہر جگہ سے اچھا پایا
 بڑا نیاں ادا کیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح احساس
 میں ہی اچھا پایا ادا بڑا نیاں دونوں جوڑ دیتی
 ہیں۔ لیکن اگر حوالی کا سچے حوالی کو ختم کیا جائے

تو حوالی میں خیر نہ سب بات معلوم ہوتی ہے۔ ایک
 سچی بڑا نیاں کو ختم کرنے کا ہوا میں کوڑا کھانے کا جو
 مرتبہ حضرت عیسیٰ صلی علیہ السلام نے اپنا ہاتھ نہایت
 مناسب ادا ادا کیا، ایا عدا کی ادا تھا کہ پستی
 تھا۔ جتنی ادا اداوت کو اس کے گھر کے سزا
 ضرور میں چاہیے۔ لیکن اگر ایک ٹھیکہ کوڑا دھک
 ٹھہرا، کو سزا دینے کے لئے اچھا تھا اور تو بڑا نیاں
 کا خاف نا اعلیٰ ہو جائے گا اور ادا ادا میں کہیں
 نہیں رہے گا۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ اپنے
 شاگردوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے
 میں انہیں ایک جگہ بہت بیلوں کو کھانے دی۔ وہ
 وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ میں کھڑی تھی
 وہ اس کے چلوں طرف دائرے کی شکل میں
 کھڑے ہو کر اس پر پتھر مار رہے تھے۔ اس
 عورت کے ہر چلنے سے کھانے میں ادا تھا۔ سچ
 پتھر کو چھیننے کوئے اس عورت تک پہنچے اور
 انہوں نے بلند آواز سے لوگوں سے سوال کیا کہ
 اس عورت کا عقوبت کیا ہے؟ لوگوں نے جواب
 دیا کہ یہ لڑا رہے ہیں اور لڑنے والوں کو کڑی لگتی ہے۔
 اس سے عیسیٰ میں بڑی گندگی پیدا ہو گئی ہے۔
 سچ نے کہا بڑا نیاں اس نے عدا کیا ہے گھر اب اس
 پر پہلا جھگڑا۔ وہی نفس بچنے کا جس نے زندگی
 میں کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ تمام لوگ دھمکے دھمکے
 کہیں گے۔ بعد میں اس عورت سے بہت توبہ
 کر لی اور گناہ نہ کر کے کا مہر کیا۔ عیسیٰ اس نے
 غار اس واقعہ سے متا فرموا کر کہا:
 بڑا جو کچھ نہ چھوڑا اور چھوڑے گا کوئے
 جب دیکھا اس لڑا جگہ سے گاڑ کر
 باور خواہ آئے تھے عیسیٰ اس واقعہ کی طرف
 اشارہ کیا ہے:
 نہ تھا حال کی جب ہمیں اپنے خیر
 وہ دیکھنے لادوں کہ عیسیٰ دھمکے
 پڑی اپنی بڑا نیاں ہر جگہ
 تو دکھ میں کوئی بڑا سچہ پایا
 خدایہ وہی ٹھہر دیا تھا جو سچے کے
 بیٹے پر نظر رکھے اور نہ زندگی کی تمام لڑکیوں کو۔

تعمیل کے ساتھ بیان کرے۔ اور وہ حسبِ کار
 قرنی ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ ہر دفعہ
 میں ہزارے وہی دولت کے ہیں جو پہلے
 کو اپنے مطلب کو جاننے کی کوشش کی یا اپنے
 کے بعد پر اعلان میں کسی پیشی کے متعلق کا حوالہ
 بننے کی تمنا کی۔ ایک مرتبہ ایک فوجی اس طرح کے
 پاس آیا اور ان سے معلوم کیا کہ حیاتِ ابدی پانے
 کے لئے میں کیا کروں؟ مسیح نے اس سے سوال
 کیا کہ کیا تو پاک کام کو اپنی طرح جانتا ہے؟ تو
 اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ مطلب اپنی طرح سے
 جاننا نہیں اور میں میں طلب اپنی طرح کرتا ہوں۔
 تب مسیح نے کہا کہ ایک کام کرو کہ تم اپنی ساری جائیداد
 اور دولت کو غریبوں میں تقسیم کرو، اس کا اجر
 فیہم دوسری دنیا میں ہے گا۔ وہ فوجی ماپوس
 ہو کر چلا گیا۔ دولت کے بدلے میں اس نے ابدی
 زندگی اور جتنی زندگی کے صلے میں کو نشان کا سودا
 فقیر کیا۔ اس دولت مند جو ان کے جانے کے
 بعد حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ
 دولت کا شوق کے ناکے میں سے نکلا آسان ہے
 مگر ایسے دولت مند کا آسان میں داخل ہونا۔
 ناممکن ہے۔ وہ دولت کو غریبوں اور غریبوں
 اور دولت مند ہی اس نے غریبوں کے لئے عجز و ناوار
 کر اس کی دولت میں کی آجائے گی۔

حضرت عیسیٰ کو بچوں سے بہت پیار تھا۔
 بچے کھول چلن بہت اندر باکاری سے بائبل
 پاک ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو محترم کہتے
 ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ کہیں سے بہت تلے
 بارے آکر پہنچے ہی تلے کہیں ہی خود میں اپنے
 معصوم بچوں کو لے کر آئیں تاکہ وہ ان کے سر پر
 ہاتھ رکھیں اور انہیں دعا میں دیں۔ مسیح کے
 حوالوں سے انہیں دعا کا تو سب سے انہیں متع
 کیا اور کہا کہ بچوں کو میرے پاس آنے دو، انہیں
 منع نہ کرو، کیونکہ آسمان کی بادشاہت ایسے
 ہیں بچوں کے۔ اور انہوں نے بچوں کو گود میں
 لے کر انہیں ہانپا کیا اور دعا میں دیں۔
 حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کے

منہک کی کر اگر کوئی غنیمت کا اپنے لئے پر مشورہ
 ہو اور آئندہ دنیا نہ کرے گا بعد کے اہل اللہ کی
 عبادت میں غلغلہ نہ لے تو اٹھ اس کو معاف
 کر دیتا ہے۔ مریخ نام کی ایک خدمت کو جب یہ
 معلوم ہوا کہ مسیح اس کی سبق کے لکھنے کا علم
 شمعوں کے گھر شریف لائے ہیں تو وہ ان سے
 بیٹے سید میں ان کے پاس آئی اور ان کے غریبوں
 پر سر رکھ کر روئے گئی۔ اپنے آنسوؤں کے پیچ
 کے پیروں کو چھو کر آئی اور اپنے پاؤں سے پیروں
 کو معاف کرتی۔ شمعوں کو یہ بڑا دکھا۔ اس نے
 اپنے دل میں یہ سوچا کہ اگر مسیح میں لوٹا تو ضرور
 یہ احساس کرتا کہ عورت جو اسے چھو رہی ہے
 کتنی بے چارہ ہے اور اتنی غنیمت عورت کو کہیں
 اپنے پیروں نے نہیں دیتا۔ حضرت عیسیٰ جو کہ

اللہ کے پیغمبر تھے، انہوں نے شمعوں کے دل کی
 بات جان لی اور اس کو معاف کر کے کہا، شمعوں
 میں کا لیا وہ قرض ہو اور اس کو اس کا مالک
 معاف کر دے اور جس کا قرض کم ہو، وہ مجھ سے
 معافی پائے تو تا کنون اپنے مالک سے محبت کرنا۔
 شمعوں نے جواب دیا جس کا قرض زیادہ تھا، مسیح
 نے کہا، تو نے ٹھیک سوچا۔ مگر کیا دیکھ میں تیرے
 گھر میں مہمان ہو کر آیا اور تو نے میرے پاؤں کو
 گویا تکیہ نہ کیا اور یہ عورت جسکے آئی ہے اور وہ
 کر اپنے آنسوؤں کے لیے پاؤں کو چھو کر لے چکا اور اس
 پر چھین ہے۔ پھر پھر اس کو معاف کیا۔ اسے پیش کیا
 تیرے لئے وہ معاف ہوئے، اب ہم کتنے گناہ مت کرنا۔
 وہ عورت یہ سن کر خوش خوش اپنے گھر چلی گئی۔

ہندو پاک کے مشہور ادیب 'ناؤڈ اور لکھنؤ
 جناب گیان چند جین
 کا شعری مجموعہ

کچے بول

تمام آپ کتاب کے ساتھ اب منظر عام پر آ گیا ہے۔
 عمدہ کاغذ۔ بہترین کتابت۔ اعلیٰ طباعت
 مضبوط جلد۔ سر رنگا سرمدی
 قیمت: شریک ہے

شان ہند بلی کی شہزاد
 قیمت: ۸۔ اعلیٰ کتابت، دیا گیا، نئی دہلی ۲۔



جب فلمی ستارے مذاحم بن گئے



● اداکار سنجے دت اور اُن کے چھان نور محمدی ہوٹل کے کھانے سے نطف اندوز ہو رہے ہیں

فلمی ستارے جو ہر دم مذاحم میں گھرے رہتے ہیں جب خود کسی کے مذاحم بن جائیں تو یہ حیرت کی بات ہے۔ لیکن اگر آپ نور محمدی ہوٹل کی نئی نہاری کا ایک بار ذائقہ لے لیں تو پھر آپ کو تعجب نہیں ہوگا۔ یہ ہے ہی اتنی عمدہ، لذیذ اور صحت مند کہ پہلے ہی ناولے میں خواص و عوام کا دل موہ لیتی ہے۔ اسی لئے نور محمدی ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں بڑی بڑی ہستیاں، مشہور فلمی ستارے شامل ہیں۔ یہاں کی نئی، نہاری، بھجیو، پائے، ماش کی دال اور دیگر کھانوں کے چھچھو ۶۰ سال کا تجربہ اور جناب عبدالعظیم ملک نور محمدی ہوٹل اور اُن کے فرزند خالد حکیم کی ذاتی نگرانی شامل ہے جس نے اسے ممتاز بنایا ہے، آپ یہاں تشریف لا کر شوق فرمائیں، اپنے احباب کے لئے گھرے جائیں یا پانی کے لئے جائیں۔ آپ اور آپ کے مہمان ذائقہ کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

نور محمدی ہوٹل، وزیر بلڈنگ 183/181 ای۔ آر۔ روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی ۴۰۰۰۳

فون ہوٹل: 8511008 فون دفتر: 8516115

شاخہ ممبئی، دسمبر ۱۹۹۱ء

باب انتقاد

’جئے ہمارے‘

(دیک قر)

جیت : یکاس مدیہ

ناخو : دیک قر ۱۸۵۰ آجوبین -

سیر جہاڈی ۲۵۰۰۰۱ -

قنبر کار : شانی ہندو کی بیشتر کیفیت

اشادی مد کتب ’دو یا مٹی‘

نئی دہی ۱۱۰۰۰۲ -

مزید و آتش بنانے کے لئے اس کو متنی کرنا ہی

شاعر کی فنکارانہ صلاحیت کا پتہ دیتا ہے -

اصطلاح آؤ شاعری میں اس صنف سخن

کو ’تغیث‘ متنی کا نام دیا جاسکتا ہے -

آؤ ڈو آؤب میں قر کی یہ کوشش نہایت

کامیاب ہے اور آؤبیں اضافہ ہے !

ڈاکٹر زار علّامی

مشاعری فن ہے وجدانی کیفیت کا -

یہ سچے جذبوں کی ایک ایسی دورگنا ہے جس میں

کام کرنا کیسی مادی جھلک کے پس کی بات نہیں -

اگر کوئی فنکار سچے جذبوں کا تاؤ دینے کی کامیاب

ہو جائے تو اسے اخلاقی ساندو پرگ مصنوعی

معلوم ہوتے ہیں - دیک قر ان شعرا میں سے

ہیں جو ہمیشہ غیر تقلیدی انداز میں فن باسے پیش

کئے گئے اپنے قادی کو نہ صرف نظر جو نکاتے ہیں، بلکہ

اس کی روح کے اندر تک اتر جاتے ہیں - سچے

اور کھرے مصنوع جذبوں کے ساتھ - دہی دہی

کہیں نیز رو کے ساتھ دیک قر کا شہی سطر بنا

شکم ہے - شاعری کی بنیاد میں کس ایچے

اور سچے شاعر کے لئے اپنی شناخت کرنا اور اسے

برقرار رکھنا ایک بہت مشکل کام ہے، مگر دیک

قر اس بہت طواں سے بڑی مداخلت کے لئے کئے

ہیں - ’جئے ہمارے‘ آؤ ڈو میں ’مایا‘ کہے

لؤنہر شکل ہے جو بنیادی فنون عشق اور اظہار

عشق کی شہر ہوئی ہے -

ان کے پہاں اپنے طویل تعلیمی مسند کا وہ

مستاد ہوتے ہیں کہ ان کی یہ حاکم کرانہ کی شکل

’دیک قصور‘ اس کے لئے گزردہ ہے

لؤ ڈو آؤب کو اپنی تابانیوں سے کس قدر جگہ تک

لکھا ہے اور اپنے جگر شور سے کتنا غلج کیا ہے یہ

ان کا نام مستاد ہے آؤ ڈو کی ان شکاہے جہنوں

نہاں کی غلیظت کا پڑھنے کی طرح پڑھا ہے -

’جئے ہمارے‘ ان کی تازہ کیفیت سے

جو زہیو مباحث سے آراستہ ہو کر حال میں ہیں

منظر عام پر آئی ہے - اس کے نیک ایک حرف میں

کتنی مسکیناں ہیں، یہ ان سے پوچھنے جہنوں نے

جئے ہمارے کہنے والیں، یوں کیاں گلیاں لے

والوں اور جئے جئے کہنے والیں کی لایاں دہی

لکھا -

قر کے ماحول میں دروہی حلق کے ساتھ

ساتھ باطنی جدوجہد کا بیہوشی میں جلوہ گر

ہے - تمام اپنے نیک ہی بجز اور ایک ہی غصہ میں

بجز ہر طرح کی ادب ’مستون‘ ماحول میں ہیں

عشق ہوئے ہیں - اس دہی میں ’مستون‘

مستون‘ کرنا ہی ہوتا ہے - گمراہی کی گمانت

کے میں نظر اس جو مٹی و طہیت سے کسی جگہ

ماہی سیرا استعمال نہیں کیا گیا ہے - ’ماہی‘ کو

سے وابستہ رکھنا ہے اور کس کس مقام سے گزریاں

ہونا ہے - ’جئے ہمارے‘ کی شاعری میں ماحولوں

کے چنے مکس نقاب کشا ہوئے وہ آؤ ڈو بصیرت

میں اضافے معلوم ہوتے ہیں - ’مایا‘ کی حوامی

صنف سخن کو دیک قر نے اپنے مخصوص لب و

لہجے سے خواص کی چیز میں بنادی ہے - سچی اور

اصلی واردات کو خوبصورت اسلوب میں پیش کرنا

بڑی صلاحیت کا کام ہے جبکہ ڈو سکر لکھ ان

وارداتوں کو ڈرائائی انداز میں پیش کر کے حسیہ

فطری بنادیتے ہیں - دیک قر اپنے جہد کے اپنے

شاعر ہیں جو آئندہ بہت برسوں تک ہندوستان

کی سونہری دھڑل کی خوشبو کی طرح اپنی پسلی

شاعری سے قریہ قریہ مٹی کی شہر شہر وخت

دشت نشانی آؤب کو سیراب کرتے رہیں گے -

جئے ان سے بہت توقعات ہیں اور ان کے اگلے

جہوئے ’پھولیاں پھولیاں پھول‘ کا بے ہمہری

سے انتظار ہے -

مستور سیرواری

نشاطِ کرب
رادھا کرشن بہگل

ایک شہید و جیل شہری کاوش

قیامت : پختہ رو ہے

من کہ مکتوب الیہ

کرمی سترہ صاحب

آداب !

آپ کی ملازمت کے باعث شان ہند کی اشاعت میں دیر ہی ہونے کے باوجود آپ سال بھر کے بارہ شمارے دیتے ہیں یہ آپ کی مہمانی پانڈلیک ہے۔ آپ نے قدامت کا مشترکہ شمارہ شائع کر کے خیر ارادوں کو نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ ہی کسی ماہ کا نادر کر کے۔ نیز گزشتہ دو برس سالوں سے تانہ ہند کا مستقل جز ہمارا ہوا ہوں۔ آپ نے ہر سال کے بارہ شمارے دے دیے ہیں۔ یہ انتہام آج کل کے رسالوں میں نہیں پایا جاتا۔ سبکداری سے ہمارا متنا ہے کہ آپ ہمت مند رہیں اور تانہ ہند کو اسی عزم و استحکام سے جاری رکھیں۔

دعا گو

نام چند مسطورہ۔

کشمیں (ہریانہ)

سترہ صاحب، اشاعت !

آپ نے تانہ کے شمارے اس شرط پر پیش کیے ہیں کہ اگر مجھے کتاب پسند نہ آئے تو رجسٹرڈ بکس سے واپس کر دیں۔ میں انتہائی فکر کے ساتھ اس کتاب کی قیمت بڑی حد تک آدھ کر دیکھ کر آپ کے اس اہتمام کی داد دیتا ہوں کہ "دین کے شمارے" ایک ایسی کتاب ہے جسے کوئی بھی نا پسند نہیں کر سکتا، بغیر ایک کتاب جسے دالہ میں آدھ اور شری شری کا نقصان نہ ہو۔ کیا آپ اپنی پہلی تصنیف "برگئے" یا رب انداز محرانہ "گزشتہ" بھی اسی شرط اور اہتمام سے جگاتے ہیں؟ اگر ہاں ہے تو دیکھیں کہ یہ کتاب بھی اچھے رجسٹرڈ بکس سے جگواتی ہے۔ اگر کتاب پسند نہ آئی تو کتاب

کرمی - تسلیم !

"دین کے شمارے" اپنی مثال آپ ہے۔ جب تک آؤدو زبان اور اس کی شاعری دنیا میں رہے گی "دین کے شمارے" دیر جن تک کے قلم پر اپنی اہمیت اور اہمیت کی حامل رہے گی۔ کل ہند شمارے "اللہ" انڈیا پاک شمارے "کسانی" شخص میں کب تک آ رہے ہیں۔ آپ کی طبیعت ان دونوں میں ہے؟ صحت کا خاص خیال رکھیں، کیونکہ آپ کی شخصیت آؤدو دنیا کی امانت ہے۔

خبراندیش

ضیاء انسر، دہلی

دستیا ب ہونے کے دو دن بعد ہی اس کی جیت بند پڑی آؤدو پیش کردوں گا۔

نیا دہ

ڈاکٹر ارم، کاشی نات

برادرم سرور صاحب

ابھی حال ہی میں اسٹاک (م) (سوڈن) کے کسی ادارہ آؤدو کی طرف سے ۳۰ سترے ۸۰ کنویرٹڈ ڈالروں پر ادبوں کو کھسک کر کتاب کی ایک ستر گزشتہ موصول ہوئی ہے جس میں یوروپ اور امریکہ میں بیٹے والے چند نوجوان ہندوستانیوں کی اردو ہندی اور پنجابی کی شاعری اور نثر میں کے نونے دیے گئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ہندو اور آؤدو کے بعد کی پیداوار ہیں اور کئی دہائیوں سے ان ملک میں رہ رہے ہیں۔ لیکن خوشی اس امر کی ہے کہ وہاں رہتے ہوئے بھی ان کو اپنے ملک کی ثقافت سے گہرا تعلق ہے اور وہاں وہ کہہ اپنے آباء و اجداد کی زبانوں کے فروغ میں سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں۔ اس آؤدو کتاب میں

جس ہندوؤں نے جیت لیا ان کے نام ہیں۔ آؤدو شاعری میں انہیں (سوڈن) جادو و انش (کینیڈا)، عرفان ملک (سوڈن) نصر ملک (ڈنمارک)، انعام (مصر) (سوڈن) اور طاہر (کینیڈا)۔ آؤدو نثر میں بیگم دالہ ہیں، سید (دہلی)، مسعود (سوڈن)، طاہر (کینیڈا)، اور سانی (سوڈن)۔

پنجابی شاعری میں عرفان ملک (سوڈن) رانی (کینیڈا) (امریکہ) اور انعام (مصر) (سوڈن) پنجابی شاعری کے نونے دیے ہوئے ہیں اور انہیں نثر میں دانی (کینیڈا) کی کتاب ہے جو سترہ صاحب کی سیاسی حالت کے متعلق ہے۔ کتاب کی ہر کہ یہ تمام محاسبات آؤدو کے تسلیم کے لئے ہیں۔ جیت لیا دانی (کینیڈا) کی کتاب ہے جو سترہ صاحب کے ہندو تمام اخبارات و رسالوں میں اور اس تقریب کو منسٹر کرتے والے اور اس سے چلنے والے سائیں (سوڈن) اور انہیں (کینیڈا) ہیں۔ ہر ایک صاحب سترہ صاحب

بزرگوں کی دعائیں شاہی حال رہیں تو میں اس
جہان میں کچھ خدمت کرنے کے قابل ہو سکوں گا
میرے بے جوہریت بھائی اور خالیں۔

نیا رسد
م۔ افضل
(ممبر پارلیمنٹ)

میں پارلیمانی سطح پر کو آواز نہیں اٹھائی تھی
میں نے چھوٹے اور آواز کو اخبارات کی شمولیت
کو عملی طور پر دیکھا ہے۔ اسی نے اپنی مقصد
سیادت میں ایم اے میں اس سبیلہ میں ہے
آواز میں نے اٹھائی ہیں ان کے مثبت نتائج
ساتھ آ رہے ہیں اور آئیں گے۔ اسی کو آواز
ہے اور میری بدلتی سی جدوجہد۔ آپ جیسے

ان دور دورہ بیٹوں میں رہتے ہوئے۔ لوگ اپنے گھر
اور مکتبہ جہات کی تعلیمات کو دستور فروش دیتے ہیں
نہیں کہ ہیں۔ تعلیم کی بات تو یہ ہے کہ ان تمام
مضامین شعور و فکر کا بل اٹھایا اگر نئی روشنی
دیا گیا ہے تاکہ مغربی ممالک کے لوگ بھی اس سے
استفادہ حاصل کر سکیں۔ اس کتاب کی مباحث
تجربہ کے آؤ کو ماہنامہ انشا کے مدیر جناب ف
س۔ اہماز کی وساطت سے ابھی کے پریس میں
ہوئی ہے۔

تمام وابستہ محال کے بارے میں غصہ
ان کے۔ جمہوریت اور مستقبل رہائی کے ممالک کے
نام بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ
تمام وابستہ محال نے ملک کی تعمیر کے بعد بھی جو
سنبھالا ہے اور ان کی قیادت میں بعد از تعمیر ہوئے
ہیں اور ان کی دیوٹیوں سے ان ممالک میں آباد ہیں۔
جہاں ان کے والدین تعمیر کو دیکھتے ہوئے ان ممالک
میں حیرت کر سکتے ہیں وہ ان کے ساتھ بھی جیتے گئے۔
میرزا اس امر کہ ہے کہ ان ممالک میں مستقل
رہائشی رکھتے ہوئے بھی انہوں نے اپنی تہذیب
ثقافت اور زبان کو قائم رکھنا نہیں کیا بلکہ اس
میں گھٹے بھگتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں اکثر و بیشتر
غیر ممالک کے رسوم و رواج کا پس منظر ہے لیکن
زبان ان کی شہرہ مند دستاویزی ہے جہت تو
کا حاکم ہے۔ ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی پر ہرستان
کا فرس ہے۔

آپ کا دعا گو بندہ
بہر اللہ

مزمع مرقہ ماب
آپ کا کام نامہ

تھیں۔

آپ کی تحریروں کے بارے میں جو حوصلہ سنا
اس کا کہیں زبان سے شکر یہ ادا کروں۔
یہ درست ہے کہ آواز کی کہ بعد سے
ایک آواز اور آواز چوٹے اخبارات کے بارے

مشہور و تحقیق جناب انور سدید کا قصہ دل کے مشاعرے

مشاعرہ دل کی تخیل کی روداد نگاری کا اور تخیل کی مرزا حضرت اٹل
بیک نے بنایا۔ اس کو تخیل کی روپ داتا تہیہ کہتے ہیں۔ دیا۔ آزاد کی کہ بعد ۱۹۵۰ء
کو جب دہلی میں ہجرت کے جتن چھوڑ دیے لال قلعہ میں پہلا مشاعرہ ہوا تو اس کی روداد
سرد و قشوی کے لئے اور یہ اپنی تخیل ہوئی کہ ان سے ہر سال اس جہم کی روپ و رشت
کھیلے کا مطالعہ کیا جائے گا۔

نہ نظر کتاب "دل کے مشاعرے" ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۸۲ء تک کے ان مشاعروں
کی روداد ہے۔ سرد و قشوی نے ان مشاعروں میں محض ایک شعر کی بعض شخص کا مزینہ
ادا نہیں کیا، بلکہ وہ ان مشاعروں میں جتنی دسی اور سخن شناسی کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔
اور ہر خیال پر اپنا بے لاگ تبصرہ کر کے خیال کی تفسیر قدم بھی کر ڈالتے ہیں۔ اس جہم میں
ان کی ایک بات یہ ہے کہ وہ صدائے دل سے گزیر نہیں کرتے اور کسی کو تاشی رائے
کی روشنی میں شعر راہ ہونے کا موقع بھی نہیں دیتے۔ اس کتاب میں سرد و قشوی
ایک ناظر کی صورت میں سامنے آتے ہیں جو مشاعرے کے خطر کار کی سب حاکمیں دیکھ رہے
انہیں نوج دل پر محض کا کر رہا ہے اور اب انہیں کتاب کی صورت سے کہ اس دور کی یادوں
کو تازہ کر رہا ہے۔

مشاعرہ اور تہذیب کا ایک اہم اور روشن ادارہ تھا، لیکن مرزا یام کے
تقریرات و نثر رساں بن گئی اور مشاعرے کا تہذیبی مزاج دور بہ زوال ہو گیا یہ کتاب
مشاعرے کے فروغ و ترویج کے شروع ہوتی ہے اور اس کے ذوال آکاہہ دور کا تذکرہ
اسطے سامنے آتی ہے۔

اسے کتب خانہ ہند نے خوبصورت انداز میں طبع کیا ہے۔

انور سدید

"اوراق خاص خبر جہان جولائی ۱۹۹۱ء"

Accession Number:

123162

Date 22-2-94

Phone 3275602

Regd. No. D- (DN) 353

SHAN-E-HIND MONTHLY NEW DELHI-110002 DECEMBER, 1991

Regd. with the Registrar of Newspaper at R. No. 644/57 Delhi Postal.

ہندگی کی پرسترت ساعتوں کو روح پرور بنانے کے لئے ہمارے یہاں کے
ہترین و نایاب عطریات استعمال کیجیے

الجمیل و اخوانہ
Al Jamil & Bros

سوق باکسیر، دھکان نمبر ۱۰
قرب تلج سنیما، شارع مولانا شوکت علی
نومہای ۸۰۰۰۰۰۰۰ الہند

تلفن مکتبہ: ۸۹۱۱۹۰
برقیہ: اہو غزال
تلفن: ۷۷۴-۰۱۱-۴۰۰
۱۱-۷۷۴

ایند
برادر س



ہر قسم کے عطریات کی در آمد و برآمد کا مرکز

خاص تحفے۔

Tels. OE.: 894490

Telegram: "ABUGAZAL"

Tels:

011-76840 AJS IN

PAKEEZA MARKET,
SHOP NO. 40 NEAR TAJ CINEMA
MOULANA SHAUKAT ALI ROAD
BOMBAY 400 008 (India)

نخب الورد، دھن الورد
عطر عزان، عطر عنب، عطر شامہ العنبر،
عطرینا، عطر حش، عطر مسندل،
عطر کلاب، عطر گلاب، عطر محروس،
عطر مسندل کی شمع،
آرٹیکل، مہدی اور مسندل و غیرہ۔

۱۱-۷۷۴

